حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی
ملفوظات
حکیم الامت
ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

بسلسلہ

مجالس الحکمۃ - خمخانہ باطن

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی مجالس اور اسفار، نشست و برخاست میں بیان فرمودہ انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء عظام رحمہم اللہ کے تذکروں، عاشقانِ الٰہی ذوالاحترام کی حکایات و روایات، دین برحق مذہب اسلام کے احکام و مسائل جن کا ہر فقرہ حقائق و معانی کے عطر سے معطر، ہر لفظ صبغۃ اللہ سے رنگا ہوا، ہر کلمہ شرابِ عشق حقیقی میں ڈوبا ہوا، ہر جملہ اصلاح نفس و اخلاق، نکات تصوف اور مختلف علمی و عملی، عقلی، نقلی، معلومات و تجربات کے بیش بہا خزائن کا دفینہ ہے۔ جن کا مطالعہ آپ کی پُر بہار مجلس کا نقشہ آج بھی پیش کر دیتا ہے۔

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 540513-519240

Email:taleefat@mul.wol.net.pk

نام کتاب.............. ملفوظات حکیم الامت جلد-29

تاریخ اشاعت.................. ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

ناشر.... اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

طباعت.......................... سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

بک لینڈ اردو بازار لاہور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید' احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

شنیدم رہروی از سر زمینے ہمے گفت ایں معمابا قرینے
اے صوفی شراب آنگہ شود صاف کہ درشیشہ بماند اربعینے

مجالس الحکمۃ

معروف بہ

اربعین مُصطفائی

(کہ جزوے از حسن العزیز ست)

ذخیرہ ملفوظات وافادات

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

مرتب: حضرت مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری رحمہ اللہ

فہرست مضامین

فہرست مضامین

بزم جمشید

ملقب بہ اسم تاریخی

خمخانۂ باطن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامداً و مصلیاً

مجالس الحکمت

معروف بہ

اربعین مصطفائی

(کہ جزوے از حسن العزیز ست)

بعد حمد وصلوٰۃ کے بندہ ناچیز محمد مصطفیٰ بجنوری حال مقیم میرٹھ محلہ کرم علی عرض پیرا ہے کہ خوبی قسمت سے اس حقیر کو بعد تمنائے بسیار قدوۃ السالکین زبدۃ المحققین حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مد اللہ ظلہم العالی کی حضوری میں ایک مہینہ کچھ دن قیام کا موقع مل گیا۔ آج دنیا کو معلوم ہے کہ بحمد اللہ جیسا علمی مشغلہ حضرت ممدوح کے یہاں ہے کم کہیں نظیر مل سکتی ہے اور جو فیوض حضرت والا کی ذات سے جاری ہیں کم کہیں پائے جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات کو حکیم الامۃ ہی نہیں بلکہ سراپا حکمت بنایا ہے۔ بیشک وشبہ حضور والا کے حرکات وسکنات، چلنا اور پھرنا، ہنسنا اور بولنا، سونا اور جاگنا سب اس آیت کے مصداق ہیں ان صلوتی ونسکی ومحیائی و مماتی للہ رب العالمین حسن اتفاق

سے احقر کو قیام کی جگہ حضرت والا کے بھائی مولوی مظہر صاحب کے مکان میں ملی جو حضرت والا کے مکان سے بالکل ملا ہوا ہے اس وجہ سے شب و روز حضوری کا لطف حاصل تھا بہت سے ملفوظات ایسے سننے میں آتے تھے جو آب زر سے لکھنے کے قابل تھے۔ بہت سے واقعات وہ نظر سے گزرتے تھے جن سے بہت سے فوائد وابستہ تھے۔ بے اختیار جی چاہا کہ ان ملفوظات اور واقعات کو قلمبند کر دیا جایا کرے تا کہ ان کے فوائد بقاء کی قید میں آ جائیں اور صرف اس حقیر ہی تک ان کا نفع محدود نہ رہے۔ دیگر متوسلین و شائقین بھی محظوظ و مستفید ہوں۔ نیز ان کے مطالعہ سے لطف مجلس تازہ ہو جایا کرے۔ احقر کی بڑی غرض یہی اخیر تھی اس واسطے حتی الامکان یہ کوشش کی کہ اس مدت کے جو کچھ واقعات بھی معمولی غیر معمولی قلمبند ہو سکے لکھ لئے اور اس کے ساتھ وقت اور مقام وقوع کو بھی ضبط کیا تا کہ جب ان پر نظر ڈالی جاوے مجلس کا فوٹو پیش نظر ہو جاوے اور لطف حضوری حاصل ہو کر غم مہجوری کا کچھ تدارک ہو۔

؎ گویا آئینہ میں ہے تصویر یار ۔۔۔ جب بڑھا رنج جدائی دیکھ لی

ایک بار حضرت والا سے احقر نے عرض کیا کہ میں نے کچھ واقعات و ملفوظات بالتفصیل جمع کئے ہیں تو پسند فرمایا اور فرمایا کہ احادیث بھی اسی طرح جمع ہوئی تھیں۔ بعد اختتام قیام شمار سے معلوم ہوا کہ کل تعداد ایام چالیس ہے۔ تھانہ بھون سے رخصت ہونے کے بعد اس کی تبییض شروع ہی کی تھی کہ میرے ایک مخلص دوست منشی احمد حسن صاحب امنبالوی سب اور سیر محکمہ نہر کی نظر پڑ گئی منشی صاحب نے بہت زیادہ دلچسپی ظاہر فرمائی اور خود ہی نام بھی چہل حکمت تجویز فرمایا۔ یہ نام خلوص و محبت سے تجویز کرنے کے لحاظ سے جیسا کچھ قیمتی ہے احقر کا دل ہی جانتا ہے لیکن اس وجہ سے کہ واقعات کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے چسپاں نہیں۔ الا آنکہ بعض واقعات کو حذف کر دیا جاوے مگر اس کو نہ احقر نے گوارا کیا اور نہ خود منشی صاحب ہی نے پسند کیا۔ ہاں واقعات کو چالیس میں محصور کرنے کی ترکیب یہ ہو سکتی تھی کہ ان کو تاریخوار منضبط کر دیا جاوے مگر یہ اس وجہ سے ٹھیک نہیں کہ بعض تاریخیں واقعات سے خالی بھی ہیں گو اس کا تدارک یوں ہو سکتا تھا کہ جن تاریخوں میں متعدد واقعات ہیں ان سے جبر نقصان کر دیا جاوے مگر خالی از تکلف نہ تھا لہذا ایسا لفظ اختیار کیا گیا

جس میں تعداد سے قطع نظر ہو اور مجالس الحکمت نام رکھا گیا اس میں متقدمین ضابطین ملفوظات ومواعظ مشائخ کی اقتداء بھی ہوگئی کیونکہ سب نے ایسی تحریرات میں مجلس ہی کا لفظ اختیار کیا ہے اور منشی صاحب کا لفظ چہل محفوظ رکھنے کیلئے لقب اس کا اربعین مصطفائی تجویز کیا گیا۔ احقر کے پاس کچھ واقعات متفرق اوقات کے اور بھی قلمبند شدہ محفوظ ہیں۔ اگر حق تعالیٰ کو منظور ہوا اور وہ کتابی صورت میں آ گئے یا آئندہ کوئی اور موقع ایسا مل گیا تو ان واقعات کو بھی مجالس الحکمت کا ہی ایک حصہ بنادیا جاوے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

کتاب ہذا میں کل تعداد واقعات ستر ہے اور ستر عدد مبارک ہے اور تکثیر بے تعداد کے لئے مستعمل ہے۔ ناظرین دعا فرماویں کہ حق تعالیٰ احقر کی اس کتاب کو باقیات صالحات میں سے کردیں اور اس کے فوائد کو اپنے فضل سے کثیر بے تعداد کردیں۔ وماذ لک علی اللہ بعزیز

اخیر میں بعض واقعات ایسے ہیں جو بہت ہی معمولی معلوم ہوتے ہیں اور کوئی ان کو قابل حذف کہہ سکتا ہے لیکن احقر کا خیال یہ ہے کہ واقعہ کیسا بھی ہو مگر صاحب واقعہ کے ساتھ تعلق رکھتے اور مذکر صاحب واقعہ ہوتے ہیں دیگر واقعات کے ساتھ شریک ہے اور منتسبین کے لئے بفحوائے من احب شیئا اکثر ذکرہ اس کا مصداق ہے

وذکرک للمشتاق خیر شراب وکل شراب دونہ کسراب

لہٰذا تبرکا واستلذاذا ان واقعات کو بھی محفوظ رکھا گیا بلکہ ترقی کر کے کہا جاتا ہے کہ ایسے واقعات کے ساتھ بعض ایسے فوائد وابستہ ہیں جو عظیم واقعات کے ساتھ بھی نہیں ظاہر ہے کہ بال میں باوجود اخس اجزاء بدن ہونے کے بعض وہ فوائد ہیں جو دوسرے کسی عضو میں بھی نہیں۔

والرجاء من اھل الصفاء ان لا ینسون فی الدعاء والدعاء من اللہ ان یجعلہ خالصا لوجہ ذی الکبریاء ربنا و تقبل دعاء

کتاب ہذا میں ان باتوں کا التزام کیا گیا ہے:۔

(۱) لفظ حضرت والا سے ہر جگہ حضرت مولانا مراد ہونگے۔

(۲) ہر واقعہ بعنوان مجلس لکھا جائے گا اور اس کے ختم پر تاریخ وقوع اور دن اور وقت اور مقام بھی لکھا جاویگا۔

(۳) ہر واقعہ کے ختم کے بعد فوائد و نتائج لکھے جاویں گے۔ فوائد سے مراد واقعہ کے متعلق بعض حل طلب باتوں کی شرح ہے اور نتائج سے مراد وہ کار آمد باتیں ہیں جو واقعہ سے مستنبط ہوتی ہیں لیکن فوائد و نتائج میں باہم ترتیب اور تقدم و تاخر کا التزام نہیں کیا جاویگا ان فوائد کی تعداد ڈیڑھ سو سے کچھ اوپر ہے۔

(۴) بعض جگہ فوائد و نتائج عربی میں لکھے جاویں گے جہاں مضمون مفید عام نہ ہو بلکہ بعض جگہ نفس واقعہ بھی عربی میں لکھا جاوے گا کیونکہ نفع عام اس میں نہ تھا اور کہیں فوائد و نتیجہ کو بالکل ترک بھی کر دیا جاوے گا جہاں ضرورت بیان کی نہ ہو۔

(۵) حتی الامکان فوائد و نتائج میں ادلہ سے بھی تعرض کیا جاوے گا اور عربی عبارات کا بموقعہ ضرورت ترجمہ بھی کر دیا جاویگا۔

(۶) واقعات اور ملفوظات اور فوائد و نتائج کے سوا حضرت والا کے کمالات کو بالقصد نہیں بیان کیا جاوے گا کیونکہ اس کے لئے بہت طول کی ضرورت ہے۔ جو اس مختصر کے خلاف ہے نیز ان تحریرات سے ان کا ظہور اظہر من الشمس ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

(۷) چونکہ یہ کتاب ایسے واقعات کا مجموعہ ہے جو سیرت اشرفی کا نمونہ ہیں اور سیرت کے دو شعبے ہیں تعلیمات اور معمولات اور ان ستر مجالس میں تعلیمات ہیں لہذا اس کے ساتھ حضرت والا کے معمولات[1] کا درج کرنا بھی انسب ہوا۔ اس مضمون کو بعنوان معمولات اشرفی اضافہ کیا جاویگا اس میں معمولات شبانہ روز اور معمولات جمعہ و رمضان و عیدین و سفر و معمولات وعظ و کیفیت وعظ و معمولات متعلق مہمانان و خطوط و فتاوے و ہدایا و غیرہ ہوں گے۔

(۸) اور تتمیما للفائدہ مناسب معلوم ہوا کہ سیرت کا نمونہ دکھلانے کے ساتھ صورت کا عکس بھی اس کتاب میں دکھلایا جاوے تاکہ سیرت نمائے اشرفی ہونے کے ساتھ صورت نمائے اشرفی بھی ہو۔ اس کے لئے سراپائے اشرفی بعنوان حلیہ اشرفی اخیر میں اضافہ کیا جاوے گا تاکہ ان لوگوں کو بھی جو کسی وجہ سے زیارت اشرفی سے محروم ہیں لطف حضوری حاصل ہو۔

---

[1] نفس کتاب مجالس الحکمت کے چھپنے سے پہلے معمولات اشرفی معہ حلیہ اشرفی چھپ چکی اور وہ علیحدہ رسالہ ہو گیا اب جو کوئی چاہے مجالس الحکمت کے اخیر میں اس کو لگالے ۱۲

3

اطلاع: تمام کتاب مجالس الحکمت مع معمولات اشرفی وحلیہ اشرفی حضرت والا کے ملاحظہ سے گزر چکی ہے حضرت نے اس میں جابجا اصلاح دی اور بعض جگہ ان مضامین پر جن میں طبی تحقیق کا شمول ہے نظر نہیں فرمائی اور ان موقعوں پر کوئی لفظ بطور عذر لکھ دیا جو بجنبہ حاشیہ پر درج کیا جاویگا۔

مجلس اوّل (۱)

تبرکات کی زیارت میں افراط:

موضع گڑھی خام ضلع مظفر نگر میں ایک واعظ پہونچے۔ وعظ میں یہ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ملبوس خاص کا لفافہ جو ہر سال بدلا جاتا ہے دیوبند کے مدرسہ میں آیا ہے اور وہ اس قدر فضیلت کی چیز ہے اس کی زیارت کرنا چاہئے۔ اس کو سن کر تمام گڑھی کے زن ومرد صحیح ومریض سفر دیوبند کے لئے تیار ہو گئے مگر بعض دانشمندوں کی یہ رائے ہوئی کہ اول حضرت مولانا سے اس کی تحقیق کر لی جاوے۔ چنانچہ وہ کئی آدمی تھانہ بھون حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ زیارت اس کی ضرور موجب برکت ہے مگر اتنا اہتمام کہ سفر کر کے جایا جاوے ٹھیک نہیں۔ یہ اس کا عرس بنانا ہے۔ جب کبھی ایک دو آدمی دیوبند جاویں تو زیارت کرنے میں مضائقہ نہیں۔ بہیئت مجموعی سفر نہ کیا جاوے۔ بدعت اسی طرح شروع ہوا کرتی ہے۔ اگر وہ اصلی ملبوس شریف بھی ہوتا تب بھی اتنا[1] اجتماع خالی از فتنہ نہیں اور فرمایا یہ خرابی ان ناعاقبت اندیش واعظوں کی ہے کہ اپنی گرم بازاری کیلئے آتش دوزخ سے نجات دیتے پھرتے ہیں۔ تاریخ ۱۴ شوال ۱۳۳۲ھ روز یکشنبہ وقت قریب دوپہر در نشستگاہ مکان خود

(۱) فوائد ونتائج: کوئی نیا کام کرنے کے وقت عوام کے لئے بہتر یہی ہے کہ کسی اہل دل اور تجربہ کار عالم سے مشورہ کر لیا جاوے۔ نو عمر اور نا تجربہ کار واعظوں کا قول بھی قابل اعتبار نہیں خصوصاً جبکہ اس میں کوئی غرض بھی شامل ہو کہ صورت اس کی دین کی اور درحقیقت دنیا ہوتی ہے۔ **وما اقبح الدین والدنیا اذا اجتمعا**

---

[1] اس کی نظیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس ببول کے درخت کو کٹوا دینا ہے جس کے نیچے بیعت الرضوان لی گئی تھی ۱۲

(۲) بدعت: کا انسداد شروع ہی سے چاہئے۔ مرد آخر بین مبارک بندہ ایست۔ نو عمر واعظوں کی نظر انجام تک کم پہنچتی ہے۔ اس کی نظیر رسم استقبال حجاج ہے کہ کسی درجہ میں مستحسن ضرور تھی لیکن مآل کار اس کا صرف رسم ہو گیا ہے بلکہ بہت سے مفاسد اس سے وابستہ ہیں۔ ایک رئیس صاحب حج سے تشریف لائے تو اسٹیشن پر ان کے استقبال کی بڑی تیاریاں ہوئیں تمام شہر کی گاڑیاں نوکر کر لی گئیں جس کا جی چاہے جاوے آوے اسٹیشن پر چائے پان اور مٹھائی کا بڑا انتظام کیا گیا۔ پلیٹ فارم کے سینکڑوں ٹکٹ خرید کر استقبال کرنے والوں کو مفت دیئے گئے کئی سو روپیہ اس میں خرچ ہوئے اور یہ سب رقم آنے والے رئیس صاحب کے ذمہ ڈالی گئی۔ کیا اچھا استقبال ہے جس کے تاوان کا ذمہ دار آنے والا ہے۔ لطف یہ کہ اس رسم کی اصلیت قبول دعا ہے اس کی کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ بہت سے بندگان خدا چائے پانی کے کمرہ میں بیٹھے مٹھائی اڑایا کئے۔ یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ کون آیا کون گیا۔ کیسی دعا اور کیسا استقبال۔ ایک جگہ اسکے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ حاجی کے ذمہ برادری کی بھاجی بھی ہوتی ہے۔ ان سب کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ حج کو جب آدمی جاوے کہ جب اتنی رقم جمع کر لے جس سے علاوہ مصارف حج کے رسم استقبال اور برادری کی بھاجی بھی ہو سکے۔ اگر اتنی رقم نہ ہو تو حج ہی کے ادا سے قاصر۔ یہ کیسی حج کی خوشی ہے جو حج ہی کو مانع ہے۔ بدعات کے سب کے نتائج یہی ہوتے ہیں۔ کہ اصل شئے باقی نہیں رہتی۔

مجلس دوم (۲)

ولایت مادرزاد جنون بہتر ہے یا ہوش:

ایک مولوی صاحب کا ذکر ہوا کہ وہ ولی مادرزاد ہیں اور بے حد بھولے ہیں۔ کرامات کثرت سے ان کے ہاتھ پر سرزد ہوتے ہیں۔ فرمایا استغراق بھی عجیب چیز ہے۔ بہت سے آفات سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ ایک خادم نے عرض کیا جنون بڑی اچھی چیز ہے۔ مرفوع القلم ہونے سے عاقبت کا کوئی اندیشہ بھی نہ رہے۔ فرمایا اور جو گناہ جنون سے پہلے ہو چکے ہیں وہ جا بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ توبہ بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ فرمایا میرے قلب میں ایک ایسا

وسوسہ جاگزیں ہوا جس سے ڈر کر مدت تک یہ تمنا رہی کہ کاش میں مجنوں ہو جاتا تو ان رنج و غم سے نجات ملتی اور یہ سمجھتا رہا کہ حالت صحو سے حالت سکر اچھی ہے لیکن پھر یہ سمجھ میں آیا کہ حقیقت حال اس کے خلاف ہے۔ حواس وعقل بڑی دولت ہیں ایک درویش کا مقولہ ہے کہ عقل وہ چیز ہے جس کے زائل کرنے والی چیز یعنی خمر کو خدا تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ ثابت ہوا کہ عقل کا صحیح رکھنا مطلوب اور مامور بہ ہے۔ انسان پر مختلف حالات طاری ہوتے ہیں اور طبائع بھی مختلف ہوتے ہیں بعض قوی اور بعضے ضعیف۔ مصائب کا خیال کر کے بعضے ان سے یکسوئی کو ترجیح دیتے ہیں اور بعضے ان میں رہ کر ثابت قدمی کو۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام میں ہے

یلیتنی کنت شجرا یعضد (ترجمہ: کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ کر پھینک دیا جاتا)

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو حالت طفولیت میں مرفوع القلم مرجانا پسند ہے یا بڑے ہو کر تکلیف شرعی میں رہنا۔ فرمایا شق ثانی پسند ہے کیونکہ اس میں دولت عرفان تو حاصل ہوگی۔ یہ باتیں یاد کر کے وہ خیال دور کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ صرف وسوسہ کا خوف تھا۔ دیکھئے انبیاء علیہم السلام بھولے نہیں ہوتے عقل ظاہر بھی اعلیٰ درجہ کی رکھتے ہیں تاریخ ۱۵ سوال ۱۳۳۲ھ روز دوشنبہ

فوائد ونتائج: ولی مادر زاد ہونا ممکن ہے۔

وآتیناہ الحکم صبیاً (ترجمہ: ہم نے ان کو لڑکپن میں نبوت دی)

اس کی دلیل ہے جبکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نبوت قبل بلوغت عطا ہوئی تو ولایت تو اس سے کم درجہ کی چیز ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کرامات کا کثرت سے ہونا شیخ یعنی پیر بنانے کو مستلزم نہیں شیخ بنانے کے قابل وہ شخص ہے جو تربیت کے طریقوں کو جانتا ہو بلکہ تجربہ کار اور خوب ماہر ہو۔ بھولے آدمی میں یہ بات کہاں ہو سکتی ہے۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام بھولے نہیں ہوتے۔ حضرت والا فناء علمی کے بیان (از رسالہ القاسم صفحہ ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ) میں فرماتے ہیں کوئی پھر (یعنی استغراق کے بعد) دوسروں کی تکمیل کے لئے علم بالاشیا کی طرف عود کرایا جاتا ہے۔

مجلس سوم (۳)

کفار کے ساتھ امور مذہبی میں شرکت:

حضرت والا نے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ غدر سے پہلے کی بات ہے کہ ایک رئیس پٹھان نے بمقام جلال آباد ضلع مظفر نگر شوالہ بنتے وقت ہندوؤں کی طرفداری کی تھی وہ رئیس بیمار ہوا ایک حکیم صاحب تھانہ بھون کے رہنے والے مولوی غلام حسین صاحب جو اہل قلب بھی تھے۔ ایک مریض کو دیکھنے کے لئے جلال آباد آئے۔ اس رئیس کے تیمارداروں نے بھی حکیم صاحب کو بلایا۔ انہوں نے نبض وغیرہ دیکھ کر کہا۔ بچنے کی امید نہیں۔ یہ کہہ کر اٹھے تو مریض نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا خدا کے واسطے آپ نہ جایئے کیونکہ ابھی ذرا پہلے میرے سامنے دو آدمی آئے آگ کا پنجرہ ان کے ہاتھ میں تھا مجھ سے کہتے تھے۔ اس میں بند کر کے تجھ کو لے چلیں گے۔ جس وقت سے آپ آئے ہیں وہ دونوں پیچھے دور ہٹ گئے ہیں اور کہہ رہے ہیں خیر ذرا ٹھہر جا۔ ابھی لئے چلتے ہیں۔ آپ گئے اور وہ آئے۔ اس کے بعد وہ شخص مر گیا۔ متعدد آدمیوں نے خواب میں دیکھا کہ اس کے لئے کچھ ایصال ثواب نہ کرو اس کو کچھ نہ پہنچے گا یہ کافر مرا ہے۔ نعوذ باللہ۔ تاریخ ۱۶ شوال ۱۳۳۲ھ روز سہ شنبہ وقت اشراق در صحن نشستگاہ مکان خود

فوائد و نتائج (۱) حضرت والا نے خود ہی ارشاد فرمایا اہل اللہ کی یہ برکت ہے کہ رحمت ان کے ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ آگ کے فرشتے اُن کی برکت سے ہٹ گئے۔ (۲) بعضے گناہ بہت چھوٹے سمجھے جاتے ہیں مگر انجام ان کا ایسا برا ہے۔ اللھم احفظنا منھا۔ ہولی دوالی ودیگر رسوم کفار میں شریک ہونا یا بچوں کو بھیجنا یا پیسے دینا یا کپڑے بدلوانا سب اس جنس سے ہے۔

مجلس چہارم (۴)

ایک شخص کچھ پھوٹیں اور لیمو اور آم ہدیہ لایا۔ حضرت والا نے فرمایا۔ تم غریب آدمی ہو اور ہمیشہ کچھ نہ کچھ لے آتے ہو بڑا احجاب معلوم ہوتا ہے۔ اس کو اپنے بال بچوں میں خرچ کرتے یا یوں کرو کہ قیمت لے لیا کرو۔ مجھے یہ فائدہ ہوگا کہ بلا تلاش کے عمدہ چیز مل جایا کرے گی اور سب سے

بہتر یہ ہے کہ اگر کچھ لانا چاہو تو پہلے مجھ سے پوچھ لیا کرو۔ کہ فلاں چیز لانا چاہتا ہوں جونپور کی ایک کا برتاؤ مجھے بہت پسند ہوا کہ صاحب خانہ نے مجھ سے پوچھ لیا کیا کھانا زیادہ مرغوب ہے۔ مرچ کتنی ہو گھی کتنا ہو۔ وقت کیا ہو۔ یہ سب ان کو بتا دیا اور جس وقت چاہا کھانا منگا کر کھا لیا۔

اگر مجھ سے پہلے پوچھ لیا کرو کہ آج فلاں چیز لاویں یا نہ لاویں تو میں اپنے ان قواعد میں غور کر کے جو ہدایا کے متعلق مقرر کر رکھے ہیں بتا دیا کروں کہ لاؤ یا نہ لاؤ۔ تاریخ ۱۶ شوال ۱۳۳۲ھ روز سہ شنبہ بعد عصر در صحن نشستگاہ۔

فوائد ونتائج: (۱) ہر ہدیہ اچھی چیز نہیں۔ طرفین کے لئے کچھ مفاسد رکھتا ہے لینے والے کو احتیاط چاہئے کہ طمع اور حرص اور جبر ابتداً اور ذلت اور حق پوشی انتہاء نہ ہو تو خلاف توکل نہیں ورنہ مال سخت ہے اسی کے لئے حضرت والا نے چند قواعد مقرر کر رکھے ہیں مثلاً اس شخص کی ایک دن کی آمدنی سے زیادہ قیمت کا نہ ہو اور مداومت کے ساتھ نہ ہو کہ جب آویں ہدیہ ضرور لاویں کہ آنے والے کی صورت دیکھتے ہی خیال ہو کچھ لایا ہو گا۔ بعض لوگوں نے کچھ ماہوار مقرر کرنا چاہا تو منظور نہیں فرمایا کیونکہ دل کو انتظار رہے گا کہ اب مہینہ ختم ہو گا تو رقم مقرر آ دیگی۔ نیز اس رقم پر اعتماد رہے گا اور یہ توجہ الیٰ غیر اللہ ہے۔

تصنع اور چیز ہے اور اکرام:

تصنع وتکلف اچھا نہیں۔ اکرام مہمان مندوب ہے اور تصنع ممنوع و ما انا من المتکلفین (میں بناوٹ کرنیوالوں میں نہیں ہوں ۱۲) اول شعبہ اخلاص ہے اور ثانی ریا۔ طریقہ مذکورہ میں مہمان کے مزاج سے ساز کرنا اور اس کو اس کی عادت کے موافق آرام دینا ہے اور یہ عین اکرام ہے اور مروج طریقوں میں اپنی اور اس کی دونوں کی عادتوں کو بدلنا خود کو ریا میں ڈالنا اور اس کو ایذا دینا ہے جو اکرام سے کچھ تعلق ہی نہیں رکھتا۔ رسوم شادی بیاہ سب اسی قبیل سے ہیں جن کو عوام نے خاطر داری سمجھ رکھا ہے۔

کسی کا احسان نہ لینا چاہئے:

کسی کا احسان حتی الامکان نہ لینا چاہئے حضرت والا فرماتے تھے کہ بہت دفعہ تھانہ بھون

کے اسٹیشن والوں نے باصرار کہا کہ اسٹیشن سے قصبہ دور ہے ہم آپ کو ریل روک کر قصبہ کے متصل اتار دیا کریں مگر میں نے منظور نہ کیا اور ان کا شکریہ ادا کر کے بلطائف الحیل ٹال ٹال دیا۔

مجلس پنجم (۵)

ایک صاحب نوعمر تعلیم یافتہ علی گڑھ آئے اور عرض کیا میں نے ایف اے کا امتحان دیا مگر ناکامیاب رہا جب سے قلب میں بڑی تشویش ہے۔ کوئی عمل یا تعویذ عنایت ہو۔ فرمایا وجوہات تشویش کیا ہیں فکر معاش ہے یا فکر نکاح یا دیگر امور متعلقہ گھر بار و خویش واقارب۔ کہا تینوں میں سے کچھ نہ کچھ ہے فرمایا۔ آپ نے اس میں بھی غور کیا کہ امور مقصودہ میں کامیابی کن تدابیر سے ہو سکتی ہے اور وہ تدابیر اختیاری ہیں یا نہیں اور کس کے اختیار کو ان میں زیادہ دخل ہے۔ آپ کے یا آپ کے کسی مربی و بزرگ کے کہا۔ ہاں میرے بزرگوں کے اختیار میں ہیں اور ان سے اس کا اظہار بھی کیا گیا مگر وہ متوجہ نہیں ہوتے۔ فرمایا جہاں تک تدبیر کو دخل ہو انتہا تک پہنچا کر چھوڑنا چاہئے۔ اگر کامیابی ہوئی فھوالمراد ورنہ بوجہ اپنا اختیار پورا صرف ہو جانے کے یاس ہو جاوے گی اور اس کے بعد قلب کو اس سے قطع تعلق ہو جاوے گا۔ الیاس احدی الراحتین (ناامیدی بھی ایک آرام ہے) یا یوں کیجئے کہ ان امور سے قلب کو یکسو کر لیجئے اور وہ خیال ہی چھوڑ دیجئے۔ کہا اس پر مجھے قدرت نہیں اب میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کوئی تدبیر سکون قلب کی ارشاد ہو جو ہونا ہے وہ ہو رہے گا فرمایا امراض کی تدبیریں دو طرح کی ہوتی ہیں ایک وہ کہ جس طرف سائل کا میلان خاطر ہو وہی یا اس کے مشابہ کوئی تدبیر بتا دی جاوے گو واقع میں مفید نہ ہو۔ اس کو لوگ بہت پسند کرتے ہیں اور بوجہ رغبت طبیعت کے اعتقاد بڑھ جاتا ہے اور کبھی اتفاقاً نفع بھی ہو جاتا ہے مگر میں اس کو ٹال بتانا سمجھتا ہوں۔ دوسری وہ تدابیر جو واقعی مفید ہوں خواہ سائل کی طبیعت کے خلاف ہوں یا موافق۔ علاج حقیقی یہی ہے اور میں بھی بتانا چاہتا ہوں سمجھ لیجئے کہ تعویذ اور وظیفہ آپ کے لئے اول قسم کی تدبیر میں داخل ہے و تشویش قلب کا علاج مفید اور مجرب علاج یہ ہے کہ صالحین اور اولیاء کے تذکرے دیکھا کیجئے جیسے مقاصد الصالحین اور تذکرۃ الاولیاء وغیرہ۔ ان میں یہ خاصیت ہے کہ قلب میں قوت حاصل ہو جاتی ہے اور ثبات و

استقلال بڑھ جاتا ہے کچھ تو اس وجہ سے کہ جب انسان اپنے ہم جنسوں کے احوال میں پڑھتا ہے کہ انہوں نے ایسے ایسے مجاہدے کئے ہیں تو پڑھنے والے کو بھی ہمت ہوتی ہے اور کچھ مقبولان خدا کے ذکر واحوال میں بالخاصہ بھی یہ اثر ہے۔ دوسرا علاج یہ ہے کہ خدا کے نام کا کچھ ورد کیجئے التزام کے ساتھ۔ درود شریف پڑھا کیجئے کم از کم سو ہی بار روزانہ سہی اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور نفع ہوگا۔ اور تیسرا علاج یہ ہے کہ دعا کیجئے حق تعالیٰ سے اپنے مقاصد میں کامیابی کی یا رفع پریشانی کی اس طرح کہ حتیٰ الامکان حضور قلب اور عاجزی کے ساتھ مانگے کہ یا اللہ میرا یہ کام کر دے اور ایک ایک مضمون کو تین تین بار کہے کام ہو یا نہ ہو دعا کو سکون قلب میں عجیب تاثیر ہے۔

دعا میں الفاظ ماثورہ وغیر ماثورہ:

سائل نے عرض کیا جناب نے مناجات مقبول کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ حتی الامکان دعا میں وہی الفاظ ہونا بہتر ہیں جو قرآن وحدیث میں وارد ہوں تو میرے مدعا کے لئے الفاظ کہاں مل سکتے ہیں۔ فرمایا دعائیں دو قسم کی ہیں عام اور خاص۔ عام سے مراد وہ ہیں جو کسی خاص موجودہ حاجت کے لئے نہ ہوں صرف برکت حاصل کرنے کے لئے اور عام حاجات کے عرض کرنے کے لئے ہوں جیسے وہ دعائیں جو مناجات مقبول میں جمع کی گئی ہیں ان میں بہتر یہ ہے کہ وہی الفاظ اختیار کئے جاویں جو ماثور ہیں۔ دوسرے الفاظ اور عنوان اختیار کرنے میں وہ برکت اور جامعیت نہیں آسکتی جو ان میں ہے اور خاص سے مراد وہ دعائیں ہیں جن میں کوئی خاص حاجت طلب کی جائے اس میں وہی الفاظ ہونا بہتر ہیں جو مطلب کو ادا کرنے والے ہوں تصنع سے بچنا چاہئے۔ آپ اپنا مطلب عرض کیجئے خواہ اردو میں ہو یا عربی میں۔ اس وقت یہی تدابیر عرض کرتا ہوں جو اجمالاً تمام مقاصد کے لئے ہے چند روز ان کا ورد کر کے مجھے خبر کرتے رہئے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اگر ضرورت ہوئی تو دیگر علاج بھی عرض کروں گا۔ اور اگر تفصیل کے ساتھ آپ مقاصد لکھیں گے تو جواب بھی مفصل عرض کروں گا اور ہر ہر شکایت کا علاج جدا جدا لکھوں گا۔

اصلاح کیلئے صحبت زیادہ مفید ہے:

اسی مجلس میں ذکر ہوا کہ اصلی چیز اصلاح کے لئے صحبت ہے۔ علم چاہے نہ ہو مگر صحبت ہو بلکہ میں کہتا ہوں کہ علم بھی بلا صحبت کے بیکار ہے۔ صاحب صحبت بلا علم کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے صاحب علم بلا صحبت سے۔ اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ انگریزی خواں بچوں کو بھیجا کرو۔ صلحا اور علماء کے پاس۔ اور بڑے بھی اس کا خیال رکھیں تو بڑا فائدہ ہو اور ہم اس کا وعدہ کرتے ہیں کہ ہم نہ ان کے پائچوں پر اعتراض کریں گے نہ ان کی داڑھی سے ہمیں بحث ہوگی نہ ہم ان کو مار مار کر نماز پڑھاویں گے وہ ہمارے پاس بیٹھیں گے تو ان کو ہم سے اور ہم کو ان سے انس ہوگا اور دین سے مناسبت پیدا ہوگی یہ مناسبت جڑ ہے اور علم و عمل اس کی فرع۔ صحابہ سب کے سب عالم نہ تھے۔ صرف صحبت سے پایا جو کچھ پایا اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا التزام رکھا۔ اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف۔

صحبت کے متعلق ایک قصہ:

اسی ضمن میں حسنپور ضلع مراد آباد کا قصہ بیان فرمایا کہ وہاں کے ایک رئیس کے ایک صاحبزادہ مجھ سے قیام گاہ پر آ کر ملے اور کہا کہ آپ علی گڑھ اصلاح کے لئے کیوں تشریف نہیں لے جاتے۔ میں نے کہا یہ سوال مجھ سے ہی آپ نے کیا کبھی علی گڑھ والوں سے بھی پوچھا کہ مجھے کیوں نہیں بلاتے۔ اس پر خاموش ہوئے اور کہنے لگے میں نے سنا تھا کہ آپ کو ان سے نفرت ہے۔ میں نے کہا واللہ باللہ مجھے نفرت نہیں میں دل لے چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کی اصلاح ہو جیسے کہ اپنی اولاد و اعزہ کے ساتھ دلسوزی ہے کہا اچھا میں اپنے امراض کا علاج چاہتا ہوں تشخیص کیجئے اور علاج فرمایئے۔ میں نے کہا اس طرح میں علاج نہیں کرتا نہ یہ طریقہ ہے علاج کا۔ اول تو مجھے علم کیا ہے کہ آپ میں کیا کیا امراض ہیں۔ صرف صورت دیکھ کر جو کچھ تجویز کی جاوے وہی بری بھلی ہو سکتی ہے۔ اول تو تجویز ناتمام رہے گی پھر مجمع عام میں وہ عیوب ظاہر کئے جاویں گے اس سے آپ کی دل آزاری ہوگی۔ اور ایسے علاج کا اثر معلوم جس سے طبیعت کو نفرت ہو۔ آپ چند روز میرے پاس آ کر رہئے۔ مجھے آپ سے

انس ہواور آپ کو مجھ سے۔ پھر اپنے حالات ظاہر کیجئے تو جو کچھ سمجھ میں آوے عرض کروں اس کو عمل میں لاکر دیکھئے نفع ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ کہیں نہ دیکھا ہوگا کہ راستے چلتے طبیب سے نسخہ لکھوایا اور تمام امراض کو شفا ہوگئی۔ اب تک گفتگو اجنبیانہ تھی کیونکہ معلوم نہ تھا کہ وہ فلاں صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ اس کے بعد معلوم ہوا پھر وہ میرے ساتھ رہے پہلے ہی وعظ میں ایسا اثر ہوا کہ باوجود موسم گرم ہونے کے برابر دھوپ میں بیٹھے سنتے رہے۔ اسی سے میں کہتا ہوں کہ دین صحبت سے آتا ہے اعتراض دور ہی دور سے ہوا کرتے ہیں میں بارہا چاہتا ہوں کہ علی گڑھ والوں کی اصلاح ہو مگر کیسے ہو۔ بلا اس کے کہ صحبت ہو اور واقعی میرا جی ان کے خطاب میں بہت لگتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں یہ خاص بات ہے کہ غور سے سنتے ہیں۔ اور اگر سمجھ میں آ جاوے تو مان بھی لیتے ہیں خوامخواہ عناد نہیں کرتے۔ برخلاف بعض نواح کے بعض انگریزی (بعض امراض باطن پنجاب میں) خوانوں کے کہ ان کے جتنے سوالات آتے ہیں اور جہاں جہاں جانے کا اتفاق ہوا ہمیشہ انقباض ہی ہوا اور خطاب میں جی بھی نہیں لگا۔ تکبر، عناد، خود بینی، ہٹ، ناحق پرستی جہالت دیکھی گئی۔ الغرض صحبت ہی ایک چیز ہے اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں بچوں کو صلحاء کے پاس بھیجا کرو۔ وہاں جا کر چاہے خاموش ہی بیٹھے رہیں اور چاہے نماز بھی نہ سیکھیں۔ وجہ یہ ہے کہ گو ظاہراً وہ نماز نہ سیکھیں گے مگر نماز کی اصل ان کے قلب میں جمے گی یعنی انس بالدین مجلس میں سے ایک صاحب بولے کہ علی گڑھ مسلمانوں کا عطر ہے کوئی فدوی ہے کوئی انصاری کوئی صدیقی۔ غرض شرفاء کا مجمع ہے۔ یہ شرافت خاندانی کا اثر ہے جب سے جناب تشریف لے گئے ہیں تمام طلبہ اپنی اصلاح کے خواہاں ہیں مگر کیا کیا جاوے کچھ اسباب ایسے ہیں کہ اجتماع کا اتفاق نہیں ہوتا۔ فرمایا اس صورت میں میری تجویز یہ ہے کہ خط و کتابت سے کام لیں اس میں تو کوئی حرج نہیں ہو سکتا۔ ۷ اشوال ۳۲ھ بعد مغرب بر چبوترہ صحن نشستگاہ۔

نتائج وفوائد:

(۱) مشائخ کو اہل دنیا سے اپنے آپ کو کھینچنا نہ چاہئے بلکہ ان کے رنج ومحنت پر رحم

کرنا چاہئے۔اس کا عکس دعویٰ تقدس وتکبر اور بے رحمی ہے۔ہاں اُن کے سامنے اپنی دنیاوی حاجت لے جانا یا اُن سے اتنا اختلاط کہ مخل فی الدین ہو جاوے یہ خلافِ شان علم ہے۔ **نعم الامیر علی باب الفقیر وبئس الفقیر علی باب الامیر** (امیر فقیر کے دروازے پر تو اچھا ہے اور فقیر امیر کے دروازے پر اچھا نہیں) بہت سے متصنع فقرا وعلما اس میں غلطی کرتے ہیں۔اہل دنیا کو اپنی مجلس میں ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں یہ آبروریزی ہے جس کی نسبت حدیث میں ہے کہ مسلمان مسلمان پر کل حرام ہے۔اس کا مال بھی اور آبرو بھی اور بعضے اپنی حاجات انکے سامنے لیجاتے ہیں صورت اسکی چاہے کیسی بھی بنائی جائے لیکن حقیقت سوال ہے جس کی نسبت حدیث میں ہے۔**السوال مذلة**۔(سوال ذلت ہے)

مشورہ نیک دینا چاہیے

مشورہ نیک دینا چاہیے صرف ٹالنے پر اکتفانہ چاہیے۔

المستشار مؤتمن۔(جس سے مشورہ لیا جاوے وہ امانت کا ذمہ دار ہے)

اہل دنیا کی بے تمیزی سے تنگ دل نہ ہونا چاہیے:

اہل دنیا کی بے تمیزی سے تنگ دل نہ ہونا چاہیے جیسا کہ حضرت والا نے ان صاحبزادہ کے ساتھ برتاؤ کیا کہ سوال کس قدر سوءادب اور جہالت کا ہے مگر جواب مہذب اور عالمانہ ہے۔باوجود سائل کے اپنی آبروریزی پر راضی ہونے کے حضرتِ والا نے اس کو گوارا نہیں فرمایا جیسا کہ بچہ باپ سے کہے کہ تمہاری طاقت میں جب جانوں کہ مجھے مار ڈالو۔باپ اس وقت ہرگز ایسی طاقت نہیں دکھائے گا۔شیخ کامل اور تجربہ کار کو بہت متین اور مستقل ہونا چاہئے۔ہدایت اس طرح ہو سکتی ہے۔

ادفع بالتی ھی احسن فاذاالذی بینک و بینه عداوة کانه ولی حمیم ومایلقھا الاالذین صبروا وما یلقھا الا ذو حظ عظیم (ان کا دفعیہ بھی بھلے طریق سے کیجئے کہ وہ شخص جس کے اور آپ کے درمیان عداوت ہے فوراً آپکا دوست بن جاوے گا۔اور نہیں نصیب ہو سکتی ہے یہ بات مگر ان لوگوں کو جو صابر ہیں اور نہیں نصیب ہو سکتی ہے مگر بڑے صاحب نصیب کو)

شیخ عالم الغیب نہیں ہوتا:

شیخ کو لوگوں کے خفیہ حالات کا علم ہونا ضروری نہیں بطور کرامت کبھی ہو جاوے تو اور بات ہے۔ یہ بڑا جال ہے جس میں اکثر متصنع شیخ پھانستے ہیں۔ کوئی پوشیدہ بات بیان کر دی اور رجوعات ہونے لگی۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حرم محترم کے واقعہ افک کا علم کئی دن تک نہ ہوا۔ پھر وحی سے معلوم ہوا۔ مرید بھی اسی کو بڑا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایک جوگی اور رمال بھی کرتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا برتاؤ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ نہ تھا۔

ایک عیب سے کسی کو ہمہ عیب نہ کر دینا چاہئے:

کسی کو ایک عیب کی وجہ سے ہمہ عیب نہ کر دینا چاہئے۔ علی گڑھ والوں میں ہزار کوتاہیاں سہی مگر ان کا وہ وصف بھی بیان فرمایا جس میں ان کو دوسروں سے امتیاز حاصل ہے عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگواں فوائد کے علاوہ جو کچھ تحقیقات علمی اس واقعہ میں ہیں اظہر من الشمس ہیں۔

مجلس ششم (۶)

راقم نے پوچھا کہ جامع مسجد تھانہ بھون کی امامت جناب والا کے سپرد کیونکر ہوئی حالانکہ جناب والا کی عادت قدیمی کے خلاف ہے۔ امام قدیم کہاں گئے فرمایا میں تو ان قصوں سے ہمیشہ الگ رہتا ہوں مگر واقعہ یہ ہوا کہ حافظ عصمت اللہ صاحب ساکن محلہ ریتی تھانہ بھون نے خواب دیکھا کہ جناب مولانا فتح محمد صاحب مرحوم مجھ (حضرت والا سے) سے خطاب کر کے فرماتے ہیں کیوں جی یہ کیا عادت ہے کہ کسی کو امامت کے لئے کھڑا کر دیتے ہو۔ تم جمعہ کی نماز کیوں نہیں پڑھایا کرتے۔ یہ خواب مجھ سے بیان کیا تو میں نے کہا کسی سے بیان نہ کرو لوگ کہیں گے ان کو امامت کا شوق ہوا۔ اس کے یہ پرواز اٹھائے جاتے ہیں۔ اس خواب کا تو کچھ زیادہ خیال نہیں کیا گیا مگر اس کے بعد شبیر علی نے خواب دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ کیا بات ہے

کہ جس بات کو کہا جاتا ہے اس کی رسید نہیں آتی ۔ یہ خواب سنتے ہی بیساختہ میرے ذہن میں آیا کہ یہ پہلے خواب کی طرف اشارہ ہے۔ عرض اعمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ثابت ہے اور اس پہلے خواب میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے وہ حکم فرمایا تھا بوجہ تعلقات خاص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولانا فتح محمد صاحب کی صورت مثالی میں نظر آئے اور معنی اس صورت کے یہ تھے کہ فتح وفیض محمدیؐ امر امامت فرمانے کے بعد عرض اعمال میں چونکہ امامت میری پیش نہیں ہوئی یہ معنی ہیں رسید نہ آنے کے یعنی ایک بات کا امر کیا گیا مگر تعمیل کی اطلاع نہیں آئی میں حیران ہوا کہ امامت کیسے اختیار کروں۔ خود کیسے درخواست کروں بالآخر یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ اگر منجانب اللہ یہ امر ہے تو اس کی صورت غیب سے پیدا ہو گی۔ چنانچہ بہت ہی تھوڑے زمانہ میں یہ بات پیش آئی کہ ایک اور حافظ صاحب اور امام سابق میں امامت پر تکرار ہوا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ جو پہلے پہنچ گیا زبردستی امام بن گیا یہ تکرار بہت بڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ چند دانشمندوں نے یہ کہا اور خود دونوں امام بھی راضی ہو گئے کہ لڑنا تو ان باتوں پر ٹھیک نہیں نہ میں امامت کروں نہ تم اور مجھ سے امامت کی درخواست کی۔ میں نے چند شرائط پر قبول کرلیا اور جامع مسجد میں اعلان بھی کردیا کہ میں لوگوں کے اصرار سے امامت قبول کرتا ہوں۔ چند شرائط سے ایک یہ کہ وقت کی تعیین میرے رائے پر ہوگی میں اس میں نہ کسی کا تابع ہوں گا نہ کسی کا انتظار کروں گا۔ دوسرے یہ کہ امامت کو میں کوئی فخر نہیں سمجھتا ہوں جس میں کسی سے جھگڑا کروں یا اس میں میراث قائم کروں کہ میرے بعد کوئی میرا بیٹا یا کوئی خلیفہ امام ہو۔ میں آپ کے کہنے سے امام بن گیا ہوں اور جب آپ چھڑانا چاہیں گے میں امامت چھوڑ دوں گا۔ اس وقت بھی اگر کسی کو اس سے مخالفت ہو تو مجھے اس کی پیچ نہیں بے تامل ظاہر فرمادیں یا لکھ کر میرے پاس بھیج دیں اور آئندہ کے لئے بھی یہی عرض کرتا ہوں کہ جب آپ چاہیں مجھے الگ کردیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ایک دو کے کہنے سے الگ نہ ہوں گا کیونکہ یہ تو لہو ولعب ہو جائے گا جب الگ کرنا ہو دس آدمی مجھ سے کہہ دیں فوراً الگ ہو جاؤں گا اس میں اس بات کی بھی قید نہیں کہ وہ کہنے والے سر برآوردہ لوگ ہوں ایک جولاہہ کو بھی یہ خیال پیدا ہو تو نو آدمیوں کو اور اپنا ہم خیال کرلے اور مجھ کو زبانی یا تحریری اطلاع کردے بس کافی ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر میں موجود نہ ہوں تو آپ کسی

دوسرے کو امام بنا لیجئے اور اس کا انتظام میرے ذمہ نہ ہوگا۔ کہ میں کسی کو قائم مقام کر دیا کروں بلکہ آپ ہی کے سپرد ہے جو اس وقت اس کے قابل موجود ہو کھڑا کر دیجئے ہاں آسانی کے لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند صاحبوں کی تعیین ہو جاوے کہ میری عدم موجودگی میں وہ امام ہو جایا کریں سب سے اول امام قدیم اور ان کے بعد دوسرے امام اور ان کے بعد فلاں وفلاں فرماتے ہیں حضرت والا کہ جس دن اول روز میں امامت جمعہ کے لئے گیا تو محسوس ہوتا تھا کہ مسجد انوار سے بھری ہوئی ہے اور قلب میں نہایت بشاشت اور طمانیت ہے ممکن ہے کہ یہ خیالی اثر ہو یا اس کی کچھ اصلیت بھی۔ ۲۰ شوال ۱۳۳۲ھ وقت اشراق روز شنبہ پھاٹک نشست گاہ۔

فوائد ونتائج

امامت وامارت خود اختیار نہ کرنا چاہئے:

قولہ میں تو ان قصوں سے ہمیشہ الگ رہتا ہوں امامت بھی ایک قسم کی امارت ہے خود بخود اختیار کرنا نہ چاہئے۔ حدیث میں ہے۔

من سال الامارۃ و کل الیٰ نفسہ و من اعطیھا من غیر مسئلۃ اعین علیھا او کما قال

ترجمہ جو کوئی امارت کو خود چاہے گا وہ اپنے نفس پر چھوڑ دیا جائے گا اور جس کو امارت بلا اپنی خواہش کے مل جاوے گی اس کی غیب سے اعانت کی جاوے گی ہر ذمہ واری کے کام کا یہی حال ہے۔ وہو المراد من قولہ ان قصوں سے۔

(۲) خواب کی تحقیق:

قولہ کسی[۱] سے بیان نہ کروالخ خواب میں کسی بات کا امر ہونا ظن ہے خوف فتنہ اس کا مزاحم ہوسکتا ہے۔ فتنہ سے بچنا خود مامور شرعی ہے اس واسطے حضرت والا نے باوجود مولوی شبیر علی کے خواب سے خواب اول کی تصریح اور تاکید ہو جانے کے تعمیل حکم میں جلدی نہیں کی کیونکہ ہنوز حضرت والا کو اس کا شرح صدر نہیں ہوا کہ امر فوری ہے ورنہ خود امامت کی

[۱] خواب کے متعلق کچھ بحث حکمت سی وکیم میں اور کچھ حکمت بست ونفتم میں بھی مذکور ہے

درخواست کرنے میں بھی کیا تامل تھا۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں　　خاک برفرق قناعت بعد ازیں

رہا یہ کہ کونسا قرینہ تھا کہ اس سے امر کا فوری ہونا ثابت ہوتا سو مفوض الی رای المامور ہے نظیر اس کی یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح مکہ خواب میں دکھلائی گئی مگر حضورؐ نے بیدار ہوتے ہی تیاری نہیں کر دی بلکہ تہیہ غیبی کا انتظار کیا چنانچہ خود اس کے سامان پیدا ہوئے ہاں ممثل اور ممثل لہ میں اتنا فرق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب اخبار تھا اور یہ امر لیکن امر فوری ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس میں یہ مصلحت ہو سکتی ہے کہ تفویض الی اللہ بھی حاصل ہو اور جو ہونے والا ہو وہ ہوتا ہے۔ ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلاممسک لھا ترجمہ: جو رحمت حق تعالیٰ لوگوں کے لئے جاری فرماویں اس کا کوئی روکنے والا نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی کی شکل میں نظر آنا ممکن ہے:

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب میں کسی دوسری صورت میں بوجہ کسی تعلق خاص کے نظر آنا ممکن اور واقع ہے۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ اس کے سامنے حضرت مولانا کلید مثنوی ہاتھ میں لئے پڑھ رہے ہیں اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھ کر بتاتے ہیں کہ تم پڑھو اس نے غایت ادب سے سکوت کیا تو حضرت مولانا نے کلید مثنوی اس کے ہاتھ میں دی اور فرمایا لو پڑھو۔ یکا یک معلوم ہوا کہ حضرت مولانا نہیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس خادم نے یہ خواب حضرت مولانا سے عرض کیا تو نہایت خوش ہوئے اور فرمایا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے اور یہ علاوہ اور باتوں کے ان شاء اللہ کلید مثنوی کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

مقبولیت کے آثار پر غرہ نہ ہونا چاہئے:

کسی عمل میں مقبولیت کے آثار پیدا ہو جانے سے غرہ نہ ہونا چاہئے کہ اسکے متعلق حدود شرعیہ محفوظ نہ رہیں جیسا کہ حضرت والا نے کیا کہ غیب سے امامت عطا ہونے پر بھی چند شرطیں لگا دیں کسی نعمت کا اعطاء فعل حق سبحانہ تعالیٰ ہے اور فعل عبد یہی ہے کہ عبودیت کو نہ

بھولے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فعل مقبول اور غایت درجہ کی طاعت تھا پھر بھی فرماتے ہیں۔

اما انا فاکل کما یا کل العبد یعنی میں کھانا اس طرح کھاتا ہوں جیسے ایک غلام کھایا کرتا ہے (نہ کہ متکبروں اور آزادلوگوں کی طرح) شرطوں میں اسی بات کی اور اس حد شرعی کی رعایت ہے۔یایھاالذین اٰمنو الم تقولون مالا تفعلون (اے مسلمانوں ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔یعنی بات وہ کہنا چاہئے جو آدمی کر بھی سکے)

حکایت: ایک شخص نے کبرسنی میں قرآن شریف حفظ کیا چند بزرگوں کی دعا سے تکمیل کو پہنچ گیا۔ بزرگوں کی دعا کا شامل ہونا علامت مقبولیت ہے۔ بعد ختم اس نے دو بزرگوں کو خواب میں دیکھا کہ وہ حفظ قرآن پر مبارکباد دیتے ہیں اس سے اور مقبولیت کی تائید ہوئی۔ایک نئے شہر میں اس کا ورود ہوا اہل محلّہ نے اپنی مسجد میں تراویح میں ختم قرآن کے لئے کہا اس نے اس کو آوازہ غیب سمجھا اور ذرا انکار نہیں کیا اور ایک بزرگ سے بیان کیا کہ امسال میں فلاں محلّہ میں سناؤں گا۔ان بزرگ صاحب کے منہ سے نکلا آپ کا قرآن مقبول ہے جہاں جاؤ گے لوگ ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔یہ سب سے زیادہ خوش کن اور اطمینان دہ بات تھی۔انہوں نے تراویح شروع کی۔پہلے ہی روز اہل محلّہ سے بگاڑ ہوا حتیٰ کہ مارنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ان کو اپنے استاد کی نصیحت یاد آئی کہ واردات اور کشف وکرامت کی طرف التفات نہیں کرنا چاہئے۔یہ اس التفات کی سزا ہے اس مسجد سے نکال دیئے گئے اور مدتوں اہل محلّہ نے ذلیل کیا۔اس میں بہت سے پڑھے لکھے بھی غلطی کر جاتے ہیں۔ذرا سی اچھی علامت پا کر اپنے آپ کو خواص میں سمجھ لیتے ہیں۔رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت آجاتی ہے کہ دوسرے میں اگر وہ علامت نہ پائیں تو اس کو اپنے سے کم سمجھتے ہیں یہ دو مرض آجاتے ہیں خود بینی اور دوسرے کی تحقیر شیخ سعدی انہی کی نسبت فرماتے ہیں۔

مرا پیر دانائے روشن شہاب دو اندرز فرمود برروئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش دوم آنکہ برغیر بد بیں مباش

حالانکہ مقبولیت کے لئے جو علامات مظنونہ ہیں ان علامات کا حال خواب کا سا ہے کہ ایک ہی خواب کی ایک کے لئے تعبیر کچھ ہوتی ہے اور دوسرے کے لئے کچھ اور مع اس کے علم تعبیر علم واقعی ہے جس کو خدا تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ وہ بالکل صحیح سمجھتا ہے علی ہذا علامات سے کچھ اخذ کرنا بھی شیخ کا کام ہے طالبین کو اپنی فہم پر اعتماد نہ چاہئے۔ اور اگر شیخ کے اشارے سے ثابت ہو جاوے کہ یہ علامت نیک ہے تب بھی اس کی طرف ایسا التفات نہ چاہئے کہ باعث انکار ہو جاوے۔ بدلیل[1] قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ **اذن یتکلوا** ایسے موقعہ پر اسلم اور بے خوف وخطر طریقہ یہی ہے کہ اس کو عطیہ الٰہی سمجھے اور عبودیت کو نہ بھولے۔

اگر وہ عطیہ الٰہی اس کے لئے ہے تو اس کو مل کر رہے گا اور کسی کے زائل کرنے سے زائل نہ ہوگا خود اس کے ٹالنے سے بھی نہیں ٹل سکتا۔ خلاصہ یہ کہ عمل کرے اور اس کے مقبولیت اور عدم مقبولیت کی طرف نظر نہ کرے۔ اپنے امکان بھر اس کے ارکان وشرائط کو پورا کرے کیونکہ اس کے مامور ہے اور قبول فعل حق تعالیٰ ہے۔ امید کو کسی قدر غالب رکھے۔

سبقت رحمتی علی غضبی (میری رحمت قہر پر غالب ہے)۔ اس کے ماسوا آثار و علامات کی طرف توجہ ہی نہ کرے۔ ثمرات کی نسبت اس پر عمل کرے کہ نیکی کر اور دریا میں ڈال۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن   کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

حضرت والا کے اخیر جملہ میں کہ انوار واقع میں ہوں یا میرا خیال ہو کس قدر اس کی تعلیم ہے۔ حالانکہ اہل اللہ کو حق تعالیٰ نے وہ نظر دی ہے کہ بمصداق **فانہ ینظر بنور اللہ** غلطی نہیں کر سکتی لیکن تعلیم طالبین اور احتیاط کے لئے ہی فرمایا کہ ان باتوں پر وثوق نہ چاہئے۔ حضرت مولانا مدظلہ کے اس واقعہ میں طالبین کے لئے ایسے سبق ہیں کہ بار بار دہرانا بلکہ ہر وقت یاد رکھنا چاہئے۔ نہ عبودیت سے خروج ہے نہ نعمت الٰہی کی بے قدری نہ ایک فضیلت پر فخر بالکل اعتدال ہے اور آیت **وکذلک جعلنا کم امۃ وسطا** (ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے) کی تصدیق ہے بلا افراط ولا تفریط

---

[1] قصہ اس کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا کہ علی الاعلان کہدو جو کوئی کلمہ پڑھے جنت میں جاویگا۔ ابو ہریرہؓ چلے راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے اور ابو ہریرہؓ کو زبردستی روکا اور کہا اذن یتکلوا یعنی اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اعمال چھوڑ دیں گے۔ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بحال رکھا

عطیہ الٰہی کی قدرت:

امام سابق اور دیگر اماماں میں ترتیب قائم کرنے میں حفظ مراتب کی رعایت ہے اور **نزلوا الناس منازلھم** (لوگوں کو ان کے مرتبہ پر رکھو) کی تعمیل ہے۔ سب سے اول امام قدیم کو رکھا کیونکہ عرصہ تک امامت انہوں نے کی ہے۔ ان کی اقامت کے وقت امام ہی ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے کو بلا اجازت ان کی امامت جائز نہ تھی وہ سب پر مقدم تھے۔ ان کی موافقت رائے سے حضرت والا کی طرف امامت منتقل ہوئی درصورت حضرت والا کے نہ ہونے کے اول انہیں کی طرف لوٹائی گئی۔ اور درصورت ان کے نہ ہونے کے دوسرے علی تفاوت المراتب مقرر ہوئے۔

نعمت الٰہی کا اتلاف اسراف ہے:

قولہ ایک دو کے کہنے سے الگ نہ ہوں گے کیونکہ یہ لہو ولعب ہو جاوے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نعمت الٰہی کی قدر کرنا چاہئے۔ مال کے لئے تو نص قرآنی موجود ہے۔

ولا تؤتوا السفھاء اموالکم الایہ یعنی بے عقلوں کے حوالہ اپنا مال نہ ڈال دو۔ اس سے باشتراک علت یعنی بے قدری نعمت الٰہی حکم جملہ نعمتوں کی طرف متعدی ہو سکتا ہے جیسے مال کا تلف کرنا اور سفہاء کے ہاتھ میں دیدینا جائز نہیں۔ ایسے ہی آبرو کا سفلوں میں بیٹھ کر یا خفیف حرکات کر کے کھو دینا جائز نہیں۔ ایسے ہی خداداد امارت وامامت وغیرہ جملہ نعمتہائے الٰہی کا بے عقلوں کے ہاتھوں ضائع کرنا درست نہیں۔

مجلس ہفتم (۷)

نقل فرمایا کہ ایک سفر میں میرے ایک ملنے والے جن کے پاس تیسرے درجہ کا ٹکٹ تھا۔ تھوڑی دور کے لئے اونچے درجے میں جا بیٹھے تو میں نے کہا اتنی دور کا کرایہ جو زاید ہوا ہے حساب کر کے ادا کر دینا۔ برابر میں ایک عالم بیٹھے تھے بولے اس کا کرایہ ان کے ذمہ واجب نہیں کیونکہ یہ اس میں غاصب ہیں اور منافع مغصوب کی عدم ضمان کی تصریح فقہ میں موجود ہے۔ مثلاً کوئی کسی کا گھوڑا چھین لے اور دن بھر چڑھا پھرے تو اس چڑھنے کا کرایہ واجب نہ

ہوگا۔ مجھے افسوس ہوا کہ قطع نظر صحیح ہونے نہ ہونے سے یہ فتویٰ بے محل دیا گیا۔ اس سے بڑی بڑی گنجائشیں نکالی جاویں گی۔ میں نے اس شخص سے دوسرے وقت کہہ دیا کہ مجھ کو یاد ہے کہ فقہ میں معدالاجارہ کو مستثنیٰ کیا ہے۔ مثلاً اگر سواری کا گھوڑا چرایا اور سواری لی تو کرایہ دینا نہ ہوگا اور اگر کرایہ کا گھوڑا چرایا اور سواری کی تو کرایہ دینا ہوگا۔ ریل معدلا کراء ہے۔

علم دین بعضوں کو مضر ہوتا ہے:

فرمایا بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ فی نفسہ گو صحیح ہوں مگر مفضی ہو جاتے ہیں مفاسد کی طرف۔ عوام کو ان کی اطلاع ہوئی اور آفتیں کھڑی ہوئیں۔ میں نے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ علم دین بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے۔ اور فرمایا عالم کو نہ چاہئے کہ اپنے یا اپنے متعلقین کے لئے تو کتابوں میں سے روایتیں چھانٹ کر آسانی نکال لیں اور دوسروں پر جن سے کہ تعلق نہیں ہے دین کو تنگ کریں ان کے عیب ڈھونڈنے کے لئے وہ روایتیں تلاش کریں جن میں تنگی ہو۔ بلکہ علماء کو مناسب یہ ہے کہ اس کے برعکس عمل رکھیں۔ دوسرے کے عیب میں تو حتی الامکان فقہ سے گنجائش نکال لیں اور اپنے نفس پر تنگی کریں۔ خصوصاً ان کاموں میں جن میں دین کا یا دنیا کا کوئی مفسدہ مرتب ہو جانے کا اندیشہ ہو اسی وجہ سے بدعات مروجہ سے مطلقاً اہل علم کو روکا جاتا ہے کہ اس میں دوسروں کے بگڑنے کا اندیشہ ہے۔ گو فی نفسہ ان کو ضرر نہ ہو اور اسی جنس سے یہ ہے کہ میں خطوط کے بارے میں بہت احتیاط کرتا ہوں۔ کوئی بات خلاف قواعد ڈاک خانہ نہیں کرتا ہوں کہ بہت سوں میں تو حقوق اللہ ہیں اور بہت سوں میں دنیاوی فتنہ کا احتمال ہے مثلاً ٹکٹ ذرا مشکوک ہو جاتا ہے تو میں نہیں لگاتا ہوں یا بہت سے لفافے کارڈ ایسے آجاتے ہیں کہ ان پر ڈاک خانہ کی مہر نہیں لگی ہوتی ہے۔ میرا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ان کو چاک کر دیتا ہوں گو میں ان کو دوبارہ استعمال کروں تو کسی ثبوت سے کوئی گرفت نہیں ہو سکتی لیکن اس کی دیانتاً اجازت نہیں ہے۔

فتنہ دینی و دنیوی دونوں سے بچنا چاہئے:

علماء کو چاہئے خود دین اور دنیا دونوں کی آفات سے بچیں بعض وقت گنجائش پر عمل کرنے سے دین کی یا دنیا کی بڑی آفت کھڑی ہو جاتی ہے۔ ۲۰ شوال ۳۲ھ روز شنبہ بعد عصر بر چبوترہ نشست گاہ۔

فوائد ونتائج

(۱) اگر موقعہ ہوتو امر بالمعروف سے چوکنا نہ چاہئے جیسے حضرت والا نے اپنے ملنے والے کو فہمائش کی۔

اپنے برابر کے سامنے فروتنی:

جب کوئی ذی علم اپنی برابر یا اپنے سے زیادہ مخالفت کرے تو شان علم یہ ہے کہ اپنی بات کی پیچ نہ کرے اپنا کام یعنی نصیحت کردی اب اس فعل کے کرنے والے کے ذمہ ہے کہ تحقیق کرے۔ پرائے واسطے جنگ وجدل میں پڑنا تضیع وقت ہے۔ قطع نظر تضیع وقت سے خشیت الٰہی کا مقتضا یہی ہے کہ باوجود پوری یادداشت اور تحقیق کے دوسرے کی تحقیق کے مقابل یکلخت اپنی تحقیق کو ترجیح نہ دے بلکہ نظر ثانی کرے اور پھر تحقیق کرے اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کو ایسا مقدمہ پیش آوے کہ ذرا سی بیان پر پھانسی ہوتی ہو اور ذرا بدلنے سے چھوٹتا ہو تو وہ ایسا گڑبڑا جاتا ہے کہ باوجود قانون داں ہونے کے بار بار دوسروں سے پوچھتا ہے اور اطمینان نہیں ہوتا۔ اس سے بھی زیادہ کثیر الوقوع مثال یہ ہے کہ جب کوئی اسٹیشن پر ریل کے سفر کے ارادہ سے جاتا ہے اور اسباب اس کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے تو باوجود یہ کہ وقت ٹھیک کتاب میں دیکھا ہوا ہو اور گھڑی بھی پاس ہو لیکن اسٹیشن کے قلیوں سے پوچھتا ہے کیوں جی ابھی تو ریل میں دیر ہے۔ اسباب کی بلٹی کرانے کا وقت تو ہے۔ ریل میں جگہ اچھی مل سکتی ہے اور اگر کوئی کہدے کہ ریل آ گئی تو ایک دفعہ کو تو سناٹا سا ہو ہی جاتا ہے۔ اس وقت یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ غلط کہتا ہے۔ باوجود گھڑی وغیرہ صحیح ہونے کے دوسروں سے پوچھتا ہے پھر اگر وہ خبر غلط ہی نکلی اور ریل میں دیر نکلی اور پریشانی کے بعد اطمینان سے ریل مل گئی تو کہتا ہے خدا کا شکر ہے ریل مل تو گئی گو ایک نے تو ڈرا ہی دیا تھا۔ اب اگر کوئی یہ بھی کہے کہ ابھی ریل میں دیر ہے۔ اسٹیشن ماسٹر سے اس کی اطلاع کرو کہ ایک شخص یہاں مسافروں کو دھوکا دیتا ہے تو کہتا ہے میاں میرا کام ہو گیا اس نے جھوٹ بولا اپنا منہ خراب کیا۔ اسی طرح عالم کو خوف خدا چاہئے۔ مسئلہ بتانا خدا تعالیٰ کی طرف ایک بات منسوب کرنا ہے۔ اگر ذرا بھی احتمال پیدا ہو

جاوے تو ایسا ہی خوف پیدا ہونا چاہئے جیسے ریل کے آ جانے کی خبر سنکر مسافر کو پیدا ہو جاتا ہے اور جب اطمینان ہو جاوے کہ ہماری تحقیق صحیح تھی تو شکر خدا بجالانا چاہئے نہ کہ کسی سے لڑنا بھڑنا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسئلہ کی تحقیق کے متعلق کسی سے گفتگو نہ کرنا چاہئے۔

تحقیق اور چیز ہے اور جدال اور:

تحقیق کرنا اور بات ہے اور جنگ وجدل اور۔ اگر طرفین میں خوف خدا ہو اور دین کی اتنی بھی پرواہ ہو جتنی مسافر کو ریل مل جانے کی تو کبھی جنگ وجدل کی نوبت نہیں آ سکتی۔ اختلاف آئمہ مجتہدین وصحابہ اسی طرح کا ہوتا تھا۔

ہر استفتیٰ کا جواب دینا ضروری نہیں:

مفتی کو ہر سوال کے لئے فوراً نہیں تیار ہو جانا چاہئے۔ علماء میں فی زمانہ رائج ہے کہ ہر سوال کا جواب دینا ضروری سمجھتے اور اس کو اپنا فخر جانتے ہیں۔ عوام کے سامنے دقیق مسائل بیان کر دینا ایسا ہے جیسا کہ بچہ کو روپیہ پیسہ اور قیمتی اسباب پر قبضہ دیدینا یا بچہ کے ہاتھ میں چھری چاقو دے دینا۔ یا سر بازار گاتے پھرنا کہ ہمارے پاس اتنا مال ہے یا جو کوئی پوچھے کہ آپ کا مال کہاں رکھا ہے اس کو بتادینا اور نہ بتانے کو جھوٹ سمجھنا۔ بعض لوگ اس حدیث کو پیش کیا کرتے ہیں۔ من سئل عن علم فکتمه الجم بلجام من النار یوم القیمة (جس سے کوئی مسئلہ پوچھا جاوے اور وہ چھپاوے تو اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام دی جائے گی۔) اس کا حل یہ ہے کہ جو شخص مسئلہ کسی فتنہ پردازی کے لئے پوچھتا ہے سائل عن علم ہی نہیں ہے۔ بلکہ مجادل ہے اور جدال شیوہ جاہلان ہے۔ اسی کی نسبت قرآن شریف میں ہے واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلما (اور جب ان سے جہلاء گفتگو کرتے ہیں تو وہ ان کو سلام کرتے ہیں (اور الگ ہو جاتے ہیں) والذين هم عن اللغو معرضون (اور وہ لوگ جو فضول بات سے الگ رہتے ہیں) مفتی کو بہت تجربہ کار اور فہیم ہونا چاہئے۔ فتویٰ دینا گویا امراض روحانی کا علاج کرنا ہے جب امراض جسمانی کا معالج بھی وہی ہوسکتا ہے جو تجربہ کار ہو تو امراض روحانی کا معالج ناتجربہ کار کیسے ہوسکتا ہے۔ جیسے کہ بعضے علاج فی

نفسہ صحیح ہوتے ہیں مگر کسی عارض کی وجہ سے موقوف رکھے جاتے ہیں۔ مثلاً کسی کو جوع البقر کا مرض ہے تو اس کو دوا یا غذا مزہ دار نہ دینا چاہئے کیونکہ وہ ضرور مقدار سے زیادہ کھالے گا اور نقصان ہوگا۔ ایسے ہی بہت سے مسائل صحیح ہوتے ہیں لیکن مستلزم بعض مفاسد کو ہوتے ہیں۔ اس وقت ان پر فتویٰ نہ دینا کتمان حق نہیں ہے بلکہ تقدم بالحفظ از مرض ہے اور حفاظت حق یہی حکم علم دین پڑھانے کا ہے کہ یہ کوئی ضرور نہیں کہ ہر شخص کو علم پڑھا دیا جاوے۔ بعضے طالب علم صرف اس واسطے پڑھتے ہیں کہ وہ بھی مولوی کہلانے لگیں اور فتویٰ ان کا مانا جانے لگے۔ پھر ان سے علماء اور علم کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ مطلق علم اور افراد علم سب کا یہی حال ہے۔ بعضوں کو کسی خاص فرد علم سے مناسبت نہیں ہوتی اور طبیعت فتنہ پسند ہوتی ہے۔ وہ علم پڑھانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ مدرسوں میں اس کا خیال ہونا چاہئے علم بقدر ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ ہر شخص پر فرض ہے مطلب یہ ہے کہ اصطلاحی مولوی ومقتدا بننا ہر ایک کے شایان نہیں۔

علماء کو اپنے اوپر شدید اور دوسروں پر نرم ہونا چاہئے:

علماء کے لئے بلکہ ہر شخص کے لئے عمدہ اور مفید طریق یہی ہے کہ اپنے لئے تنگی اور دوسروں کے لئے توسع سے کام لیں اور اس کے عکس سے **ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا** (شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اس کو دشمن ہی سمجھو) اور **اجتنبو اکثیر امن الظن** (بہت سے گمانوں سے بچو) کی تعمیل کبھی نہیں ہوسکتی۔

(۵) دین کے فتنہ سے تو بچنا ضرور ہے ہی دنیا کے فتنہ سے بھی حتی الامکان بچنا ہی چاہئے۔ **ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ** (اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی) اس پر دال ہے نیز احادیث میں کثرت کے ساتھ فتنوں سے پناہ مانگنے کی تعلیم ہے۔ دنیا کا فتنہ خود قابل احتراز ہے نیز کبھی دنیا کا فتنہ موجب پریشانی ورافع سکون قلب ہوکر دینی مضرتوں کا باعث بھی بن جاتا ہے۔ ہاں جب اس سے اشد ضرورت دین کی یا دنیا کی آپڑے تو **فلیختر ایسرھما** (چاہئے کہ جو دوسرے سے اسان

ہوا سے اختیار کرے) کرنا ہی پڑے گا۔

مجلس ہشتم (۸)

فرمایا مجھے ہر کام میں یہ اہتمام رہتا ہے کہ مسلمانوں کے اس معاملہ کی بھی اصلاح ہو جو فیما بینھم و بین اللہ ہے اور اس معاملہ کی بھی جو فیما بینہم ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ میری نیت ہی میری مغفرت کے لئے کافی ہو جائے۔ ۲۰ شوال ۳۲ روز شنبہ۔

فوائد ونتائج

(۱) ہمدردان قوم کی غلطی:

مصلحان قوم کا یہی طرز عمل ہونا چاہئے اگر ان دونوں میں سے ایک کی اصلاح نہ ہوئی تو وہ جسد بلا روح یا روح بلا جسد ہے۔

یا یھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و اصلحوا ذات بینکم ترجمہ ''اے مسلمانوں حق تعالٰی سے ڈرو اور اپنی باہمی معاملہ کو درست کرو''۔ اول حقوق اللہ ہیں اور ثانی حقوق العباد اگر دین کو غارت کر کے ہمدردی قوم کی تعلیم ہوئی تو کس شمار میں ہے اور اگر حقوق اللہ کی اصلاح کے ساتھ حقوق العباد غارت ہوئے تو کیا اصلاح ہوئی۔ آج کل اکثر مصلحان قوم اس مرض میں مبتلا ہیں کہ حقوق اللہ کی مطلق پرواہ نہیں حتیٰ کہ نعوذ باللہ بعضوں نے تو یہی کہہ دیا کہ ترقی قومی بلا آزادی مذہبی کے نہیں ہو سکتی۔ (یہ صریح کفر ہے) اور جو حقوق اللہ کی پروار کھتے بھی ہیں وہ مذہب میں تراش خراش ایسی کرتے ہیں کہ تحریف تک نوبت آجاتی ہے تو یہ دین کی پروا نہیں اتباع نفس ہے جس کی نسبت نص ہے۔ ولاتتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ (اور نہ پیروی کرو خواہش نفس کی کہ تجھکو خدا کے راستہ سے ہٹا دے) اور حقوق العباد ادا کرنے میں بھی ان کے پاس لفظ ہی لفظ ہمدردی قومی کا ہے اپنے مطلب کے لئے کسی کی توہین وتحقیر اور حق غیر کا دبالینا کچھ بات ہی نہیں (دن رات کا تجربہ اس کا شاہد ہے) اس کے لئے نصوص بکثرت ہیں۔ واصلحوا ذات بینکم ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (اور درست کرو اپنے آپس کے معاملہ کو اور نہ کھاؤ اپنے اموال آپس میں

ناجائز طریق سے ۔۱۲) وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے ہمدردان قوم کو وقت پر غلطی ہی میں مبتلا دیکھا۔ والسوابق تمتحن بالرھان (اور دوڑنے والی سانڈنیوں کا امتحان گھوڑ دوڑ میں ہوتا ہے) جانچ کے وقت سچ اور جھوٹ کھلتا ہے۔

(۲) اصلاح معاملہ باللہ واصلاح ذات البین کہنے کے لئے صرف دو لفظ ہیں مگر درحقیقت شریعت کا عطر ہیں اور کوئی معمولی اور آسان بات نہیں اسی واسطے حضرت والا اس کے ساتھ امید نجات کو وابستہ فرماتے ہیں۔

مجلس نہم (۹)

دین کثرت نوافل کا نام نہیں:

راقم کو حضرت والا نے قیام کے لئے اپنے بھائی مولوی مظہر صاحب کا مکان عطا فرمایا تھا۔ یہ مکان حضرت والا کے مکان سے جانب جنوب بالکل ملا ہوا ہے۔ دونوں کے بیچ میں کھڑکی ہے لیکن باہر کے پھاٹک سے اس مکان کو اتنا فصل ہے کہ پھاٹک کے باہر سے پکارنے والے کی آواز اس مکان کے اندر پہنچنا ذرا دشوار ہے۔ ایک روز آدھی رات کے بعد ایک مریض کو راقم کی ضرورت ہوئی۔ آدمی نے آکر پھاٹک کے باہر سے آوازیں دیں لیکن باوجود دیر تک چیخنے چلانے کے اندر سے کچھ جواب نہ ملا۔ حتیٰ کہ حضرت والا جو پھاٹک سے ذرا فصل پر بیرونی مکان میں آرام فرماتے تھے اور مولانا احمد حسن صاحب سنبھلی جو دیوانخانہ میں سوتے تھے بیدار ہوئے۔ مولوی صاحب نے کواڑ کھولے حضرت والا کو سخت تعجب ہوا کہ پھاٹک کے بالکل متصل ایک طالب علم سوتا ہے وہ کہاں ہے۔ دیکھا تو وہ طالب علم تہجد میں مصروف ہیں اور باوجود اتنے غل مچنے کے نہ انہوں نے نماز مختصر کی نہ قطع کی۔ حضرت والا ان پر بہت ناراض ہوئے اور تادیباً مارا بھی۔ اور فرمایا کہ اتنے دن یہاں رہ کر تمہیں یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ دین کیا چیز ہے۔ دین کثرت نوافل یا لمبی لمبی رکعتوں کا نام نہیں ہے۔ دین اور ہی چیز ہے۔ پھر حضرت والا کو اس سے رنج ہوا کہ ایک نماز پڑھنے والے کو مارا گویا نہی عن الصلوٰۃ کی سی صورت پیدا ہوگئی۔ بعد نماز فجر ان طالب علم کو بلایا اور

فرمایا میں نے اس وقت بحالت غصہ جو کچھ کہا سنا وہ اگر چہ تمہارے نفع کے لئے تھے مگر بعد میں مجھ کو ندامت ہوئی۔ اللہ کے واسطے معاف کر دو یا بدلہ لے لو۔ طالب علم نے حضرت والا کے پاؤں پکڑ لئے اور عرض کیا حضرت نے کیا زیادتی کی۔ میرا قصور تھا میں تو گھر بار اسی کے واسطے چھوڑے پڑا ہوں۔ اگر تادیب و تنبیہ نہ ہو گی تو میرے عیب کیسے نکلیں گے۔ فرمایا بھائی عاقبت کے واسطے نہ رکھو۔ وہاں کے بدلہ کا تحمل نہیں۔ عرض کیا حضرت کچھ خیال نہ فرماویں میں تو اس کو اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ فرمایا یاد رکھو کہ دین کثرت نوافل کا نام نہیں ہے۔ تم کو یہ چاہئے تھا کہ جب پکارنے والے نے پکارا تھا تو سبحان اللہ زور سے کہہ دیتے یا قراءت زور سے کرنے لگتے تا کہ اس کو معلوم ہو جاتا کہ دروازہ میں کوئی موجود ہے وہ پریشان نہ ہوتا اور پکارے نہ چلا جاتا۔ آس پاس کے لوگ بھی پریشانی سے بچ جاتے۔ محلّہ بھر جاگ اٹھا کہ خدا جانے کوئی مر گیا۔ یا کنویں میں گر گیا یا چور آ گھسے۔ یہ کاہے کا غل ہے۔ یہ سب بھی پریشانی سے بچ جاتے عرض کیا میں نے سورہ والفجر شروع کر دی تھی جب تک وہ ختم ہوئی یہ تمام غل مچ گیا۔ فرمایا سبحان یہ اور بڑھ کر ہوئی۔ آپ کی تو قراءت ہوئی اور مریض اور تمام محلّہ کی پریشانی ہوئی۔ چاہئے تھا کہ بقدر ضرورت قراءت کر کے نماز ختم کرتے اور فوراً دروازہ کھولتے۔ مریض مضطر ہوتا ہے اور اس دیر کرنے میں اس کی ایذا ہے۔ اور حدیث میں

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده ترجمہ ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں'' جس فعل سے مسلمان کو ایذا ہو وہ دین نہیں بلکہ ترک دین ہے۔ بعض موقعوں پر نماز کا قطع کرنا اور توڑ دینا واجب ہے۔ مثلاً تمہارے سامنے کوئی کنویں میں گرا جاتا ہو اور تم نماز میں ہو تو واجب ہے کہ نماز توڑ کر اس کو بچاؤ اور نہ کرو گے تو نماز کا ثواب نہیں بلکہ گناہ ہو گا۔ اس کے بعد فرمایا آج سے تم دروازہ پر نہ سویا کرو میں نہیں چاہتا کہ پھر ایسی ایذا میرے ہاتھ سے تم کو پہنچے۔

طالب علموں سے خدمت لینا:

ایک صاحب نے سفارشاً عرض کیا کہ جو ہوا سو ہوا ان کو اس خدمت سے الگ نہ کیجئے

اور حسب دستور دروازہ پر سونے کی اجازت دیجئے۔ ناواقفیت سے یہ قصور ہوا۔ فرمایا نہیں یہ اس کام کے نوکر نہیں ہیں نہ میں نے اس پر ان کو مقرر کیا تھا بلکہ انہوں نے خود دروازہ پر سونا شروع کیا تھا میں نے منع نہیں کیا میں کسی طالب علم سے خدمت نہیں لیتا ہوں۔ طالب علم اس واسطے نہیں ہیں ان کا اپنا ہی کام بہت ہے۔ کسی کی خدمت کریں گے یا پڑھیں گے۔ نیز اس وجہ سے کہ خدمت کرانے سے مجھ پر ان کا ایک قسم کا دباؤ اور لحاظ ہو جائے گا پھر اگر تادیب کی ضرورت ہوگی تو میں نہ کر سکوں گا۔ نیز اس خیال سے کہ خدمت کر کے کوئی اپنے آپ کو مقرب نہ خیال کر لے اور لوگ اس کو بیچ میں نہ ڈالیں۔ اس پر بہت سے مفاسد مبنی ہوتے ہیں جیسا اکثر مشائخ کے یہاں موجود ہے اور میں نے طالب علموں میں سے بھی ذاکرین کو اس قاعدہ کے ساتھ اور زیادہ خاص کر رکھا ہے۔ اگر کوئی طالب علم اپنی طرف سے کوئی کام میرا کر دے تو میں منع بھی نہیں کرتا ہوں اور ذاکرین کو اس سے بھی روکتا ہوں۔ ایک تو ذکر کا ادب اور دوسرے اس وجہ سے کہ کوئی ان میں سے میرے اوپر کسی بات پر اصرار کی جرات نہ کرنے لگے۔ نیز کسی کو یہ خیال نہ ہو جاوے کہ میں مقرب ہو گیا اس سے ذکر شغل میں کمی کرنے لگے۔ راقم نے عرض کیا کہ دروازہ کا خالی رہنا ٹھیک نہیں۔ بندہ زادہ محمد مجتبیٰ کو اجازت دید یجئے کہ دروازہ پر سویا کرے فرمایا کسی کو بھی پابند کرنا میری عادت کے خلاف ہے۔ جیسے میں خود پابند نہیں ہونا چاہتا ایسے ہی دوسرے کو بھی کرنا نہیں چاہتا۔ راقم نے پھر بالحاح عرض کیا فرمایا اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں مجھے مجبور نہ کیجئے۔ ۲۱ شوال ۳۲ھ روز یکشنبہ وقت چاشت مدرسہ دری خود در مدرسہ۔ آج حضرت والا مسجد میں تشریف لائے اس خیال سے کہ اب بال توڑ کو آرام ہے اس سے پہلے ۱۴ شوال سے برابر مکان پر تشریف رکھتے تھے۔

فوائد ونتائج

دین کی تکمیل حفظ مراتب اعمال سے ہے:

دین کے جتنے اجزاء ہیں سب کی تکمیل سے اور باہم حفظ مراتب سے دین کی تکمیل ہو سکتی

ہے۔ اگر ایک جزو ہو اور ایک نہ ہو تو ایسا ہوگا جیسے کسی کے ایک پاؤں ہو اور ایک نہ ہو یا اگر ایک جزو میں اس کے رتبے سے زیادہ غلو ہوا تو ایسا ہوگا جیسے کسی کا ایک پاؤں بہت موٹا اور ایک پتلا ہو پیل پا کا مرض یہی ہے یہ ایسا اصول ہے کہ زریں اصول کہا جا سکتا ہے۔ اکثر بدعات اسی کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

معلم کو نری نرمی نہ چاہئے

معلم میں نرے رسمی اخلاق ہی نہیں ہونے چاہئیں۔ تادیب بھی ہونا چاہئے۔ متعلمین سے ہر وقت نرمی سے پیش آنا تعلیم کے لئے مضر ہے۔ ہاں اس احتیاط کی ضرورت ہے کہ نفسانیت کا شمول ذرا بھی نہ ہو اور حد شرعی سے متجاوز نہ ہو جاوے۔ نری رحم لی مستحسن نہیں غصہ بھی ہونا چاہئے۔ نفسانیت سے پاک ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر ذرا سی بھی زیاتی گو صورۃً ہی ثابت ہو جاوے تو رجوع کرنے میں تامل نہ ہو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے واقعہ افک میں قسم کھالی کہ حضرت مسطح (ایک صحابی مہاجر بھولے بھالے تھے اوروں نے چرچا کیا تو انہوں نے بھی کچھ کہہ دیا تھا) کے ساتھ کبھی سلوک نہ کروں گا مگر ان کی سفارش میں آیت اتری ولیعفوا ولیصفحوا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موم ہو گئے گویا قسم یاد بھی نہ رہی اور پہلے سے بھی زیادہ سلوک کرنے لگے۔ ایسے ہی حضرت والا کو غصہ آیا اور طالب علم کو مارا اور یہ مارنا بالکل مستحسن بلکہ ضروری تھا مگر چونکہ صورت نہی عن الصلوٰۃ کی پیدا ہو گئی اس واسطے ملال ہوا اور اس تادیب کی غلو عن النفسانیت کی دلیل یہ ہے کہ ایک ادنیٰ طالب علم سے معافی چاہی جس شخص میں ذرا بھی نفسانیت ہو وہ اپنے سے چھوٹے کی اور وہ بھی علی الاعلان خوشامد نہیں کر سکتا۔

بالبدرغ المومن من جحر مرتین:

احتیاط کا درجہ یہی ہے کہ جس کام میں شائبہ بھی غلطی کا ہو اس کے محو کے بعد آئندہ کے لئے بھی کافی انسداد کیا جائے۔

لایلدغ المومن من جحر مرتین ترجمہ ''مسلمان ایک سوراخ سے دو بار نہیں کاٹا

جاتا''۔ یہ حدیث ہے) کا مقتضی یہی ہے۔ نیز سورہ نور میں قصہ افک کی تردید کے بعد آیات استیذان وحجاب کا ہونا اس کا بدیہی ثبوت ہے۔

(۴) طلبہ کے ساتھ حضرت والا کے برتاؤ میں سرتاسر حکمتیں ہیں۔حزم واحتیاط یہی ہے کہ کوئی فعل بھی انسان کا بے سوچے سمجھے نہ ہو۔

(۵) اپنی آسائش پر دوسرے کی مصلحتوں کو مقدم رکھنا ایثار محمود فی الشرع ہے۔اور

احب لاخیک المسلم ما تحب لنفسک

(اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند کرو جو اپنے واسطے پسند کرتے ہو۔)

مجلس دہم (۱۰)

فرمایا جب کوئی ہم سے مسئلہ پوچھتا ہے تو ہم بتادیتے ہیں اور خوب سمجھادیتے ہیں اور دلیل بیان نہیں کرتے کیونکہ دین کا بتانا جس قدر واجب ہے جس کے کتمان پر وعید ہے وہ صرف فتویٰ ہے دلیل کا بیان کرنا واجب نہیں۔۲۲ شوال ۳۲ھ روز دوشنبہ در مسجد

فوائد ونتائج

(۱) اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت والا مسئلہ کی دلیل کبھی بیان نہیں فرماتے۔تمام تصانیف اور مواعظ حضرت والا کے اس کے شاہد ہیں کہ کس وضاحت اور ثبوت کے ساتھ ہر بات کو بیان فرماتے ہیں مطلب یہ کہ ہر جگہ دلیل کے بیان کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے۔بہت سے موقعے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ دلیل کا بیان کرنا بیکار ہوتا ہے بلکہ بعض جگہ مضر ہوتا ہے تو حاصل یہ ہوا کہ مفتی کو موقع ومحل کا سمجھنا اور مستفتی کی حالت کا اندازہ کرنا از حد ضروری ہے۔

تکلموا الناس علیٰ قدر عقولھم (لوگوں سے ان کی سمجھ کے موافق بات کرو)

جہاں دلیل کے بیان کرنے سے نفع ہو بیان کرے ورنہ نہ کرے بلکہ بعض موقعوں پر نفس مسئلہ کا جواب دینا بھی غیر ضروری بلکہ مضر ہوتا ہے علماء کو اس کا بہت خیال چاہئے نہ جیسا کہ رائج ہے کہ جو کچھ بھی پوچھا جاوے اس کا جواب دینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ جو سوال سینکڑوں دفعہ کئے گئے اور وہ مسائل ضرورت سے زیادہ منقح ہوچکے لوگ پھر بار بار پوچھتے ہیں

اور نا تجربہ کار عالم اس کی از سر نو تنقیح کرنے لگتے ہیں۔ گڑا ہوا فتنہ پھرا کھڑ آ تا ہے اور سوائے تو تو
میں میں کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں:

راقم سے ایک جگہ پوچھا گیا کہ کوے کی نسبت تیرا کیا خیال ہے۔ راقم کو معلوم تھا کہ یہ لوگ صرف بک بک کرنے والے ہیں نہ تحقیق کی قابلیت ہے نہ تحقیق مقصود جواب دیا کہ اس باب میں دو فریق ہیں۔ محرم اور مبیح ایک کے ساتھ مجھے بھی سمجھ لیجئے اور اگر دوبارہ پوچھو گے تو جواب یہ ہے کہ میں نہیں بتاتا کہ میرا کیا خیال ہے۔

حضورؐ کے جواب ترکی بہ ترکی:

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ سوال کا جواب نہ دینا من سئل عن علم فکتمه الجم بلجام من النار (جس سے مسئلہ پوچھا جاوے اور وہ نہ بتاوے تو قیامت کے دن آگ کی لگام دیجاوے گی) کا مصداق بنتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے سوال سوال عن علم ہی نہیں ہیں کیونکہ مقصود علم نہیں مقصود فتنہ پردازی ہے۔ مجادلین کے جواب میں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا کہ ان کے سوال جیسا جواب دیکر ٹال دیجئے۔ کہیں فرماتے ہیں۔ لاحجة بيننا و بينكم (ہم میں تم میں مباحثہ نہیں) اور کہیں قل ان افتريته فعلى اجرامى و انا برى مما تجرمون (کہہ دیجئے کہ اگر قرآن میں نے اپنی طرف سے بنالیا ہے تو اس کا جرم میرے ذمہ ہے اور میں تمہارے جرموں سے بری ہوں یعنی جو کریگا بھریگا نہ تم میرے ذمہ دار ہو نہ میں تمہارا)

اور کہیں قل ان افتريته فلا تملكون لى من الله شيئا (کہہ دیجئے اگر میں نے قرآن کو بنالیا ہے تو حق تعالیٰ کی طرف سے تم کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا یعنی یہ حق تعالیٰ کا جرم ہوگا وہ آپ سمجھ لیں گے)

وغیرہ من الآیات ہاں طالب علموں اور سمجھدار لوگوں سے اور تحقیق پسندوں سے دلیل بیان کرنا اور تشفی کر دینا مناسب ہے واجب یہ بھی نہیں۔ الا آنکہ معلم تنخواہ اسی کی پاتا ہو۔

حضرت والا کے پاس ایک سوال آیا کہ اوج بن عنق اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا عصا کتنے کتنے لمبے تھے جواب لکھا کہ جیسا یہ سوال غیر ضروری ہے جواب کی بھی ضرورت نہیں۔ کسی سوال کے جواب میں تحریر فرما دیتے ہیں کہ مجھے فرصت نہیں کسی کو لکھ دیتے ہیں کہ کسی اور عالم سے پوچھ لو۔ کسی کا جواب نہیں دیتے اور اگر جواب کے لئے ٹکٹ بھیجا ہو تو اس کو واپس کر دیتے ہیں۔ کسی کو لکھ دیتے ہیں کہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقق منظور نہیں۔ لہٰذا تضیع وقت سمجھ کر سکوت کیا جاتا ہے۔ کسی سے ایک دفعہ اصل مسئلہ کی تقریر کر کے فرما دیا اس سے زیادہ مجھ کو معلوم نہیں آپ کی تشفی مجھ سے نہیں ہو سکتی۔

مجلس یازدہم (۱۱)

ایک شخص فارغ التحصیل آئے اور عرض کیا کہ میں ذکر کرنا چاہتا ہوں مگر کوئی وجہ معاش نہیں ہے۔ میں نے کچھ تدبیریں کیں بھی مگر کامیابی نہیں ہوئی تو میرا خیال ہے کہ جب تک کوئی صورت معاش کی نکلے حضور والا کے پاس رہ کر ذکر ہی کروں۔ فرمایا کل کو جواب دوں گا۔ پھر کل کو فرمایا کہ میں نے اس میں غور کیا مرا خیال یہ ہے کہ ذکر کا نفع اس طرح نہیں ہو سکتا کہ بالقصد آپ فکر معاش میں رہیں اور بالتبع ذکر میں۔ عرض کیا اچھا میں معاش کی فکر کو چھوڑتا ہوں اور ذکر کروں گا۔ فرمایا آپ کا دل خالی نہ ہو گا فکر معاش سے۔ عرض کیا میں چند روز کے لئے خالی ہی کر لوں گا۔ طلب معاش اس کے بعد کر لوں گا۔ فرمایا کتنی مدت کے لئے چند روز تو کافی نہیں اور جب ابھی سے مدت کی تحدید قلب میں ہے تو یہ خلوے قلب نہیں۔ طلب ذکر تو یہ ہے کہ بس قطع نظر سب کاموں سے کر کے ذکر کا ہو رہے۔ اور یہ ارادہ کر لے کہ ذکر ہی کروں گا اگرچہ تمام عمر اسی میں صرف ہو جائے اگر یہ بھی نہ ہو تو مدت معتد بہ تو ہو حضرت گنگوہی قدس سرہ دو برس فرمایا کرتے تھے۔ ۲۳ شوال ۱۳۳۲ھ روز سہ شنبہ

فوائد و نتائج

(۱) معلم کو متعلم کا متبع نہ ہونا چاہیے:

شیخ کو اپنی تحقیق پر عمل چاہیے اور طالب کو وہی بات بتانا چاہیے جو اس کے لئے بہتر

اور واقعی ہو۔ طالب کی تجویز اور ارادہ کا متبع نہ ہونا چاہئے۔

خداوند فرمان دراؤ شکوہ　　　زغو غائے مردم نہ گردو ستوہ

ایک صاحب نے بیعت سے اسلام کی بھی قید اڑا دی: مصنوعی شیوخ ایسے موقعہ کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے وہ تو باوجود بے التفاتی کے طرح طرح کے حیلوں سے لوگوں کو گھیر گھیر کر مجمع بڑھاتے ہیں۔ ایک صاحب نے فیض حاصل ہونے کے لئے اسلام کو بھی شرط نہیں رکھا بلکہ بعض اشخاص کو باوجود اسلام کے لئے آمادہ ہونے کے روک دیا کہ میں منع کرتا ہوں فیض ویسے بھی ہو جائے گا۔ اور اس اپنے فعل کو فخریہ شائع کیا کہ لوگ کچھ کہیں مگر میں اس جرم پر نادم نہیں ہوں۔ اس حرکت کی تردید یہ حدیث کرتی ہے۔ الا انما التوحید راس الطاعات (خوب سمجھ لو کہ تمام عبادات کا سر توحید ہے) حضرت والا کو باوجود اس کہنے کے بھی کہ میں کچھ مدت کے لئے قلب کو فکر معاش سے خالی کرلوں گا اطمینان نہ ہوا اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی مریض طبیب معالج سے کہے کہ آج بخار روکنے والی دوا کی ضرورت نہیں میری طبیعت سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بخار نہیں آئے گا قوت کی دوا دیجئے۔ اور طبیب کہتا ہو تم کچھ کہو ابھی علامات نکس موجود ہیں میں ابھی مرض کا علاج کروں گا۔ قوت کی دوا مرض سے اطمینان کے بعد دی جاوے گی۔ جواب کو کل پر ملتوی رکھنا اسی واسطے تھا کہ ان کی قلبی حالت کی اچھی طرح تشخیص ہو جاوے۔

(۲) طالب کو تکمیل کی مدت کا اندازہ نہیں ہوسکتا:

طالب کو اپنی طرف سے کوئی مدت نہیں مقرر کرنا چاہئے مردہ بدست زندہ ہو کر حاضر ہونا چاہئے۔ تھوڑی مدت میں کام بنا دینا اگرچہ حق تعالیٰ کی قدرت میں ہے مگر پھر بھی طالب کا کام یہی ہے کہ ہمچو کلکم درمیان اصبعین ہو۔

مجلس دوازدہم (۱۲)

امام مالک صاحب کا ترمیم کعبہ سے منع کرنا:

ایک شخص نے پوچھا کہ فلاں مسجد میں مرمت ہو رہی ہے فرش کا گٹہ اکھاڑا گیا اور نیا

گٹہ ڈالا جاوے گا۔ اس پرانے گٹہ کو ایک شخص خرید تا ہے اس غرض سے کہ پاخانہ کے فرش میں ڈالے گا۔ فرمایا فتویٰ کی رو سے تو جائز ہے لیکن بے ادبی ہے۔ لہذا میں مشورۃً منع کرتا ہوں۔ پاخانہ میں نہ ڈالے کسی اور جگہ ڈال لے جیسا کہ میں نے کیا کہ مسجد پیر محمد والی میں سے مرمت کے وقت کچھ اینٹیں پرانی نکلیں اور ان کی جگہ نئی لگائی گئیں۔ ان پرانی اینٹوں کو مہمان خانہ کی دیوار میں قیمت مسجد میں داخل کر کے چنوا دیا تا کہ ان کی بے ادبی نہ ہو اور ضائع بھی نہ ہوں۔ محفوظ رہیں۔ یہ نہی مشورۃً باوجود گنجائش جواز امام مالک صاحب کے قول سے ماخوذ ہے۔ جب ہارون رشید نے چاہا کہ کعبہ کو اسی ہیئت پر بنا دے جس کا ارادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا کہ دو در ہوں اور حطیم کو شامل کر لیا جاوے۔ ایک بادشاہ نے ایسا بنا بھی دیا تھا مگر حجاج نے پھر اس کی ہیئت پر کر دیا۔ ہارون نے چاہا کہ پھر حدیث کے موافق بنا دے تو امام مالک صاحب سے مشورہ کیا تو امام مالک نے منع کیا۔ اور فرمایا **لا تجعل الکعبۃ لعبۃ للملوک** یعنی کعبہ کو کھیل نہ بناؤ کہ بار بار توڑا جاوے اور بنایا جاوے۔ ۲۳ شوال ۱۳۳۲ھ روز سہ شنبہ در صحن نشستگاہ وقت چاشت حضرت والا کے بال توڑ میں پھر تکلیف عود کر آئی اس واسطے مسجد میں تشریف لے جانا موقوف کر دیا۔

فوائد ونتائج

(۱) مفتی بہت تجربہ کار ہونا چاہئے:

مفتی کو چاہئے کہ کوئی مصلحت اگر فتوے کے علاوہ بھی ہو تو مشورۃً ظاہر کر دے اسی واسطے محققین کا قول یہی ہے کہ مفتی بہت تجربہ کار اور جہاندیدہ ہونا چاہئے۔ فتویٰ دینا بعینہ ایسا ہے جیسے مرض کا علاج کرنا کہ صرف کتاب پڑھنے سے علاج نہیں آتا۔ کتاب پڑھنے سے صرف یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ زکام کا علاج مثلاً کتاب میں یہ لکھا ہے اور بخار کا یہ اور کھانسی کا یہ اور پیٹ کے درد کا یہ۔ لیکن وہ کتاب کے لکھے ہوئے علاج مفرد امراض کے ہوتے ہیں اور مرض جب پیدا ہوتا ہے تو مفرد کم ہوتا ہے مرکب ہی ہوتا ہے اور ترکیب کی صورتیں اس قدر کثیر ہیں کہ ان کو کوئی کتاب حاوی نہیں ہو سکتی پھر باختلاف زمانہ واختلاف

اقوام وغیرہ وغیرہ اور بہت سے عوارض ایسے حائل ہو جاتے ہیں کہ کتاب کا علاج ہر جگہ کام نہیں دیتا۔ یہ عوارض کتاب میں لکھے بھی نہیں ۔ یہ تمام باتیں استاد کے سامنے رہنے سے حاصل ہوتی ہیں تو جس طالب علم نے خواہ وہ کسی قابلیت کا ہو استاد کے سامنے عرصہ تک مطب نہ کیا ہو صرف کتاب پڑھی ہو وہ علاج کسی معمولی مرض کا بھی نہیں کر سکتا۔ لہذا علاج کے لئے تجربہ کار طبیب کو تلاش کرتے ہیں۔ جب جسمانی علاج کا یہ حال ہے تو روحانی کا جو جسمانی امراض سے زیادہ مخفی اور پیچیدہ ہیں جو حال ہوگا ظاہر ہے۔

نو آموزوں کو مقتدا بنانا:

آج کل لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں کہ ادھر کوئی درسیات پڑھ کر نکلا اور ادھر اس کو مقتدا بنالیا اور خود فارغ التحصیل صاحبان بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ درسیات کے ختم ہونے کو منتہائے تمام کمالات سمجھتے ہیں پھر ان کو نہ کسی فتوے دینے میں تامل ہے نہ کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت سند ملنے سے ایک دن پہلے تو کسی شمار میں بھی نہ تھے اور لوگوں کے سامنے بولتے بھی ڈرتے تھے۔ اور ایک دن کے بعد کوئی کمال ایسا نہ رہا جو ان کو حاصل نہ ہو گیا ہو۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ایک دن میں ان کو اتنی ترقی ہوئی جو عادت خداوندی کے خلاف ہے۔ جس کو طفرہ کہتے ہیں۔

؎ چو یوسفؑ کسے در صلاح و تمیز بسے سال باید کہ گرد د عزیز

اور بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے۔ اگر مدارس میں طلبہ کو مشورہ کرنے اور فتویٰ نویسی کی بھی بالقصد تعلیم ہو اور اس کے لئے خاص ہدایات اور تجربات جمع کر دیئے جاویں تو بڑے کام کی بات ہے۔

ایک تجربہ کار عالم کا گائے خوری کے متعلق جواب:

ایک پرانے تجربہ کار عالم سے ایک آریہ نے مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی مسلمان تمام عمر گائے کا گوشت نہ کھاوے تو کیا وہ اسلام سے خارج شمار کیا جاوے گا یا اس کے ایمان میں کچھ فرق رہے گا۔ مولوی صاحب نے فرمایا گوشت گائے کا کھانا اسلام میں ایسا ہے جیسا تم لوگوں کے یہاں جنیئو کا نکال ڈالنا اور پھینک دینا۔ ہندویت سے خارج نہیں کر دیتا ایسے ہی

گائے کا گوشت نہ کھانا بھی اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ سبحان اللہ کیسا جواب ہے۔ اصل مسئلہ کا بالکل سچا جواب اور اس پہلو کی بھی رعایت جو اس سوال کے اندر مخفی تھا۔ اگر کوئی نو آموز ہوتا تو جواب یہی دیتا کہ گوشت نہ کھانے والے کے ایمان میں کچھ خلل نہیں کیونکہ ایمان لایزید ولا ینقص ہے۔ عقائد کی یہی تحقیق ہے جیسا کہ بہت سے نام کے مولویوں سے وقوع میں آیا بھی ہے۔

(۲) بدعات سے نہی کا ثبوت:

کسی مضرت دینی کی وجہ سے بعض مستحسن امور سے روکا جا سکتا ہے۔ کعبہ کو ہئیت واردہ فی الحدیث پر بنانا مستحسن بلکہ کسی[1] درجہ میں ضروری تھا لیکن کعبہ کو سوء ادب سے بچانا امام مالک صاحب نے زیادہ اہم سمجھا اور اجازت نہ دی۔ امام مالک صاحب کا متمسک خود اسی حدیث کا جز ہے کہ

لولا ان قومک حدیث عهد بالجاهلية لفعلک كذا

(اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمہاری قوم نئی نئی مسلمان ہوئی ہے تو میں ایسا کرتا یعنی کعبہ کو دوسری ہیئت پر بنا دیتا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے ارشاد فرمایا)

خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ضرورت سے اپنے ارادہ کو ملتوی فرمایا۔ اس ضرورت کو بھی امام صاحب نے منع کے لئے کافی سمجھا کہ کعبہ لعبت ملوک ہوا جاتا ہے۔ یہ ثبوت ہے تمام بدعات مروجہ سے منع کرنے کا۔

دین میں مشورہ کی ضرورت:

(۳) مشورہ کیسی ضروری چیز ہے کہ ہارون رشید نے باوجود خود عالم ہونے اور حدیث موجود ہونے کے امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا اور ان کا کہنا مان بھی لیا۔ علماء کو خاص توجہ ہونی چاہئے۔ جو مولوی فتوے دینے میں مشورہ کی ضرورت نہیں سمجھتے اس کی حقیقت یہ ہے کہ قلب میں دین کی عظمت اور خوف خدا نہیں ہے۔ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ کا کام اور زائد

[1] قولہ کسی درجہ میں (کیونکہ خبر آحاد سے ثابت ہے)

ازکار بات ہے یوں کردیا تو کیا اور یوں کردیا تو کیا۔ یہ بہت خطرناک حالت ہے ایسا مفتی عالم ہی نہیں قال تعالیٰ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (تو جب خشیۃ نہیں تو عالم بھی نہیں)

مجلس سیزدہم (۱۳)

حقہ پینا:

فرمایا: کہ ایک بزرگ حقہ پیا کرتے تھے لیکن بہت کم اور بہت احتیاط کے ساتھ۔ نماز کے وقت اچھی طرح منہ صاف کر لیتے اور حقہ کو تازہ بھی رکھتے تھے۔ ان کا انتقال ہو گیا تو ایک شخص نے خواب میں دیکھا اور پوچھا آپ سے حقہ کی نسبت تو کوئی باز پرس نہیں ہوئی۔ کہا حساب میں اس کا ذکر تو آیا مگر درگزر کیا گیا۔ اس پر ایک صاحب نے سوال کیا کہ حساب کے لئے تو قیامت کا دن مقرر ہے قبر میں حساب کیسا۔ قصے تو ایسے بہت مشہور ہیں۔

حساب برزخ:

فرمایا: نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ محاسبہ عظمیٰ تو قیامت ہی کے دن ہوگا اور بعض محاسبات برزخ میں بھی ہوتے ہیں۔ دیکھئے حدیث میں تصریح ہے کہ کافر کے لئے جہنم کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے کہ اس میں سے آگ کی لپٹیں آتی ہیں اور مومن کے لئے جنت کی طرف کھول دیا جاتا ہے کہ اس میں سے جنت کی ہوائیں پہنچتی ہیں۔ اور حالانکہ یہ مسلم ہے کہ دارالجزاء قیامت ہے دنیا دارالجزاء نہیں۔ برزخ اور حشر کی مثال جیل خانہ اور حوالات کی سی ہے کہ حوالات بھی جرم کی نوعیت کے موافق سخت اور نرم ہوتی ہے جیسا کہ جیل خانہ کی قید اور سزا بھی جرم کی نوعیت کے مطابق شدید و خفیف ہوتی ہے۔ پھانسی والے کو حوالات بھی اور ہوتی ہے اور جیل بھی اور۔ حوالات ہی سے سزا کے نمونے شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی قبر سے بھی قیامت کے نمونے آغاز ہو جاتے ہیں۔ ایک خادم نے پوچھا کہ بعض ملاحدہ کہتے ہیں کہ اگر مردہ کو جلا دیا گیا تو عذاب قبر کیسے ہوگا اس کے تو اجزا سب تحلیل ہو گئے۔ فرمایا اس نے یہی نہیں سمجھا کہ معذب کونسا جسم ہے خاکی یا مثالی۔ معذب جسم مثالی ہے۔ یہ لوگ اس کو کیا جانیں۔ دیکھتے تو جانتے۔ تقریب الی الفہم خواب سے ہو سکتی ہے انسان خواب میں دیکھتا ہے کہ میں چلتا پھرتا ہوں کودتا اچھلتا ہوں۔ روتا ہنستا ہوں۔ یہ

حرکات کونسا جسم کرتا ہے جسم خاکی تو چارپائی پر پڑا ہے۔ قبر سے مراد حدیث میں عالم برزخ ہے نہ کہ حفرہ ۲۵ شوال ۱۳۳۲ھ روز پنج شنبہ در صحن نشست گاہ وقت بعد ظہر اس وقت سجادہ صاحب انبہٹہ بھی تشریف رکھتے تھے اور اچھا مجمع تھا۔

فوائد و نتائج

حقہ کا حکم:

حقہ پینا خلاف اولیٰ بہرحال ہے خواہ کیسی ہی احتیاط کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ حقہ کا حکم یہ ہے کہ اگر نشہ لانے والا ہو تو حرام ہے اور اگر نشہ لانے والا نہ ہو تو بلاضرورت بعض کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور بضرورت جائز ہے مگر چونکہ گندی چیز ہے اس واسطے احتیاط کی ضرورت ہے کہ تازہ ہوتا رہے۔ نماز اور تلاوت قرآن وغیرہ کے وقت مسواک سے خوب منہ صاف کرلیا جاوے بلکہ پان الائچی وغیرہ کا استعمال رہے۔ حدیث میں ہے۔ نظفوا افواھکم فانھا طرق القرآن اپنے منہ کو خوب صاف رکھو کیونکہ وہ قرآن کے راستے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ مسواک کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جب گھر میں تشریف لاتے تو مسواک کرتے اور فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل جب آتے ہیں مجھے مسواک کی تاکید کرتے ہیں حتیٰ کہ مجھے خوف ہوا کہ میرے دانت نہ گھس جائیں حقہ بعض مرضوں کا علاج ہے۔ اگر طبیب رائے دے کہ اس سے بہتر کوئی علاج نہیں ہے تو جیسا مرض ہوگا ویسا ہی اس کا پینا ہوگا۔ اگر مرض سخت ہے تو پینا ضروری ہوگا اور مرض سخت نہیں ہے تو پینا ضروری نہ ہوگا۔

تنبیہ جسم مثالی کی تحقیق:

جسم مثالی کی تحقیق حضرت والا کے ایک رسالہ مسمی کرامات امدادیہ کے آخر میں ایک صاحب کے استفسار کے جواب میں موجود ہے۔ نہایت بلیغ اور کافی ووافی تحقیق ہے جسم مثالی اور روح[1] اعظم اور تجلی کے معانی حل کئے گئے ہیں اور عذاب قبر پر ملاحدہ کے شبہ کا جواب بھی

---

[1] روح اعظم اور تجلی کی پوری تحقیق کلید مثنوی میں جلد اول صفحہ ۱۳۵ پر ہے قابل ملاحظہ ہے اور مطلق احکام روح کی تحقیق ایک رسالہ مسمی بہ الفتوح میں ہے۔

ہے۔ بخوف اطناب یہاں نقل نہیں کیا جاتا۔ راقم یہاں صرف اتنا نقل کئے دیتا ہے کہ قولہ معذب جسم مثالی ہے کے کیا معنی ہیں۔ حضرت والا اس تحریر میں فرماتے ہیں مگر اس بدن (یعنی بدن خاکی) پر عذاب نہ ہونا صرف عالم برزخ میں ہے کیونکہ جسم مثالی عالم برزخ کے موجودات میں سے ہے اور آخرت میں چونکہ یہی جسم خاکی دوبارہ درست ہو جائے گا اس وقت عذاب وثواب اسی کے متعلق ہے۔ انتہی کلام مولانا۔ اتنا اس واسطے نقل کر دیا گیا کہ کوئی صاحب حشر اجساد کے متعلق کسی غلطی میں نہ پڑ جاویں۔

مجلس چہاردہم (۱۴)

مدارات مخاطب:

حضرت والا کے پاس دور دراز کے آدمی روزمرہ آتے ہیں چونکہ مختلف مزاج اور مختلف مذاق کے لوگ ہوتے ہیں۔ اس واسطے مجلس میں باتیں بھی ہر قسم کی ہوتی ہیں۔ گناہ کی باتوں سے تو حضرت والا منع فرما دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک کاغذ پر جلی قلم سے لکھ کر سامنے چوکی پر رکھ دیا تھا کہ یہاں بیٹھ کر کوئی صاحب غیبت شکوہ شکایت نہ کریں۔ ہاں زاید از کار باتیں کچھ نہ کچھ لوگ کرنے ہی لگتے ہیں اور حضرت والا ان سے بے رخی نہیں فرماتے چنانچہ آج اخباری قصے کچھ دیر تک حاضرین مجلس میں ذکر ہوتے رہے۔ ایک صاحب نے غیبت میں اعتراض کیا کہ مشائخ کی شان کے خلاف ہے کہ زائد از کار باتیں سنیں۔ مشائخ کے یہاں تو سوائے حقائق ومعارف کے کچھ بھی نہ چاہئے۔ کسی نے یہ اعتراض حضرت والا کے کان تک پہنچا دیا تو فرمایا ہاں یہ اعتراض صحیح ہے۔ میں جو ایسی باتوں میں لوگوں کے ساتھ ہو جاتا ہوں تو اس کی وجہ مدارات مخاطب ہے۔ کوئی میرے پاس آ کر بات کرے اور میں منہ موڑ لوں تو اس کو صدمہ ہوگا۔ بالخصوص مہمان جو دور سے آتے ہیں ان کی دل شکنی بہت زیادہ بری معلوم ہوتی ہے۔ زائد از کار باتوں کی برائی میرے نزدیک دل شکنی سے کم ہے۔ ورنہ میرا دل ان باتوں سے بہت الجھتا ہے مگر کیا کروں اس ضرورت نے صبر کرتا ہوں۔ ۲۵ شوال ۳۲ھ روز پنج شنبہ بعد ظہر در صحن نشست گاہ۔

فوائد ونتائج

(۱) مدارات مخاطب ایسی ضروری اور دل شکنی ایسی بری بات ہے کہ نا گوار طبع باتوں کو ان کی وجہ سے برداشت کرنا چاہئے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے

فکانوا ایتحدثون فیا خذون فی امر الجاهلیة فیضحکون و تبسم صلی اللّٰہ علیه و آله وسلم ترجمہ: حضور کے اخلاق بیان کرتے ہوئے راوی کہتا ہے کہ لوگ حضور کی مجلس میں باتیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت کی باتیں ہونے لگتی تھیں اور اہل مجمع ہنستے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تبسم فرماتے تھے۔ ایذا مسلم کی مذمت سے آیات واحادیث بھرے پڑے ہیں۔ مثلاً **المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده** یعنی مسلمان وہ شخص ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دیگر مسلمان سلامت رہیں یعنی نہ اس سے ایذا قولی ہو نہ فعلی۔ اس گناہ میں عورتیں بہت زیادہ مبتلا ہیں جب بات کریں گی تو ایسی کہ مخاطب کے جگر کے پار ہو جاوے۔ بہت احتیاط چاہئے۔ جب مخاطب کے ساتھ اس کی باتوں میں ساز نہ کرنا بھی دلشکنی ہے تو صریح نا ملائم الفاظ کہنا کیا کچھ ہوگا۔

تنبیہ (۱) مدارات مخاطب کی تحدید:

اس کا یہ مطلب نہیں کہ مخاطب کی رعایت سے زبان کے گناہ گناہ نہیں رہتے اور علماء کو آزادی کے ساتھ ہر قسم کی باتیں کرنا بیہودہ مشاغل درست ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مباح باتیں بقدر ضرورت مع ناگواری طبع مضائقہ نہیں جیسا کہ عام مباحات کا حکم ہے۔ راقم کے نزدیک اوروں کے لئے کچھ بھی حکم ہو مگر حضرت والا کیلئے یہ ملاطفت نہ صرف مباح ہے بلکہ مستحسن اور ضروری ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے من جملہ دیگر کمالات کے حضرت والا کو رعب بھی بہت دیا ہے۔ حاضرین و طالبین بالخصوص دور سے آنے والے مہمان اور طالب علم کھل کر بات نہیں کر سکتے تاوقتیکہ ان سے خلا ملا نہ کیا جاوے اور بلا کھل کر بات کہے تعلیم و تربیت نہیں ہو سکتی۔ تو حضرت والا کی ان باتوں میں شرکت اور مزاح و ملاطفت سب مقدمہ تعلیم ٹھہرا اور مقدمہ الضروری ضروری مانا ہوا مسئلہ ہے۔

فلا یرد علیہ والذین ھم عن اللغو معرضون خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے ساتھ مزاح فرمانے اور معمولی لوگوں سے خلا ملا رکھنے میں یہی حکمت تھی جیسا کہ آگے مجلس سی و یکم میں آتا ہے۔ ہاں بلا ضرورت اور بے موقع ایسی زائد از کار باتیں نہ چاہئیں۔ چنانچہ حضرت والا کو کبھی اخباری قصوں اور غیر ضروری باتوں کی ابتداء کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

مجلس پانزدہم (۱۵)

اپنے اوپر اور اپنوں پر شدت اور غیروں پر نرمی:

فرمایا ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ تو یہ تھا کہ اگر کوئی فعل مباح فی نفسہ اور مفاسد عارضہ سے ممنوع لغیرہ ہو تو اس کی اجازت دیتے تھے اور ان عوارض سے منع فرمادیتے تھے اور یہ طریقہ اکثر صوفیہ کا ہے اور ہمارے علماء کا طریقہ وہ ہے جو فقہاء کا مذہب ہے کہ اس صورت میں نفس فعل ہی سے منع کر دیتے ہیں جبکہ وہ مطلوب شرعی نہ ہو۔ میرا طریقہ فتوے میں تو فقہاء کا ہے اور فاعل پر تشدد اور غیظ کرنے میں صوفیہ کا ہے بشرطیکہ وہ فاعل خواص میں سے ہو۔ مجھ کو لوگ متشدد کہتے ہیں مگر تحقیق نہیں کرتے۔ میں عوام کو ان باتوں میں برا تک نہیں کہتا۔ غیبت ان کی جائز نہیں سمجھتا ظاہراً ان کو گنجائش نہیں دیتا ہوں مگر درحقیقت ان کا اتنا مخالف بھی نہیں جتنا لوگ سمجھتے ہیں ہاں اپنے خاص لوگوں کو مثلاً جو لوگ مجھ سے بیعت ہو چکے ہیں ان کے ساتھ سراً اور علانیتہً ہر طرح میرا وہی مذہب ہے جو فقہاء کا ہے میں اپنے نفس پر اور اپنے خاص لوگوں پر شدید ہوں اور غیروں پر نہایت درجہ نرم ہوں۔ ۲۵ شوال ۳۲ھ بعد عصر روز پنجشنبہ

یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر مقیم مقتدی ہو اور مسافر امام تو امام کی نماز ختم ہونے کے بعد مقتدی اپنی نماز میں قراءت نہ کرے۔ صرف بقدر فاتحہ کھڑے ہو کر یا اس سے بھی صرف تین تسبیح کی مقدار کھڑا رہ کر رکوع کرے اور اگر الحمد فقط یا سورت بھی پڑھ لی تو اگر سہواً ہے تو نہ گناہ ہوا نہ سجدہ سہو اور اگر عمداً پڑھا تو احناف کے نزدیک گناہ ہوا۔ سجدہ سہو نہیں ہے۔

فوائد ونتائج

اپنی عیب جوئی اور دوسروں کی عیب پوشی:

عالم حقانی کی شان یہی ہونی چاہئے کہ اپنے نفس پر شدید ہو۔ ورع وتقویٰ اسی سے حاصل ہوتا ہے۔

قال تعالیٰ ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا ترجمہ:۔شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا تم بھی اس کو دشمن ہی سمجھواور دوسروں کے ساتھ نرم ہو۔ **قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا** ترجمہ آسانی کرواور دشواری نہ ڈالواور خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔ احکام شرعی میں اپنے نفس پر شدت اور دوسرے پر خفت کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنی عیب جوئی اور دوسرے کی عیب پوشی کی عادت ہوگی۔ دینی عیوب کی بھی اور دنیاوی کی بھی۔ کیونکہ دونوں قسم کے عیوب عیب ہونے میں شریک ہیں۔ جب ایک پر نظر پڑنے لگی تو دوسرے پر پڑنا بھی کچھ دشوار نہیں اور جب دوسرے کے عیب ایک قسم کے چھپانے کی عادت ہوگئی تو دوسری قسم میں بھی کچھ دشواری نہیں رہتی۔ اس سے اپنے ہر قسم کے عیب کی اصلاح ہوگی اور عجب اور تقدس سے حفاظت رہے گی اور تجسس اور بدظنی اور غیبت وغیرہ میں بھی مبتلا نہ ہوگا۔

مرا پیر دانائے روشن شہاب — دو اندرز فرمود برروئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش — دوم آنکہ برغیر بد بیں مباش

اور اس کا عکس یعنی اپنے نفس پر تخفیف اور دوسرے پر تشدد کرنے سے نتائج کا بھی عکس ہو جاتا ہے اور انسان مجموعہ عیوب بن جاتا ہے جیسا کہ بہت سے خود سرے مولویوں اور درویشوں میں دیکھا جاتا ہے۔

قال تعالیٰ لم تقولون مالا تفعلون و قال اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم و انتم تتلون الکتاب افلا تعقلون اور اپنے خدام کو بھی حضرات اہل اللہ اپنی شفقت وترحم سے اپنا ہی جیسا سمجھتے ہیں اس واسطے وہی بات ان کے واسطے بھی پسند کرتے ہیں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔ حضرت والا سے بارہا سنا ہے کہ مسئلہ مسائل اور دیگر قسم کی تعلیم جس کا جی چاہے مجھ سے حاصل کرے ہرگز دریغ نہیں۔ رہا مرید ہونا تو یہ ایسا ہے جیسے

کسی کو بیٹا بنانا۔ بیٹا تو بہت ہی سوچ سمجھ کر بنایا جا سکتا ہے۔اس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ مریدین سے حضرت والا کو بیٹے کی سی خصوصیت ہے۔ بیٹے کے لئے باپ وہی بات پسند کرتا ہے جو اپنے لئے کرتا ہو۔اس واسطے ان پر بھی تشددہی مناسب ہے جیسے کہ اپنے اوپر

سوال: حضرت والا نے حضرت حاجی صاحب کا طریقہ کیوں نہ اختیار فرمایا؟

جواب: یہی سوال کسی نے خود حضرت والا سے ایک بار راقم کے سامنے کیا تھا تو فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ پر حسن ظن اور تواضع اور حسن خلق غالب تھا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کو بھی اپنے آپ سے اچھا سمجھتے تھے اور بدگمانی کا تو ذکر ہی کیا اور وہ زمانہ بھی اور تھا اور حضرت حاجی صاحب کو عام لوگوں کے حالات اور واقعات کا علم اتنا نہ تھا جتنا کہ ہم کو ہے اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ عام لوگوں سے کام چھوٹوں کو زیادہ پڑتا ہے۔ دیکھا ہوگا کہ بڑے حکام تو انگریز ہوتے ہیں۔ بڑے معاملات ان کے سامنے جاتے ہیں اور چھوٹے کاموں اور کثیر الوقوع مقدمات کے لئے آنریری مجسٹریٹ دیسی مقرر کئے جاتے ہیں کیونکہ ان کو اپنے ہم جنسوں کے حالات کا زیادہ علم ہوسکتا ہے۔ ہمارے تجربہ سے ثابت ہوگیا ہے کہ حسن اور قبیح کو الگ کر لینا عوام سے نہیں ہوسکتا تو پھر ان دونوں کے حکم الگ کیسے ہوں۔ خود تو وہ دونوں کو الگ کیا کریں گے۔ علماء کو بھی (جو ان دونوں میں امتیاز کر سکتے ہیں) کرتے دیکھ کر یہی سمجھتے ہیں کہ اس فعل میں کچھ قبیح نہیں ہے (اسی واسطے علماء کو بھی منع کیا جاتا ہے) مسئلہ فی نفسہ یہ صحیح ہے کہ مباح مباح ہے اور ممنوع ممنوع لیکن جب ہی جبکہ دونوں میں تمیز ہو سکے۔ حضرت حاجی صاحب کا فعل بھی اس پر مبنی تھا۔ اس دعویٰ پر ہم کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ممنوع کو الگ نہ کرنے کی صورت میں بھی حضرت اس کو مباح ہی فرماتے تھے۔ آپ اپنے وجدان سے تلاش کیجئے بس نئی بات رہی۔ تو یہ کہ عوام کی حالت آج کل یہ ہے یا نہیں کہ وہ حسن اور قبیح میں تمیز نہیں کر سکتے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ حالت ہے اور ہم کو تجربہ سے اس پر پورا وثوق ہے کہ یہ دعویٰ صحیح ہے تو اگر حضرت قدس سرہ بھی ہوتے اور ہم واقعات سے عوام کے حالات حضرت پر عرض کرتے تو یہی حکم دیتے جو ہم کہتے ہیں تو اس میں حضرت کی مخالفت بھی نہیں رہی۔

راقم کہتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب اور حضرت محدث گنگوہی قدس سرہما کا قصہ اس کا کافی شاہد ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کو مکہ معظمہ میں کسی نے مجلس مولود شریف میں بلایا تو آپ نے منظور فرمایا۔ حضرت محدث گنگوہی موجود تھے۔ حاجی صاحب نے فرمایا تم بھی چلو۔ عرض کیا میں نہیں جا سکتا ہوں کیونکہ میں ہندوستان میں لوگوں کو منع کرتا ہوں اس وقت اگر میں شریک ہوں گا تو یہ مشہور ہو جاوے گا کہ میں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ تمہاری اس مخالفت سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی اس سے کہ تم میرے ساتھ چلتے۔ چنانچہ حضرت تشریف لے گئے اور مولانا نہ گئے۔

یہ روایت راقم نے حضرت والا سے بمقام کانپور ۱۳ رمضان ۱۳۱۶ھ کو سنی تھی۔ اس شخص کے جواب میں ارشاد فرمائی تھی جس نے پوچھا تھا کہ سنا گیا ہے کہ فیصلہ ہفت مسئلہ حضرت حاجی صاحب کا نہیں ہے۔ فرمایا ہاں اس معنی کر نہیں ہے کہ حضرت نے خود نہیں لکھا۔ عبارت میری ہے اور مضمون حضرت کا۔ حضرت کے حکم سے لکھا گیا اور بعد لکھنے کے سنایا گیا تو فرمایا کہ اس کو میری طرف سے شائع کرو۔ حضرت کے یہاں اسی طرح کتابیں لکھی جاتی تھیں اور آپ کا نام ڈالا جاتا تھا۔ حضرت بوجہ کثرت مشاغل خود نہیں لکھتے تھے۔ راقم کے پاس حضرت والا کی بسیط تقریر مورخہ ۱۳ رمضان ۱۳۱۶ھ موجود ہے جس میں سائل سے کئی بار اسی مضمون پر سوال و جواب ہے اور علماء دیوبند اور حضرت حاجی صاحب کی ظاہری مخالفت کا اچھی طرح حل۔ بخوف طویل یہاں نقل نہیں کیا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ احکام شرعی کے لئے دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ حیثیت اصلاح عوام اور حیثیت حلت و حرمت کبھی ایک حکم مباح ہوتا ہے مگر اس سے منع کیا جاتا ہے انتظاماً و سیاستہً۔ فقہ میں اس کی نظیر سجدہ شکر کے بارے میں امام صاحب کا قول ہے کہ مکروہ ہے حالانکہ نصوص میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ حدیث میں لفظ فخر ساجدا آیا ہے تو اسی جنس سے حضرت حاجی صاحب اور علماء دیوبند کے یہ دونوں قول ہیں۔

مجلس شانزدہم (۱۶)

اصلاح رسم طعام میت:

بیان فرمایا کہ اب تھانہ بھون میں موت میں جہاں کہیں عورتیں جاتی ہیں وہاں نہ کھانا

کھاتی ہیں نہ پان۔ اتنی اصلاح اس طرح ہوئی ہے کہ ایک بی بی کے یہاں موت ہوئی۔ ایک عورت نے بیان کیا کہ میں اس کے گھر گئی تھی وہ بی بی رورہی تھیں کہ اگر اٹھ آنے کہیں سے مل جاویں تو پان تمباکو کا کام تو چل جاوے۔ باقی کفن دفن سو کہیں سے ہو ہی جاوے گا۔ مجھے خبر ملی میرا بہت دل دکھا اور میں نے گھر میں کہا کہ تم کہیں شادی غمی میں جاتی تو نہیں ہو مگر اس موقعہ پر ثواب کماؤ اس تقریب میں جاؤ اور اس پان کی رسم کو اٹھاؤ۔ ادھر میں وعظ کہوں چنانچہ میں نے وعظ کہا اور انہوں نے جا کر پاندان پر قبضہ کرلیا اور کسی کو پان کھانے نہ دیا اور پھر یہ معمول ہوگیا کہ جہاں موت ہوئی اور وہ پہنچیں۔ بیبیاں ان کی بات مانتی بہت ہیں۔ جہاں پاندان اپنے قبضہ میں انہوں نے کرلیا پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ پان مانگیں حتیٰ کہ یہ رسم چھوٹ گئی۔ آج کچھ عورتیں میری سوتیلی والدہ کے انتقال کی خبر سن کر آئی ہیں نہ ہمارے یہاں پان کھائیں گی نہ کھانا۔ ذرا دیر بیٹھیں گی اور چلی جاویں گی۔ ۲۵ شوال ۱۳۳۲ھ روز پنج شنبہ در صحن نشست گاہ صرف خاکسار اس وقت حاضر تھا۔

فوائد ونتائج

(۱) امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے جہاں قابو چلے چوکنا نہ چاہئے۔ یہ واقعہ

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ

ترجمہ:۔ جو کوئی بری بات دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے) کی پوری تعمیل کی ہے۔ کاش مصلحان قوم اسی طرح رسوم قبیحہ کو اٹھادیں۔ تو صدہا آفات دنیاوی ودینی سے نجات ہوجاوے۔ صرف زبانی منع سے کام کم چلتا ہے۔ بہت جگہ روسا نے کمیٹیاں کیں اور رسوم کے ترک کے لئے معاہدے کئے مگر فعلاً کوئی بھی آمادہ نہ ہوا تو یہ معاہدے کس شمار میں ہیں بلکہ یہ معاہدے اور زیادہ موجب اشتداد معصیت ہوگئے۔ ایک گناہ نفس معصیت کا اور ایک نقض عہد کا جس کے متعلق یہ آیتیں ہیں۔

یاایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود و اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا

فاعقبهم نفاقا فی قلوبهم بما اخلفوا اللہ ما وعدوہ و بما کانوا یکذبون (اے مسلمانو عہد کو پورا کرو اور عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد ہے۔ باز پرس ہوگی پس خدا تعالیٰ نے اسکے (نقض عہد کے) پاداش میں ان کے دل میں نفاق ڈال دیا کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے عہد کے خلاف کیا اور وہ جھوٹ بولتے تھے)

یاایھا الذین اٰمنوا لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتاعنداللّٰہ ان تقولوا مالا تفعلون (اے مسلمانو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت غصہ کا سبب ہے کہ وہ بات کہو جو کرو نہیں)

اگر ایک بڑا آدمی کسی رسم کے ترک کے لئے ایسا آمادہ ہو جاوے جیسے حضرت والا کے گھر میں کیا تو عام اثر ہو اور اگر مستورات میں سے سربرآوردہ بیبیاں رسوم کے متعلق حضرت پیرانی صاحبہ کی تقلید کریں تو بہت جلد اصلاح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ زیادہ تر پیرو کار رسوم کی عورتیں ہی ہیں۔ (۲) حضرت والا کے یہاں چند عورتوں کا موت کی خبر سن کر آنا داخل رسم نہ تھا کیونکہ نہ کسی دن کی قید تھی یہ بھی کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس دن انتقال ہوا نہ کسی قرابتدار وغیرہ کی تخصیص تھی نہ رونا دھونا' نہ دعوت نہ غیر حاضری کی شکایت وغیرہ وغیرہ۔

مجلس ہفت دہم (۱۷)

قصبہ بہاولپور:

حضرت والا نے خود بیان فرمایا کہ ریاست بہاولپور علم کی قدردان ہے۔ اکثر علماء جاتے آتے رہتے ہیں۔ مجھے گو اس قسم کا شوق نہیں مگر ایک مرتبہ مولوی رحیم بخش صاحب مدارالمہام کے اصرار سے جانا پڑا۔ مولوی صاحب نہایت اہل علم سے محبت رکھتے ہیں۔ بڑی خاطر سے پیش آئے۔ نواب صاحب نابالغ ہیں۔ انتظام کمیٹی کا ہے۔ نواب صاحب شہر سے باہر دوسری جگہ رہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے نواب صاحب سے بھی ملایا۔ ریاست کا دستور ہے کہ جو کوئی نواب صاحب سے ملے تو خلعت اور دعوت ملتی ہے۔ مجھے بھی ڈیڑھ سو روپیہ خلعت کے اور اکیس روپیہ دعوت کے دیئے گئے اور مولوی صاحب نے مجمع عام میں

دیئے اور یہ بھی کہا کہ آئندہ کے لئے انتظام کر دیا ہے کہ جب آپ تشریف لاویں یہ روپیہ ملا کرے گا۔ میں نے بایں خیال کہ واپس کرنے میں ریاست کی توہین ہوگی وہ روپیہ لے لیا۔ کہا گیا کہ رسید لکھنی پڑے گی میں نے رسید بھی لکھ دی۔ بعد ازاں تنہائی کے وقت ایک صاحب کے ہاں جو وہاں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے وہ روپیہ مولوی صاحب کے پاس واپس بھیجا نہایت شرمندہ ہوئے اور لے لینے کے واسطے اصرار کیا مگر میں نے نہ مانا۔ فرمایا پھر جناب نے اسی وقت کیوں نہ واپس کر دیا تھا میں نے کہا اس کو میں نے ریاست کے لئے باعث توہین سمجھا۔ فرمایا تو آپ کی توہین ہوئی اور یہ ہم کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا میری توہین تو جو کچھ ہونا تھی ہو چکی۔ ریاست کی توہین تو نہ ہوئی۔ اور میری توہین کیا ہے توہین اس کی ہو جو شاندار آدمی ہو۔ ازالہ شان کا نام توہین ہے جب شان ہی نہیں تو ازالہ کس چیز کا ہوگا۔ اس وقت واپس نہیں کیا اب واپس لے لیجئے۔ میں اس کو اپنے واسطے جائز نہیں سمجھتا۔ ریاست کا خزانہ بیت المال ہے اس میں مساکین کا حق ہے۔ یا قریب کے علماء کا جو یہاں کے لوگوں کو نفع پہنچا سکتے ہوں (اگرچہ بعض علماء کا یہ بھی قول ہے کہ ہر عالم کا حق ہر بیت المال میں ہے قریب ہو یا بعید) میں صاحب نصاب ہوں مجھ کو یہ مال پسند نہیں (حضرت والا فرماتے ہیں مجھے دوسرے اہل علم کے ضرر کا بھی خیال رہتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو ان کا نقصان نہیں پسند کرتا ہوں اگر کوئی منکر ہی طریقہ ہو تو پھر کسی کی بھی رعایت کرنے کا موقعہ نہیں) اس واسطے یہ لفظ کہ یا قریب کے علماء کا بڑھا دیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ ریاست سے علماء کی خدمت ہی موقوف ہو جاوے۔ مولوی رحیم بخش صاحب نے فرمایا اب تو اس رقم کو لے ہی لیجئے۔ خزانہ میں اندراج ہو گیا اب واپس کرنے میں بہت کام بڑھیگا۔ میں نے کہا خزانہ میں میرے نام لکھا رہنے دیجئے اور خفیہ طور پر مستحقین کو دے دیجئے۔ فرمایا میں آپ کی بدنامی نہیں چاہتا کہ آپ روپیہ نہ لیں اور سب کو معلوم ہو کہ لے لیا۔ خود خزانہ میں گئے اور رسید وغیرہ سب کٹوا دیں اور جو قاعدہ تھا اس کے موافق اندراجات کرا دے۔

۲۶ شوال ۱۳۳۲ھ روز جمعہ وقت چاشت در صحن نشست گاہ مجمع مختصر

فوائد ونتائج

امراء کے ساتھ کیا برتاؤ چاہئے امراء کو سخت سست کہنا اور اس کو قطع عن الخلق سمجھنا

امراء کے پاس اپنی حاجت لے جانا خلاف شان علم ہے۔ یہ تو بہت ظاہر ہے لیکن اپنے آپ کو اتنا ان سے کھینچنا کہ باوجود اصرار اور قدر دانی اور علم کے حق شناسی کے کبھی ان کی فرمائش پوری نہ کرنا یہ بھی محمود نہیں۔ یہ دعویٰ تقدس اور تکبر ہے جس میں بہت سے علماء مبتلا ہیں۔ خصوصاً جو لوگ درویش کہلاتے ہیں وہ تو اس غلطی میں بہت ہی مبتلا ہیں۔ امراء کو سخت سست بھی کہہ بیٹھتے ہیں اور اس کو قطع عن الخلق اور کیا کیا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ واقع میں سوائے اس کے کچھ بھی نہیں کہ اور زیادہ مخلوق کو راجع کرنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ استغنا سے رجوعات بڑھتی ہے تو اب تو یہ دوردبک کرنا زبان کا گناہ بھی ہوا کیونکہ کسی کی ایذا کا باعث ہے اور درپردہ فعل مطابق قول نہیں۔ صورتاً دوردبک ہے اور حقیقتاً ان سے قرب حاصل کرنا جس پر وعید

لم تقولون مالا تفعلون راجع ہے۔ اور اگر دل میں یہ نہیں ہے فی الواقع امراء سے علیحدگی پسند بھی ہیں تو اس وقت میں بھی زبان سے سخت سست کہنا توہین مسلم اور آبروریزی ہے۔ جس کی نسبت حدیث میں ہے کہ مسلمان مسلمان پر حرام ہے مال بھی اس کا اور آبرو بھی اس کی اور اگر وہ امیر غیر مسلم بھی ہے تب بھی لیں کلام مامور بہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا

فقولا له قولا لينا لعله يتذكر او يخشى بولو تم فرعون سے نرم بولنا تا کہ شاید وہ نصیحت پکڑے اور ڈرے۔

محققین کا قول ہے

نعم الامیر علیٰ باب الفقیر و بئس الفقیر علی باب الامیر (امیر تو فقیر کے دروازے پر اچھا ہے اور فقیر امیر کے دروازے پر برا ہے)

اسی کے متعلق حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب امیر تمہارے

دروازے پر آوے تو اس کی عزت کرو وہ اس وقت صرف امیر نہیں ہے نعم الامیر ہے اس کے نعم کی تعظیم ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ ان سے اپنی کوئی حاجت نہ مانگے اسی معنی کر کہا ہے۔

ما آبروئے صبر و قناعت نمی بریم　　　　با باد وشہ بگوئے کہ روزی مقدر ست

امراء کی صحبت کے مفاسد:

حضرت والا امراء سے ایسے پیش آتے ہیں جیسے کوئی چھوٹا بڑے سے پیش آوے لیکن استغنا کی وہ حالت ہے جو اس قصہ بہاولپور کے حرف حرف میں بھری ہوئی ہے۔ اصل اس میں یہ ہے کہ امراء سے ملنا قبیح لغیرہ ہے یعنی خوشامد اور سکوت عن الحق اور مداہنۃ فی الدین اور اشتغال لایعنی اور حب مال و جاہ اور احتیاج الی غیر اللہ وغیرہ کو مستلزم ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے اور اگر یہ مفاسد نہ ہوں خواہ امیر کی طرف سے کہ وہ خود دیندار اور ان مفاسد سے پرہیز گار ہو یا جانے والے کی طرف سے کہ وہ اس قدر قوی النفس ہو کہ ان مفاسد سے بچ سکے یا اور کسی وجہ سے ان بلیات سے حفاظت ہو سکے تو کچھ حرج نہیں اور اگر کوئی ضرورت دینی ہو کہ خود امیر کی اصلاح کی امید ہو یا اور کوئی ایسی ہی ضرورت دینی داعی ہو تو امیر کے پاس جانا مستحسن ہے۔ یہاں سے بہت سے اہل اللہ کے متعلق شبہات رفع ہو جاتے ہیں جن سے امراء سے ملنا ثابت ہے اور جن سے امراء سے نفرت ثابت ہے۔ یہاں مناسب ہے کہ صحبت کے متعلق ایک اصول عرض کیا جاوے جس کو راقم الحروف نے حضرت والا سے خود سنا ہے۔

امراء کی صحبت کے متعلق ضابطہ:

راقم نے ایک مرتبہ حضرت والا سے دریافت کیا کہ کس صحبت سے پرہیز چاہئے اور کس صحبت سے نہیں۔ فرمایا ضابطہ یہ ہے کہ انسان میں تاثیر اور تاثر کا مادہ بالطبع رکھا ہوا ہے۔ جو غالب ہوتا ہے وہ موثر اور جو مغلوب ہوتا ہے وہ متاثر ہو جاتا ہے۔ اپنے مذاق کے خلاف والے سے صحبت ہونے میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ وہ غالب ہو گا یا مغلوب یا دونوں برابر۔ جب وہ مغلوب ہو تب اس کی صحبت سے کچھ بھی حرج نہیں اور اگر وہ غالب ہو تو کسی طرح درست نہیں اور اگر دونوں برابر ہوں تو بہتر اجتناب ہے اور اس غالبیت اور مغلوبیت کے

اسباب بے شمار ہیں ان کا احصار نہیں ہو سکتا۔ علامت یہ ہے کہ جو دوسرے کے سامنے اپنے عادات اور معمولات دنیوی یا دینی میں محجوب ہوتا ہے اور بے دھڑک نہیں پورے کر سکتا ہے تو مغلوب ہے اور جو پورے کر سکتا ہے وہ غالب ہے۔ اس کے وجوہات خواہ امارت ہو یا قوت نفس یا کبر سنی یا حکومت یا کثرت مجمع یا زیادتی علم وغیرہ وغیرہ۔ یا ایسا اصول ہے جس سے سمجھدار آدمی ہر جگہ کام لے سکتا ہے۔ سفر سے جن محققین نے منع کیا ہے اس کی بناء بھی اسی پر ہے کہ سفر موجب مغلوبیت ہے اور کسی کے لئے موجب مغلوبیت نہ ہو تو کچھ حرج نہیں اس اصول سے کفار کے مناظروں کے مجمعوں میں جانے اور کفار کی کتابیں دیکھنے کا حکم بھی نکل آیا کہ جو مغلوب ہو اس کو جائز نہیں اور جو ہم پلہ ہو اس کے لئے بہتر نہیں اور جو غالب ہو اس کے لئے جائز بلکہ ضروری ہے۔ غلبہ کے اسباب حاصل کرنا جانے سے پہلے ضرور ہے۔

(۲) احسان شناسی ضروری ہے: کسی کے احسان کی ناقدری نہیں چاہئے۔ حضرت والا نے اپنی اہانت گوارا کی اور مولوی رحیم بخش صاحب اور ریاست کی توہین گوارا نہ فرمائی۔

ولکن مع الخدرعن حب المال و التقدس الذی اصلہ حب الجاہ و الشرف بان ردہ فی السر بعد اخذہ فی العلانیۃ (لیکن جب مال اور تقدس سے بچاؤ کے ساتھ کہ جس کی حقیقت حب جاہ وشرف ہے اس طرح کہ اس مال کو خفیہ واپس کیا بعد اس کے کہ لوگوں کے سامنے لے لیا تھا)

اپنے اوپر تشدد اور دوسروں تو توسع:۔ عمل بالدین میں اپنے نفس پر تشدد اور دوسروں کے لئے توسع احوط ہے جیسا کہ حضرت والا نے باوجود بعض علماء کے فتوے کے کہ ہر بیت المال میں قریب و بعید کے علماء کا حق ہے روپیہ نہ لیا اور دوسرے علماء کو دینے سے منع بھی نہ فرمایا۔ اور اس کا عکس کرنا کہ اپنے نفس کے لئے توسع اور دوسروں پر تشدد نہایت نازیبا طریق ہے اس کے مفاسد اوپر ایک جگہ بیان ہو چکے ہیں۔

مجلس ہیجدہم (۱۸)

وصول الی اللہ کا مختصر طریقہ:۔ فرمایا میں نے بہت دفعہ طلبہ سے اور عام طور سے لوگوں سے کہا ہے کہ دو باتوں پر پکے ہو جاؤ میں ذمہ لیتا ہوں وصول الی اللہ کا ایک گناہوں سے

بچنا۔ دوسرے کم بولنا اور تھوڑی خلوت۔

زبان اور نظر کی حفاظت:

اسی جلسہ میں فرمایا کہ زبان اور نظر کی حفاظت غایت درجہ اہم ہے۔ ایسا بہت واقع ہوا ہے کہ ایک شیخ عابد زاہد ذاکر شاغل اہل قلب ہے۔ سب حالات اسؔ کے اچھے ہیں صرف ایک نظر میں اس کا قلب تباہ ہو گیا۔ اس کو لوگوں نے ایسا خفیف سمجھا ہے کہ کسی شمار ہی میں نہیں رکھتے۔ بہت سے لوگ مقتدا ہو کر اس میں احتیاط نہیں کرتے بلکہ لوگ ان بے احتیاطیوں کو ان کے لئے کمال سمجھتے ہیں۔ کوئی ذشتہ صفت کہتا ہے۔ کوئی ان کی نظر پڑ جانے کو باعث مغفرت جانتا ہے۔ ایک صالح شخص سے صرف اتنی بات پر مرنے کے بعد باز پرس ہوئی کہ ان کے دروازے پر ایک اجنبی مرد وعورت رہتے تھے اور دونوں میں آپس میں مزاح ہوا کرتا تھا ان پر عتاب ہوا کہ تم ان کو روکتے اور اپنے دروازہ پر نہ رہنے دیتے تو کیوں ایسا ہوتا۔ فرمایا میں نے بہت دفعہ وعظ میں بیان کیا کہ بعض صغیرہ ایسے ہیں کہ فی حد ذاتہا ہیں تو صغیرہ مگر بعض وجوہ سے بعض کبائر سے زیادہ سخت ہیں۔ وجہ یہ کہ بعض ایسے مفاسد کو مستلزم ہیں جن کو کبیرہ مستلزم نہیں چنانچہ نظر بد میں وہ مفسدہ ہے جو بعض کبیرہ میں بھی نہیں۔ وہ یہ کہ ہر گناہ کا قاعدہ ہے کہ کرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے کسی نے قتل کیا یا چوری کی جب اس سے فارغ ہوا وہ کام ختم ہوا ایک گناہ ہو گیا اور نظر میں یہ خاصیت ہے کہ جب کی جاوے تو اور ایک نظر کو دل چاہتا ہے پھر ایک اور کو دل چاہتا ہے پھر ایک اور کو چاہتا ہے اور یہ سلسلہ ختم ہی نہیں ہوتا تو نظر ایک گناہ نہیں بلکہ بہت سے گناہ ہیں۔ انہیں مفاسد کی وجہ سے میں نے مدرسہ میں لڑکوں کے لئے قانون سخت رکھے ہیں۔ غور کر کے دیکھ لیجئے بچوں کا جو بھی قانون ہے اس میں اس کی رعایت ضرور ہے مجھے کسی چھوٹے اور بڑے پر بھی اطمینان نہیں بلکہ اپنے نفس پر بھی نہیں۔ عاذ نا اللہ۔ میں مدرسہ میں لڑکوں کا زیادہ ہونا بھی پسند نہیں کرتا ہوں جہاں زیادہ ہوئے اور چھانٹ دیئے۔ ۲۶ شوال ۱۳۳۲ھ روز جمعہ

فوائد و نتائج (۱) بعض معاشی اشد ہیں اور بعض طاعات افضل ہیں۔ بعض طاعات اور

معاصی کے خصوصیات:۔ جیسے بعض صغیرہ گناہ بوجہ استلزام مفاسد کثیرہ کے بعض کبائر سے اشد ہوتے ہیں ایسے ہی بعض معمولی طاعات بھی بعض عزائم طاعات سے بوجہ استلزام محاسن کثیرہ کے افضل ہو سکتے ہیں۔

و من تتبع النصوص لم یشک فی ذلک ان شاء اللہ تعالیٰ (ترجمہ جو کوئی دلائل میں غور کریگا اس باب میں شک نہ کریگا ان شاء اللہ تعالیٰ)

مثلاً سخاوت جو کہ فرض کے درجہ میں نہ ہو کہ حب مال کا علاج ہے اور حب مال کے متعلق جتنے مفاسد ہیں سب سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس واسطے صدہا حسنات کے لئے مستلزم ہو جاتی ہے۔ کبھی کسی کی دعا ہی اس کے بدلہ میں ایسی مل جاتی ہے کہ کافی ہو جاتی ہے۔ بوستان میں حکایت ہے کہ ایک شخص مر گیا کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کیا گزری کہا حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا صرف اتنی بات پر کہ میرے دروازہ پر انگوروں کی بیل پھیلی ہوئی تھی اس کے سایہ میں ایک مرد خدا نے آرام فرمایا اس کے صلہ میں مجھ پر رحم کیا گیا۔ السخی حبیب اللہ و البخیل عدو اللہ. السخی حبیب اللّٰہ ولو کان فاسقاً یہ حدیث نہیں ہے مگر کسی اہل قلب تجربہ کار کا قول ہے۔ اس کے یہ معنٰی نہیں کہ سخی کو فسق و فجور معاف ہو جاتے ہیں بلکہ معنی یہی ہیں کہ سخاوت میں یہ خاصیت ہے کہ بہت سے طاعات کو مستلزم ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ کبھی وہ طاعات فسق پر غالب آ جاتی ہے اور سخاوت کے مقابلہ میں بخل ایسی برائی ہے کہ بمعنی مذکور طاعات پر غالب آ جاتی ہے اور صادق ہو جاتا ہے۔ البخیل عدو اللہ و لو کان زاھدا (یہ بھی حدیث نہیں ہے) محمل اس کا وہی معنی مذکور ہیں۔

حسد کی خصوصیت:

حسد میں خاصیت ہے کہ حسنات کو تباہ کر دیتا ہے جیسے آگ ایندھن کو کھا لیتی ہے۔ کما ورد فی الحدیث

روزہ کی خصوصیت:

اور بعض علماء کے نزدیک روزہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ فرض وغیرہ حقوق العباد میں دوسرے

کو نہ دیا جائے گا کما قال بعض العلماء فی تفسیر قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الصوم لی و انا الذی اجزی بہ (روزہ میرے ہی واسطے ہے (یعنی حق تعالیٰ کے) اور میں ہی اس کی جزا دونگا)

ایک تسبیح کی خصوصیت:

ایک تسبیح کے الفاظ ہیں سبحان اللّٰہ و بحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم استغفر اللّٰہ العظیم و اتوب الیہ اس کی نسبت حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی اس کو پڑھتا ہے تو فرشتے کو حکم ہوتا ہے کہ عرش کے نیچے لٹکا دے لا یمحو ذنب ولا خطیئۃ کسی دوسرے گناہ سے یہ عمل تباہ نہیں ہوتا۔

اہل اللہ کا سب وشتم موجب سوء خاتمہ ہے:

بعض عمل ایسے ہیں کہ ان کو حسن خاتمہ میں اثر ہے اور بعضے اس کے برعکس نعوذ باللہ منہا۔ اسی جنس میں سے اہل اللہ کے سب وشتم کو کہا ہے اس کا ماخذ من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب (جو کوئی میرے ولی سے دشمنی رکھتا ہے میں نے اس کو اعلان جنگ دے رکھا ہے) ہے وایضاً

قولہ تعالیٰ والذین جاء و امن بعد ھم یقولون الی تمام الایۃ (ترجمہ جو لوگ مہاجرین اور انصار کے بعد آئے کہتے ہیں ربنا اغفرلنا الی آخر الآیۃ یعنی اپنے متقدم مسلمانوں سے محبت رکھتے ہیں نہ کہ عداوت اور دعا مانگتے ہیں۔ ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذ ین آمنوا۔ معلوم ہوا مسلمانوں سے کینہ رکھنا پناہ مانگنے کی چیز ہے۔

سود: سود بھی اسی قبیل سے ہے۔ قال تعالیٰ و ان لم تفعلو افاذنوا بحرب من اللّٰہ و رسولہ (ترجمہ اور اگر نہ کرو یعنی سود لینا نہ چھوڑو تو اعلان سمجھو جنگ کا اللہ ورسول سے) نعوذ باللہ من غضبہ حب دنیا کو بھی اسباب سوء خاتمہ سے لکھا ہے۔ اور شکر علی الایمان کو اسباب حسن خاتمہ سے لکھا ہے۔ بعض اعمال حسنہ وغیر حسنہ واجبات ومحرمات میں سے نہیں ہیں مگر ان کے خواص بعض واجبات ومحرمات سے بڑھے ہوئے ہیں کما لا یخفی علی من لہ ادنی تدبر بنابریں حضرت والا کا تصوف میں سے یہ انتخاب یعنی کم بولنا اور

تھوڑی خلوت کوئی باعث تعجب نہ ہونا چاہئے۔ کھلی ہوئی توجیہ اس کی یہی ہے کہ یہ دونوں عادتیں تصوف کی تمام اصول وفروع کو مستلزم ہو جاتی ہیں۔اس کی نظیر حدیث میں یہ ہے

من یضمن لی مابین لجبیه و ما بین رجلیه فاضمن له الجنة (ترجمہ: کون ذمہ لیتا ہے میرے لئے اس چیز کا جو دونوں جبڑوں میں ہے اور اس کا جو دونوں پیروں کے بیچ میں ہے یعنی زبان اور شرمگاہ کا کہ میں ضامن ہوں اس کے لئے جنت کا)

قلت کلام تو جزو اول کا ترجمہ ہی ہے اور خلوت ضمان مابین اللحیین وضمان مابین رجلین دونوں کو مستلزم ہے۔تو حضرت والا کے اس قول کے معنی حدیث کے بہت ہی قریب ہیں۔

نظر بد کی خصوصیت:

قولہ ایک نظر میں قلب تباہ ہو گیا۔

قدوضح رمزه مما قلنا آنفا ان بعد المعاصی تحص بآثارلیست ہی ہے فی اکبر منها ویمکن تائیده بحدیث من غض بصره وجد حلاوة الایمان مفهومه ان من لم یغض بصره لم یجد حلاوة الایمان و معنی عدم الاعتبار بالمفهوم المخالف انه لیس دلیلاً شرعیاً سیما اذازاحمه دلیل آخر واما اذا لم یکن دلیل مخالف له فقی الکلام البلیغ الانسب و اللائق بشانه العبرة به.

نظر بد کے مفسدہ کی تائید دلیل طبی سی:

ولی دلیل طبی یؤید قول مولانا وهو ان الابصار ان یتحقق بخروج الشعاع من العین و الشعاع لیس ضوء فقط بل هو جسم یخرج عن العین فی صورة خطوط مستقیمة تکون مجتمعة فی مبدئهما اعنی الثقبه و کلما بعدت تفرقت حتی یحصل من ذلک شکل مخروطی راسه فی الثقبه وکلما بعدت نفرت حتی یحصل من ذلک شکل مخروطی راسه فی الثقبه و قاعدته فی ما یبعدو ذالک الجسم انما هو الروح الباصرة تخرج من العین والروح الباصرة انما هوالروح النفسانی الذی فی الدماغ تفعل

بشرط مروره من العين البصر و بمروره من الاذن السمع و من الانف الشم و من اللسان الذوق و من الجلد اللمس والكل واحد والاختلاف انما هو اختلاف الآلات و المحال. والروح النفسانی انما هوالروح الحیوانی تبدلت صفاة بمروره من الدماغ کما تبدلت صفات النفسانی بمروره من العین فسمی باصرة و من الاذن فسمی سامعةً و کذلک فاختلاف النفسانی و الحیوانی والطبعی ایضا انما هواختلاف الآ لات المحال لاالاختلاف الجوهری و هذا ماحققه الاطباء حیث قالوا فی بحث المالیخولیا ان التغیر الذی یحدث الروح النفسانی فلا یخلوا ان یسری الی الروح الحیوانی لان النفسانی متصل بالحیوانی بل کانه جزء منه و هما فی الحقیقة واحد فلذا بحدث لهم اختلاج القلب والامراض القلبیه الاخری و اذا ثبت ان الارواح کلها واحد امکن ان یقال اذا حدث فساد فی القلب لسری الی الآخرین و هذا بدیهی فان فساد الاصل یستلزم فساد الفرع وامکن ایضاً ان یقال ان حدث فساد فی الفرع فعسی ان یجزاعلیٰ فسادالاصل اذازادوهذاوان لم یکن فی البداهة فی مرتبة فساد الفرع بفساد الاصل لکنه امر ثابت محقق کما نص به الاطباء فیمامر آنفا ان الروح الحیوانی یفسد اذا زادالفساد فی الروح النفسانی و کمانشاهد لیلا و نهارا ان من داوم النظر الی شیء حدث فی دماغه یبس وسوء مزاج و لیس هو الامن سوء مزاج و تحلیل حدث فی الروح الباصرة ثم النظر ایے اصله اعنی الروح النفسانی کل ذلک لاتصال الارواح وکون الحیوانی و النفسانی والباصرة والسامعة شیئا واحدا. و الآن ننصب لاتصال الارواح مثالا اوضح من ذلک و هوالدم الذی یجری فی العروق ینعقد منه الاعضاء متبائنة المزاج و الصورة باختلاف الاماکن بصنع القادر المتعال و مع ذالک لاشک انه شیء واحد متصل کله یجری کالماء فی الانانیب یمکن ان یخرج من البدن کله بفتح فوهته من فوهات اوعبیة اعنی العروق

و یماثله فی هذا الحکم الروح ایضاً فیمکن ان یخرج من البدن بل خروج الروح واقع خلقةً کما ثبت عندالمحققین ان الارواح تخرج مع المنی وقت الانزال و لذا یحدث من انزال المنی من الضعف مالا یحدث من خروج رطوبات اخری فما الاستبعاد فی خروج الروح من العین . قد ثبت من کلامنا ان الانسان اذا نظر الیٰ شیء اتصل روحه بالمبصر الباصرة والنفسانی والحیوانی و ثبت عند المحققین انه اذا نظراتصل شیئان لابدوان یحصل تاثیر و تاثرو جذب و انجذاب فایهما کان غالباً اثر فی المغلوب او جذبه الیه علی قدر غلبته و مغلوبیته فیمکن ان یکون مبصرا قویابحدان یجذب الباصرة و این یکون مبصر قویابحدان یجذب النفسانی ایضاً و یمکن ان یکون مبصر ماقویا بحدان یتعدی جذبه الے کل الارواح اعنی مایشمل الحیوانی ایضاً فیموت الرای و کذلک عکسه اعنی یمکن ان یکون الرای یغلب علی المبصرالی ان یجذب الروح من بدنه بالنظر فیموت المرئی و کلا الامرین واقع خلقةً و صنعةً فقد وقع فی بعض الاحیان ان الانسان نظر الی شئے حس فی غایة الحسن و خرمنشیا علیه ومات واما صنعةً فهو کثیر قد شاع فی اهل مسمریزم شعبة منه الاصطیا و بالنظر ماینظرون ای طائر الاویخرمیتا کانه رمی بسهم فما هذا الاقوة جذب استحصلوه بالصنع جذبو ابهاروحه و قد وقع ان معتادا باکل الافیون نظر لحظةً الی الافیون و حصل له فتور و معکم الافیون و ما بقی من الافیون الاشی کا لفضل فلاشک ان بالنظر یتصل الروح ویحصل سبیل للافادة و الاستفادة بل نمثله بماء لعیب من ابنوبة الا بریک ینصب من الابریک مع الماء التبن و وکل ماخالطه غیر الماء و یمکن ان یصعد بواسطة الماء الذی فی الانصباب شئے من الحیوانات کمارای مراراان السمک یصعد علیٰ السطوح بواسطة الماء الجاری من المیزاب بل قدوقع کثیرا ان رجلا بال علی بول من به قرحة القضیب فحدث به قرحة

القضیب و ذلک لان بعض الاقسام من الدود یحدث فی بول من به قرحة
القضیب و تصعد تلک الدود فی جری البول الواقع علیه فتاکل العضو و
تحدث القرحة و بهذا المثال لم یبق استبعاد فی صعود الافیون بالنظر الیه
ای الدماغ. بعد ذلک نقول ان الانسان اذا نظر الی امراة و امرد فقد
اتصل ارواحه بالمبصر فلابدوان یجری بینهما فعل و انفعال و جذب و
انجذاب فایهما کان اغلب فعل فی الآخر بان ادی الیه کیفیة حسنةً او
قبیحةً او جذب روحه الیه بل نقول الاغلب ان یکون الرای ضعیفا فان
النظر بالشهوة امارة الاشتیاق و المیلان و المیلان هو الضعف و انکان لا
یخلو فی بعض المواد ان الرائی یکون قویا و المری ضعیفا کما سمعنا
بعض من حصلوا ذلک بالصنع انهم مانظروا الی امرأة الاومالت الیهم
فمن اجل ذلک کانت الفاحشات لایقربنهم و کن یخفن منهم اذا راینهم
فی الطریق لکن الاغلب خلقةً هو الاول سیما فی الذین هم من اهل الدین
فانهم لم یحصلوا ذلک بالصنع و لیس لهم تعهد فی مثل تلک الامور
فهم غافلون عنه فیوثر فیهم المرئی دفعةً انکانت فیه قوة خلقة او کسبیة
اما القوة الکسبیة فقد بیناه و اما الخلقیة فقد بیناه ایضاً لکن نفصله شیئا ما
بعد بیناه سابقاً باجمال بحت و هو ان فی النساء جذب بعض الرجال لا
یتبع حسن الصورة بل هو اثر لایبینه الطب الابلفظ بالخاصة و الشرع بینه
بقوله علیه السلام الارواح جنود مجندة فما تعرف منها ایتلف وما تنا
کر منها اختلف و ذلک امریشاهدلیلا و نهارا و من جنس ذلک تعشق
القیس اللیلی فان اللیلی لم تکن من الحسن بمرتبة تفتن رجلاً ذلک
الافتنان بل ذلک الجذب انما کان لامر خلقی طبع فی اللیلی لایحیط به
ضابطة فان کانت فی المرأة او الامرد قوة من مثل ذلک لجذبت روح
الناظر مع مافیه من الکیفیات فلا یبقی الاجسم قد تخلی عن جل میوله و
افکاره و کمالاته و خیالاته بل لایبعدان یتخلی عن روحه ایضاً و انکان

ذلک نادراوان لم تکن فی المنظور الیه قوة بمثل تلک القوة فلایخلو
ایضاً عن جذب ماواثر کما فصلنا آنفا فلا یخلو نظرةً ما سواء کان الی
الوجه الحسن او غیرالحسن بل القبیح عن خطر و افناء روح اعاذنا الله
من هذا البلیات واورد علیه باناَلا نجد فی الواقع ان المنظور الیها تجذب
روح الناظر حتیٰ یتخلی جسد الناظر عن الروح فقد وقع ان رجلا وامرأة
توافقا علی الزنامدة العمر لم یقع بینهما نکاح و عاشا کما یعیش المتزو
جان. والجواب انالم ندع کلیة ذلک بل دعونا ان النظر قد یجزالی
ذلک فینظره ان یمنع مثلا عن المشی حافیا فی الحشیش مخافة ان تلدغ
من بین الحشیش حیة فیموت فهذا لیس حکماً کلیاً فیکثرمن الخلق
یمشی حافیا مدة العمرولا تلدغه حیة فان قیل ان کان فساد القلب منوطا
بجذب الروح فما اغرق بین النظر الحلال و الحرام فانه کما یمکن ان
تکون منظور الیها بالنظر الحرام جاذبته لروح الناظر خلقة او اکتسا
بافکذ ایمکن ان تکون منظور الیها بالنظر الحلال ایضاً کذلک جاذبة
فیکون فساد النظر الحلال ایضاً مثل فساد النظر الحرام قلنا قد حققنا ان
الفعل والانفعال یکون من الجانبین النظر و المنظور الیها و المنکوحة
قدرضیت و وهبت نفسها للناظر فلایکون منها جذب[1] بل انجذاب ولئن
کان جذب فلا یبلغ الحدالذی یبلغه جذب الغیرالراضیة الغیرالواهبة
نفسها ومایری من رضاء المزینة فهو مکرمن الشیطان و رضاء ناقص
نظیره رضاء الفریقین فی القمار لایحصل القمار الابعد رضا هما لکن[2]
فرق فی رضائهما و رضاء الفریقین فی البیع الصحیح فالاول لا ینتج
الابغضاً وعداوةً کماقال تعالیٰ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوة

---

[1] ای جذب صرف بل مع انجذاب [2] وذلک الفرق ان المتقامرین کل منهما
لایریدالااخذ مال صاحبه لکن لایقدر علیه الابالقمار فیعطی من عنده الرضاء صورة مخالفته
ان یذهب عنه مال صاحبه و اما ابیعان فیرید کل منهما المبادلته بالرضاء الحقیقی ۱۲

والبغضاء فی الخمر و الـميسر. والثانی ينتج تواداوتحاباً وعزة. و من اجل
ذلک ای من اجل ان رضا المزينة ليس رضی واقعيا ماترضی المزينة مدة
العمر بالنكاح مع الزانی مع انهاتظهر حبا و غشفا امالاتظهر المنكوحة و
ينكشف ما فی تعشقهن من المكر والمغذور اذا ضعف الزانی عن تكميل
اربهن بالافلاس او بالمشيب فلا يبقی حينئذلهن وجه اليه بل يطردنه عن
بابهن بخلاف المنكوحة فودها بالناكح الآن كما كان فليس من المزينة
الاجذب فی صورة انجذاب و من ثمرات ذلک ان الزانی لا يشبع
بالوطی والناكح يشبع لان لذة الجماع تتم بالتقاء الاجسام والتقاء الرواح
بل التقاء يحصل الاجسام انما هو ذريعة لالتقاء الارواح و لذالا تحصل
اللذة بجماع الغير البالغة لان بجماعها و انحصل التقاء الجسمين لكن
اذلم يحصل لها منی بعدلم يحصللزوجها ان يلتقی روح المجامع فان
الصانع عزاسمه جعل المنی مركبا و مادة له والجماع محركا والتقاء
الارواح علی النهج الطبيعی ان يخرج منه شئی من الفاعل الی المفعول
بها و منها اليه و اذاكان من المزينة جذب فقط لروح المجامع فلا تكمل
اللذة فيطلب المجامع هذاالفعل مرة اخری و هلم جرا. و نظيره السعال
فانه حركة من الرية لدفع الموذی فاذااندفع الموذی اعنی الخلط الذی
حصل فی الرية سكن السعال وقد تسعل الرية اذا تورم الكبد حتی
استقلت الاعشية و حصل من ثقلها ضغط علی الرية فتتحرک ايضاحر
كتهاظنا منها ان هذاالموذی ايضاً يندفع بالحركة السعالية لكن ليس
هوبمندفع ولا تغنی السعال شينا فتتحرک اخری و اخری الی ان
لاتمهلها السعال لحظة و اما النا كح فيلتذلذة كاملة بالتقاء الجسم و
التقاء الروح التقاء طبيعيا بجذب المفعولة اليه وانجذاب اليها فليسكن و
يشبع باستكمال ما اراده طبعه و نظيره ان الله تبارک و تعالیٰ وضع فی
الاجفان حركة طبيعية ينغمض بها العين لحظة فلحظة بلا ارادة من

الانسان بل لایقدر الانسان علی الامتناع منه و الحکمة فی تلک الحرکة
ان العین تصفومن الابخرة التی تنفضل من الروح الباصرة الیٰ هی فضول
من الروح الباصرة فتتحلل تلک الابخرة بهذا الحرکة و ایضا حکمة
اخری وهی ان العین عضو شریف فی غایة اللطافة تحتاج الیٰ حفظ بالغ و
مع ذلک هی مکشوفه للهواء و متعرضة للآفات فوضع الصانع عزالمه
فی الجفن حرکة بها ینطبق علی الطبقات لحظة فلحظة و ان لم تکن آفة
ثمه تقدما بالحفظ فاذا کان لجفن ینطبق من غیر وجود آفة فهو ینطبق عند
وجود آفة بطریق الاولےٰ فالعین بحرکة الاجفان الطبیعیة تتصفی و تتجلی
ولاتثقل علی الانسان اصلا لانها امر طبیعی تحصل بهاالفائد تان
المذکورتان. وقد تحدث فی باطن الجفن ثبور تنخلس فی الطبقات
فتتحرک الجفن کما هو طبعة دفعاللموذی لکن لایندفع الموذی ولا
تغنی الحرکه شیئا الاشیئا یسیرا و هوان شیئا من الرطوبات الذی حصل
فی العین بنجس الثبور ینعصر بانطباق الجفن فقتصفےٰ منه العین ولکن
بالانطباق یحصیل نخس آخر المحدث لتسلک الرطوبات فبالانطباق
تندفع رطوبة قدحصلت بالنخس الاول و تحصل اخری فهکذا یتسلسل
الانطباق و یصنطر الانسان الی الطرف ولا یستغنی عنه لحظة فلظان ان
یظن ان عین من به ثبور الاجفان تکون اصفی واجلی من من لیس فی جفنه
ثبور اذا الحرکة التےٰ هی المجلیة للعین فی عینیه اکثر و نفس الامر
بخلافه ولایورث کثرة الطرف الاشراو حرکة جفن صحیح العین مع قلتها
ینتج ماهوالمقصود و یورث سکون وجلاء للعین فکذلک جماع الناکح
یورث السکون واشبع دون جماع الزانی و لعل هذا معنی قول سید
العارفین صلی اللّٰه علیه وآله وسلم لایطفیها الاالنکاح حمل بعض
الفضلاء النکاح علی المعنی اللغوی اعنی الوطی وعند العبد الضعیف
محمول علی معناه المصطلح اعنی الوطیٔ الحلال کماتبین و فی الآیة

ایضاً دلالة علی ذلک فان اللّٰہ تعالیٰ قال و خلق منھا زوجھا لیسکن الیھا ولم یقل وخلق منھا المرأة المعنی المتبا درمن الزوج ھو المنکوحة فھذا وجہ شبع الناکح دون الزانی (ولعلک قداطلعت علی فساد قول بعض الفساق فی صفة الزنا این الحلال من الحرام یعنی فی الحلال لیس من اللذة ماھو فی الحرام. فلذتھم کلذة حکة من بہ الجرب فی البدن یحکون الجسد و یلتذون ولا یشبعون ویظنون ان لیس فی الحکة الطبیعة من اللذة ما فی الجرب و ھذا کماتری) ففی المزینة جذب صرف و فی المنکوحة جذب و انجذاب طبیعی وصفہ اللّٰہ تعالیٰ فی طبع نوعی الانسان لتکمیل امر بقاء النسل فقد تبین الفرق بین النظر الحلال و الحرام ان الحلال لایکون فیہ جذب کجذب الحرام البتة

(۳) قولہ بلکہ اپنے نفس پر بھی اطمینان نہیں۔ حضرت والا کا یہ جملہ گو اپنی نسبت تو اضعاً ہو مگر آب زر سے لکھنے اور حرز جان بنانے کے قابل ہے۔ کبھی نفس وشیطان سے غافل نہ ہونا چاہئے۔

ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا

ترجمہ: شیطان تمہارا دشمن ہے اس کو دشمن ہی سمجھو۔

مجلس نوزدہم (۱۹)

اللین بالنساء وصحبۃ بالامارد گجرات کے پیروں کی بے احتیاطی:

فرمایا قشیری کا قول ہے کہ دو چیزیں سخت زہر ہیں۔ عورتوں کے ساتھ نرمی اور امردوں کی صحبت۔ یہ مرض گجرات کے پیروں میں بہت ہے۔ پیر سے پردہ نہیں۔ عورتیں پیر صاحب کے ہاتھ پیر دباتی ہیں۔ مرد باہر رہتے ہیں اور پیر صاحب گھر میں رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ راندیر ضلع سورت جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں لوگوں نے زنانہ مدرسہ میں بلایا اور تقسیم انعام کا دن تھا۔ انعام میرے ہاتھ سے بٹوانا چاہا معلوم ہوا کہ چودہ چودہ پندرہ برس کی لڑکیاں مجمع میں حاضر ہو کر انعام لیتی ہیں۔ میں نے شرط کی کہ سات سال سے زیادہ کی لڑکی

سامنے نہ آوے تب میں مدرسہ چل سکتا ہوں چنانچہ منظور کی تب میں گیا مگر میں کہتا ہوں یہ بھی فتنہ ہے۔ اور فرمایا نواب صاحب ڈھاکہ نے مجھ سے پوچھا پردہ کس عمر سے چاہئے۔ میں نے کہا اغیار سے تو سات برس سے بھی کم عمر سے اور اعزا سے سات برس کی عمر سے۔

لڑکی کو زیور اور اچھا کپڑا نہ پہنانا چاہئے:

فرمایا حضرت والا نے اور میری رائے یہ ہے کہ جب تک لڑکی پردہ میں نہ بیٹھ جائے ایک چھلا بھی نہ پہنایا جاوے اور کپڑے بھی سفید یا معمولی چھینٹ وغیرہ کے پہنے اس میں دین کی مصلحتیں بھی ہیں اور دنیا کی بھی۔ بلکہ بسا اوقات سیانی کے سامنے آنے سے اتنے فتنے نہیں ہوتے جتنے ناسمجھ کے سامنے آنے سے ہوتے ہیں کیونکہ سیانی خود حیا کرتی ہے اور مردوں کو موقعہ کم دیتی ہے۔ نیز مرد سمجھتا ہے کہ سیانی سمجھدار ہے اس کے سامنے دلی خیالات عملاً ظاہر کروں گا تو سمجھ جاوے گی اور ناسمجھ کے سامنے یہ مانع موجود نہیں ہوتا۔ ۲۶ شوال ۱۳۳۲ھ روز جمعہ اندروں پھاٹک نشستگاہ وقت بعد ظہر اس وقت بارش ہو رہی تھی۔

فوائد ونتائج

بدعات کے متعلق بعض علماء کی غلطی:

(قولہ) یہ بھی فتنہ ہے کسی مباح کو مورث منکر ہونے کی وجہ سے چھوڑ دینا چاہئے بلکہ کوئی مستحب بھی اگر مودی الی المنکر ہو جاوے تو چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ ایسا ہے جیسے کسی کام میں ایک پیسہ کا نفع ہو اور دو پیسہ کا نقصان تو کون عقلمند ہے کہ اس کو پسند کرے گا۔ یہ بہت سی موٹی سی بات ہے لیکن بہت سے پڑھے لکھے اس میں مبتلا ہیں۔ بدعات مروجہ میں اکثر یہی غلطی ہے۔ باوجود علم وعقل کے کہتے ہیں کہ ہم یوں کیوں نہ کریں کہ ایک مستحب یا مباح کو اس طرح ادا کریں کہ منکر بھی لازم نہ آوے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہم عوام سے کہہ دیں کہ دیکھو اس کو واجب نہ سمجھنا بس اس سے اصلاح ہوگئی۔ تعجب ہے کہ ان کو اتنی خبر نہیں کہ جب فعلاً اس پر اصرار اور تمام برتاؤ اس فعل کے ساتھ واجب کے سے ہیں تو صرف

زبانی کہنا کیسے کافی ہوسکتا ہے۔حق یہ ہے کہ عوام کی قلبی حالت کا اندازہ تو وہ کیا کرتے خود اپنے فعل کا بھی احساس نہیں کہ ہمارے دل میں وجوب ہے۔دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت والا نے کانپور میں ایک مرتبہ علی الاعلان وعظ میں فرمایا۔

قصہ کانپور متعلق قیام:

فرمایا کہ لوگ ہمارے گروہ کو کہتے ہیں کہ قیام کو ہم حرام سمجھتے ہیں اور باوجودیکہ ہم زبان سے ظاہر کرتے ہیں اور علی رؤس الاشہاد کہتے ہیں کہ ہم حرام نہیں سمجھتے تو کر کے دکھاؤ۔اس سے معلوم ہوا کہ قول جب ہی معتبر ہوسکتا ہے جبکہ فعل بھی اس کے مطابق ہو یہ انہیں کا مسلم مسئلہ ہوا۔اب ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ لوگ قیام کو فرض سمجھتے ہیں وہ زبان سے اس کے خلاف کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے اوپر بہتان ہے۔ہم قیام کو فرض نہیں سمجھتے۔ہم ان پر انہیں کے مسلم مسئلہ کو پیش کرتے ہیں کہ اس زبانی دعویٰ کو ہم صحیح جب تسلیم کریں گے جبکہ فعل بھی اس کے مطابق کر کے دکھائیں۔یعنی قیام نہ کریں۔غرض ان کا دعویٰ ہے کہ ہم قیام کو حرام سمجھتے ہیں اور ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ قیام کو فرض سمجھتے ہیں اور ہم میں سے ہر ایک دوسرے کے دعویٰ کو اتہام کہتا ہے تو آپ ہی کے قول کے بموجب فیصلہ یوں ہو سکتا ہے کہ ہم قیام کر کے دکھاویں اور آپ قیام چھوڑ کر سو جگہ مولود شریف کیجئے اور ہم بھی شریک ہوں اور وہ بھی پچاس جگہ قیام ہو ہم بھی کریں گے اور پچاس جگہ نہ ہو وہ بھی نہ کریں۔واضح ہو جائے گا کہ کون کہاں تک اپنے قول میں سچا ہے۔اس پر کوئی پکا نہ ہوا اور لم تقولون مالاتفعلون کا ظہور ہوگیا۔اگر دل میں وجوب نہ ہوتا تو کیوں کر کے نہ دکھادیتے۔ جب خود اپنی یہ حالت ہے تو دوسرے کے قلبی خیال کی نسبت کیا حکم لگا سکتے ہیں۔اگر عوام کو صرف بتادینے سے کام چل جایا کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی ترمیم کو قریش کی حدیث العہد بالجاہلیۃ ہونے کے خوف سے ملتوی نہ فرماتے بلکہ اول اعلان فرمادیتے کہ کوئی ایسا خیال نہ کرنا کہ میں کعبہ کو شہید کرتا ہوں بلکہ مقصود ترمیم اور اس ہیئت پر لے آنا ہے جس پر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے بنایا تھا جس کو قریش نے بوجہ کمی خرچ اختصار کر دیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے اس اعلان کے بعد ہرگز یہ وسوسہ بھی نہیں ہوسکتا کہ کسی کو کچھ شبہ باقی رہتا۔ مگر حضور نے ایسا نہیں کیا اور خود فتنہ کی وجہ سے بناء کعبہ کو ملتوی ہی رکھا۔ معلوم ہوا کہ عوام کے قلب میں سے کوئی بات نکل جانا صرف کہہ دینے سے نہیں ہوتا بلکہ فعل کی ضرورت ہے۔

(۲) قولہ اعزا سے سات برس کی عمر سے پردہ چاہئے:

پردہ کے متعلق بے احتیاطی بہت شائع ہے اس واسطے مختصراً یہ عرض ہے کہ پردہ کے متعلق بے احتیاطی کرنے والے دو قسم کے ہیں ایک وہ لوگ کہ نفس پردہ ہی کے مخالف ہیں اور دیگر اقوام کی تقلید نے ایسا ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ حیا جیسی فطری چیز پر بھی ان کی نظر نہیں پڑتی۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو پردہ کے موافق ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں مگر کافی احتیاط نہیں کرتے۔ چچازاد بہن یا سالی سے مثلاً پردہ نہیں کرتے اور قسم اول میں بھی دو خیال کے لوگ ہیں ایک وہ ہیں جو پردہ مروجہ کو نقلاً ثابت نہیں سمجھتے اور ایک وہ ہیں کہ ان کو نقلاً ثابت ہونے نہ ہونے سے بحث ہی نہیں۔ عقلی دلائل پردہ کے تلاش کرتے ہیں۔ یہاں تفصیلی بحث کا موقعہ نہیں اس واسطے تینوں قسم کے افراد کے لئے ان کتابوں کے نام بتلائے جاتے ہیں جن میں اسی موضوع پر بحث ہے۔ گروہ اول کے لئے یعنی پردہ کے مخالفین کے لئے جو پردہ مروجہ کو غیر ثابت بالنقل سمجھتے ہیں القول الصواب فی مسئلۃ الحجاب مصنف حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہٗ ہے اس کو ایک دفعہ ضرور دیکھ لینا چاہئے پھر انصاف جو رائے دے اور پردہ کے ان مخالفین کے لئے جو عقلی دلائل کے پیچھے پڑے رہتے ہیں رسالہ الجلیس الانیس عمانی تحریر المرأۃ من التلبیس ہے یہ ایک معری عالم کی تصنیف ہے۔ نقلی ثبوت کے ساتھ عقلی ثبوت سے بھی کافی بحث کی ہے اور فریق ثالث یعنی پردہ کو ضروری سمجھنے والے مگر بے احتیاطی کرنے والوں کے لئے فائدہ ملحقہ آخر اصلاح الرسوم بہت شافی ہے۔ ضرور بالضرور ملاحظہ فرماویں۔

مجلس بستم (۲۰)

مولوی علی نظر صاحب مرادآبادی نے پوچھا کہ رواج ہے کہ جب کوئی کھانا کھانے بیٹھتا ہے تو دوسروں سے کہتا ہے آیئے کھانا کھائے۔ تو وہ دوسرا کہتا ہے بسم اللہ کیجئے۔ یہ کیسا ہے۔ فرمایا بعض علماء نے اس کو ناجائز بلکہ موجب کفر کہا ہے کیونکہ جواب تو ہے آپ کھایئے۔ اس

لفظ کو اس کے قائم مقام کیا گیا جو ذکر اللہ ہے۔ تو ذکر اللہ کو اپنے معنی اصلی سے نکالا گیا یہ ذکر اللہ کی بے ادبی ہے لیکن میں اس کے خلاف ہوں کیونکہ یہ صرف محاورہ کا ایک لفظ ہے اس کی نظیر حدیث میں سبحان اللہ کا لفظ ہے۔ اس عورت کے جواب میں جس نے حیض سے طاہر ہونے کا مسئلہ پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا **خذی فرصة ممسكة فتطهری بها** ترجمہ ایک کھال کا ٹکڑا مشک لگا ہوا لے کر نظافت کر۔ وہ عورت نہیں سمجھی اور عرض کیا **کیف اتطھر بها** یعنی کھال سے کس طرح نظافت کروں تو چونکہ شرم کی بات تھی آپ نے فرمایا **سبحان اللّٰه تطهری بها** یہاں سبحان اللہ اپنے معنی اصلی میں یقیناً مستعمل نہیں۔ اور قرآن میں اس کی نظیر **مایکون لنا ان نتکلم بهذا سبحانک هذا بهتان عظیم** ہے یہاں بھی سبحانک ذکر کے طور پر نہیں ہے۔ ۲۶ شوال ۱۳۳۲ھ وقت طعام فوائد و نتائج ظاہر ہیں۔

مجلس بست و یکم (۲۱)

ذکر سے کچھ نظر نہ آنا:۔ ایک ذاکر نے عرض کیا کہ میں ذکر کرتا ہوں مگر کوئی اثر اس کا محسوس نہیں ہوتا۔ کوئی نور یا خواب تک بھی نظر نہیں آتا۔ فرمایا ذکر اس واسطے بتایا ہی نہیں گیا کہ کچھ نظر آوے۔ ذکر سے غرض قرب ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ذکر سے قرب ہوتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ جو کوئی میرا ذکر کرتا ہے میں اس کو اس سے بہتر مجمع میں ذکر کرتا ہوں۔ خود قرآن شریف میں ہے **فاذکرونی اذکرکم** (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) پھر یہ کیا تھوڑا ثمرہ ہے کہ آپ کا ذکر وہاں ہو۔

ہمینم بس کہ داند ما ہرویم   کہ من نیز از خریداران اویم

ہمینم بس اگر کاسد قماشم   کہ من نیز از خریدار انش باشم

لوگوں کو یہ خبط ہے کہ ذکر کا اثر کچھ نظر آنا قرار دیا ہے۔ ذکر کا محسوس اثر بڑا یہ ہے کہ اس پر دوام ہو۔ حضرت حاجی صاحب سے کسی نے یہ شکایت کی تھی تو فرمایا کہ تمہارا کام یہی ہے کہ۔

یابم اورا یا نیابم جستجوئے می کنم   حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

سالک کیساتھ ہمت مردان ہوتی ہے:

اور حضرت کے پاس ایک شخص آیا کہ میں نے طائف میں چلہ کھینچا سوالاکھ مرتبہ روزانہ

اسم ذات کا ورد کیا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا اس سے مجھے خیال ہے کہ آپ مجھ سے ناخوش ہیں۔ فرمایا میں ناخوش ہوتا تو ممکن بھی تھا کہ تم یہ چلہ پورا کر لیتے۔ ثابت ہوا کہ بعض وقت کسی کی امداد ہمارے ساتھ ہوتی ہے اور ہم کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔ تو جو شخص ذکر پر مداومت کرتا ہے اس کے ساتھ امداد حق ہے گو کوئی محسوس علامت اس کی نہیں ہے اس سے زیادہ اور کیا چاہئے۔

کیفیات محمود ہیں مقصود نہیں:

نظر آنا کیا چیز ہے۔ ان کیفیات کو لوگ مقصود سمجھ لیتے ہیں۔ یہ غلطی ہے یہ کیفیات اکثر محمود ہوتی ہیں مگر مقصود نہیں۔ ۲۶ شوال ۱۳۳۲ھ روز جمعہ

فوائد ونتائج

محمود اور مقصود میں فرق:

محمود اور مقصود میں فرق یہ ہے کہ مقصود غرض کو کہتے ہیں اور اس کے حصول وعدم حصول پر فعل کا دارومدار ہوتا ہے اور محمود وہ امر حسن ہے کہ اس کے حصول وعدم پر دارومدار نہ ہو جیسے دوا کا میٹھا ہونا کہ محمود ہے مقصود نہیں۔ مقصود شفا ہے اگر حصول مقصود کے ساتھ دوا میٹھی بھی ہو تو خوبی دوبالا ہے اور اگر صرف مقصود یعنی شفا حاصل ہو تو کڑوی دوا بھی پینا چاہئے اور جب مقصود حاصل نہ ہو تو چاہے کیسی ہی میٹھی اور خوشگوار دوا ہے اس کا اختیار کرنا غلطی ہے۔ یہی حکم واردات وکیفیات کا ہے کہ جب کسی عمل میں وہ شرائط موجود ہوں جن کی تعلیم شریعت نے تصریحا دی ہے یا وہ شرائط جن کی شیخ نے تعلیم فرمائی ہے تو ان کی پرواہ نہ کرنا چاہئے۔ اگر عمد ۔ ۔ ت محسوس ہوں فبہا ورنہ کچھ ملال نہ کرے اور اگر وہ شرائط موجود نہیں ہیں تو خواہ اس کے زعم میں معراج ہی کیوں نہ ہونے لگے مگر اس کو جو لاہے والی معراج سمجھے۔ الحائک اذا صلی یومین انتظر المعراج وہ ضرور وسوسہ شیطانی ہے۔

کیفیات کے مقصود سمجھنے کے مقاصد:

یہ وہ خوفناک چیز ہے کہ ہزارہا مخلوق خدا اسکی بدولت ایمان تک کھو بیٹھے ہیں۔ جوگی، دہریئے، قادیانی سب اسی خبط میں گمراہ ہیں اور حقیقت صرف یہ ہے۔ وقیضنا لهم قرناء فزینوا لهم مابین ایدیهم وما خلفهم وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا

شیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا وکذلک زینا لکل امة عملهم افمن زین له سوء عمله فراٰه حسنا (ترجمہ:۔ اور تعینات کر دیئے ہیں ہم نے ان کے اوپر کچھ ساتھی کہ انہوں نے انکے آگے پیچھے کی چیزوں کو اچھا دکھا رکھا ہے۔ اور ہم نے ہر نبی کے لئے کچھ دشمن بنائے ہیں اشرار جن وانس میں سے کہ سمجھا تا ہے بعض ان کا بعض کو بناوٹ اور دھوکہ کی بات اور ایسے ہی ہم نے اچھا دکھایا ہے ہر امت کو اس کا عمل کیا وہ شخص جس کو اچھا دکھایا گیا اس کا برا عمل پھر اس نے اس کو خیر سمجھا)

کشف و کرامات اور اچھے خوابوں کے متعلق رسالہ ہذا میں بہت جگہ تحقیق موجود ہے ملاحظہ فرماویں۔ خصوصاً حکمت ششم اور حکمت سی و یکم اور حکمت بست وہفتم میں۔

مجلس بست و دوم (۲۲)

حق بات کا موثر ہونا:

فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ قنوج میں وعظ کہا اور اس میں رسوم کے مفاسد بیان کئے اور منع کیا ایک شخص نہایت متعصب اہل حدیث بھی موجود تھے۔ مگر بعد ختم وعظ کہنے لگے ہم اہل حدیث کہلاتے ہیں مگر ان مفاسد کی طرف اور ان دلائل کی طرف ہماری بھی نظر نہیں گئی۔ ہم ان بلیات میں مبتلا ہیں بس ہمارا عمل بالحدیث آج تک تو آمین بالجہر اور رفع یدین ہی میں منحصر تھا اور معاملات کی یہ حالت ہے کہ میں خود عطر میں تیل ملا کر بیچتا ہوں۔ آج معلوم ہوا کہ دین رفع یدین اور آمین بالجہر ہی کا نام نہیں ہے اور وہ ایسے متاثر ہوئے کہ میں نے یہ مضمون بھی وعظ میں کہہ دیا تھا کہ خدائے تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ ان کنتن تردن الحیوٰة الدنیا و زینتها فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا ازواج مطہرات کو حکم ہوتا ہے کہ اگر تم دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہو تو میں تم کو علیحدہ کردوں۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ دنیا کی طلب اور دیندار کے گھر رہنا جمع نہیں ہو سکتے۔ وہ گئے اور گھر میں یہی لفظ جا کہا کہ یا تو رسوم دنیا کو چھوڑ دو ورنہ طلاق دیدوں گا۔ ۲۸ شوال ۱۳۳۲ھ یہ مسئلہ بھی اس دن بیان فرمایا کہ اگر کسی نے نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ تلاوت کرلیا اور پھر اسی آیت کو پڑھا تو دوبارہ سجدہ واجب نہیں۔ اگر دوبارہ دوسری رکعت میں پڑھا ہو۔ نقلاً عن الشافعی

فوائد ونتائج

حضرت والا کی عادت ہے کہ مناظرہ ومباحثہ کا رنگ وعظ میں نہیں آنے دیتے۔ حق بات مشرح بیان فرماتے ہیں اور عنوان نہایت نرم ہوتا ہے۔ مخاطبین کو بداہتاً محسوس ہو جاتا ہے کہ نفسانیت کا شائبہ بھی نہیں۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ بات قلب میں گھس جاتی ہے۔ اور فاذا الذی بینک و بینه عداوة کانه ولی حمیم ترجمہ: ''پس ناگہاں وہ شخص کہ تم میں اور اس میں عداوت ہے۔ آپ کا دوست بن جاوے گا'' کا ظہور ہو جاتا ہے۔ کلام کی خوبی یہی ہے کہ حق صریح ہو اور نرم ہو پھر حق میں یہ اثر ہے کہ خود دل میں جگہ کر لیتا ہے۔ خود راقم نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک جگہ اہل رسوم میں وعظ ہوا۔ ان لوگوں نے اس سے پہلے حضرت والا کا وعظ کبھی نہ سنا تھا۔ بالقصد یہ دیکھنے کو آئے تھے کہ وہابی کیسے ہوتے ہیں۔ بعد ختم وعظ ایک صاحب فرماتے ہیں واعظ صاحب نے کوئی بات خلاف نہیں کہی بالکل حق باتیں بیان کیں۔ ہم وہابیوں سے بہت چونکتے تھے اگر وہابی ایسے ہوتے ہیں تو ہم بھی آج سے وہابی ہیں۔ (یہ قصہ اول وعظ اشرف المواعظ کا ہے جو مراد آباد میں آیت اقترب للناس حسابهم کے متعلق ہوا تھا)

وعظ کا طریقہ:

ایک دوسرے مقام پر ایک شخص سے راقم نے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے اس شخص کا (حضرت والا کا) ہر کام اللہ واسطے ہے کیسے ٹوکنے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ یہ صاحب صرف ایک بار حضرت والا سے ملے تھے اور وعظ سنا تھا۔ الغرض واعظ کا شیوہ تحقیقات علمی میں اعلیٰ درجہ کا ہونا اور حق بات بلا رو رعایت اور بلا دل آزاری کہنا ہونا چاہئے۔ ہاں عند الضرورت جواب ترکی بہ ترکی میں یا جس طرح کی ضرورت پیش آوے مضائقہ نہیں۔

مجلس بست وسوم (۲۳)

دعا کی فضیلت اور عملیات میں قیود زائدہ کا حذف:۔ تین روز متواتر بارش ہوئی۔ سینکڑوں مکان گر گئے۔ کھیتیاں غرق ہو گئیں۔ مویشی بہہ گئے۔ خلق خدا سخت پریشان تھی۔

تھانہ بھون میں دوطرف سے پانی چڑھ آیا۔ پورب کی طرف سے ندی کا پانی ریتی محلہ کی مسجد سے آملا اور پچھاں کی طرف سے نالہ کا پانی مدرسہ امداد العلوم کی پشت تک آ گیا۔ لوگوں نے حضرت والا سے التجا کی کہ دعا کیجئے۔ حق تعالیٰ بارش موقوف کرے۔ فرمایا میرے قلب پر خود بڑا اثر ہے اور میں ہر وقت دعا کرتا ہوں۔ مسجد میں مدرسہ والوں سے اور طالب علموں سے کہو سب مل کر دعا کریں۔ امید ہے کہ حق تعالیٰ کھول دینگے[1]۔

یا حفیظ کا ختم:

اور فرمایا کہ طالب علموں اور ذاکرین سے کہو بعد مغرب مسجد میں سب جمع ہو کر یا حفیظ کا ختم پڑھیں اس طرح کہ اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف پڑھیں اور بلا قید کسی تعداد کے آدھے گھنٹے تک یا حفیظ پڑھیں اس کے بعد خوب الحاح کیساتھ دعا کریں اور نمازیوں میں سے جس کا جی چاہے شریک ہو جاوے اور عشاء کے بعد اسی طرح یا حفیظ پڑھیں مگر اجتماع کی قید نہیں سب اپنی اپنی جگہ پر پڑھیں اور ایک ایک ہزار بار پڑھیں اور اگر جمع ہو کر پڑھ سکیں تو جمع ہو کر سہی اور دعا کریں پھر صبح کی نماز کے بعد بھی جمع ہو کر آدھا گھنٹہ پڑھیں جیسے مغرب کے بعد پڑھا تھا۔ ۲۸ شوال ۱۳۳۲ھ روز یکشنبہ در پھاٹک نشست گاہ۔

فوائد ونتائج

ترحم علی الخلق:

بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کا مکان پختہ ہے اتنی بارش میں کبھی ٹپکنے کی بھی چنداں شکایت نہیں ہوئی لیکن ترحم علی الخلق کی یہ حالت تھی کہ بار بار دعا فرماتے تھے اور جب کہیں سے مکان کے گرنے کی آواز آتی یا کسی کی تکلیف کی خبر سنتے تو ایسی پریشانی چہرہ مبارک پر ظاہر ہوتی جیسے کسی کو خود اپنی تکلیف میں ہوتی ہے۔ اس حدیث کا امتثال ہے **واحب لاخیک المسلم ماتحب لنفسک تکن مسلما** (مسلمان بھائی کیلئے وہی بات پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو تب تم مسلمان ہو گے) اور آیۃ **رحماء بینھم** (مسلمان آپس

---

[1] حضرت والا کے پیر میں بالتوڑ نکلا ہوا تھا مکان پر تشریف فرما تھے مسجد میں تشریف نہ لے جاتے تھے۔

میں رحیم ہوتے ہیں) کی اور ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (رحم کرو زمین والوں پر تم پر آسمان والے رحم فرمائیں گے۔) کی۔(۲) وظیفہ سے تعداد کی قید اس واسطے اٹھا دی کہ کسی پر بار نہ ہو۔

لن یملل اللہ حتی تملوا ''حق تعالیٰ سوال کے پورا کرنے میں نہیں اکتاتے جب تک کہ مانگنے والے ہی نہ اکتاویں) معلوم ہوا کہ اگر مانگنے والا اکتانے لگے تو وہ دعا قبول نہیں ہوتی اور اصل خدائے تعالیٰ کی رحمت ہے۔ دعا صرف حیلہ ہے کمی بیشی کو چنداں دخل نہیں۔ رحمت حق بہانہ می جوید۔ چنانچہ ایک ہی دن میں خدائے تعالیٰ نے رحم فرمایا اور صبح کا وظیفہ ختم ہونے کے بعد تھوڑی ہی دیر میں ابر کھل گیا۔ عشاء کے بعد اجتماع کی قید اس لئے اٹھا دی کہ بوجہ بارش کے تکلیف ہوتی کیونکہ اندھیری سخت تھی جیسے حدیث میں آیا ہے۔ الصلوٰۃ فی الرحال یعنی نماز اپنے اپنے مقام پر پڑھ لو۔

(۳) عملیات میں زیادہ قیود لگانے کو حضرت والا پسند نہیں فرماتے کہ وہ دعا کی حد سے نکل کر علاج کی حد میں آ جاتا ہے۔ ایک طحال کے تعویذ میں قید تھی کہ سنیچر اور بدھ کے دن کیا جاوے اس کو حضرت والا نے ساقط کر دیا اور فرمایا کہ یہ کسی نجومی کی گڑھت ہے اور بلا قید دن کے استعمال کرانا شروع کر دیا اور باذنہ تعالیٰ وہی نفع ہوا۔

مجلس بست و چہارم (۲۴)

نکات ولطائف سے عمل کو ترجیح ہے:

حضرت والا کے ایماء سے میر معصوم علی صاحب ساکن میرٹھ نے ریل کے قواعد کا ترجمہ کیا۔ حضرت والا اسی زمانہ میں اس کو سنتے تھے اور اس کی ترغیب وغیرہ میں اصلاح دیتے تھے اور جن قواعد کے متعلق کوئی حکم شرعی ہوتا اس کو بغرض تحقیق ایک جگہ جمع کراتے تھے چند ذی علم مہمان دور سے آئے ہوئے تھے اور مدرسہ کے مہمان خانہ میں مقیم تھے اور حضرت والا بوجہ پیر میں بال توڑ ہونے کے مکان ہی پر تشریف رکھتے تھے۔ دن میں ایک دو دفعہ وہ مہمان حضرت والا کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ اتفاقی بات ہے کہ اکثر جب وہ حاضر ہوتے

تو حضرت والا وہی قواعد ریل سنتے ہوتے ان سے گفتگو فرماتے۔ لیکن ان کی سیری نہ ہوتی۔ یہاں تک منقبض ہوئے کہ آپس میں کہتے کہ وہاں تو ہر وقت بیمہ اور پارسل ہی ہوتا ہے۔ ہماری تمنا تھی کہ درویشی کے نکات سننے میں سارا وقت صرف ہوا کرتا۔ یہ خبر حضرت والا تک پہنچ گئی تو فرمایا میں ان نکات و لطائف کی اس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔ بڑی چیز صفائی معاملہ مع اللہ ہے جس کے واسطے مسائل شریعت ذریعہ ہیں اور اسی واسطے یہ کتاب قواعد ریلوے لکھوائی گئی ہے تاکہ معاملات وحقوق میں گناہ سے حفاظت ہو۔ عمل چاہئے نکات و لطائف سے کیا ہوتا ہے۔ ۲۹ شوال ۱۳۳۲ھ روز دوشنبہ دور پھاٹک نشست گاہ وقت چاشت۔

فوائد ونتائج

مباح بہ نیت خیر خیر ہوجاتا ہے:

فعل مباح نیت محمود ہونے سے اسی درجہ میں محمود ہوجاتا ہے جس کے لئے کیا گیا۔

(۲) لغو کی تعریف وقت کی قدر:۔ ہر شغل میں نیت خیر چاہئے اور بلا ضرورت شرعی اس میں پڑنا تضییع وقت ہے۔ **والذین هم عن اللغو معرضون** کا یہ بھی محمل ہے یعنی اگر کسی کو ایک کام ضروری پیش آوے اور ایک کام مباح ہو مگر غیر ضروری تو اس وقت یہ مباح لغو کے درجہ میں ہوگا۔ اسی واسطے حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقت کے کاموں کے لئے متعین فرماتے اور سوچ سوچ کر تقسیم کرتے۔ یہ سوچنا اسی واسطے تھا کہ ضروری اور غیر ضروری میں علی قدر مراتب ترتیب رہے۔

(۳) کار خود کن کار بیگاناں مکن:۔ انسان کو اپنے کام میں لگا رہنا چاہئے۔ کسی کی غیر ضروری رعایت سے حرج نہ کرے۔ ہاں اگر ضرورت ہو تو وہ مقدم ہے۔

مجلس بست و پنجم (۲۵)

واقعات سے عبرت:

فرمایا میں ایک مرتبہ مولانا شیخ محمد صاحب کے ساتھ تھانہ بھون میں جارہا تھا ایک مقام پر گزر ہوا جہاں چند مکان ٹوٹے پھوٹے پڑے تھے۔ مولانا نے یہ آیت پڑھی۔ **وکم اهلکنا**

من قریۃ بطرت معیشتھا فتلک مسٰکنھم لم تسکن من بعد ھم الاقلیلا (ترجمہ: اور بہت سی آبادیاں ہم نے وہ ہلاک کردیں جنہوں نے اترانے کو اپنا طرز معیشت بنا رکھا تھا۔ پس یہ ان کے گھر ہیں کہ ان کے بعد بہت کم آباد ہوئے ہیں۔

قدرت خدا ہے کہ تھانہ بھون کے آباد کرنے والوں کو اپنی ریاست اور صنعت اور حسن تدبیر پر بڑا ناز تھا۔ نشیب میں قصبہ کو آباد کرنے میں یہ صنعت تھی کہ توپ کی ضروب نہ پڑے۔ یہ خبر نہ تھی کہ حق تعالیٰ کے یہاں اجاڑنے کے لئے ایک توپ ہی نہیں ہے۔ اس غرور نے کھویا۔ ۲۹ شوال ۱۳۳۲ھ بروز دوشنبہ

فوائد ونتائج

(۱) واقعات سے عبرت حاصل کرنے کی تعلیم ہے بمقتضائے آیت

افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا اواذان یسمعون بھا

ترجمہ: کیا نہیں سیر کی لوگوں نے زمین میں کہ ان کو دل حاصل ہوتے جن سے سمجھتے اور کان ہوتے جن سے سنتے معلوم ہوا واقعات کو بنظر عبرت دیکھنے سے آدمی اہل دل ہو جاتا ہے۔

(۲) گھمنڈ اور بھروسہ تدبیر پر ہرگز نہ چاہئے گو اس وقت کیسی ہی وہ تدبیر چلتی ہوئی ثابت ہو۔ فاعل حقیقی حق تعالیٰ ہیں جن کو اس کے خلاف پر بھی قدرت ہے۔

مجلس بست وششم (۲۶)

تصرفات اہل باطن:

ایک شخص نے پوچھا کیا باطنی انتظامات بھی ایسے ہی ہیں جیسے ظاہری انتظامات۔ فرمایا ہاں اور اس کا ثبوت قرآن سے خضر علیہ السلام کا قصہ ہے۔ اکثر امور اہل باطن ہی کے تصرف سے انجام پاتے ہیں جیسے خضر علیہ السلام نے دیوار کو ہاتھ سے سیدھا کر دیا۔ ۲۹ شوال ۱۳۳۲ھ روز دوشنبہ بعد ظہر

فوائد ونتائج

کرامات کے متعلق تحقیق:

چونکہ آج کل بوجہ جہالت اکثر لوگوں میں یہ غلطی شائع ہوگئی ہے کہ جس کسی کے ہاتھ

سے کوئی امر خلاف فطرت دیکھ لیں یا کسی کی پیشین گوئی پوری ہو جاوے اس سے عقیدہ رکھنے لگتے ہیں اور کوئی اس کو ولی سمجھتا ہے اور کوئی صاحب خدمت اور کیا کیا اور خیال راقم کا یہ ہے کہ اس حکمت بست وپنجم سے شاید اس غلطی کی تائید کی جاوے۔ اس واسطے مناسب ہے کہ کرامات کے متعلق تحقیق عرض کی جاوے۔ راقم اس بحث کو حضرت والا کی کتاب مسمی کرامات امدادیہ سے نقل کرتا ہے۔ فانہ شاف وکاف بمالا مزید علیہ

مسئلہ اوّل: جاننا چاہئے کہ خلاصہ کلام محققین کا اس باب (باب کرامت) میں یہ ہے کہ کرامت اس امر کو کہتے ہیں جو کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی متبع کامل سے صادر ہو اور قانون عادت سے خارج ہو پس اگر وہ امر خلاف عادت نہ ہو تو کرامت نہیں ہے۔ اور جس شخص سے وہ امر صادر ہوا ہے اگر وہ کسی نبی کا متبع اپنے کو نہیں کہتا وہ بھی کرامت نہیں ہے جیسے جوگیوں ساحروں وغیرھم سے بعض امور ایسے سرزد ہو جاتے ہیں اور اگر وہ شخص مدعی اتباع کا تو ہے مگر واقع میں متبع نہیں ہے خواہ اصول میں خلاف کرتا ہو جس طرح اہل بدعت یا فروع میں جیسے فاسق اور فاجر اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو وہ بھی کرامت نہیں ہے بلکہ استدراج ہے جس کا ضرر یہ ہے کہ یہ شخص بوجہ خرق عادات کے اپنے آپ کو کامل سمجھتا ہے اور اس دھوکہ میں کبھی حق کے طلب کرنے اور اتباع کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ نعوذ باللہ کس قدر خسران عظیم ہے۔ پس کرامت اس وقت کہلائے گی جبکہ اس کا محل صدور مومن متبع سنت کامل التقویٰ ہو۔ اب ہمارے زمانہ میں جس شخص سے کوئی فعل عجیب سرزد ہو جاتا ہے اس کو غوث وقطب قرار دیتے ہیں۔ خواہ اس شخص کے کیسے ہی عقائد ہوں اور کیسے ہی اعمال و اخلاق ہوں۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ بزرگوں نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص کو ہوا میں اڑتا ہوا یا پانی پر چلتا ہوا دیکھو مگر وہ شریعت کا پابند نہ ہو تو اس کو بالکل ہیچ سمجھو۔

مسئلہ دوم: اور جاننا چاہئے کہ کرامت کے لئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے نہ اس کے قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے۔ اور احیاناً علم ہوتا ہے اور قصد نہیں ہوتا اور کبھی علم وقصد دونوں امر ہوتے ہیں۔ اس بناء پر کرامت کی تین قسمیں ٹھہریں۔ ایک قسم وہ جہاں علم بھی ہو اور قصد بھی جیسے نیل کا جاری ہونا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے فرمان

مبارک ہے۔ اور دوسرے وہ جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے فصل میوؤں کا آ جانا۔ تیسرے قسم وہ جہاں نہ علم ہو نہ قصد۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دوچند سہ چند ہو جانا۔ چنانچہ خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا جس سے ان کے علم و قصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور ایک احتمال حصر عقلی میں سے خلاف واقع ہے کہ قصد ہو اور علم نہ ہو کیونکہ بدون علم قصد ممکن نہیں اور لفظ تصرف و ہمت کا صرف قسم اول پر اطلاق کیا جاتا ہے قسم ثانی و ثالث کو تصرف نہیں کہتے۔ البتہ برکت و کرامت کہتے ہیں۔

مسئلہ سوم: اور جاننا چاہئے کہ ایک اور اعتبار سے کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک حسی ایک معنوی۔ عوام لوگ اکثر حسی کو جانتے ہیں اور اسی کو کمال شمار کرتے ہیں جیسے مافی الضمیر پر مطلع ہو جانا۔ پانی پر چلنا۔ ہوا پر اڑنا وغیرہا اور خواص کے نزدیک بڑا کمال کرامت معنوی ہے۔ یعنی شریعت پر مستقیم رہنا۔ مکارم اخلاق کا خوگر ہو جانا۔ نیک کاموں کی پابندی اور بے تکلفی سے صادر ہونا۔ حسد و کینہ و دیگر صفات مذمومہ سے قلب کا طاہر ہو جانا۔ کوئی سانس غفلت میں نہ گزرنا۔ یہ وہ کرامت ہے جس میں استدراج کا احتمال نہیں بخلاف قسم اول کے کہ اس میں یہ احتمال موجود ہے اسی واسطے کاملین صدور کرامت کے وقت بہت ڈرتے ہیں کہ یہ استدراج نہ ہو یا خدانخواستہ اس سے نفس میں عجب نہ پیدا ہو جاوے۔ یا اس کی وجہ سے عوام میں شہرت و امتیاز پیدا ہو کر موجب ہلاکت ہو۔ بلکہ بعض نے فرمایا ہے کہ بعض اولیاء نے مرتے وقت تمنا کی ہے کہ کاش دنیا میں ہماری کوئی کرامت صادر نہ ہوتی تاکہ اس کا عوض و اجر بھی آخرت میں ملتا کیونکہ یہ امر مقرر ہے کہ جس قدر دنیا میں کسی نعمت میں کسی کو کمی رہے گی اس کا بدلہ آخرت میں عنایت ہوگا۔

مسئلہ چہارم: اور جاننا چاہئے کہ بعض علماء نے کرامت کی قوت ایک حد تک معین کی ہے اور جو امور نہایت عظیم ہیں جیسے بدون والد کے اولاد پیدا ہونا یا کسی جماد کا حیوان بن جانا یا ملائکہ کا باتیں کرنا اس کا صدور کرامت سے ممتنع قرار دیا ہے۔ مگر محققین کے نزدیک کوئی حد نہیں کیونکہ وہ فعل پیدا کیا ہوا اللہ تعالیٰ کا ہے۔ صرف ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو گیا ہے

واسطے اظہار کرامت وقرب ومقبولیت اس ولی کے۔ سو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جب کوئی حد نہیں پھر کرامت محدود کیسے ہو سکتی ہے۔ رہا یہ شبہ کہ معجزہ کے ساتھ مساوات لازم آنے کا احتمال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب صاحب کرامت خود کہتا ہے کہ میں نبی کا غلام ہوں تو جو کچھ اس سے ظاہر ہوا ہے بہ تبعیت اس نبی کے ہے۔ استقلالاً نہیں جو اس شبہ کی گنجائش ہو البتہ جس خرق و عادت کی نسبت نبی کا ارشاد ہو کہ اس کا صدور مطلقاً محال ہے وہ بطور کرامت کے سرزد نہیں ہو سکتے جیسے قرآن مجید کا مثل لانا۔

مسئلہ پنجم: اور جاننا چاہئے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اپنی کرامت کا اخفا واجب ہے مگر جہاں اظہار کی ضرورت ہو یا غیب سے اذن ہو یا حالت اس قدر غالب ہو کہ اس میں قصد و اختیار باقی نہ رہے یا کسی طالب حق ومرید کے یقین کا قوی کرنا مقصود ہو وہاں اظہار جائز ہے۔

مسئلہ ششم: اور جاننا چاہئے کہ بعض اولیائے کاملین کا مقام غلبہ عبودیت ورضا کا ہوتا ہے اس لئے کسی شے میں وہ تصرف نہیں کرتے اس وجہ سے ان کی کرامتیں نہیں معلوم ہوتیں اور بعضوں کو قوت تصرف ہی عنایت نہیں ہوتی تسلیم وتفویض ہی ان کی کرامت ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولایت کے لئے کرامت کا وجود یا ظہور ضروری نہیں۔

مسئلہ ہفتم: اور جاننا چاہئے کہ بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات و خوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ امر معنیً[1] حد تواتر تک پہنچ گیا ہے۔

مسئلہ ہشتم: اور جاننا چاہئے کہ کرامت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اسباب طبعیہ سے وہ اثر پیدا نہ ہوا ہو خواہ وہ اسباب جلی ہوں یا خفی۔ اس مقام پر لوگوں کو دو غلطیاں واقع ہوتی ہیں بعض تو مطلق عجیب امور کو کرامت سمجھتے ہیں اور عامل کے معتقد کمال بن جاتے ہیں۔ آج کل اس قسم کے بہت قصے واقع ہو رہے ہیں مسمریزم، فریمین حاضرات، ہمزاد کا عمل، عملیات ونقوش، طلسمات وشعبدات، تاثیر عجیبہ ادویات سے چشم بندی وغیرہا کہ اس میں بعض کے آثار تو محض خیالی ہیں اور بعض کے واقعی بھی ہوں تو اسباب طبعیہ خفیہ سے مربوط

---

[1] تواتر معنوی کے یہ معنی ہیں کہ اس کثرت سے ایسے واقعات منقول ہیں کہ عقل سلیم سب کے جھوٹ ہونے کو نہیں مان سکتی اگرچہ کوئی ایک واقعہ متواتر سند سے منقول نہیں۔ محمد مصطفیٰ

ہیں۔ کرامت ان سب خرافات سے منزہ ہے۔ اور بعض کرامات کو بھی قوت طبیعیہ پر محمول کر کے سب کو ایک لکڑی ہانکتے ہیں۔ صاحب بصیرت طالب حق کو قرائن قویہ سے بنظر انصاف فرق معلوم ہو جاتا ہے کہ اس فعل میں قوائے طبیعیہ کو دخل ہے یا محض قوت قدسیہ ہے یا کسی قوت کو بھی دخل نہیں۔ محض کائن من الغیب ہے۔

مسئلہ نہم: اور جاننا چاہئے کہ جس فعل کا ظاہری قوت سے کرنا ممنوع ہے باطنی قوت سے بھی ممنوع ہے جیسے کسی بے گناہ کو قتل کر دینا یا کسی کے قلب پر زور ڈال کر اس سے کچھ روپیہ لے لینا یا کسی کا راز پنہانی معلوم کرنا یا قصداً نامحرم کی طرف التفات کرنا۔ بعض لوگ مطلقاً خرق عادت کو شعبہ ولایت کا سمجھ کر ان سب تصرفات کو حلال اور داخل کرامت سمجھتے ہیں۔

مسئلہ دہم: اور جاننا چاہئے کہ ولی سے احیاناً کوئی امر ناجائز صادر ہو جانا بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو تنبیہ کے وقت توبہ کر لے یا کسی اختلافی مسئلہ میں غلط شق کو اختیار کرنا ولایت و کرامت میں قادح نہیں ہے۔ یہ کل دس مسئلے ضروری اس باب کے متعلق ہیں۔ مضمون کرامات امدادیہ ختم ہوا۔

مجلس بست وہفتم (۲۷)

مشائخ کی اجازت کی برکت سے بعض دفعہ حق تعالیٰ نے نااہلوں کو اہل کر دیا:

شاہ ظہور احمد صاحب انبہٹوی سے اور حضرت والا سے یہ گفتگو ہوئی کہ شاہ صاحب فرماتے تھے میں امامت سے بہت ڈرتا ہوں اور حضرت والا فرماتے تھے آپ امامت ضرور کیا کیجئے۔ آج کل ضرورتیں اسی کی مقتضی ہیں ورنہ نااہل اس کام کو لے لیتے ہیں۔ وہ فرماتے تھے میں خود نااہل ہوں۔ تمام جماعت کا بار سر لینا میرے حوصلہ سے باہر ہے۔ اسی طرح کی گفتگو دیر تک ہوتی رہی حتیٰ کہ حضرت والا نے فرمایا کہ اگر کوئی وجہ کافی نہ ہو تو یہی کافی ہے کہ امام کو باوجود نااہل ہونے کے جب لوگ اہل سمجھ کر امام بناتے ہیں تو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس کو لوگوں کے گمان کے موافق اہل ہی کر دیں۔ اکثر واقع ہوا ہے کہ مشائخ نے

کسی ایسے شخص کو اجازت دے دی جس میں اہلیت نہ تھی مگر حق تعالیٰ نے ان کے فعل کی برکت سے اس کو اہل کر دیا۔

حضرت والا کا ایک خواب امامت کے متعلق:

اس کے بعد اپنا قصہ بیان فرمایا کہ میں زمانۂ طالب علمی میں دیو بند میں تھا مجھ کو مولوی رفیع الدین صاحب نے امامت کے لئے کھڑا کر دیا۔ مولوی صاحب نے خواب میں دیکھا کہ میں ان کی امامت کر رہا ہوں کہ ناگہاں کسی نے مجھے مصلیٰ پر سے ہٹایا اس طرح کہ زور سے میرے سینے میں مارا لیکن مولانا رفیع الدین صاحب نے اس ہٹانے والے کو دفع کیا اور مجھے مصلے پر کھڑا کر دیا۔ یہ خواب خود مولوی صاحب نے مجھ سے بیان کیا اور فرمایا ذرا وسوسوں سے بچا کرو۔ میں نے کہا اب میں امامت ہی نہ کروں گا خاص کر آپ کی۔ فرمایا ہم زبردستی تمہیں کو امام بنائیں گے۔ ان کے امر کی مخالفت کیسے کرتا۔ امامت سے بچنے کی تدبیر یہ نکالی کہ مدرسہ کی مسجد میں نماز پڑھنا ہی چھوڑ دی۔ چھتہ کی مسجد میں گیا وہاں جناب حاجی محمد عابد صاحب تھے فرمایا نماز پڑھاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ یہی خدمت مجھ سے نہ ہو گی۔ مگر حاجی صاحب نے اصرار کیا اور امام بنا ہی دیا۔ جس سے بھاگا تھا وہی وہاں بھی پیش آیا۔ پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے حجرے میں ہوں اور کھڑکی کے سلیچوں کے باہر سے ایک شخص آیا اور کہا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب امامت کیوں نہیں کرتے۔ میں نے کہا آج کل وہ دیو بند میں نہیں ہیں کہا مولانا نہیں ہیں تو مولانا سید احمد صاحب (مدرس دوم) دہلوی کیوں نہیں امامت کرتے۔ میں نے کہا وہ دوسری مسجد میں نماز پڑھاتے ہیں کہا اچھا ملا محمود صاحب کیوں نہیں کرتے ان کا عذر بھی میں نے کچھ ایسا ہی بیان کر دیا یہ یاد نہیں کہ پھر اس نے مولانا محمود حسن صاحب کا نام بھی لیا یا نہیں۔ آخر میں یہ کہا کہ بس تم ہی ایک امامت کے لئے رہ گئے۔ میری آنکھ کھل گئی اور سمجھ میں آیا کہ امامت سے مجھے منع کیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا تصریح ہو سکتی ہے۔ میں نے یہ خواب حاجی محمد عابد صاحب سے بیان کیا تو بالبدیہہ فرمایا یہ شیطان تھا۔ میں نے عرض کیا نہیں حضرت میں اب امامت بالکل نہ کروں گا۔ اس کے بعد

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف لے آئے تو میں نے ان سے یہ خواب بیان کیا مولانا نے بھی بالبدیہہ یہی فرمایا کہ وہ شیطان تھا اور فرمایا کہ اگر آئندہ ایسا نظر آوے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نہ اس واسطے امام بن جاتا ہوں کہ میں امامت کے قابل ہوں بلکہ مسلمانوں کے تطییب قلب اور تعمیل امر کے لئے۔ پھر کوئی خواب نظر نہیں آیا۔ ۲۹ شوال ۱۳۳۲ھ روز دوشنبہ وقت اشراق اندرون پھاٹک نشستگاہ۔

فوائد ونتائج

امامت وسیاست اگر نااہلوں کے ہاتھوں تباہ ہوتی ہو تو خود اختیار کر لینی چاہیے

امامت اور سیاست اور ہر قسم کی بڑائی سے بچنا ہی بہتر ہے مگر وہ کام اگر نااہلوں کے ہاتھوں سے تباہ ہوتا ہو تو خود اختیار کر لینا بلکہ مانگ کر لے لینا درست ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی کو خلافت کا اہل اپنے سے زیادہ سمجھتا تو ہرگز اختیار نہ کرتا لیکن بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ بسا اوقات یہ دھوکا ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو اہل اور دوسرے کو نااہل سمجھنا صرف نفسانیت اور دعویٰ تقدیس پر مبنی ہوتا ہے اور فی زمانہ زیادہ تر یہی ہے اس کی شناخت کہ نفسانیت نہیں ہے یہ ہے کہ دل میں اس کام سے خوف ہو اس کی رغبت نہ ہو۔ اگر اس کے ہاتھ سے چھن جاوے تو رنج وملال نہ ہو بلکہ خوشی ہو اور اگر اس کا کوئی اہل مل جاوے تو اس کے سپرد کرنے میں تامل نہ ہو اور اگر اس کام میں کچھ غلطی ہو جاوے تو اس کے اظہار میں پس وپیش نہ ہو۔ جب یہ حالت ہو تو اس کام کے اختیار کر لینے میں کچھ حرج نہیں کیونکہ بلا سوال کے ہے اور حدیث میں ہے **من سئل الامارة وکل الیٰ نفسه و من اعطیها من غیر مسئلة اعین علیها** ترجمہ جو کوئی سیادت کو مانگ کر لے گا وہ اپنے نفس کے سپرد کر دیا جائے گا اور جو کوئی بلا سوال پائے گا اس کی اعانت حق تعالیٰ کی طرف سے کی جائے گی۔ سوال درحقیقت سوال قلبی ہے تو وہ اگر موجود ہے یعنی اس کام کی محبت اور

خواہش موجود ہے تو وعید متوجہ ہوگی خواہ سوال لسانی ہو یا نہ ہو اور اگر نہیں ہے تو وعدہ مترتب ہوگا خواہ لساناً انکار یا سوال ہو ضرورۃً یا نہ ہو۔ حدیث کے لفظ اعین علیھا سے حضرت والا کے اس قول کا کہ حق تعالیٰ اس کو اہل ہی کر دیں ثبوت ملتا ہے۔ جب اعانت ہوئی اور کام ٹھیک کرنے لگا تو اسی کا نام اہل ہونا ہے۔ (۲) قولہ انکے فعل کی برکت سے اہل کر دیا دلیلہ لو اقسم علی اللہ لابرہ اللھم ارزقنا من برکات ھو لاء (اگر قسم کھا لیں خدائے تعالیٰ کے بھروسہ پر تو خدائے تعالیٰ اس کو پورا کر دیں یہ اولیاء اللہ کی شان میں ہے)

(۳) حضرت والا کا امامت سے گریز کرنا حدیث مذکور من سئل الامارۃ الخ کی تعمیل ہے اور امامت سر پڑ جانے کے بعد اعین علیھا کا ظہور آج اظہر من الشمس ہے۔

خوبرویان بناتے ہمہ زیور بستند ‏ ‏ دلبر ما است کہ باحسن خداداد آمد

آفاق گردیدہ ام مہر بتاں ور زیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

الامر فوق الادب:

(۴) بزرگوں کی رائے کے سامنے اپنی رائے کو ترجیح نہ دینا چاہئے گو خلاف طبع ہو جیسا کہ حضرت حاجی محمد عابد صاحب کے حکم سے باوجود کراہت طبع امام بن گئے۔

خواب کے ظنی و قطعی ہونے کی بحث:

خواب کیسا ہی صریح کیوں نہ ہو کوئی دلیل شرعی نہیں نہ کسی دلیل شرعی کے معارض ہو سکتا ہے۔ ظنیت سے کبھی بھی خارج نہیں ہو سکتا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ قواعد شرعیہ پر اس کو پیش کیا جاوے۔ اگر معارض نہ ہو تو عمل کیا جاوے ورنہ نہیں۔ اول تو اس وجہ سے کہ شریعت نے خواب کو دلیل نہیں قرار دیا ثانیاً یہ کہ تعبیر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ جس کا کوئی قاعدہ منضبط نہیں جیسا کہ حضرت والا نے تصریحاً یہ دیکھا کہ امامت سے ہٹایا جاتا ہے اور دو مبصروں نے اس کو نہی نہیں سمجھا بلکہ فعل شیطان تشخیص کیا۔

ایک مولوی صاحب کا خواب پر یقین کر کے معصیت میں پڑنا:۔ بہت سے پڑھے لکھے بھی اس میں غلطی کرتے ہیں۔ایک مولوی صاحب کا قصہ ہے کہ ان کا خواب ہمیشہ سچا ہوتا تھا۔ ان کے باپ نے ایک جگہ ان کی منگنی کی۔انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس لڑکی والوں کو کہتا ہے کہ پیچھے ہٹ جاؤ انہوں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ یہاں رشتہ نہ کرنا چاہئے۔اور صاف انکار کر دیا۔باپ کو یہ حرکت سخت ناگوار ہوئی مگر انہوں نے ایک نہیں مانی اور کہا میرا خواب کبھی جھوٹ نہیں امر غیبی کے سامنے میں کسی کی نہیں سنتا اور یہ واقعہ ایک شخص سے بیان کیا اس نے کہا حکم شرعی یہ ہے کہ ایسے خوابوں سے حقوق والدین (سے گریز) جائز نہیں اور اگر اس خواب کو سچا بھی کہا جائے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ امر ہے۔ممکن ہے اخبار ہو یعنی واقعہ منکشف ہوا کہ یہ رشتہ نہیں ہوگا چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔تمہیں چاہئے تھا کہ امر والدین سے انکار نہ کرتے اس گناہ سے بچ جاتے پھر واقع یہی ہوتا کہ یہ رشتہ نہ ہوتا۔

ایک شخص کا خواب کی بنا پر اپنی بی بی پر شبہ کرنا:

ایسے ہی ایک شخص نے احقر سے کہا کہ میری بیوی نہایت پارسا اور نیک ہے مگر میں نے ایک خواب دیکھا ہے جب سے مجھے اس کی طرف سے اشتباہ ہو گیا ہے۔وہ یہ ہے کہ گویا میں باہر سے گھر میں آیا تو دیکھتا ہوں کہ دروازہ میں وہ بے پردہ کھڑی ہے اور باہر جانا چاہتی ہے میں نے اسے ڈانٹا مگر نہ مانی۔میں نے اس کے جوتہ پھینک کر مارا مگر جب بھی نہ مانی اور باہر نکل گئی۔میں سخت حیران ہوں کہ اب اس کو رکھوں یا طلاق دے دوں۔احقر نے کہا حدیث میں آیا ہے۔النساء حبالة الشیطان (عورتیں شیطان کی ڈوریں ہیں) ذریعہ کا ذ وذریعہ کی شکل میں خواب میں نظر آجانا کچھ مستبعد نہیں جبکہ معانی کی بھی صورت نظر آجاتی ہے۔لہذا وہ عورت جو دروازہ میں نظر آئی شیطان تھا۔گھر میں نہ جا سکا باہر چلا گیا۔معلوم ہوا کہ تمہارے گھر میں بحمد اللہ شیطان کا ذرا بھی دخل نہیں حتیٰ کہ غلطی سے تم نے اس کو داخل کرنا چاہا جب بھی نہ ہو سکا ثابت ہوا کہ تمہاری بیوی بہت محصنہ ہے ہرگز زبان سے کوئی کلمہ بد نہ نکالنا۔ورنہ قذف محصنہ کا گناہ ہوگا جو اکبر کبائر ہے نہ دل میں ایسا خیال کرنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم

بذریعہ خواب جبھی معتبر ہے کہ موافق شریعت ہو

مسئلہ اگر کوئی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھے کہ کسی بات کی تعلیم قولاً یا فعلاً حضور نے فرمائی تو اس پر بھی عمل کرنا جب ہی درست ہے کہ خلاف شرع نہ ہو اگر چہ یہ مسلم ہے کہ شیطان حضور کی شکل مبارک نہیں بن سکتا مگر تعبیر کے سمجھنے میں تو غلطی ممکن ہے تو وہ حکم حضور کا غیر صریح ہوا اور شریعت حکم صریح ہے تو بروقت معارضہ حکم صریح کو ترجیح ہوگی جیسا کہ تعارض ادلہ کے متعلق اصول ہے۔ اب یہ شبہ نہ رہا کہ اس کی تعمیل نہ کرنا مخالفت امر حضورؐ ہے۔ کیونکہ ترک امر حضور بوجہ امر حضور ہے جیسا کہ تمام علم اصول اس سے بھرا ہوا ہے۔ خلاف ورزی جب ہوتی کہ بامر نفس ہوتی بامر حضور نہ ہوتی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس پر یہ بھی لازم نہیں آتا کہ امر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہم متعارض بھی ہوتے ہیں کیونکہ تعارض کے لئے وحدت مرتبہ بھی شرط ہے۔ ایک ظنی اور ایک قطعی میں تعارض نہیں کہا جا سکتا۔ خواب کے متعلق کچھ بحث سی ونکیم میں بھی ہے اور حکمت ششم میں بھی اور خواب کے بارہ میں حضرت والا کے اقوال وعظ التذکیر میں صفحہ ۷ پر ہیں۔ آج کل لوگ خواب کو بڑی شے سمجھتے ہیں۔ خاص کر ذاکر شاغل لوگ۔ صاحبو ہم کیا اور ہمارا خواب کیا۔ رات دن اکل وشرب اور اس کے دھندوں میں لگے رہتے ہیں۔ وہی خیالات دماغ میں جمع ہو کر شب کو دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ہمارے خواب کی حقیقت ہے اور جو واقع میں خواب بھی ہو وہ بھی مبشرات سے بڑھ کر نہیں حجت ان کو بھی نہیں کہا جا سکتا۔ میرے پاس تو کوئی خواب لکھتا ہے تو میں لکھ دیتا ہوں۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

اور لکھ دیتا ہوں کہ بیداری کا حال بیان کرو تو لطف آوے۔ اپنا کوئی مرض بیان کرو تا کہ اس کا علاج کیا جاوے اور خواب میں کیا رکھا ہے۔ خواب میں تو اگر کوئی یہ بھی دیکھ لے کہ میں

جنت میں ہوں تو اس سے ذرہ برابر قرب نہیں بڑھتا اور اگر یہ دیکھے کہ سور کھا ہوں تو ذرہ برابر بعد نہیں ہوتا۔ خواب فی نفسہ مؤثر نہیں ہے۔ ہاں قرب و بعد پر بعض خواب مرتب ہو سکتا ہے یعنی اگر اچھا خواب دیکھو تو بعض احوال میں علامت ہے کہ اعمال قرب میں سے تم سے کوئی عمل ہوا ہو اور اگر برا خواب دیکھو تو اسی طرح اس کی علامت ہے کہ کوئی برا عمل ہوا ہے۔ غرض خواب علامت سے بڑھ کر نہیں جیسے سرخ و سبز جھنڈی ریل کے چلنے اور رک جانے میں۔

مجلس بست و ہشتم (۲۸)

طاعون سے بھاگنا کیوں جائز نہیں، **تکلموا الناس علی قدر عقولھم**: آج حضرت والا پھر مسجد تشریف لے گئے۔ پیر کی تکلیف کم ہو گئی۔ ایک محسن آدمی آئے اور حضرت والا سے مصافحہ کیا اور ذرا دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ تو حضرت والا نے ان کی تعریف کی کہ نہایت سمجھدار آدمی ہیں۔ یہ تحصیلدار تھے جب ان کی پنشن ہو گئی اور مکان پر آ گئے تو میرے پاس آئے اور کسی عالم کے معتقد نہ تھے۔ مجھ سے سوال کیا کہ طاعون سے بھاگنا کیوں جائز نہیں۔ میں نے کہا جہاد سے بھاگنا کیوں جائز نہیں حالانکہ علت بھاگنے کی مشترک ہے یعنی حفاظت نفس۔ یہ لاجواب ہوئے۔ میں نے کہا اصل یہ ہے کہ جان ہماری ملک نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی ملک ہے جہاں اس کی حفاظت کا حکم ہو ہم کو حفاظت کرنا چاہئے اور جہاں اتلاف کا حکم ہو اتلاف کرنا چاہئے۔ طاعون سے بھاگنے کو منع فرمایا ہے لہٰذا جائز نہیں۔ علت امر حق تعالیٰ ہے۔ بڑے خوش ہوئے اور بڑی اچھی طرح ملتے ہیں یہ ان کی سلامت فہم کی بات ہے کہ اس جواب سے تشفی ہو گئی اور بیحد خوش ہوئے ورنہ آج کل کے عقلمند ظاہری حکمتیں تلاش کیا کرتے ہیں اور اصلی اور حقیقی جواب سے کبھی ان کی تسلی نہیں ہوتی۔ ۳۰ شوال ۱۳۳۲ھ روز سہ شنبہ وقت چاشت درسہ دری خود در مسجد

فوائد و نتائج

(۱) دوسرے کا ہنر اور اپنا عیب دیکھنا چاہئے:

دوسروں کے ہنروں پر نظر کرنا اور عیبوں پر نہ کرنا اور اپنے نفس کے ساتھ اس کا عکس کرنا

صحیح طریقہ ہے ورنہ سوئے ظن اور دعوائے تقدس میں مبتلا ہونا ہے۔ بعض معمولی آدمیوں میں ایک وصف ایسا ہوتا ہے کہ آخر میں عیوب پر غالب آ جاتا ہے اور بعض وقت اپنے اندر ایسا عیب ہوتا ہے کہ بہت سے ہنروں پر غالب آ جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من غضبہ

(۲) مفتی بہت تجربہ کار اور سمجھدار ہونا چاہئے:

مفتی کو موقع و محل اور سائل کے علم و فہم کے موافق جواب دینا چاہئے۔ اسی واسطے فتویٰ نو آموز علماء سے لینے میں بعض وقت بڑی خرابی ہوتی ہے۔

مجلس بست و نہم (۲۹)

چند آدمیوں کا قرآن شریف زور زور سے پڑھنا:۔ مولوی مرزا علی نظر بیگ صاحب مراد آبادی نے پوچھا کہ یہ جائز ہے یا نہیں کہ چند آدمی ایک جگہ بیٹھ کر زور زور سے قرآن شریف کی تلاوت کریں۔ فرمایا اصل مذہب فقہاء کا تو عدم جواز ہے بدلیل **واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا** ط اور جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور خاموش رہو لیکن مجھے اس استدلال میں کلام ہے کیونکہ قرآن کا پڑھنا دو طرح ہوتا ہے ایک تبلیغ کے لئے اور ایک بطور تلاوت کے آیت کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ یہ امر اس صورت میں ہے جب کہ تبلیغ کے لئے پڑھا جاوے کیونکہ اوپر سے مخاطب کفار ہیں۔ **واذا لم تاتیهم باية قالو لولا اجتبیتها** اور کفار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ و تعلیم سننے کو جمع ہوتے تھے۔ تلاوت سننے کے لئے جمع نہیں ہوتے تھے تو آیت کا ماحصل یہ ہوا کہ جب دین کی تعلیم کی جاوے تو سنو اور غل شور نہ مچاؤ چاہے اس میں قرآن کی آیت نہ بھی پڑھی جاوے۔

باقی اس پر یہ شبہ کہ اصول کا یہ قاعدہ کلیہ نہیں کہ حکم عموم الفاظ پر ہے نہ خصوص مورد پر:۔ باقی اس پر یہ شبہ کہ اصول کا قاعدہ ہے کہ حکم عموم الفاظ پر ہے نہ خصوص مورد پر۔ سو اس کا مطلب میرے نزدیک یہ ہے کہ جب قرائن سے معلوم ہو جاوے کہ مراد متکلم کی تعمیم ہے تو خصوص مورد سے کچھ نہیں ہوتا جیسے آیت لعان **والذین یرمون ازواجهم** میں ہے کہ اتری ہے عویمر بن عجلان اور ہلال بن امیہ کے بارے میں لیکن مقصود مطلق بیان حکم قذف ہے بس مورد گو خاص ہے مگر حکم عام ہے

اور جہاں قرینہ سے ثابت ہو جائے کہ مراد متکلم کی تخصیص ہے تو حکم خاص ہی رہے گا جیسے

لیس من البر الصیام فی السفر

از یقعدہ ۱۳۳۲ھ روز چہار شنبہ درسہ دری خود در مسجد

فوائد ونتائج:۔ ظاہر ہے۔

مجلس سیئم (۳۰)

اگر سکہ کاغذ کا چلے تو زکوٰۃ کیسے ادا ہو:۔ مشہور ہوا کہ تا زمانہ جنگ یورپ روپیہ اور ہر قسم کا سکہ کاغذ کا چلے گا۔ حضرت والا نے ظہر کی نماز کا سلام پھیر کر فرمایا کہ اس وقت نماز میں ایک مسئلہ ذہن میں آیا جس سے مذہب حنفی کے برکات ظاہر ہوتے ہیں۔ حنفی مسئلہ ہے کہ زکوٰۃ غیر جنس سے بھی ادا ہو جاتی ہے۔ جبکہ سکہ کاغذ کا چلے گا اور کسی کے ذمہ میں چاندی سونے کی زکوٰۃ ہے تو بتایئے اس کی ادا کی کیا صورت ہے۔ آئمہ ثلاثہ کے مذہب پر اس کی کوئی صورت نہیں اور حنفیہ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ اس سکہ سے گیہوں مثلاً خریدے جاویں اور زکوٰۃ میں دیدیئے جاویں۔ پہلی یا دوسری رکعت میں یہ بات ذہن میں آئی اور چوتھی رکعت میں ایک خدشہ اور اس کا جواب ذہن میں آیا وہ یہ کہ جب سکہ کاغذ کا ہوگا تو وہ مال ہی نہ ہوگا تو زکوٰۃ کس چیز پر واجب ہوگی اور جواب یہ آیا کہ زکوٰۃ ممکن ہے کہ سابق کی واجب فی الذمہ ہو اور یہ کہ یہ کاغذ کا روپیہ دراصل سند ہے اس روپیہ کی جو حکومت نے قرض لیا اور وصول کی قوی امید ہے تو ایسے قرض پر بھی زکوٰۃ ہوتی ہے یا کسی کے پاس زیور ہو یا اور تجارتی اسباب ہو۔ ۳ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ یوم پنجشنبہ در مسجد۔

فوائد ونتائج

(۱) نماز میں خیالات ذہن میں آنے کا حکم مفصل آگے آتا ہے۔

(۲) مسئلہ عورت کو جب دین مہر خاوند سے وصول ہو تو زکوٰۃ کب سے ہوگی

جواب:۔ بعد وصول وقبض کے حولان حول شرط ہے اس کے بعد زکوٰۃ ہوگی۔ کیونکہ اس پر جب تک قبضہ نہیں ہوا مال ہی نہیں بنا کذا فی الشامی جلد ۲ صفحہ ۵۰ ہاں اگر عورت اس

روپیہ کے سوا اور نصاب بھی رکھتی ہے تو رقم بغور وصول کے اس کے ساتھ منضم ہو جاوے گی اور جب اس کی زکوٰۃ دے اس کی بھی دے۔

نوٹ پر زکوٰۃ ہے نوٹ پر تفاضل جائز نہیں:۔ مسئلہ: نوٹ پر زکوٰۃ اسی واسطے ہے کہ نوٹ سند ہے اس روپیہ کی جو گورنمنٹ کے خزانہ میں پہنچ چکا ورنہ نوٹ فی نفسہ مال نہیں اسی واسطے اگر نوٹ ضائع ہو جاوے اور نمبر یاد ہوں تو روپیہ ضائع نہیں ہوتا اور غلطی کی اس شخص نے جس نے فتویٰ دیا کہ نوٹ نقدین میں سے نہیں لہٰذا تفاضل جائز ہے۔ اس کی مفصل بحث رسالہ الرشاد میں ہے۔

مجلس سی و یکم (۳۱)

حضرت والا کا ایک خواب:

فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے ملکہ وکٹوریہ کو اس کی حیات کے زمانہ میں خواب میں دیکھا کہ ایک ایسی گاڑی پر سوار ہے کہ نہ اس میں گھوڑا ہے اور نہ آگ نظر آتی ہے یونہی خود بخود چلتی ہے۔ (اس وقت تک موٹر کار جاری نہیں ہوئی تھیں)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاح فرمانے کی حکمت:۔ مجھ سے ملکہ کی ملاقات ہوئی اور اس نے کہا ہم کو اسلام ہی حق معلوم ہوتا ہے صرف ایک شبہ باقی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ مزاح فرماتے تھے۔ یہ بات عقل اور تہذیب سے بھی بعید ہے چہ جائیکہ نبوت۔ میں نے کہا حضورؐ کے حالات کو غور سے پڑھئے تو معلوم ہوگا ہر بات میں حق تعالیٰ نے آپ کو ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ کسی کو بھی نہیں دیا اور منجملہ دیگر کمالات کے مہابت بھی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت ایسی تھی کہ کوئی آپ کے سامنے بات نہیں کر سکتا تھا اور نبوت کا فائدہ اور غرض ہے تعلیم۔ تو اس صورت میں اس کے پورا ہونے کی کیا صورت ہے جب تک کہ لوگوں کو انس نہ ہو۔ اس انس پیدا کرنے کے واسطے آپ قصداً اپنی ہیبت گھٹاتے اور کبھی کبھی مزاح فرماتے تھے تا کہ لوگ دل کھول کر مافی الضمیر ظاہر کر سکیں۔ اور جو پوچھنا ہو بلا تامل پوچھ سکیں۔ اس جواب کو ملکہ نے بہت پسند کیا اور کہا اب کوئی شبہ اسلام کے متعلق باقی نہیں رہا۔ ۲ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ روز پنجشنبہ در سہ دری خود در مسجد

مزاح کی اس حکمت کے متعلق حضرت والا کمالات امدادیہ میں صفحہ ۴۰ پر فرماتے ہیں وھذہ الحکمۃ مما القی فی روعی فی المنام ۔اورحقیقۃ الطریقہ میں حضرت والا نے اس قصہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وقد اجبت بھذا ملکۃ من ملوک اور بارایتھا فی المنام و رایتنی راکبا معھا علی عجلۃ قد عرضت علی شبھۃ فی نبویۃ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بانہ کان یمازح ولمزاح ینافی الوقار من لو ازم النبوۃ وقالت لا شبھۃ فی حقیقۃ الاسلام سوی ھذا فلما اجبتھا عنہ بھذا المصلحۃ سکتت و سلمت. ثم بعض القرائن فی الیقظۃ دل علی انھا لعلھا سلمت باطنا صفحہ ۱۳۲

فوائد ونتائج

خواب از قبیل کشف ہے کوئی بات خواب میں معلوم ہو جانا ممکن ہے مگر ظنی ہے یقین نہ کرنا چاہئے۔ اگر اس کی مؤید دلائل شرعی ہوں تو خواب سے اور تقویت ہو سکتی ہے اور اگر خواب دلائل شرعی کے خلاف ہو تو ہرگز قابل اعتبار نہیں اور اگر نہ موافق ہو نہ مخالف تو ظن کے درجہ میں ہوگا۔ پورا وثوق نہ چاہئے اور کسی محذور شرعی میں اس کی بدولت نہ پڑنا چاہئے۔ اول تو شریعت نے خواب کو دلیل نہیں قرار دیا دوسرے تعبیر کا کوئی قاعدہ منضبط نہیں۔ کبھی تعبیر بالکل برعکس ہوتی ہے جیسے حضرت والا کی خواب میں صفحہ ۸۸ پر بیان ہوا۔ ہاں اس پر کسی ایسے فعل کی بنا جو شرعاً مباح ہو ممکن ہے۔ مثلاً کسی کو خواب میں معلوم ہو کہ گھر میں آگ لگنے والی ہے تو جائز ہے کہ مکان کو چھوڑ دے اور ایسے فعل کی خواب پر بنا کرنا جائز نہیں جو شرعاً کسی درجہ میں بھی برا ہو حتیٰ کہ مکروہ بھی ہو تو اس خواب کا اعتبار کرنا درست نہیں۔ بنا بریں خواب میں کسی کے اوپر چوری کا شبہ ہے اور خواب میں معلوم ہوا کہ وہی چور ہے یا خواب میں کسی نے کسی عمل کی نسبت بشارت دی جس سے قبولیت معلوم ہوئی یا خواب میں کسی عمل کی نسبت غیر مقبول ہونا معلوم ہوا وغیرہ وغیرہ تو دل میں ان باتوں کا ایسا جمالینا کہ ظن غالب ہو جاوے جائز نہیں ہاں اس خواب کی بنا پر دیگر دلائل کو تلاش کرنا درست ہے۔

مثلاً تحقیق کرے کہ وہ چور ہے یا نہیں مگر شرط ہے کہ یہ آدمی مغلوب الغضب نہ ہو کہ دلائل کی پوری تحقیق کئے بغیر ضعیف دلائل سے خواب کی تقویت لے لے اور عمل کر بیٹھے تاوقتیکہ اپنے نفس پر پورا اطمینان یا شیخ کامل کی اجازت نہ ہو۔ یہ بھی نہ چاہئے کہ بہتان میں پڑ جانے کے اندیشہ سے اس کو ایسا سمجھنا چاہئے جیسے سنکھیا کھانا کہ اغلب بلکہ کلیہ کے قریب یہی ہے کہ سنکھیا قاتل ہے اور بوقت ضرورت اس کا استعمال بلا رائے ماہر طبیب کوئی نہیں کرتا اور طبیب کے کہنے کے بعد دل میں ہراس تو ضرور رہتا ہے اور بے دھڑک ہمت نہیں ہوتی۔

خوابوں پر اعتماد کرنے کے نتائج:

کسی عمل کی نسبت اچھے خواب دیکھ کر اطمینان کر لینا ایسا دھوکہ ہے کہ آج کل بہت سے پڑھے لکھے اس خبط میں مبتلا ہو کر ایمان تک کھو بیٹھتے ہیں۔ بعض لوگ مرزا قادیانی کے پاس گئے اور خواب میں کچھ ان کی خوبی محسوس ہوئی اور بس قادیانی ہو گئے۔ **نعوذ باللہ من شرور انفسنا**۔ قرآن شریف میں ہے **ان الظن لا یغنی من الحق شیئا** (یعنی عقائد کے بارے میں ظنی دلیل بھی کافی نہیں۔ اسی واسطے قاعدہ مقرر ہے)

اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال (جب احتمال آجاوے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے) اور خواب تو کسی درجہ میں بھی دلیل نہیں نہ یقینی نہ ظنی تو اس پر ایمان کی بنا کرنا سوائے اس کے کہ سفسطہ شیطانی ہے اور کیا ہے۔ حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہ العزیز سے کسی نے قادیانی کی حالت پوچھی تھی تو فرمایا

و[1] من یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطانا فهو له قرین و انهم لیصدونهم عن السبیل و یحسبون انهم مهتدون ٥ و[2] قیضنا لهم قرناء فزینوا لهم مابین ایدیهم و ما خلفهم ط و[3] ان الشیاطین لیوحون الی اولیاء هم ٥

---

[1] اور جو کوئی اعراض کرے خدائے تعالیٰ کے ذکر سے تو معین کر دیتے ہیں ہم اس کے واسطے ایک شیطان پھر وہ اس کے ہر وقت ساتھ رہتا ہے اور شیاطین ایسے لوگوں کو حق سے روکتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔

[2] اور مقرر کئے ہیں ہم نے انکے لئے کچھ ساتھی کہ انہوں نے ان کے آگے اور پیچھے کی چیزوں کو اچھا دکھا رکھا ہے

[3] اور بیشک شیاطین دل میں باتیں ڈالتے ہیں اپنے ہم جنسوں کے

بعض ذاکرین نے حضرت والا سے شکایت کی کہ ہم ذکر کرتے ہیں مگر کوئی خواب تک بھی اچھا نظر نہیں آتا تو حضرت والا نے ان کو ڈانٹ دیا کہ خبردار اس خبط میں نہ پڑنا کیا ذکر سے مقصود خواب وخیال ہے۔

اچھے خواب نظر آنا محمود ہے مقصود نہیں:

اسی طرح بعض ذاکرین نے خوشی کے ساتھ عرض کیا کہ جب سے ہم نے ذکر شروع کیا ہے اچھے اچھے خواب نظر آتے ہیں۔ فرمایا یہ محمود ہے مگر مقصود نہیں۔ کبھی کسی نے عرض کیا کہ جب سے ذکر شروع کیا ہے خواب پریشان نظر آتے ہیں۔ فرمایا اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ حالت تمہاری اچھی ہے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں ہمیشہ جب نماز کا وقت خواب میں دیکھتا ہوں تو یہی دیکھتا ہوں کہ میری نماز قضا ہو گئی ہے اس سے بڑی پریشانی ہے۔ فرمایا پریشانی کی کیا بات ہے ممکن ہے تحزین من الشیطان ہو اور جبکہ خواب جیسی ادنیٰ چیز سے غم ہوتا ہے تو معلوم ہوا دل میں نماز کا خیال ہے۔ محمود ہونے اور مقصود نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کا ہونا اچھا ہے اور نہ ہونا برا نہیں۔ ہونا اچھا اس واسطے ہے کہ ذاکر کا دل خوش ہوتا ہے تو ہمت ہوتی ہے ذکر کی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کے پیٹ میں ورم ہے اس کو کوئی دوا دی گئی اور وہ ایک ہی خوراک کھانے کے بعد خبر دے کہ یہ دوا مزے دار اور مفرح تو بہت ہے کھاتے ہی ڈکار آئی تو طبیب کہتا ہے بڑے شکر کی بات ہے ان شاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا۔ مزہ دار ہونا اور ڈکار لانا اس بات کی علامت ہے کہ طبیعت کے موافق پڑے گی اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مزہ دار ہونا اور ڈکار لانا ہی غایت عظمیٰ اس دوا کی ہے۔ چاہے ورم کو نفع ہو یا نہ ہو بلکہ اگر یہ دونوں باتیں اس میں نہ ہوں اور سخت بدمزہ اور ناگوار ہو تب بھی اسی کو کھانا چاہئے جبکہ وہ ورم کے لئے مفید ہو۔ حضرت والا کے متعدد وعظوں میں مذکور ہے کہ تمام عمر بھی اگر کوئی خواب برے دیکھتا رہے یا اچھے دیکھتا رہے تو کچھ نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ میں غلیظ کھا رہا ہوں تو کیا اس کا منہ ناپاک ہو سکتا ہے۔ یا کوئی خواب میں دیکھے کہ میں مشک وعنبر کھا رہا ہوں تو کیا منہ میں خوشبو آ جائے گی۔ یا کوئی بھوکا خواب میں دیکھے کہ

میں نے خوب پیٹ بھر کر روٹی کھائی تو کیا پیٹ بھر جائے گا۔ غرض کسی حکم کی بنا دلیل پر ہے اگر خود عالم ہو یا قول شیخ پر ہے اگر عالم نہ ہو۔

اس تمام تقریر سے غرض یہ ہے کہ حضرت والا کے طرز کلام سے اس خواب پر گونہ انبساط محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ اس وقت تک موٹر کار جاری نہیں ہوئی تھی یعنی خواب میں وجود سے پہلے ایک چیز نظر آ گئی اور بعد میں خواب ہی موافق اس کا وجود ہوا۔ یہ تو تکوینی انکشاف ہوا اور علمی انکشاف مسئلہ مزاح کے متعلق تحقیق ہے۔ اگر معمولی آدمی اور اہل تصنع ہوتا تو انہیں کی بدولت صاحب تکوین اور صاحب تشریع بن بیٹھتا بلکہ ملکہ کے اسلام کے متعلق[1] پیشین گوئی بھی کرنے لگتا مگر حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو وہ استقامت دی ہے کش نتاند بر دار زہ نا قلے۔ اچھی بات پر انبساط ہونا نعمت الٰہی کی قدر ہے اور خواب کو گاتے نہ پھرنا اور پیشین گوئی نہ کرنا خواب کو ظنی سمجھنا ہے۔ چنانچہ حضرت والا کی تقریر میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے اس خواب پر فخر کا شائبہ بھی پایا جاوے اور مزاح کے متعلق تحقیق صرف اس خواب سے ہی صحیح نہیں مانی گئی بلکہ مضمون ثابت بالبرہان ہے۔ خواب میں بھی نظر آ گیا ہے تراود چہ کنم انچہ در بہ اوندمن است۔ جس کام میں آدمی رہتا ہے اکثر وہی خواب میں بھی نظر آتا ہے محققین خواب میں بھی تحقیق ہی کرتے ہیں۔ خواب کے متعلق کچھ بحث حکمت ششم میں اور کچھ حکمت بست و ہفتم میں بھی ہے۔

مجلس سی و دوم (۳۲)

کام کی نگرانی اور تقصیر پر تشدد:

ایک طالب علم کو اجرت پر نقل خطوط کا کام دیا ہوا تھا اس نے بہت غلطیاں کیں۔ حضرت والا نے ان پر تشدد فرمایا۔ انہوں نے معذرت کی۔ فرمایا کتاب کا ناس کرانا منظور نہیں۔ کہاں تک یہ غلطیاں بنائی جاویں اور ایک رقعہ ان کو لکھا کہ کئی روز سے غلطیاں بہت زیادہ اور فاش دیکھی جاتی ہیں مجھے احساس ہوا ہے کہ میری خاطر سے یہ کام کیا جاتا ہے ورنہ دلچسپی سے اور مزدوری سمجھ کر نہیں کیا جاتا اگر میرا یہ خیال ٹھیک ہے تو صاف ظاہر کر دو۔ کتاب کے خراب کرنے سے کیا فائدہ۔ مجھے جواب صاف مل جانے میں کلفت نہ ہوگی اور

---

[1] قولہ پیشینگوئی اس وقت ملکہ وکٹوریہ مر چکی ہے مگر راقم نے یہ خواب حضرت والا سے کانپور میں بھی سنا تھا جبکہ ملکہ زندہ تھی

کام خراب ہونے سے کلفت ہے۔ انہوں نے جواب لکھا کہ درحقیقت یہی بات ہے مجھ کو اس کام سے دلچسپی نہیں کسی اور کے سپرد فرمادیا جاوے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر حضرت والا نے فرمایا لوگ مجھ کو متشدد کہتے ہیں حالانکہ ایسے لوگ موجود ہیں جو دس دس برس میرے پاس رہے اور کبھی اف کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ یہ غلطیاں وہ ہیں جن کی وجہ تغافل ہے جو آج کل عام طور سے طبائع میں ہیں۔ میں کسی سے بلا اجرت کام نہیں لیتا ہوں حالانکہ رواجاً اور قانوناً سب طرح مجھے حق ہے کہ کام لوں کیونکہ کوئی مجھ سے بیعت ہے کوئی شاگرد ہے لیکن میں اس کو حرام شرعی سمجھتا ہوں میں اس کو داخل تکبر سمجھتا ہوں جیسا کہ رؤساء راگیروں سے کام لیا کرتے ہیں۔ کہ ارے فلانے بازار میں فلانے سے یہ کہتے جانا۔ ایسا مذاق بگڑا ہے کہ لوگ اس کو کچھ بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ وہ راگیر نہ ان کی رعیت ہے نہ کوئی شناسا بمرتبہ دوستی۔ مگر ابتدا سے عادت حکومت کی پڑی ہوئی ہے ہر شخص سے کام لے لینے کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اس حق کی حقیقت جب معلوم ہو کہ ان کے اوپر جو حاکم ہے وہ ان کو پکڑ پکڑ کر کسی ناگوار کام پر بھیج دے۔ ہم بہاولپور گئے گرمی کا موسم تھا پنکھا کھینچنے کے لئے قیدی بلائے گئے۔ مجھے سخت ناگوار ہوا اور چاہا کہ ان کو واپس کرادوں لیکن معاً خیال ہوا کہ جیل خانہ سے تو یہاں اچھے ہی رہیں گے خدا جانے وہاں کیا کیا مشقت لی جاتی ہوگی۔ اس واسطے واپس نہ کیا اور جب سب لوگ چلے گئے تو ان سے کہہ دیا پنکھا بند کرو خالی بیٹھے رہو۔ سو جاؤ کیونکہ بیکار لینا جائز نہیں۔ پھر کھانا آیا تو کھانا ان کو بھی دلوادیا۔ قیدیوں کی یہ حالت تھی کہ اس قدر خوش تھے کہ وہ کہتا تھا کہ میں بلایا جاؤں وہ کہتا تھا میں بلایا جاؤں ایسا کھانا انہوں نے کہاں کھایا ہوگا۔ ۳ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ روز جمعہ در سہ دری خود در مسجد

فوائد و نتائج

(۱) فیشن بنانا سلیقہ نہیں بلکہ حب جاہ ہے:

کام کی نگرانی عقلمندی کی بات ہے اور کسی پر اس طرح چھوڑ دینا کہ حسن و قبح کی خبر نہ ہو بے وقوفی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنایا کرتے تھے اس کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان اعمل سابغات و قدر فی السرد یعنی زرہ کوخوب چوڑا چکلہ بناؤ اور بناوٹ یکساں رکھو۔ معلوم ہوا کہ جو کام آدمی کرے صاف ستھرا اور عمدگی کے ساتھ کرے اور یہ ظاہر ہے کہ سب کام آدمی اپنے ہاتھ سے کر نہیں سکتا تو کام کے عمدہ ہونے کی یہی صورت ہوئی کہ نگرانی رکھے۔

تنبیہ: کام کی نگرانی کا ثبوت:۔ یہاں سے کوئی صاحب مروجہ خود داری اور فیشن بنانے پر استدلال نہ کریں کیونکہ آیت ہی میں موجود ہے۔ واعملوا صالحا جس کا مطلب بانضمام سیاق وسباق یہی نکلتا ہے کہ دنیا کے کاموں کو تمیز وسلیقہ کے ساتھ کرو مگر اسی حد تک کہ اعمال دینی میں مخل نہ ہو اور اس کے ساتھ تہدید بھی فرمائی۔ انی بما تعملون بصیر یعنی دنیا کے پیچھے اعمال خفیہ سے بھی غافل نہ ہو جو میری ہی نظر میں ہیں۔ دنیا کے کاموں کو اس حد تک سنوارنے کی اجازت ہوئی کہ اعمال ظاہرہ نماز روزہ وغیرہ میں خلل نہ ہو اور کوئی مفسدہ باطنی حب مال وحب جاہ وغیرہ نہ لازم آوے اور فیشن اور خودداری کی حقیقت تکلف وتصنع و مراءاۃ ہے جس کی اصل حب مال وحب جاہ ہے اور عبادات کے لئے مخل ہونا اس کا پہلا قدم ہے۔ کما ہو ظاہر بداہۃ جتنے فیشن بنانے والے ہیں نماز کی بھی پابندی ان سے نہیں ہوسکتی۔

کام میں تقصیر پر تشدد کرنا امر شرعی ہے:

نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے میں ہے من یزغ منهم عن امرنا نذقه من عذاب السعیر یعنی جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کئے گئے تھے جو آپ چاہتے وہ کام کرتے تھے اور جو کوئی ان میں سے تعمیل حکم میں کوتاہی کرے تو ہم اس کو عذاب جہنم چکھائیں گے۔ معلوم ہوا کہ کام کرنے والے کی کوتاہی پر تشدد کرنا امر شرعی ہے۔ حاصل یہ کہ کام ٹھونک بجا کر لینا چاہئے۔

کام لینے کے حدود شرعی:

ہاں اس اندازہ سے باہر نہ جانا چاہئے جس پر معاملہ ہوا ہے اس کے حدود شرعی یہ ہیں

کہ کام کی جنس وقدر پہلے بیان کر دی جائے۔ اجرت بھی طے ہو جائے معاملہ سے زائد ذرہ برابر کام نہ لیا جاوے۔ کام کرنے والے کی تحقیر نہ کی جاوے کیونکہ معاملہ کام پر ہوا ہے آبرو پر نہیں ہوا۔ کام کرنے والا اپنے آپ کو اس سے اعلیٰ وارفع نہ سمجھے کیونکہ یہ بلاوجہ تکبر ہے جیسا کہ مزدور پیسہ لینے میں تمہارا محتاج ہے۔ ایسے ہی تم حاجت رفع ہونے میں اس کے محتاج ہو پھر علو کیسا۔ حدیث میں یہاں تک آیا ہے۔ **مطل الغنی ظلم** یعنی باوجود پیسہ پاس ہونے کے مزدوری دینے میں دیر کرنا ظلم ہے۔

اجیر ومستاجر کو شرعی تعلیم بہترین تعلیم ہے:۔ ازروئے انصاف اجیر اور مستاجر دونوں برابر ہیں اس موقعہ پر قانون شرعی کی خوبی یہ ہے کہ مستاجر کو حکم دیا ہے کہ کام میں نرمی کرو۔ کام کرنے والے کے کام کی قدر کرو۔ حدیث میں ہے **تخلقوا باخلاق اللّٰہ** یعنی اخلاق خداوندی اختیار کرو اور اخلاق خداوندی ان آیتوں میں بیان ہوئے ہیں۔

ان اللہ شاکر علیم (حق تعالیٰ شاکر اور علیم ہیں) **لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا** (حق تعالیٰ کسی کو تکلیف مالا یطاق نہیں دیتے) **واللّٰہ یضاعف لمن یشاء واللّٰہ واسع علیم** (اور حق تعالیٰ مزدوری بڑھا کر دیتے ہیں جس کو چاہیں اور اللہ تعالیٰ سمائی والے اور علیم ہیں) **ان تک حسنۃ یضاعفھا و یؤت من لدنہ اجراً عظیماً** (اگر ہوتی ہے نیکی تو دو چند سہ چند کر دیتے ہیں اور اپنی طرف سے اجر بڑھا دیتے ہیں اور اجیر کو یہ تعلیم فرمایا ہے) **ویل للمطففین الذین اذا اکتالو اعلی الناس یستوفون و اذا کالو اھم اووزنوھم یخسرون**

ترجمہ خرابی ہے ان لوگوں کے لئے کہ جب دوسروں سے کوئی چیز لیتے ہیں تو پوری لیتے ہیں اور جب دوسروں کو دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ آیت بیع وشرا کے متعلق ہے لیکن باشتراک علت یعنی تنقیص حق غیر جملہ عقدوں کو شامل ہے۔ شریعت نے قانونی حقوق مقرر کرنے کے ساتھ فریقین کو دوسرے کا حق زیادہ ادا کرنے کی تعلیم فرمائی ہے اس کو اس کی طرف جھکایا اور اس کو اس کی طرف۔ یہ تدبیر معاملہ کی صفائی رکھنے کے ساتھ اتحاد قائم رکھنے کے لئے نہایت موثر اور صحیح تدبیر ہے۔

مہذ بان زمانہ کی غلطی:۔ مہذ بان زمانہ میں یہی بات نہیں ہے اس واسطے معاملہ کی صفائی منجر بعداوت ہو جاتی ہے اور ہمدردی انسانی سے خالی رہتی ہے بعض کم فہم لوگوں کو بزرگوں کا طرز عمل دیکھ کر یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ بہت سخت مزاج ہیں۔

اہل اللہ کو متشدد سمجھنے میں غلطی:۔ جیسا کہ حضرت والا خود فرماتے ہیں کہ لوگ مجھ کو متشدد کہتے ہیں لیکن حقیقت الامر یہی ہے کہ یہ حضرات معاملہ صاف چاہتے ہیں اور کام کی ابتری پسند نہیں کرتے اور حق تعالیٰ نے ان کو نظر اور لیاقت ایسی دی ہے کہ کوئی فروگذاشت ان سے غائب نہیں ہو سکتی۔ حضرت والا کے معاملات میں یہ خوبیاں ہیں اجرت دی جاتی ہے بیگار نہیں ہے۔ باوجود کئی دن سے اس کا احساس ہو جانے کے کہ کام خراب ہو رہا ہے اجیر سے درگزر کی۔ یہ لین فی المعاملہ اور حسن خلق اور کرم اور عفو ہے مگر آخر کہاں تک کام کی ابتری میں دینی اور دنیاوی بہت سی خرابیاں ہیں۔ مجبوراً کام ان سے لے لیا مگر اس وقت بھی یہ خوبی کہ رقعہ لکھ کر ان کا عندیہ معلوم فرمایا تاکہ ایسا نہ ہو کہ وجہ خوف و شرم مجمع کے واقعی بات کا اظہار نہ کر سکیں اور یہ کام داخل جبر ہو جاوے اور بعد ان کے سچی بات ظاہر کر دینے کے کسی قسم کی کاوش یا غصہ نہیں رہا جو عنایت و کرم ان کے ساتھ پہلے سے تھے بدستور رہے۔

نہ مرد است آں بنزد یکے خردمند　　کہ با پیل دماں پیکار جوید
بلے مردان کس است از روئے تحقیق　　کہ چوں خشم آیدش باطل نگوید

یہی معاملہ کہ حقیقی صفائی اور انصاف ہے جو ان لوگوں کو جو حضرت والا کو متشدد کہتے ہیں اقطار عالم سے کھینچ کر حضرت والا کی جوتیوں میں لاتا ہے جو ایک دفعہ تھانہ بھون رہ گیا چاہے ہمیشہ اس پر لتاڑ پڑتی رہی ہو مگر دوسری جگہ نہیں رہتا ہر پھر کر تھانہ بھون ہی آتا ہے۔ حضرت والا کی حالت لایخدع و لا یخدع کی مصداق ہے یعنی عقل حق تعالیٰ نے ایسی دی ہے کہ کسی کی غلطی چھپ نہیں سکتی۔ اور دین اور تقویٰ ایسا دیا ہے کہ کسی کے ساتھ بدمعاملگی کر نہیں سکتے۔

کاپی نویس کو ترمیم کی اجرت الگ دی جائے:

احقر نے دیکھا ہے کہ خوشنویس سے حضرت والا نے اس کوئی کاپی لکھوائی تو حسب

قاعدہ جو غلطیاں کاتب سے ہوئیں ان سے بنوائیں اور بعض جگہ ایک دو لفظ تصنیف میں بڑھائے تو ان کی اجرت علیحدہ دی حالانکہ یہ بہت ہی ذرا سا کام ہے ایسا کہ اگر کوئی راہ چلتا بھی کاتب سے اتنا لکھوائے تو اصلا بار نہ ہو۔ جو شخص معاملات میں اتنا محتاط ہو اس سے بیجا تشدد کیسے ہوسکتا ہے۔ ہاں جب اپنی طرف سے معاملہ کی اتنی صفائی ہے تو کام بھی درست اور صاف لینا حق بجانب ہے۔ سو اس کام لینے کی بھی یہ حالت ہے کہ یہ کتاب جس پر یہ قصہ ہوا تربیت السالک تھی۔ مختلف طلبہ کے ہاتھ سے لکھی گئی کسی کا خط اچھا تھا اور کسی کا برا کسی کی سطریں بھی سیدھی نہ تھیں مگر حضرت والا نے باوجود لطافت مزاج ان باتوں کو نظر انداز کیا۔ اصل کام کی طرف توجہ رکھی۔ بدخطی وغیرہ کی پروانہ کی لیکن غلطیوں کو نظر انداز کرنا کتاب کا اتلاف ہے۔ خدانخواستہ کوئی لفظ ایسا غلط ہو جاوے کہ مطلب برعکس ہو جاوے تو بہت سی گمراہی کا موجب ہے۔

تغافل امور دنیاوی میں بھی مذموم ہے:

(۲) تغافل گو دنیاوی کاموں میں ہو مذموم شرعی ہے جس کی طبیعت میں تغافل ہوتا ہے تو دنیا ہی تک محدود نہیں رہتا دین تک پہنچتا ہے ہاں بعض طبیعتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ دنیاوی امور میں تغافل ہوتا ہے اور دینی امور میں نہیں ہوتا مگر اس حالت سے یہ حالت زیادہ اچھی ہے کہ نہ دنیاوی امور میں تغافل ہو نہ دینی میں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو عقل دنیا بھی تمام مخلوق سے زیادہ عطا ہوتی ہے اس کا بیان حکمت دوم میں آ چکا ہے۔

کسی سے کام کو کہنا سوال ہے:

دوسرے شخص سے کسی کام کو کہنا سوال میں داخل ہے جس کی نسبت حدیث میں ہے **السوال مذلة** یعنی سوال ذلت ہے۔ پس اگر وہ شخص جس سے کام کو کہا گیا ناراضی سے کام کرے تو یہ ظلم ہوا گو وہ بڑا آدمی دیکھ کر کچھ کہہ نہ سکا۔ حدیث میں ہے۔

احب لاخیک المسلم ماتحب لنفسک تکن مسلما یعنی اپنے بھائی مسلمان

کے لئے وہی چیز پسند کر جو اپنے واسطے پسند کرتا ہے تب تو مسلمان ہوگا۔ اگر وہ شخص جواب ترکی بہ ترکی دے اور ان سے کہے کہ تم میرا کام کرو تو عجب نہیں کہ مار پیٹ کی نوبت آ جاوے۔ حضرت والا کے اس جملہ کا یہی مطلب ہے کہ حقیقت جب معلوم ہو کہ کوئی حاکم ان کو پکڑ پکڑ کر کسی ناگوار کام پر بھیج دے اور اگر وہ ناراض بھی نہ ہو تب بھی خلاف غیرت ہے۔ ممکن ہے کہ وہ انکار کر دے تو کس قدر خفت ہوگی اور خفت اٹھانا بھی محذور شرعی ہے۔ سوال کی مذمت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا ہے۔ اعطاہ او منعه یعنی چاہے دے یا نہ دے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کون شخص ہے جو اس پر پکا ہو جاوے کہ کسی سے سوال نہ کرے تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ چند صحابہ نے اس کا عہد کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے ان لوگوں کو دیکھا کہ اگر گھوڑے پر سوار ہوں اور کوڑا گر گیا تو خود اتر کر اٹھاتے کسی سے اس کے اٹھانے کا سوال نہ کرتے۔

کسی سے کام لینے کے مستحسن مواقع:

اور اگر قرائن سے معلوم ہو کہ وہ شخص خوشی سے کام کرے گا اور انکار ہرگز نہ کرے گا تو اگر جوش محبت سے وہ کام کرنا چاہتا ہو تب تو کام لینے میں کچھ بھی حرج نہیں۔ شاگردوں اور مریدین سے کام لینا اسی میں داخل ہے۔ کمافی قصۃ سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام قال لفتاہ آتنا غدائنا یعنی کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہمراہی سے کہ کھانا لاؤ معلوم ہوا کھانا لے چلنا اور کھلانا ان کے سپرد تھا بلکہ بعض وقت کام لینا اسکی دلجوئی کا باعث ہوتا ہے یا اس کے کسی باطنی امراض کا علاج ہوتا ہے تو اس وقت میں اولیٰ ہے کہ کام لیا جاوے اور اگر جوش محبت نہیں صرف اپنی وضعداری سے کام کرنا چاہتا ہے تو اس وقت میں کام کرانا احسان لینا ہے جس سے آنکھ نیچی ہوتی ہے۔

احسان کی مکافات:

حضرت والا سے بارہا تھانہ بھون کے اسٹیشن والوں نے عرض کیا کہ یہاں سے قصبہ دور ہے آپ کو ہم قصبہ کے متصل اتار دیا کریں مگر علاوہ خلاف قانون ہو کے اسی بار احسان

کی وجہ سے بھی منظور نہ فرمایا جیسا کہ آگے آتا ہے اور اگر اس صورت میں کام لے جبکہ جائز ہو تو چاہیے کہ احسان کی احسان کے ساتھ مکافات کرے۔

ھل جزاء الاحسان الاالاحسان حدیث میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے ذرا سے ہدیہ کی بھی مکافات فرماتے تھے۔

کوئی چیز مانگنے کے مواقع: بعض کاموں کی نسبت عرفاً رواج ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے لیتا ہے اور کچھ گرانی اور ناگواری نہیں ہوتی۔ مثلاً کسی سے راستہ پوچھ لینا کسی سے اپنا بوجھ اٹھوا لینا۔ اسٹیشن پر کسی کی سپردگی میں اپنا اسباب تھوڑی دیر کے لئے کر دینا۔ دیہات میں بوقت ضرورت دودھ مانگ لینا یا گنوں کے موسم میں کولھو میں سے رس پی لینا جہاں ان دونوں چیزوں کے دینے کا رواج ہو یہ سوال جائز ہے۔

پانی اور آگ اور نمک کو منع نہ کرنا چاہیئے:

فقد سأل الصديق رضی اللّٰہ عنہ لرسول الله صلى الله عليه وسلم اللبن عن راع فی طریق المدينة فی سفر الهجرة تین چیز کی تصریح حدیث میں ہے الماء و النار و الملح یعنی پانی اور نمک اور آگ کوئی مانگے تو انکار نہ کرو مگر ان سب میں بھی شرط یہ ہے کہ از راہ تکبر نہ ہو۔ جیسے کہ جاہل رؤساء کا دستور ہے۔ علامت اس کی یہ ہے کہ دل میں غور کر لے کہ جیسا میں اس سے مانگتا ہوں اور کام کو کہتا ہوں اگر اس کا عکس ہو جاوے یعنی وہ مجھ سے اسی کام کو کہے تو ناگوار تو نہ ہوگا۔ اگر ناگواری ہو تو تکبر ہے ورنہ نہیں۔

(۴) رعایا سے بیگار لینا:

رؤساء کا بیگار لینا رعایا سے اگر ٹھیرا ہوا ہے صراحۃً یا رواجاً تو جائز ہے کیونکہ صلب عقد میں ہے بشرطیکہ اس کی مقدار معین ہو ورنہ نہیں جیسا کہ بعض رؤساء کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی اپنی رعایا بھی نہ ہو ذرا میلا پوش اور دیہاتی سمجھا پکڑ لیا یہ ظلم ہے۔

(۵) قیدیوں سے بیگار لینا:

قیدیوں سے بیگار اور مشقت لینا درست ہے یا نہیں۔

جواب :ان کی مصلحت یعنی تادیب وتعذیب کے لئے یا ان کی اصلاح کے لئے درست ہے اور کمائی کے لئے یا صرف تحکم کے لئے درست نہیں جیسے بعض اہل عملہ جیلر کی ملاقات کے دباؤ سے اپنی بیگاریں لیتے ہیں یا خود جیلر اپنا کام لیتے ہیں۔

مجلس سی وسوم (۳۳)

تعظیم آباء نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

کسی نے پوچھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد کا نام لیتے وقت کوئی لفظ تعظیمی (مثلاً حضرت یا صاحب) لگا دیں یا نہیں۔ فرمایا میرا معمول تو یہی ہے کہ لفظ تعظیمی لگاتا ہوں اور نہ لگانے کو میں پسند نہیں کرتا۔ اگر ہمارے پاس کبھی غیر قوم کے امیر اور معزز آدمی کا ذکر ہو جو مسلمان کا مخالف بھی ہو اور اس امیر کا کوئی شناسا ہمارے سامنے موجود ہو تو اس کا نام بھی بری طرح سے لینے میں تامل ہوتا ہے۔ یوں ہی کہیں گے فلاں ڈپٹی صاحب ایسے ہیں۔ بلا لفظ جمع کے نہیں کہیں گے صرف اس وجہ سے کہ اس شناسا کو ناگوار ہوگا تو اس میں اس کی تعظیم نہیں بلکہ اس شناسا کی دلدہی ہے ایسے ہی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد میں سے جن کا ایمان بھی ثابت نہیں ان کے نام کے ساتھ بھی لفظ تعظیم لگانے سے ان کی تعظیم نہ ہوگی بلکہ حضور کی تعظیم اور اس کا عکس کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوءادب لازم آتا ہے۔ حدیث سے اس کا ثبوت یہ ہے کہ حدیث میں ہے۔

لاتسبوا اموا اتنا فتوذوا احیائنا ترجمہ:۔ ہمارے مردوں کو برا نہ کہو کہ اس سے ہمارے زندوں کو تکلیف دو گے۔ جس کا صاف مفہوم یہی ہے کہ اموات کے ساتھ بے ادبی کرنا احیاء کی اذیت کا باعث ہے تو آباؤ اجداد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بے ادبی کرنا حضور کی ایذا کا باعث ہے پھر کون مسلمان اس کو گوارا کر سکتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بیچ میں ہوتے اور آپ کے آباؤ اجداد کا ذکر آتا تو کیا کوئی جرأت کرتا کہ بلا لفظ تعظیمی ملائے نام لیتا اور انصاف سے کہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادب سے نام لینا پسند ہوتا یا بے ادبی سے۔ دلوں کو ٹٹول کر دیکھئے۔ ایسے ہی جو صحابہ وغیرہ پہلے مسلمان نہ تھے اور بعد میں ایمان لائے اور اب ان کے وہ واقعات ذکر کئے جاویں جو اسلام

سے پہلے ہوئے تھے تو ان میں بھی ادب ہی سے نام لینا بہتر معلوم ہوتا ہے چاہے اس پر ہم فتویٰ نہ دے سکیں۔ ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ روز یکشنبہ وقت سہ پہر درسہ دری خود در مسجد

فوائد ونتائج

نظر حقیقت و معنی پر چاہیے نہ کہ الفاظ پر:

حقیقت شناسی یہی ہے کہ نظر مفہوم اور معنی پر ہو نہ کہ الفاظ اور صورت پر۔ اسماء آباء نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لفظ تعظیمی لگانا درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے صورۃً اور لفظاً کچھ بھی سہی۔ اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اگر کسی سے بات سنے تو اس کی حقیقت پر نظر ڈالنا چاہئے۔ اگر لفظ کوتاہ بھی ہوں تو اعتراض نہ کرنا چاہئے۔ بات ٹھیک ہے تو اس کو مان لینا اور قدر کرنا چاہئے۔ ہاں جن کو الفاظ کی تعلیم کی بھی ضرورت ہے جیسے طالب علم ان کے الفاظ پر بھی استاد کو نظر ڈالنا چاہئے۔ یا مجادل اور معاند غیر طالب حقیقت کے جواب میں اطور ترکی بترکی لفظی گرفت کی بھی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ بلا اس کے اس سے پیچھا نہیں چھوٹتا اور اس کے سامنے تحقیق بیان کرنا لغو بلکہ تضیع وقت اور تضیع کلام ہے بعض لوگ محض لفظی گرفت کی بدولت غیبت اور شکایت اور سوء ظن اور بہتان وغیرہ معاصی میں پڑ جاتے ہیں۔ عورتیں اس مرض میں اکثر مبتلا ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کی تمام لڑائی جھگڑے اسی لفظی گرفت پر مبنی ہوتے ہیں۔

فائدہ: جلال الدین سیوطیؒ نے ایک رسالہ میں تمام آباء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایمان ثابت کیا ہے اور آیت اذقال لابیہ اٰذر میں تاول کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر نہ تھا۔ آذر آپ کے چچا تھے اور چچا کو بھی کبھی باپ کہہ دیتے ہیں۔

مجلس سی و چہارم (۳۴)

امر سلطان اکراہ ہے: فرمایا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ امر السلطان اکراہ یعنی بادشاہ کا حکم ہی اکراہ ہے صورۃً جبر ہو یا نہ ہو۔ اس کی دوسرے فقہاء نے مخالفت کی ہے اور امام صاحبؒ پر طعن کیا ہے۔ امام صاحب کی دلیل سحرہ فرعون کا قول وما اکرھتنا علیہ

من السحر ہے (ترجمہ: اور جو زبردستی تو نے ہم سے جادو کرایا) فرعون نے جادوگروں کو ترغیب دی تھی ترہیب کہیں ثابت نہیں۔

قالوا ائن لنا لاجر ان کنا نحن الغالبین قال نعم وانکم لمن المقربین

ترجمہ: کہا ساحروں نے فرعون سے کیا ہم کو انعام ملے گا اگر ہم غالب رہیں۔ کہاں ہاں اور تم مقرب بنائے جاؤ گے یعنی مال وجاہ دونوں ملیں گے۔ اور **ما اکرھتنا علیہ من السحر** انہوں نے اس وقت کہا ہے کہ جب ایمان لا چکے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابی ہو گئے اور حقائق ان پر منکشف ہو گئیں۔ یہ شبہ نہ رہا کہ ساحروں کا قول ہمارے لئے کیسے حجت ہوا۔ امام صاحب کی نظر بہت غائر ہے۔ ۶ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ روز دوشنبہ وقت چاشت درسہ دری خود در مسجد

فوائد ونتائج

خوشنودی مزاج اور چیز ہے اور امر اور:

قولہ بادشاہ کا حکم ہی اکراہ ہے۔ کوئی صاحب اس حکمت سی وودم سے دیگر اقوام کے ساتھ تشبہ وغیرہ پر استدلال نہ کریں کیونکہ ایک امر ہوتا ہے اور ایک خوشنودی مزاج اور ایک بیجا خوشامد۔ امر وہ ہے جس کا حاکم نے حکم دیا ہو جیسے گواہ کی طلبی بذریعہ سمن۔ اور خوشنودی مزاج وہ ہے جس کے لئے حاکم کا حکم صراحۃً نہ ہو اور نہ کرنے پر کچھ دار و گیر نہ ہو۔ لیکن کرنے سے حاکم کی مہربانی کا باعث ہو جیسے کبھی کبھی ملتے رہنا۔ اور بیجا خوشامد وہ ہے کہ نہ اس کا حکم صراحۃً یا دلالۃً ہو نہ وہ باعث التفات حاکم ہو جیسے حکام کی تقلید میں اردو کو بگاڑ کر بولنا یا انہیں کی طرح چلنا کہ اصلی وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ اپنے سے نیچے لوگوں کے سامنے اس طرح بولتے اور چلتے ہیں کہ جیسے حکام بولتے چلتے ہیں گویا اپنے ذہن میں یہ انہیں کی برابر معزز ہیں سو یہ سوائے کوتاہی نظر اور بے عقلی کے کچھ بھی نہیں۔

تشبہ باعث خوشنودی بھی نہیں:

حکام کے سامنے اگر ایسا کریں تو باعث ناخوشی ہے اس کو خوشنودی مزاج اور امر سے

کچھ بھی علاقہ نہیں ایک جگہ دیکھا کہ اسلامی مدرسہ میں بڑے دن کی تعطیل ہوتی تھی مہتمم سے پوچھا کہ اسلامی مدرسہ میں اس تعطیل کا کیا جوڑ تو جواب دیا کہ انگریزی کی رعایت۔ راقم نے کہا سلطنت نے کب کہا ہے کہ ایسا کرو۔ سلطنت تو آپ کی آزادانہ ترقی دیکھ کر زیادہ خوش ہو گی۔ دیوبند کا اتنا بڑا مدرسہ ہے۔ سلطنت کو اس کی اپنی وضع کی پابندی ہی پسند ہے۔ لفٹنٹ گورنر وغیرہ بڑے حکام آتے جاتے ہیں بڑے دن کی تعطیل وغیرہ چھوٹی باتوں پر کبھی کسی کی بھی نظر نہیں جاتی۔ سب تعریف لکھ جاتے ہیں۔ تشبہ وغیرہ بے جا خوشامد ہے جس کوئی پسند نہیں کرتا اور ہرگز داخل امر نہیں۔ لباس وغیرہ میں تشبہ سب اسی تقریر میں داخل ہے۔

مجلس سی و پنجم (۳۵)

کتاب احیاء السنن لکھی جارہی تھی اس میں اس تحقیق کی ضرورت ہوئی کہ اذا عموم کے معنی دیتا ہے یا نہیں۔ مولوی احمد حسن صاحب سنبھلی کاتب احیاء السنن سے اور احقر سے پوچھا مگر کسی کو اس کی تحقیق یاد نہ تھی۔ فرمایا کہ میرے نزدیک اذا میں کچھ عموم ہے۔ محاورات سے یہی معلوم ہوتا ہے اور یہی فرق ہے لما اور اذا میں۔ لما میں استمرار بالکل نہیں اور کلما میں یقینا ہے اور اذا میں محتمل معلوم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اذا کانت الشمس طالعۃ فالنھار موجود اور لما کانت الشمس نہیں کہتے کچھ فرق لما اور اذا میں ضرور طبیعت محسوس کرتی ہے لیکن اس میں ایک مشبہ بہ طبیعت میں آیا کہ قرآن میں ہے واذا راو تجارۃ یہاں یقیناً استمرار نہیں ہے کیونکہ صرف ایک بار یہ واقعہ ہوا ہے مگر اس میں ایک تعجب ہے کہ مترجموں نے سب نے ترجمہ اس کا یہ کیا ہے اور جبکہ دیکھتے ہیں تجارت کو۔ ایسے ہی آیت و اذا قیل لھم تعالوا یستغفرلکم رسول اللہ میں سب نے ترجمہ کیا ہے اور جب کہا جاتا ہے حالانکہ یہ بھی ایک ہی واقعہ ہے۔ ایسے ہی آیت و اذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ و الی الرسول رآیت المنافقین الآیۃ کے ترجمہ میں بھی یہی لفظ لکھا ہے۔ اور جب کہا جاتا ہے حالانکہ یہ سب ہی ایک واقعے ہیں۔ اس کے لئے نور الانوار اور مختلف کتابیں دیکھی گئیں مگر حل نہ ہوا۔ بالآخر مختصر المعانی میں ملا کر کلمہ اذا استمرار کے لئے بھی آتا ہے جیسے واذا

لقوا الذین اٰمنوا قالوا اٰمنا اور کبھی استمرار کے لئے نہیں ہوتا ہے جیسے حتیٰ اذا ساوی بین الصدفین فرمایا حضرت والا نے کہ میرا خیال ٹھیک ہوا کہ اذا میں استمرار کا احتمال ہے جیسا قرینہ ہو معنی لئے جا سکتے ہیں۔ یہ دونوں مثالیں اس کی ہوئیں کہ اذا ماضی کے لئے ہے۔ اور جب مستقبل کے لئے ہو جب بھی یہی احتمال ہے جیسے واذا قرئ القراٰن فاستمعوا یہاں استمرار کے لئے ہے۔ ۶ ذیقعدہ روز دوشنبہ درسہ دری حضرت در مدرسہ

فوائد ونتائج: ظاہر ہے۔

مجلس سی و ششم (۳۶)

کثرت شہوت کے لئے علاج:

ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھ کو عورتوں اور لڑکوں کی طرف اس درجہ میلان ہے کہ جنون کی سی حالت ہے۔ کھانے کا بھی اس کے سامنے ہوش نہیں اور نماز پڑھتا تو ہوں مگر بعض وقت یہ بھی ہوش نہیں رہتا کہ کیا پڑھا اور میں اس سے نہایت خائف ہوں اور اس کا علاج چاہتا ہوں۔ فرمایا میلان کے دو درجے ہیں۔ ایک تو کسی شے کی طرف توجہ اور ایک محبت یعنی توجہ تقاضے کے درجہ میں۔ اول درجہ تو امر طبعی ہے۔ حق تعالیٰ نے مرد کی طبیعت میں میلان رکھا ہے نہ یہ کسی تدبیر سے جا سکتا ہے نہ اس کے کھونے کا انسان مکلّف ہے۔ اور دوسرا درجہ اختیاری ہے یعنی اختیار کو اس کے وجود وعدم میں دخل ہے۔ انسان کسی چیز میں انہماک اتنا کر سکتا ہے کہ اسی کا ہو رہے اور کسی چیز سے اتنا بچ سکتا ہے کہ محبت کا درجہ نہ رہے۔ جب یہ اختیاری ہے تو انسان اس کا مکلّف بھی ہے۔

ایک علاج ہمت ہے: علاج اس کا ہمت ہے۔ حق تعالیٰ نے افعال اختیاریہ کو بندہ کی ہمت پر رکھا ہے اور ہمت کرنے کے بعد مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔

دوسرا علاج خیال بٹانا: اور دوسرا علاج طبیعت کو اس طرف سے پھیرنا ہے۔ جس وقت ہیجان پیدا ہو یہ قاعدہ ہے کہ نفس دو چیزوں کی طرف ایک وقت میں متوجہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا جس وقت ہیجان پیدا ہو نفس کو دوسرے کام میں لگا دینا چاہئے۔ خواہ دین کے کام میں مثلاً نماز

پڑھنے لگے یا ذکر میں یا تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو جاوے۔ خواہ دنیا کے کام میں مثلاً کسی کے پاس جا بیٹھے وغیرہ وغیرہ۔

تیسرا علاج اس علاج کی طرف سے بھی خیال ہٹانا:

اور ایک علاج یہ بھی ہے کہ اس ہیجان کی طرف مطلق التفات ہی نہ کرے اور سمجھ لے کہ اس سے میرا کچھ نہیں بگڑتا خیال ہے آتا ہے آیا کرے۔ یہ نہایت مجرب علاج ہے۔ عرض کیا کیسے التفات نہ کروں۔ نماز اور ذکر و شغل میرا سب غارت ہو گیا۔ کسی وقت وہ خیال دور نہیں ہوتا فرمایا یہ خیال درجہ اولے ہے۔ اس پر گناہ نہیں۔ تم اپنے فعل کے مکلّف ہو ان خیالات کا مرتبہ ظہور میں آ جانا تمہارا فعل ہے۔ جب تک یہ نہیں مطلق گناہ و مواخذہ نہیں۔ اگر ساری عمر بھی طبیعت اپنا کام کئے جاوے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔

چوتھا علاج دعا:

عرض کیا کوئی وظیفہ ایسا بتا دیجئے جس سے یہ بلا دور ہو جاوے۔ فرمایا وظیفوں سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ علاج وہی ہے جو میں نے بتایا۔ بجائے وظیفہ کے دعا کیجئے۔ ہمت سے کام لیجئے اور دوسرے کسی کام میں لگ جایا کیجئے اور حق تعالیٰ سے بالحاح وزاری دعا مانگا کیجئے کہ مجھے ان آفات سے محفوظ رکھے۔ دعا سے یقیناً اثر ہوتا ہے۔ ہر مشکل میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ ۷ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ بعد مغرب روز سہ شنبہ در مسجد مقام تخلیہ

فوائد و نتائج

(۱) مرض کے اظہار میں شرم نہ چاہئے:

مرض خواہ کیسا ہی شرمناک اور ناگفتہ بہ ہو مگر معالج کے سامنے شرمانا نہ چاہئے۔ حدیث میں ہے۔ **انما شفاء العی السوال** ترجمہ: ناواقف کا علاج پوچھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔

(۲) معالج کو دلسوزی سے علاج کرنا چاہئے:۔ عالم کو ہر قسم کے سائل اور اہل ضرورت کے ساتھ دلسوزی کرنا نہ کہ اس کی تحقیر اور اس کے ساتھ استہزاء جیسا کہ بعض

مصنوعی شیوخ کر بیٹھتے ہیں کہ آہا آپ تو چھپے رستم نکلے۔استہزاء کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں جبکہ قوم نے کہا کہ آپ ہم سے ہنسی کرتے ہیں۔

اعوذ باللّٰہ ان اکون من الجاھلین

ترجمہ: میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ جاہلوں میں سے ہوں۔ معلوم ہوا کہ استہزا جاہلوں کا کام ہے۔

(۳) کثرت شبق کا علاج نکاح ہے:

ہیجان نفس کا سب سے عمدہ علاج نکاح ہے۔حدیث میں ہے **ولا یطفیھا الاالنکاح** یعنی نہیں بجھاتا ہے آتش شہوت کو مگر نکاح۔لیکن حضرت والا نے اس کو تجویز نہیں فرمایا۔اس واسطے کہ سائل نابینا شخص تھے اور قلیل المعاش بھی تھے۔

روزہ بھی علاج ہے:

فی زمانہ اس صورت میں کامیابی مشکل ہے اور کسر ہیجان کے لئے روزہ بھی عمدہ علاج ہے۔حدیث میں ہے **اختصاء امتی الصیام** یعنی میری امت کے لئے روزہ خصی ہونے کے قائم مقام ہے۔اسکو اس واسطے تجویز نہیں فرمایا کہ سائل ضعیف بھی تھے۔نیز بوجہ کسی معین ومددگار نہ ہونے کے سحری وافطاری وغیرہ کا آرام بھی ملنا ممکن نہ تھا۔ایسے علاج تجویز فرمائے کہ ان کے قابو کے تھے۔معالج کی حذاقت یہی ہے کہ جملہ پہلوؤں پر نظر ہو۔

علاج باطنی ہر مزاج کے لئے علیحدہ ہوتا ہے جیسے علاج ظاہری:

(۴) اہل اللہ کا معالجہ امراض باطنی کے ایسا ہی ہے جیسا اطباء کا معالجہ امراض ظاہری کے لئے کہ ہر شخص اور ہر مزاج کے لئے معالجہ میں کچھ تفاوت ضرور ہوتا ہے مع اس کے کہ ایک قدر مشترک مناسب نوع مرض جملہ اس مرض کے مریضوں میں شریک رہتی ہے۔

علاج کلی ایک ہوتا ہے اور جزئیات مختلف:۔ مطلب یہ ہے کہ علاج کلی میں رعایت مزاج وموقعہ ومحل کر لی جاتی ہے۔نسخہ اس مرض کا علاج ہوتا ہے مگر جس کے واسطے تجویز ہوا

اس کے سوا دوسرے اسی مرض کے مریض کے لئے کافی نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات دوسرے کو مضر ہوتا ہے۔ اسی کیلئے طبیب کی ضرورت ہے۔ ورنہ نسخے کتاب میں ضرورت سے زیادہ موجود ہیں۔ احادیث میں اس مضمون کے شواہد ہزار ہا موجود ہیں کہ اختلاف اشخاص مقتضی اختلاف معالجہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی طالب نے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی مختصر سی خاص بات تعلیم فرمایئے۔ تو ارشاد ہوا کہ غصہ نہ کر۔ کسی دوسرے نے عرض کیا تو ارشاد ہوا سکوت اختیار کر۔ کسی کو ارشاد ہوا کہ اپنے کام کاج میں ہر وقت ذکر اللہ سے رطب اللسان رہ۔ ایک صحابی قلیل معاش کو کلہاڑی میں دستہ اپنے دست مبارک سے ڈال کر دیا اور فرمایا جاؤ جنگل سے لکڑی لا کر بیچا کرو اور کچھ دنوں تک یہاں صورت مت دکھاؤ۔ اس کے بعد وہ حاضر ہوئے تو پوچھا کیا کمایا عرض کیا اتنی رقم کمائی اس میں ایک چادر بنائی اور اتنا نقد موجود ہے تو حضور بہت خوش ہوئے اور فرمایا سوال سے یہ اچھا ہے۔ ان صحابی کے پاس مال دیکھ کر خوشی ظاہر فرمائی اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے زہد اور ترک دنیا کی تعریف فرمائی جن کا فتویٰ یہ تھا کہ ایک پیسہ بھی پاس رکھنا وعید یکنزون الذهب الخ کا موجب ہے۔ وبتقریر ناهذا ينحل كثير من الاشكالات المتعلقة بتعارض تعليم صلى الله عليه وآله وسلم و تعليم المشائخ رضوان الله عليهم اجمعين۔

ضروریات دین کسی کے واسطے کم نہیں ہو سکتے:۔ اس پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ کیا ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی کے لئے نماز بھی معاف ہو جائے یا نماز میں کچھ تخفیف ہو جاوے۔ اس واسطے کہ عرض کیا گیا ہے کہ معالجہ میں ایک علاج کلی ہوتا ہے یعنی علم جمیع امزجہ کو اور ایک اضافہ ہوتا ہے جس کی بناء اختلاف امزجہ پر ہے۔ علاج کلی میں ترمیم نہیں ہوتی سب کے لئے یکساں ہوتا ہے اور اضافات میں ترمیم و اختلاف ہوتا ہے۔ فقہاء نے ضروریات پا کر معالجات کلیہ کو فقہ میں جمع کر دیا ہے کہ اگر کم ہمت اور کم علم لوگ اضافات کی ترمیم تک نہ بھی پہنچ سکیں گے تو علاج کلی سے تو فائدہ اٹھا لیں گے اور تباہ کن امراض سے تو حفاظت ہو جائے گی۔ فرائض و واجبات علاج کلی میں اور مستحبات علاج جزی اول میں ترمیم کرنا ایسا

ہے جیسے کوئی طبیب طب میں اضافہ کرے کہ بجائے فادزہر کے سنکھیا دے ہاں مستحبات میں کمی بیشی رائے شیخ پر منحصر ہے کما ہو ظاہر۔

دعا معین فی العلاج ہے کافی علاج نہیں:

ان صاحب کے لئے کثرت شبق کے علاج چار تجویز ہوئے ہمت یعنی بتکلف عفاف حاصل کرنا، کسی دوسرے شغل سے خیال ہٹانا، ہیجان کی طرف سے اور اس کے علاج کی طرف سے بے التفاتی اختیار کر لینا۔ دعا اور یہ ہدایت کی گئی کہ وظیفوں کے بھروسہ نہ رہیں یعنی بے قاعدہ علاج نہ کریں۔ ان چاروں معالجوں میں سے دو اول کے یعنی ہمت اور صرف خیال تو علاج مشترک ہے ہر مریض شبق کے لئے ضروری ہے اور چوتھا یعنی دعا معین فی العلاج ہے جیسا دوا پینے کے ساتھ تبدیل آب و ہوا امراض مادی میں کہ علاج کافی نہیں ہاں معین دوا ہے۔ اس طرح کہ مقوی روح ہے دوا سے ازالہ مادہ ہوتا ہے اور آب و ہوا سے قوت طبیعت۔ تو مرض کے جلدی جاتے رہنے کی امید ہے۔ کبھی شاذ و نادر ایسا بھی ہوا ہے کہ اگر مرض بہت خفیف ہوا تو صرف تبدیل آب و ہوا کافی ہوگئی یا درجہ امکان میں یہ بھی ہے کہ کسی جگہ کی آب و ہوا ایسی ہو کہ علاج مرض کے لئے کافی ہو جاوے اور صنعتی تدابیر سے ہوا کا ایسا بنایا جانا قرین قیاس بھی ہے کہ تنقیہ مادہ صرف استنشاق ہوا سے ہو جاوے بلکہ بعض ماہرین فن سے ایسا واقع بھی ہوا ہے کہ ادویات کے بخور سے ہوا کی کیفیت ایسی کر دی کہ تنقیہ مادہ اس سے ہو گیا لیکن یہ سب باتیں بے قاعدہ علاج ہیں اور عادت مستمرہ کے خلاف ہیں۔ ان کے بھروسہ مرض کی طرف سے غفلت کرنا کم عقلی ہے۔ اسی طرح قاعدہ کا علاج ہمت اور صرف خیال ہے ہاں دعا بھی علاج ہے یعنی معین ہے۔ تدبیر میں خود علاج کافی نہیں۔ اس مثال مذکور سے اس شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اور قبولیت کا وعدہ ہے اور بعض اولیاء اللہ کی دعا ہی سے لوگوں کے کام بن گئے ہیں۔ دزد رہزن ایک دعا سے قطب ہو گیا کیونکہ فضیلت کا معین فی العلاج ہونا ظاہر ہے۔ معین فی العلاج بھی علاج ہی ہے۔ گو علاج سے بالنسبۃ کمتر ہوا کیا کچھ کم فاضل چیز ہے۔ اگر ایک

منٹ کے لئے دنیا سے نکال لے جاوے تو تمام عالم کا خاتمہ ہو جاوے۔ مگر مرض کے علاج میں صرف معین فی الجملہ ہے۔ مدار کار دوا پر ہے۔ ایسے ہی دعا علاج مرض کے لئے مفید فی الجملہ ہے مدار کار ہمت وقصد پر ہے۔ اسی معنی کر فرمایا گیا ہے۔

وان لیس للانسان الا ما سعی اور ام للانسان الا ما تمنی

دعا بلا کسب ذرائع عادیۃ تمنی ہی کے مرتبہ میں ہے اور جیسا کہ قبولیت دعا پر موعود ہے ایسے ہی صحت ہوا پر متفرع ہے۔ بایں معنی کہ ہوا علت تامہ صحت کی نہیں ہاں اسباب صحت میں سے ایک سبب ہے۔ اتنا فرق سہی کہ ہوا مفضی فی الجملہ ہے صحت کی طرف اور دعا گو نہ اس سے قوی سبب ہے مگر اس سے دوسرے اسباب کی نفی اور کفایت علی ہذا السبب اعنی الدعا لازم نہیں آتی والا لبطلت التکلیفات باسرہا اور اولیاء اللہ کی دعا سے بعض وقت کام بن جانا ایسا ہی ہے جیسے کبھی تبدیل آب وہوا سے مادہ مرض سے شفا ہو جانا لیکن قانون اور عادۃ مستمرہ کے خلاف ہے اور ایسے نفوس قدسیہ جن کی صرف دعا سے کام بن جاوے ایسے ہی کم یاب ہیں یا ان کا میسر آنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے ہوا کو صنعتی تدبیر سے علاج مرض مادی کے قابل بنانے والے اطباء کا کہ درجہ امکان میں ضرور ہے مگر النادر کالمعدوم بھی ہے اور امکان کے بھروسہ باطنی امراض سے غفلت کرنا بے عقلی ہے۔ الغرض دو علاج مرض شبق کے علاج کلی ہیں اور دعا معین علاج۔ رہا چوتھا علاج یعنی شبق اور اس کے علاج کی طرف سے مطلقاً صرف خیال اور بے التفاتی سو یہ علاج خاص ہے۔ اسی مرض کے ہر مریض کے لئے کار آمد نہیں بلکہ ممکن ہے کہ کسی کو مضر بھی ہو۔ اس کے لئے تجویز طبیب کی ضرورت ہے یا وہ مریض استعمال کر سکتا ہے جو سائل کے بالکل مشابہ ہو مگر اس مشابہت کا تجویز کرنا بھی مجوز یعنی طبیب روحانی (شیخ کامل) پر موقوف ہے۔

خوف مفرط مطلوب نہیں:

امراض ظاہری میں تو مریض بھی اپنی مشابہت دوسرے مریض سے کسی قدر معلوم کر بھی لیتا ہے لیکن امراض روحانی میں اس مشابہت کا ادراک مریض سے بہت مستبعد ہے۔

لہذا اسلم طریقہ انما شفاء العی السوال ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس علاج سے کوئی یہ نہ اخذ کرے کہ امراض کی طرف سے بے فکری میں کچھ حرج نہیں۔ جیسا کہ بعض جاہلوں سے دیکھا گیا کہ کسی کتاب میں اس قسم کے قصے دیکھ کر انہوں نے اسی پر کفایت کر لی کہ ہم میں ہزار عیب ہیں مگر ہماری فکر سے کیا ہوتا ہے۔ فکر سے صرف دل کو پریشان کرنا ہے۔ خدا سب دور کرے گا۔ اصل یہ ہے کہ یہ علاج یعنی قطع نظر عن المرض وعلاج المرض اس کا علاج ہے جو حد سے زیادہ خائف ہو کر ایسا پریشان ہو گیا ہو کہ یاس اور ترک عمل کی نوبت آ گئی ہو اور اس کی اصل یہ ہے کہ خوف اس قدر مقصود ہے کہ باعث امتناع عن المعاصی ہو بدلیل امامن خاف مقام ربه و نهی النفس عن الهوی و بدلیل حدیث و من خشیتک ماتحول به بیننا و بین معاصیک او کما قال علیه السلام ترجمہ اور سوال کرتا ہوں میں خوف میں سے وہ مقدار کہ معاصی سے عاجز ہو جاوے اور جب خوف اس حد سے متجاوز ہو جاوے تو خود ذریعہ معصیت ہو گیا اور معصیت ہی کی طرح مذموم ہو گیا۔ اس صورت میں یہ علاج کارآمد بلکہ موقوف علیہ صحت اور فاضل ترین معالجات ہے نہ ایسے لوگوں کے لئے جو نفس کو گنجائش دینے کے لئے اس سے کام لیں۔

وظیفوں کو اعمال اختیاریہ میں کچھ دخل نہیں:

اور یہ ہدایت بھی کہ وظیفوں کے بھروسے نہ رہیں عام ہے۔ وظیفوں کو اعمال اختیاریہ تکلیفیہ میں سوائے برکت کے دخل فی الجملہ بھی نہیں۔ صرف کم ہمتی ہے اسی واسطے عورتیں اس میں بہت شغف رکھتی ہیں۔ بس اتنا دخل ہو سکتا ہے جیسے دوا پر صرف اقبال طبع کے لئے قند چڑھا دینا۔ واللہ اعلم۔ قولہ دعا سے یقیناً اثر ہوتا ہے یعنی علاج میں سہولت کے ذرائع پیدا ہو جانا اور اسباب کا مفضی لے المسبب ہو جانا نہ کہ بلا اسباب مسبب کا موجود ہو جانا کما فصل آنفاً یعنی دعا معین فی العلاج ہونے کی وجہ سے علاج کے اثر کو تیز کر دیتی ہے۔ ہمت اور صرف طبیعت الی شغل آخر سے علاج کیجئے اور ان کا اثر عاجل اور کامل ہونے کے لئے دعا کو بھی شامل رکھیے۔

مجلس سی و ہفتم (۳۷)

حق تعالیٰ کی شان میں صیغہ مفرد و جمع بولنا:

کسی نے بذریعہ خط دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت والا نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں خدائے تعالیٰ کی نسبت کہیں صیغہ جمع کا استعمال کیا ہے اور کہیں صیغہ مفرد کا یعنی کہیں ہے اللہ تعالیٰ کرتے ہیں اور کہیں اللہ تعالیٰ کرتا ہے جواب دیا کسی وقت تعظیم کا غلبہ ہوا تو جمع کا صیغہ استعمال کر دیا اور کسی وقت توحید کا غلبہ ہوا تو مفرد کا اور دونوں قرآن سے مستفاد ہیں۔ایک جگہ ہے رب ارجعون لعلی اعمل صالحا بلفظ جمع اور ایک جگہ ہے۔فارجعنا نعمل صالحا انا موقنون بلفظ مفرد یہ دونوں بندوں کے لفظ ہیں اور خود خدائے تعالیٰ کے الفاظ ایک جگہ ہیں واتممت علیکم نعمتی، اور دوسری جگہ اتممنا ھا بعشر ۷ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ روز چارشنبہ در سہ دری خود در مسجد

فوائد و نتائج

اہل اللہ کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں:

اہل اللہ کے کسی فعل کی وجہ سمجھ میں نہ آوے تو بلا دریافت کوئی حکم لگا دینا نہ چاہئے۔ درحقیقت غائر وجہ ہوتی ہے۔

مجلس سی و ہشتم (۳۸)

حسن معاشرۃ بالاہل:

نقل فرمایا کہ اہل خانہ کا ارادہ قریب ایک سال سے بمقام جھانسی میرے بھائی منشی مظہر کے یہاں جانے کا تھا اور اب اس کا یہ بھی موقع ہوا کہ منشی مظہر کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور ان کے گھر میں تنہا ہیں کوئی بال بچہ ہے ہی نہیں جو اسی سے ذرا دلبستگی رہتی۔میں نے اس سے کبھی منع نہیں کیا کیونکہ دلشکنی تھی۔اب بالکل تیار تھیں رات تک بات طے ہو چکی تھی اور تمام انتظامات ہو گئے تھے اس وقت صبح میں نے ایک تقریر کی۔اس سے وہ تمام رائیں پلٹ گئیں۔

ہر کام میں انجام بینی چاہئے:

وہ تقریر یہ تھی کہ یہ غور کر لینا چاہئے کہ اس سفر میں (ارادہ ان کا بریلی کانپور جھانسی کا تھا) مصالح زیادہ ہیں یا مضار۔ مصلحت تو صرف یہ ہے کہ مظہر کے گھر میں تنہا ہیں ذرا تقلیل وحشت ہوگی اور مضار یہ ہیں صعوبات سفر مہمان عورتوں کی دل شکنی گو[1] ادنیٰ درجہ کی ہو۔ روپیہ کی اضاعت کم از کم سو روپیہ کا خرچ ہے۔ ریل کا کرایہ جگہ جگہ اترنا۔ دینا لینا کانپور میں ایک دوست کی حالت نازک ہے ان کے یہاں جس بہانہ سے بھی کچھ پہنچ جاوے بہتر ہے ان کی لڑکیوں کو کچھ دینا چاہئے تو منفعت تو ایک ہے اور مضرتیں کئی۔ دیکھ لو ترجیح کس کو ہونی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اس تقریر سے تو ظاہر ہے کہ سفر نہ کرنا چاہئے۔ مگر آج سے پہلے تو آپ کی رائے بھی تھی۔ میں نے کہا رائے نہیں اجازت تھی۔ اجازت اور چیز ہے اور رائے اور چیز۔ اجازت کے معنی ہیں کسی کام سے منع نہ کرنا اور رائے دینے کے معنی ہیں اس کام کا کسی درجہ میں امر کرنا۔ کہا خیر آپ منع تو نہیں کرتے۔ میں نے کہا نہیں منع اب بھی نہیں کرتا مگر عقل کی بات بتاتا ہوں ہر کام میں آدمی کو سوچ لینا چاہئے کہ نفع زیادہ ہے یا نقصان۔ بجز دایک فائدہ کے اگر کام کیا جاوے تو کوئی کام بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ اچھے اور برے کی تمیز کا کوئی معیار ہی نہ رہے گا۔ اخیر میں میں نے کہا میں نتیجہ ابھی سے بتائے دیتا ہوں کہ جاؤ گی خوشی خوشی اور آؤ گی پچھتاتی ہوئی۔ کہا آپ مجھے کوستے ہیں۔ میں نے کہا اگر یہ کوسنا ہے تو طبیب تو دن رات مریضوں کو کوستے ہیں۔ کہتے ہیں اگر تم گائے کا گوشت کھاؤ گے تو بخار آ جاوے گا علاج نہ کرو گے تو مر جاؤ گے۔ تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ طبیب اس کا بخار آنا یا مر جانا چاہتا ہے۔

حب مال ایک حد تک محمود ہے:

فرمایا حضرت والا نے ان کی (اہل خانہ کی) طبیعت میں روپیہ کی محبت ذرا بھی نہیں ذرا سا بھی موقعہ ہو تو قرض کر کے خرچ کر دینا کوئی بات ہی نہیں اور مجھے روپیہ کی محبت کچھ نہ کچھ ہے جس درجہ میں کہ مطلوب ہے۔ حب مال انسان کی جبلت میں داخل ہے۔

---

[1] (مہمان عورتیں کوئی اس طرح کی نہ تھیں جن کی میزبانی یہ کرتیں بطور خود اپنے خرچ سے برابر والے مکان میں رہتی تھیں۔ پیرانی صاحبہ کے تشریف لے جانے سے کچھ ان کی آسائش میں فرق نہ آتا صرف اتنی تکلیف ہوتی کہ حضرت والا سے کچھ پوچھنے میں وہ سہولت نہ رہتی جو پیرانی صاحبہ کی موجودگی میں رہتی ہے اس واسطے ادنیٰ درجہ فرمایا ۱۲)

زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرة من الذھب والفضة والخیل المسومة والانعام والحرث

ترجمہ اچھی دکھلائی گئی ہے لوگوں کی نظر میں محبت خواہشات کی۔ عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے ڈھیر اور اچھے اچھے گھوڑے اور ڈنگر اور کھیتی۔ اس پر تو انسان مکلف نہیں ہو سکتا کہ حب مال کو بالکل نکال دے ہاں اس کی تحدید کا مکلف ہے کہ کوئی حق شرعی تلف نہ ہو۔ اور جو کوئی حب مال کو اس حد سے گھٹاوے گا تو اسراف میں مبتلا ہوگا اور حب مال اس درجہ میں محمود ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کے خزانے آئے تو آپ روئے اور کہا یا اللہ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں یہ اموال اچھے نہیں معلوم ہوتے یہ تو ہماری جبلت میں داخل ہے۔ ہاں ہم یہ دعا مانگتے ہیں کہ ان کو اپنے مرضیات میں خرچ کرائیے۔ اور غیر مرضیات سے محفوظ رکھیے یہ اموال ہمارے اوپر وبال نہ ہوں۔ اور فرمایا حضرت والا نے گھر میں سخاوت اور ہمدردی کا مادہ اس قدر ہے کہ کسی کی ذرا سی تکلیف اور تنگی دیکھ کر ان سے رہا ہی نہیں جاتا خود اس میں شریک ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ تکلیف اٹھاتی ہیں اور قرض ہو جاتا ہے بعض وقت ان کی سخاوت دنیا کا رنگ اختیار کر لیتی ہے اور دیکھنے والے کہتے ہیں یہ کس قدر دنیا میں مبتلا ہیں۔ مدت تک انہیں یہ خیال رہا کہ اپنے غریب اقارب کو نفع پہنچاویں۔ اسی غرض سے بہت سوں کو اپنے پاس جمع کر لیا۔ میں اس کے ہمیشہ خلاف رہا کیونکہ ایک تو شغل بہت اور دوسرے صورت دنیا کی جس پر کسی کو اعتراض کا موقعہ ملے۔ تیسرے جو کچھ خرچ کیا جاوے وہ معروف علیہم کی نظر میں نہ آوے۔ اس طرح اگر بیس روپے خرچ ہوں تو وقعت نہ ہوں اور اگر نقد پانچ روپے بھی دیدیئے جاویں تو وہ شکر گزار ہوں اور اس کی وقعت کریں۔ جب خود مدت تک تجربہ ہوا تب ان کی رائے بدلی۔ اب تعلقات سے اکتا گئی ہیں۔ ۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ وقت اشراق روز پنجشنبہ درسہ دری خود قبل ہواخوری۔

فوائد و نتائج

رسم اور چیز ہے اور تعزیت اور:

(۱) قولہ اور اب اس کا (سفر جھانسی کا) یہ بھی موقعہ ہوا کہ منشی مظہر کی والدہ کا انتقال ہو گیا اس سے کوئی صاحب تقریب موت میں جانا نہ سمجھیں کہ دوسرے کو منع فرماتے ہیں اور

اہل خانہ کو اجازت دی اور خود اس کو موقع پر فرمایا کیونکہ اس موت سے پہلے ہی سے ارادہ تھا اور اب بھی بتقریب موت نہ تھا بلکہ اہل خانہ منشی مظہر صاحب کے انس اور رفع وحشت تنہائی کے لئے یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ تاویل محض ہے۔ جو لوگ ماتم پرسی کے لئے بطریق رسم جاتے ہیں وہ بھی رفع وحشت کے لئے جاتے ہیں۔ اس رسم کی وضع اسی واسطے ہے۔ جواب یہ ہے کہ اصل وضع اس رسم کی ممکن ہے کہ اسی واسطے ہو لیکن بحالت موجودہ معنی موضوع لہ سے تجرید ہوگئی ہے اور سوائے التزام مالا یلزم کے کچھ بھی نہیں رہا۔ اگر میت کے گھر والے تنہا نہ بھی ہوں تب بھی جاتے ہیں معلوم ہوا رفع وحشت علت نہیں ورنہ بانتفاء علت معلول بھی رفع ہو جاتا۔ بلکہ نری تجرید نہیں بوضع دیگر دوسرے معنی کے واسطے یہ رسم موضوع ہوگئی جو موضوع لہ اول کی ضد ہے یعنی جلب وحشت۔ لوگ رفع وحشت کے لئے نہیں جاتے جلب وحشت کے لئے جاتے ہیں۔ اتنے کثرت سے پہنچ جاتے ہیں یا اس طرح جاتے ہیں کہ میت کا تمام گھر پریشان ہو جاتا ہے۔ مجمع زیادہ ہو جاتا ہے یا اس طرح رہتے ہیں کہ نخرے بھرے نہیں جاتے یہ رفع وحشت ہے یا جلب وحشت۔ تو چاہیے کہ اس متوحش کن رسم کو اٹھا دیا جاوے۔ پیرانی صاحبہ کے تشریف لے جانے میں سراسر اصل معنی موضوع لہ تھے۔ پھر نہ کوئی دسویں یا بیسویں یا چالیسویں دن کی قید تھی نہ صرف حاضری دے کر لوٹ آنا۔ کم از کم ایک مہینہ رہنے اور بعد ازاں اہلخانہ منشی مظہر صاحب کو ہمراہ لے آنے کی تجویز تھی۔ کچھ دن بریلی کچھ دن کانپور رہنے کے بعد جھانسی پہنچیں جناب پیرانی صاحبہ حضرت والا کی اس قدر مطیع اور قدم بقدم ہیں کہ اپنے بھائی کی شادی میں نہیں گئیں۔ اس وجہ سے کہ ضرورت نہ تھی۔ اور یہ بھی خیال تھا کہ کوئی کہتا کہ خود تقریبات میں شریک ہوتے ہیں اور دوسروں کو منع کرتے ہیں ان کی اطاعت وقانتہ ہونے کی یہی کافی دلیل ہے۔ کہ ایک سال کا ارادہ ایک اشارہ سے ملتوی کر دیا۔ ورنہ تریاہٹ مشہور ہے۔

(۲) ہر کام کا انجام سوچ لینا چاہیئے:

قولہ میں کبھی منع نہیں کیا کیونکہ دل شکنی تھی۔ یہ حسن معاشرت بالا اہل ہے۔ جس کا مفصل بیان ان شاء اللہ تعالیٰ حکمت پنجاہ و سوم میں آتا ہے۔

(۳) لغو کی تعریف:

آدمی کو چاہیے کہ ہر کام خواہ وہ دنیاوی کام ہو یا دینی غور کر لے کہ نفع زیادہ ہے یا نقصان۔ اس کی عادت ڈالنے سے دینی فائدہ تو یہ ہے کہ آدمی **والذین ھم عن اللغو معرضون** میں داخل ہو جاتا ہے جن کے واسطے فلاح کا وعدہ ہے۔ لغو اس کام کو نہیں کہتے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو کیونکہ ایسا کوئی کام ہی نہیں۔ حتیٰ کہ زنا اور چوری بھی فائدہ سے مثلاً حظ نفس اور جلب مال سے خالی نہیں۔ لغو کے معنی اگر ہو سکتے ہیں تو یہی کہ وہ کام جو فائدہ سے خالی ہو بایں معنی کہ نفع سے نقصان زیادہ ہو یا نفع نقصان دونوں برابر ہوں کہ بمقتضائے اذا تعارضا تساقطا' نفع باقی نہ رہا اور دنیاوی فائدہ یہ ہے کہ چند روز عادت ڈالنے سے نظر غائر ہو جاتی ہے۔ ہر چیز کا نفع نقصان معلوم ہو جاتا ہے۔ ذہن جلد اس طرف پہنچنے لگتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ مفید کاموں کے بھی باہم مراتب معلوم ہو جاتے ہیں تو جو کام زیادہ مفید ہو اس کی رغبت اور ادنیٰ مفید سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا ایک تو نتیجہ یہ ہے کہ علو حوصلہ پیدا ہوتا ہے دوسرے یہ کہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ کام کر سکتا ہے کیونکہ ہر کام کے متعلق کچھ زوائد ہوتے ہیں ان کو چھوڑ دینے اور اصل کار سے تعلق رکھنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ دیکھا ہوگا کہ جس پھرتی سے پریس مین پتھر پر کاپی رکھتے اور اتارتے ہیں اور جلدی جلدی کتاب تیار کر دیتے ہیں ایک نو آموز آدمی نہیں کر سکتا وجہ یہی ہے کہ نو آموز آدمی اگر یہ کام کرنا چاہے تو اثناء کام میں بعض زوائد میں لگ جاتا ہے اور دیر لگتی ہے اور چھاپنے والوں کو ان کا زوائد ہونا محسوس ہو گیا ہے اور ترک کی عادت پڑ گئی ہے۔ یعنی وہ لغو میں نہیں پڑتے کام کرتے ہیں۔

وفاداری جزو دین ہے:

(۴) ابو سعید خاں صاحب عبدالرحمان خان صاحب مالک مطبع نظامی کانپور کے بیٹے ہیں۔ حضرت والا عبدالرحمٰن خان صاحب ہی کی فرمائش سے مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تشریف لے گئے تھے۔ خانصاحب ایسے علم دوست اور قدردان تھے کہ اس عرصہ دراز یعنی تمام

زمانہ قیام کانپور میں جس کی مدت تقریباً چودہ پندرہ برس ہے حضرت والا کو اپنے ہی مکان میں رکھا۔ بعد انتقال خان صاحب مرحوم کے وہی مراسم ابوسعید خان صاحب نے بھی قائم رکھے۔ اتفاقات زمانہ سے مطبع پر زوال آ گیا۔ ابوسعید خان صاحب بہت زیر بار ہو گئے اور آج تک کوئی قابل اطمینان بہتری کی صورت نہیں پیدا ہوئی۔ حضرت والا نے ۱۳۱۳ھ میں مدرسہ جامع العلوم کانپور سے عزلت اختیار کی مگر اب تک حضرت والا کو ان سے وہی تعلق ہے جو اس وقت تھا۔ کانپور جب تشریف لے جاتے ہیں انہیں کے یہاں قیام فرماتے ہیں حتیٰ کہ اس اثناء میں ابوسعید خان صاحب سے اور مدرسہ جامع العلوم سے کشیدگی پیش آئی اور مدرسہ بالکل غارت ہو جانے کی شکل ہو گئی۔ حتیٰ کہ ایک نیا مدرسہ جامع العلوم جدید کے نام سے کھل گیا۔ مخلص اہل شوریٰ سے یہ حالت نہ دیکھی گئی اور حضرت والا کو جو کچھ رنج پہنچا وہ بھی ظاہر ہے کہ ایک دینی چمن حضرت والا کے ہاتھ کا لگایا ہوا اور تر و تازہ و شاداب چھوڑا ہوا ایک دم غارت ہونے لگا۔ اہل شوریٰ نے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں دیکھا کہ حضرت والا ہی کو اس فیصلہ کے لئے کانپور بلایا جاوے لیکن حضرت والا نے یہ عذر کیا کہ میں اس وقت مدرسہ جامع العلوم جدید کی طرف سے بلایا جاؤں گا اگر ابوسعید خاں صاحب کے یہاں ٹھہروں گا تو مدرسہ والوں کے خلاف ہے اور سوائے ابوسعید خان صاحب کے اور کہیں ٹھہرنے کو جی نہیں چاہتا گو اس امر خاص میں وہ میرے خلاف ہیں لیکن ہنوز یہ نزاع اجتہادی ہے ان کی رائے کی تغلیط ابھی نہیں کی جا سکتی لہذا میں نہیں آ سکتا۔ اسی وفا و مروت کی رو سے ارشاد فرماتے ہیں کہ ابو سعید خان صاحب کے یہاں جو کچھ پہنچ جاوے بہتر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری کا قصہ:

وفا کی تعلیم سے اسلام بھرا پڑا ہے۔ اس موقعہ پر حدیث کا وہ قصہ یاد کرنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں سفر میں تھے ایک جگہ پانی نہ ملا تو باعلام الٰہی ارشاد فرمایا کہ فلاں راستہ پر جاؤ ایک لونڈی اونٹ پر پانی کی مشکیں لے جاتی ملے گی۔ اس کو مع مشک کے لے آؤ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا وہ حاضر کی گئی اور مشکوں کا منہ کھول کر پانی لیا گیا۔ یہ معجزہ ہوا کہ تمام لشکر

نے پانی لے لیا اور مشکیں اس کی پہلے سے بھی زیادہ بھری ہوئی تھیں۔ اس کو کچھ کھجوریں وغیرہ دیکر رخصت کر دیا گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ مدت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گاؤں کے آس پاس جہاد کیا مگر اس گاؤں کو ہاتھ نہ لگایا۔ حتیٰ کہ گاؤں والوں کو خیال ہوا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) ہم سے کچھ تعرض نہیں کرتے۔ سوچنے کے بعد یاد آیا کہ یہ اس کا نتیجہ ہے کہ یہاں کی ایک لونڈی سے آپ نے کبھی پانی لیا تھا۔

یارب صل وسلم دائماً ابدا   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

احسان فراموشی بری چیز ہے:

اس کرشمے پر گاؤں والے فدا ہو گئے اور سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ احسان فراموشی وہ چیز ہے کہ حدیث میں وارد ہے **من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ** یعنی جو انسانوں کا شکر نہ کرے اس نے حق تعالیٰ کا شکر بھی نہ کیا اور جس نے حق تعالیٰ کا شکر نہ کیا اس کے لئے آیت میں ہے **ان تکفروا فان اللّٰہ غنی عنکم ولا یرضیٰ لعبادہ الکفر و ان تشکروا یرضہ لکم** ترجمہ: اگر تم کفر کرو تو خدائے تعالیٰ کو تمہاری احتیاج نہیں اور خدائے تعالیٰ پسند نہیں کرتا کفر کو اور اگر شکر کرو تو اس کو پسند کرتا ہے شکر اور کفر کو مقابل قرار دیا۔

دلا در وفا باش ثابت قدم   کہ بے سکہ رائج نباشد درم

نئی تہذیب میں وفا کا پتہ نہیں رسم پرستوں میں صورت وفا ہے:۔ آج کل کے بہت رسمی مولوی وفا و مروت کی طرف سے غافل ہیں۔ دین نام صرف نماز و روزہ کا رکھ چھوڑا ہے اور نئے مدعیان تہذیب کو تو اس کوچہ کی ہوا ہی نہیں لگی۔ پرانے مہذب البتہ اس سے آشنا ہیں لیکن وہ صرف صورت وفا کو وفا سمجھتے ہیں۔ رسمی[1] وفا نے اصلی اور حقیقی وفا پر پردہ ڈال دیا ہے۔ حقیقی وفا اگر ہے اور رہی ہے اور رہے گی تو اہل اللہ میں۔

قطب عالم حضرت حاجی صاحب کی وفاداری:۔ قطب عالم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے پاس بہت سی شکایتیں حضرت محدث گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم

---

[1] وفا کو صرف ادائے رسوم میں منحصر کر دیا ہے

کی پہنچائی گئیں۔ حضرت نے لکھ بھیجا کہ ہماری تمہاری محبت للہ ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ باقی ہے اسی طرح جو محبت اللہ کے لئے ہو وہ بھی باقی ہے۔

(۵) حب دنیا کی تحدید:۔ حب مال کی تحدید بیان ہوئی ہے یہ تحدید مال ہی کے ساتھ خاص نہیں جملہ ان چیزوں کے واسطے ہے جس سے انسان کو تعلق ہے جس آیت سے تمسک کیا گیا اسی میں ان چیزوں کا بیان موجود ہے وہ عورت اور اولاد اور مال اور سواری اور دیگر جانور اور جائیداد ہے ان سب کے لئے جامع لفظ متاع دنیا ہے جس کی اسی آیت میں تصریح بھی ہے۔

ان کل ذلک لما متاع الحیوۃ الدنیا

ترجمہ:۔ نہیں یہ سب مگر متاع دنیا ان کی محبت بالکل قلب سے نکال دینے کا انسان مکلّف نہیں کیونکہ خود خدا تعالیٰ نے رکھی ہے اور اس کا نکالنا تکلیف مالا یطاق ہے۔ ہاں تحدید کا بیشک مکلّف ہے اس کی تحدید شریعت مطہرہ نے کر دی ہے اس سے باہر نہ ہو تو باعث بعد من اللہ نہیں۔ اور اس تحدید میں عرض و وسعت ہے جس کے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تسہیلاً طبی طرز پر چار درجے قرار دیئے ہیں۔

مباحات شرعیہ کے چار درجے:

ورع عدول، ورع صالحین، ورع متقین: جیسے اطباء نے ادویات کی کیفیت کے چار درجے قرار دیئے ہیں جس سے مطلب یہ نہیں کہ بالکل تحدید ہو جائے اور جملہ ادویات ایک درجہ کی باہم دگر پوری مماثل ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بنسبت درجات مجہول چھوڑ دینے کے اس تعیین سے باہم فرق کافی الجملہ اور قدر ضرورت عمل ہو جاوے۔ اسی واسطے متاخرین اطباء نے چاروں درجات میں ہر ہر درجہ میں تین تین درجے اول و آخر اوسط قرار دیئے ہیں۔ اسی طرح امام قدس سرہ نے تحدیدات شرعیہ کا باہمی فرق معلوم کرنے اور حفظ مراتب قائم کرنے کے لئے یہ درجات قائم کئے ہیں۔ فرماتے ہیں حرام کل کے کل خبیث ہیں مگر بعض اخبث ہیں بعض سے اور حلال کل کے کل طیب ہیں مگر بعض اطیب ہیں بعض سے لہذا ہم کہتے ہیں کہ ورع و تقویٰ کے چار درجے ہیں۔

ورع عدول:

وہ ان منہیات سے بچنا ہے جن کے کرنے سے انسان مستوجب دوزخ ہو جاتا ہے اور دنیا میں اس کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے وہ ان محرمات سے بچنا ہے جو فقہ میں بلفظ حرام ذکر کئے گئے ہیں جیسے جھوٹ بولنا' شراب پینا وغیرہ

دوسرا ورع صالحین ہے وہ ان چیزوں سے بچنا ہے جو شبہات میں داخل ہیں۔

تیسرا ورع متقین ہے وہ مباحات سے بچنا ہے اس خوف سے کہ غیر مباح میں نہ پڑ جاوے۔ حدیث میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بندہ درجہ متقین تک نہیں پہنچتا جب تک کہ ناجائز کے خوف سے جائز کو نہ چھوڑ دے یہی ہے اصل اہل اللہ کے بہت سے مباحات کو چھوڑ دینے کی۔ اس مباح کو انہوں نے حرام نہیں سمجھا لیکن اس خیال سے کہ نفس کو اتنی بھی آزادی مل جاویگی تو کبھی اس سے بڑھ کر حرام تک بھی لے جاوے گا اس واسطے احتیاط کی جیسے عمدہ عمدہ کھانے کھانا کہ اگر نفس اس تلذذ اور تنعم کا خوگر ہوگا تو ممکن ہے کہ کسی وقت حلال سے عمدہ کھانا نہ ملے تو نفس اپنی عادت کے سامنے حلال وحرام کی پروانہ کرے اور حرام کو کھالے اچھا کھانا فی نفسہ مباح ہے مگر اس ناجائز کے خوف سے ترک کر دیا گیا۔

ورع صدیقین:

چوتھا ورع صدیقین ہے۔ اور وہ ان بے شبہ اور بے خوف وخطر کاموں سے بھی بچنا ہے جن میں للّٰہیت نہ ہو جیسے یحیٰی بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دوا پی تو ان کی بی بی نے کہا ذرا اٹھ کر ٹہل لیجئے تا کہ دوا قے نہ ہو جاوے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ٹہلنا کیسے عبادت میں داخل ہوگا۔ میں تیس برس سے اس کا پابند ہوں کہ کوئی فعل جب تک کہ عبادت میں داخل نہ ہو نہ کروں۔ (اس وقت ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ عبادت میں یہ کیسے داخل ہوسکتا ہے یہ اور کمال ہے کہ تا انشراح صدر ایسے کام پر بھی عمل نہ کیا۔)

اقسام اربعہ کی طبی مثال:

ان تحدیدات کو دیکھ کر اکثر یہ وسوسہ ہوا کرتا ہے کہ شریعت مطہرہ میں بڑی تنگی ہے۔ لہذا ہم

ایک مثال میں ایک وسوسہ کو رفع کرتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ طب بھی منجملہ ضروریات انسانی کے ہے۔ صحت و مرض سب کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اس واسطے ضرور ہے کہ طب سے بھی واقفیت ہو اور آدمی اس کا کاربند ہو۔ طب پر عمل کے چار درجے ہیں۔ ایک ان باتوں سے بچنا جو موجب تلف و ہلاک جسم ہیں جیسے سنکھیا تیزاب وغیرہ دوسرے ان باتوں سے بچنا جو موجب ہلاک نہ سہی مگر موجب ضعف بدن ہیں کہ اس ضعف کا انجام بھی ہلاک ہے۔ تیسرے ان باتوں سے بچنا جو اس وقت کسی طرح مضر نہ ہوں مگر مفضی الی المضرۃ ہوں مثلاً افیون بقدر ضرورت سے بھی بچنا۔ اس خیال سے کہ اس کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور مقدار سے زائد تک ضرور پہنچ جاتی ہے۔ چوتھے طب سے وہ فوائد حاصل کرنا جو ضروری نہیں مثلاً قوت شباب بحال رکھنا۔ رنگ و روپ میں فرق نہ آنے پائے۔ عمدہ عمدہ ادویات کا انتظام رکھنا۔ غذائیں حسب قاعدہ طب مزہ دار اور مقوی اور نفیس کھانا وغیرہ وغیرہ اگر غور سے دیکھا جاوے تو ہر درجہ اپنے پہلے درجہ کی بہ نسبت مشکل اور تنگ ہے۔ حتیٰ کہ چوتھا درجہ تو ایسا تنگ ہے کہ دنیا میں کچھ ہی افراد ایسے نکل سکتے ہیں جو اس پر عمل کر سکتے۔ وہ افراد والیان ملک ہیں سوائے انکے کون کر سکتا ہے کہ قابل قابل دو چار طبیب پاس رہیں آسائش کے تمام سامان حسب دل خواہ مہیا ہوں۔ ادویات تازہ بتازہ موجود ہوں۔ لاگت کی پروا نہ ہو۔ بعض دوائیں مہینوں میں اور برسوں میں تیار ہوتی ہیں اور ذرا سی بے احتیاطی سے غارت ہو جاتی ہیں۔ اس کے انتظام کے لئے حکومت اور خرچ اور سلیقہ کی ضرورت ہے باوجود اس تنگی کے لوگوں کے خیالات طب کی طرف کیا ہیں اور برتاؤ کیا ہے۔ خیالات تو یہ ہیں کہ ہر شخص کہتا ہے کہ طب بھی کیسا پاکیزہ علم ہے۔ کیسے کیسے فوائد اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ کیا کیا کرشمے اس سے پیدا ہوئے ہیں جوانی جیسی چیز اس سے قائم رہتی ہے یہاں تک کہ بعضوں کو یہ خبط ہوا ہے کہ طب تو مذہب کا جزو ہونا چاہئے اور کتاب آسمانی میں اس کا اترنا ضروری تھا اور برتاؤ یہ ہے کہ ہر وہ شخص بھی جو استطاعت نیچے کے درجے کی رکھتا ہے اور بوجہ مجبوری اوپر کے درجہ کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا نظر اوپر ہی کے درجہ پر رکھتا ہے حتیٰ کہ اگر کل فوائد اوپر کے درجہ کے نہ سہی ایک پر بھی قابو پا جاوے تو چوکتا نہیں۔ اگر ایک فقیر محتاج کو جو پہلے درجہ کے قابل ہے کسی والی ملک کے کھانے کی مقوی دوا مل جاوے تو ہوس میں آ کر کھا ہی لے گا۔ یہ بھی نہیں سوچے گا کہ اس

کیساتھ گھی دودھ اوردوسرے لوازم کی بھی ضرورت ہے اور وہ مجھ سے نہ ہو سکیں گے اور بعد میں نقصان اٹھائے گا۔نواب واجد علی شاہ کا تھوکا ہوا پان کھالیا تھا تو پاگل ہو گیا۔اس طبی مثال پر شرعی تحدید کے چاروں درجوں کو منطبق کر کے دیکھیں تو وہ تنگی کا وسوسہ بالکل نیست ونابود ہو جاتا ہے۔ اگر یہی خیال اور یہی برتاؤ بھی شریعت کے ساتھ کرلیا جاوے تو کافی ہے درجہ اول ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے۔ بلا اس کے ہلاک ہے اور درجہ رابعہ ہر شخص کا کام نہیں جس کو ہمت اور توفیق ہو اور تائید غیبی معین ہو حاصل ہو سکتا ہے لیکن برتاؤ یہی ہونا چاہئے کہ آدمی جس درجہ کی استطاعت رکھتا ہو نظر اس سے مافوق پر رکھے۔ درجہ اولیٰ کے تو تمام امور کی تحصیل ضروری ہے کوئی ایک شخص بھی کسی ایک عمل ممنوع کا مجاز نہیں ہو سکتا اور درجات مافوق میں سے جتنا کسی کو موقعہ ملے اور جب ملے چوکنا نہ چاہئے۔ احب الصالحين ولست منهم لعلل الله يرزقني صلاحا

قانون شرعی تمام قانون سے وسیع ہے:

اب کوئی غور کرے گا تو شریعت مطہرہ سے زیادہ وسیع کسی قانون کو بھی نہ پائے گا۔ یہ تحدید شرعی اور اس کی وسعت کا بیان ہوا۔تمام افعال میں اسی کی ضرورت ہے دنیا سے بالکل قطع تعلق کی ضرورت نہیں۔

تعلقات دنیا میں افراط وتفریط سے معصیت لازم آتی ہے:

اگر دنیا سے بالکل قطع تعلق ہوگا تو حقوق تلف ہوں گے۔مثلاً مال کے متعلق حق ہے کہ اسراف سے بچایا جاوے جس کو کسی درجہ میں بھی مال کی محبت نہ ہوگی وہ بیجا خرچ سے بھی کیوں رکے گا۔یا جس کو عورت کی محبت کسی درجہ میں بھی نہ ہوگی وہ اس کے حقوق کب ادا کرے گا وعلی ہذا القیاس

منہیات سے احتراز جبھی ہو سکتا ہے کہ غیر منہیات سے بھی کچھ نہ کچھ بچا جاوے

ہمارے اسی بیان سے تحدید شرعی میں بہت وسعت ثابت ہوتی اور دین بہت سہل ثابت ہوتی اور دین بہت سہل ثابت ہوتا ہے اور یہ بات فی نفسہ بالکل سچ بھی ہے لیکن

صانع ذوالجلال عزاسمہ نے انسان کوابتلا کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے شر کی طرف کچھ دواعی اور خیر سے کچھ موانع پیدا کئے ہیں جن کی وجہ سے درجہ ادنیٰ کی تکمیل بھی مشکل ہوگئی ہے جس درجہ کی آدمی تکمیل چاہے اس سے فوق بلکہ فوق الفوق کا ارادہ کرے تب اس ادنیٰ میں کامیاب ہوسکتا ہے اس کی مثال اب ایسی ہوگئی ہے جیسے کسی کے گھر میں کھانے پینے کی چیزوں میں سنکھیا کے ٹکڑے ملا کرر کھ دیئے گئے ہوں۔ طبیب اس پر زہر کھانے کا حکم تو اسی وقت لگاوے گا جبکہ وہ سنکھیا کی ڈلی کھالے لیکن وہ سنکھیا سے بچنے میں کامیاب جبھی ہوگا جبکہ اس مختلط جنس کو الگ ہی کردے گا اس سنکھیا کی ڈلیوں کے ساتھ کھانے پینے کی چیزوں کو بھی پھینک دے ورنہ اس نے خود غلطی نہ کی سہی گھر میں سے اور کوئی غلطی کرے گا اور کبھی نہ کبھی خطا پاوے گا اسی معنی کر فرمایا گیا

ان لکل سلطان حمی و من یرتع حول الحمی یوشک ان یقع فیہ الاان حمی اللہ محارمہ او کما قال

ترجمہ:۔ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے جو کوئی اپنے مویشی کو اس چراگاہ کے پاس چرائے گا عجب نہیں کہ مویشی اس میں بھی پہنچ جاوے (اور وہ شخص ملزم ہو جاوے) یادرکھو کہ حق تعالیٰ کی مخصوص چراگاہ وہ اعمال ہیں جن کو اس نے منع فرمایا ہے الغرض دنیا کی محبت بالکل قلب سے نکال دینے کا انسان مکلف نہیں بلکہ اس کی تحدید کا مکلّف ہے اور اس تحدید میں وسعت خاطر خواہ ہے مگر نفس اور شیطان سے بچنے کے لئے وسعت کم دنیا ہی بہتر ہے تاکہ مغالطہ میں پڑ کر اس تحدید سے خارج نہ ہو جاوے اور جس سے ہو سکے وہ ہمت کیوں ہارے۔ بڑے درجہ پر کیوں ہاتھ نہ مارے۔

وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم الآیۃ و فی ذلک فلیتنا فس المتنافسون

ترجمہ:۔ اور ایک دوسرے سے جلدی کرو مغفرت الٰہی کی طرف اور اس میں چاہئے کہ نفسا نفسی کریں کرنے والے۔

احسان کی صورت ایسی اختیار کرنا جس سے محسن الیہ خوش ہو:۔ قولہ پانچ روپیہ بھی دیئے جاویں تو وہ شکر گزار ہوں۔ اس سے ظاہرا یہ شبہ ہوتا ہے کہ کسی کے ساتھ سلوک کرنے سے یہ غرض ہے کہ وہ شکر گزار ہو اور یہ تعلیم شرعی کے خلاف ہے۔

قال تعالیٰ لانرید منکم جزاء ولا شکورا

یعنی بندگان خدا کی شان یہ ہے کہ جب کسی کیساتھ سلوک کرتے ہیں تو ان سے شکریہ اور بدلے کی خواہش نہیں رکھتے۔ وقال تعالیٰ **لاتبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ** ترجمہ:۔ نہ باطل کرو اپنے کار خیر کو احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے وغیرہا من الآیات والاحادیث

عمل میں دینی مفاسد سے بچنے کے ساتھ دنیاوی صورت بھی اچھی اختیار کی جاوے تو مضائقہ نہیں:۔ اس شبہ کا حل یہ ہے کہ حضرت والا نے اقارب کو اپنے پاس رکھ کر سلوک کرنے میں صرف یہی خرابی نہیں فرمائی کہ اس طرح سلوک کرنے سے وہ شکر گزار نہیں ہوتے بلکہ تین خرابیاں ارشاد فرمائیں۔ کثرت شغل، اور صورت دنیا جس پر اعتراض کا موقعہ پیدا ہو اور تیسری یہ ان میں سے اول کی دو دینی خرابیاں ہیں اور یہ تیسری دنیاوی۔ اول یعنی کثرت شغل کی حقیقت یہ ہے کہ جو عزیز و اقارب پاس رہیں گے ان کی خدمت اپنے دیگر دینی کاموں سے کسی قدر مانع ضرور ہوگی گو یہ خدمت بھی بوجہ صلہ رحم ہونے کے دین ہی میں داخل ہے لیکن اپنے دیگر اعمال دینی پر ترجیح نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ کوئی دوسرا اس کام کو پورا کرنے والا موجود ہو تو اس کو پسند نہ فرمانے کے یہ معنی ہوئے کہ دینی امور میں سے بھی اس کو اختیار کرنا چاہئے جو اعلیٰ اور ارفع ہو اور صورت مذکورہ یعنی اقارب کے پاس رکھنے میں وہ درجہ حاصل نہیں ہوتا اور دوسری خرابی بالکل بدیہی ہے۔ حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت بھی مطلوب اور مرغوب فیہ ہے اور بلا کسی خاص ضرورت کے صوری مفسدہ میں پڑنا بھی کیا ضرور ہے۔ ان دونوں مفاسد سے بچنے کا حاصل یہ ہوا کہ ترقی دینی اعلیٰ درجہ کی حاصل کرنا چاہئے اور صورت بھی دین ہی کی اختیار کرنا چاہئے۔ دین کو بلا ضرورت صورت بھی دنیا کی کیوں پہنائی جاوے۔ اس کے بعد اگر عمل میں دنیا کی بھی خرابی پیدا نہ ہو تو ہم خرما و ہم ثواب ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مسکین کو کوئی کھانا کھلائے کہ خلوص وللّٰہیت اس کا مغز اور رکن اصلی ہے۔ اگر نیت میں اخلاص ہو مگر صورۃً جمعرات کے دن کھلاوے تو اتنی خرابی پیدا ہوگئی کہ کوئی دیکھنے والا اس کو داخل رسم سمجھ سکتا ہے تو اگر اس سے بھی بچ جائے تو کیا حرج ہے

تا کہ دوسرا مغالطہ میں نہ پڑے اور سیرت کے ساتھ صورت بھی اچھی ہو جاوے۔

بعض وقت وقیع ہدیہ زیادہ اچھا ہوتا ہے:

سیرت وصورت کی اصلاح کے ساتھ اگر یہ اور اضافہ ہو کہ اچھے خوبصورت برتن میں اور عمدہ مکان میں بیٹھ کر کھلایا جاوے تو اس کے ذہن میں اس کھانے کی وقعت زیادہ ہوگی اور اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس کے عکس میں خرابی ہے کہ للّٰہیت بھی ہو اور رسم سے بھی خالی ہو مگر میلے برتن میں اور سڑک پر بیٹھ کر کھلایا جاوے تو اس کو کوئی عقلمند پسند نہیں کرتا تو حضرت والا کے ارشاد کا ماحصل یہ ہوا کہ اقارب کو پاس رکھ کر خدمت کرنا نہ دینی حیثیت سے اچھا ہے نہ دنیاوی۔ یہ تو اس شبہ کا گویا جواب الزامی ہے اور تحقیقی نظر سے دیکھا جاوے تو کسی کو اس طرح دنیا جس سے وقعت بھی معطی لہ کے ذہن میں پیدا ہو بعض وقت دو خوبیاں رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کا دل زیادہ خوش ہوتا ہے تو دعا زیادہ دے گا یا تہہ دل سے دعا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ بعض وقت دینے والے کی غرض بھی صرف یہ نہیں ہوتی کہ اس کی پرورش ہو بلکہ اس کو خوشی میں دیکھنا بھی مدنظر ہوتا ہے جیسے کہ بچہ کو غذا عمدہ کھلانے کے ساتھ مقدار میں زیادہ بھی اور رنگا رنگ کی چیزیں سامنے رکھتے ہیں تا کہ وہ ان سے کھیلے اور خوش ہو اس سے اس کا نشوونما اچھا ہوتا ہے اور ماں باپ کا دل خوش ہوتا ہے۔ اس کے لئے پاس رکھ کر خدمت کرنا موثر نہیں یہی زیادہ موثر ہے کہ نقد سے خدمت کی جائے جو بھی کی جائے اس سے ان کا دل زیادہ خوش ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ شکر گزار ہوتے ہیں اور دینے والے کی یہ غرض حاصل ہوتی ہے کہ ان کو شاداں وفرحاں دیکھے۔ یہ ہے مطلب حضرت والا کے اس لفظ کا کہ پانچ روپیہ بھی دیئے جاویں تو شکر گزار ہوں اور وقعت کریں۔ اور یہ مطلب نہیں کہ دینے اور خرچ کرنے سے مقصود شکر گزاری ہے۔ دلیل اس کی پہلے دونوں جملے ہیں جن کا ماحصل یہ تھا کہ دین کے معمولی درجہ کو بھی چھوڑ کر اعلیٰ درجہ پر ہاتھ مارو اور صورت تک بھی دنیا کی اختیار نہ کرو۔ جو شخص دنیا کی صورت تک سے بیزار ہو اور دین میں بھی معمولی درجہ تک اس کی ہمت محدود نہ ہو وہ من واذیٰ جیسے تباہ کن عمل کو کب اختیار کر سکتا ہے۔ حضرت والا کی اس تیسری بات میں تقلید جب ہو سکتی ہے جب اولیین میں بھی ہو۔

مجلس سی و نہم (۳۹)

بیعت سے پہلے طالب کی جانچ:۔ ایک جولاہ شاملی سے آیا اور بیعت ہونے کی درخواست کی فرمایا اس سے پہلے کبھی مجھ سے ملے ہو یا نہیں۔ عرض کیا ہاں رمضان میں اور چند آدمیوں کے ساتھ آیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا بعد رمضان آنا سو اب حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا متصل رمضان کے کیوں نہیں آئے۔ عرض کیا کہ کوئی ساتھ کو نہ ملا اس واسطے نہ آسکا۔ فرمایا اب بھی تو اکیلے ہی آئے ہو ساتھی تو اب بھی نہیں ہے۔ عرض کیا ساتھی کا انتظار کرتے کرتے یہ دن آ گیا جب کوئی نہ ملا تو اکیلا ہی چلا آیا۔ فرمایا یہ غلطی ہے یاد کرلو کہ دین کیواسطے کبھی ساتھی کو مت ڈھونڈو ممکن ہے کہ وہ ساتھی شوق سے نہ آیا ہو یا اپنے اور کسی کام کے لئے آتا ہو۔ دیکھا دیکھی بیعت میں بھی شریک ہونے لگے تو اس کو میں کیسے بیعت کرلوں گا۔ اسی واسطے رمضان میں تمہیں بیعت نہیں کیا تھا کہ اور آدمی بھی ساتھ تھے۔ سب کو تو شوق نہیں ہوسکتا پھر پوچھا تم کسی رسم میں عرس وغیرہ میں پیران کلیر میں یا بنت میں جایا کرتے ہو یا نہیں۔ عرض کیا کبھی نہیں۔

گھر والوں کو نماز پڑھوانا:۔ پوچھا تمہارے بیوی بچے ہیں عرض کیا ہاں۔ فرمایا تم اور تمہاری بیوی نماز پڑھتے ہو یا نہیں۔ عرض کیا میں تو پڑھتا ہوں اور وہ بھی پڑھتی ہے مگر آج کل بیمار ہے۔ اس واسطے آج کل نہیں۔ فرمایا مرض میں نماز معاف نہیں ہو جاتی۔ اس وقت میں نماز پڑھوانا تمہارے ذمہ ہے۔ چھوڑنے سے صرف وہی گنہگار نہ ہوگی تم بھی گنہگار ہو گے۔ نماز ایسی کیا مشکل چیز ہے۔ اہتمام کے ساتھ پڑھواؤ اور جتنی مرض میں مجبوری ہوتی ہے اتنی ہی نماز بھی تو مرض کی سہل ہوتی ہے۔ پھر حضرت والا نے اس کو بیعت کیا اور تعلیم فرمایا کہ رات کو تہجد آٹھ رکعت پڑھا کرو دو دو رکعت کر کے اور ان میں اختیار ہے کوئی سی سورت پڑھا کرو۔ قل ھو اللہ کی قید نہیں۔ پھر تہجد کے بعد لا الہ الا اللہ ایک ہزار بر ضرب کے ساتھ۔ اتنا جہر نہ ہو کہ پاس کے آدمی جاگ جاویں ورنہ بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ اور بہتر یہ ہے کہ تہجد پچھلی رات میں پڑھا جاوے اگر نہ ہو سکے تو بعد نماز عشاء کے سہی۔ یہ رات کے معمولات ہوئے اور دن میں یہ معمول رکھو کہ چلتے پھرتے لا الہ الا اللہ پڑھتے رہا کرو اور کبھی محمد رسول اللہ بھی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کسی رسم میں شریک مت ہونا۔ بس اس وقت اسی قدر بتاتا ہوں پھر مجھ

سے وقتاً فوقتاً پوچھتے رہے۔ عرض کیا میں ہر ہفتہ شاملی سے آتا رہوں گا۔

مہمانوں کو بعض قواعد کا پابند بنانا:

فرمایا اگر جمعہ کے دن آنا ہوا کرے تو کھانا ساتھ لے کر آیا کرنا اور اگر اور کسی دن آؤ گے تو اگر ممکن ہوا تو ہم کھلا دیا کریں گے۔ ہم نے لوگوں سے کہہ رکھا ہے کہ جو کوئی جمعہ کے دن آوے گا تو وہ ہمارا مہمان نہیں۔ وہ نماز یا جمعہ کے لئے آیا ہے تو اپنے کام کو آیا ہے۔ نیز جمعہ کے دن قریب کے مواضع سے بڑی کثرت سے آدمی آتے ہیں تو میرے کوئی لنگر خانہ تھوڑا ہی ہے کہ گھر سے بھوکے چلے آؤ اور یہاں کھا جاؤ۔ اور آتے ہیں اپنے کام کے لئے کسی پر کیا احسان ہے اور اس میں ان کو کچھ دقت نہیں کہ گھر سے کھانا کھا کر چلا کریں۔ ہاں جو لوگ دور سے آتے ہیں اور میرے ہی پاس آتے ہیں وہ کسی دن آویں میرے مہمان ہیں اور میں تمہیں شجرہ دوں گا۔ اگر تمہیں پڑھنا آتا ہے تو خود پڑھ لیا کرنا نہیں تو کسی دوسرے آدمی پڑھے لکھے سے کبھی کبھی سن لیا کرنا اور تم کسی سے قرآن شریف اور بہشتی زیور پڑھ لو ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ بعد نماز مغرب در مدرسہ روز جمعہ

فوائد ونتائج

(۱) طالب کی جانچ: حضرت والا کا طرز عمل بیعت کرنے میں یہ ہے کہ بلا کچھ شوق وطلب دیکھے ہوئے بیعت نہیں کرتے۔ اس شوق اور خلوص کی جانچ کے لئے امتحان فرماتے ہیں۔ اس کا ماخذ یہ آیت ہے

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون و لقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا و لیعلمن الکذبین ترجمہ:۔ کیا لوگوں کا گمان یہ ہے کہ زبان سے یہ کہہ کر کہ ہم مسلمان ہو گئے چھوڑ دیئے جاویں گے اور ان کا امتحان نہ کیا جاوے گا۔ حالانکہ ہم نے پہلے لوگوں کا بھی امتحان کیا تھا۔ پس ضرور اللہ تعالیٰ معلوم کرے گا سچوں کو اور ضرور معلوم کرے گا جھوٹوں کو۔ اس امتحان کے لئے کوئی قاعدہ منضبط نہیں ہو سکتا۔

جانچ کے بعض طریقے:

بعض لوگ سیدھے سادھے ہوتے ہیں ان کا مافی الضمیر آسانی سے اور جلد معلوم ہو

جاتی ہے جیسے یہ شخص جس کا قصہ مذکور ہوا اور اسی واسطے اس کے امتحان کے لئے یہی کافی ہو گیا کہ رمضان میں بیعت نہ فرمایا اور بعد رمضان پر ٹالا کہ بعد رمضان آئے گا تو ثابت ہو گا کہ طالب اور مخلص ہے اور باوجود بعد رمضان دیر کرنے کے چونکہ اس نے سچ کہہ دیا اور تصنع اور بناوٹ سے کام نہیں لیا اس واسطے اس غلطی پر نظر نہیں فرمائی۔ یہ شان عفو و کرم ہے اور بعضے چالاک و ہوشیار ہوتے ہیں کہ اپنے عیب کو ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ ان کی یہ حالت معلوم ہو جانا تو سہل ہے کہ یہ چالاک اور ہوشیار ہیں لیکن اصل حالت جس پر مدار بیعت ہے معلوم ہونا سہل نہیں۔ اور بعضے ایسے چالاک اور ہوشیار ہوتے ہیں کہ اپنی چالاکی اور ہوشیاری بھی چھپا سکتے ہیں۔ ظاہراً ایسے سیدھے بن جاتے ہیں کہ لوگ ان کو بیوقوف جانتے ہیں ان کی یہ حالت بھی معلوم ہونا مشکل ہے کہ یہ چالاک ہیں اور قلبی حالت معلوم کرنا تو عقدہ مالا ینحل ہے۔ منافقین نے حضرات انبیاء علیہم السلام جیسے مبصرین کو بھی دھوکہ دیدیا۔

ولا یرد علیه قوله تعالیٰ ولتعرفنهم فی لحن القول فانه مقید بلو نشاء لارینا کهم فحاصل الآیة ان معرفتک ایاهم مقید بمشیتنا فقد کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله وسلم یعرفهم و قد کان لا یعرف و کذلک اولاء الامة

شیخ کامل کی شناخت:۔ اور بعضے خود اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ ہم طالب اور مخلص ہیں اور واقع میں ان کی طلب صرف ہانڈی کا سا ابال ہوتی ہے کہ لحظہ بھر کے بعد کچھ بھی نہیں۔ یہ اکثر وہ لوگ ہیں جو سفر میں بیعت کے خواستگار ہوتے ہیں۔ یا ایک وعظ سن کر شیفتگی ظاہر کرتے ہیں۔ بعضے واقعی طالب اور مخلص ہوتے ہیں مگر کم ہمت ہوتے ہیں۔ ان کی ہمت کا اندازہ معلوم کرنے کے لئے بھی امتحان کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ تعلیم کا اندازہ ہمت کے اندازے پر موقوف ہے جیسے کہ یہ تمام حالتیں مختلف ہیں ایسے ہی امتحان کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ نہ حالتیں ضبط کے اندر آ سکتی ہیں نہ طرق امتحان۔ حضرت والا سفر کی بیعت کو تو بالکلیہ ناپسند فرماتے ہیں اور اکثر درخواست کنندوں سے فرما دیتے ہیں چند روز تھانہ بھون میں آ کر رہو الا یہ کہ پہلے سے حضرت والا کو اس کے حالات معلوم ہوں تو سفر میں بھی کبھی بیعت کر لیتے ہیں۔ اور کسی کو فرما دیتے ہیں دو مہینے تک تھانہ بھون آ کر رہو۔ تب بیعت کروں گا اور کسی سے

فرمادیتے ہیں اتنے عرصہ تک تھانہ بھون رہو تب میں جواب دوں گا کہ بیعت کروں گا یا نہیں اور کسی سے فرمایا بیس دفعہ میرے پاس آؤ تب بیعت کروں گا اور کسی سے چالیس دفعہ اور کسی سے بیس دفعہ خط لکھنے کی قید اور کسی سے چالیس دفعہ خط لکھنے کی اور کسی کو صاف انکار۔ کسی سے فرمادیتے ہیں چند روز تھانہ بھون رہو اس فوری جوش کا اعتبار نہیں۔ تم مجھے دیکھو اور میں تمہیں دیکھوں۔ اگر اس کے بعد حسن ظن ہو تو بیعت ہونا کبھی بذریعہ تحریر جانچ فرماتے ہیں مثلاً لکھ دیتے ہیں کہ میری کتابیں دیکھئے اگر اسکے بعد حسن ظن ہو تو ارادہ کیجئے کسی کو لکھ دیتے ہیں دور بیٹھے کیا ہو سکتا ہے۔ ہمت کر کے تھانہ بھون آیئے۔ غرض یہ سب اخلاص کی جانچ ہیں۔ بعض لوگ اس کو نخرہ اور بناوٹ اور دق کرنا سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ صرف ایک دفعہ کی درخواست سے منظور فرمالیتے ہیں۔ ایک دفعہ فرمایا بعضوں کو تو میرا قلب ایک ہی دفعہ میں قبول کر لیتا ہے اور بعضے بہت دن پیچھے پھرتے ہیں مگر میں کیا کروں دل ان سے ملتا ہی نہیں۔ سچ ہے استفت قلبک ولو افتاک المفتیون بعضوں کو بذریعہ تحریر ہی بیعت کر لیتے ہیں بعضوں پر اس سے بھی زیادہ شفقت فرمائی ہے۔

خارق عادت پر گرنا

ایک شخص[۱] نے عرض کیا کہ میں بیعت ہونا چاہتا ہوں اور تین صاحبوں کی طرف خیال ہے۔ شاہ محمد شیر صاحب پیلی بھیتی یا آپ یا ایک اور مشہور رسمی پیر۔ فرمایا میں تو کوئی چیز نہیں مگر تمہارے بھلے کے واسطے پوچھتا ہوں کہ تیسرا نام جو لیا ان کی طرف کیوں خیال ہوا۔ عرض کیا ان کی ایک کرامت مشہور ہے فرمایا میں نصیحتاً بتائے دیتا ہوں کہ کشف و کرامات پر مت گرنا جب تک کہ اتباع شریعت نہ دیکھ لو وہ پیر صاحب نماز نہیں پڑھتے ہیں اور اول اس فن کی کتابیں دیکھ لیجئے جن میں شیخ کامل کی علامات لکھی ہیں۔ بعد از اں کسی طرف رغبت کیجئے۔ نخرہ اور بناوٹ والا ایسا کب کر سکتا ہے۔ ہاں مصنوعی اور پیشہ ور پیروں کی طرح لپٹتے نہیں پھرتے ہیں۔ جیسے بعض اضلاع میں بعض پیروں کے قصے سنے کہ گاؤں گاؤں میں پہنچے اور اقسام اقسام کے جال پھیلا کر لوگوں کو پھانسا جو کوئی ان کے جال میں نہ آیا اس کے

---

[۱] میر محفوظ علی صاحب میرٹھی مرحوم ۱۲

پاس پہنچے اور کچھ شناسائی پیدا کر کے موقعہ دیکھ کر پوچھا کہ آپ بھی کسی سے بیعت ہیں یا نہیں۔ اگر جواب ملا کہ نہیں ہیں تو فرمایا پھر داخل سلسلہ ہو جایئے نا۔ زندگی اور موت کا کیا اعتبار۔ درکار خیر حاجت استخارہ نیست اگر اس پر بھی جواب خلاف مراد ملا تو کسی حیلہ سے پانی منگوایا اور ایک گھونٹ خود پی کر ان کو پلا دیا اور کہا بس بیعت ہوگئی۔ دیکھو اب فقیر کے خلاف نہ کرنا ورنہ مردود ہو جاؤ گے۔ بس اب سالانہ وفصلانہ واجب الادا ہو گیا۔ فصل پر آئے اور لے گئے۔ ایک صاحب نے بیعت سے اسلام کی بھی قید اڑا دی بلکہ باوجود سائل کے یہ کہنے کے کہ اگر اسلام اس کے لئے ضروری ہو تو میں تیار ہوں اس کو منع کر دیا اور فرماتے ہیں شیخ صاحب کہ لوگ کچھ بھی کہیں مگر میں اپنے اس جرم پر نادم نہیں ہوں اور احتجاج کیا حضرت سلطان الاولیا خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سے کہ میں ہر کس و ناکس کو داخل سلسلہ کر لیتا ہوں حالانکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ادنیٰ قابلیت بھی ہو تو میں گریز نہیں کرتا نہ یہ کہ اسلام تک کی قید نہ تھی بلکہ خواجہ صاحب سے تو یہاں تک منقول ہے کہ دو شخص بیعت ہونے آئے مسجد کے حوض کو کہنے لگے کہ اس سے فلاں حوض بہت بڑا ہے خواجہ صاحب نے فرمایا اس حوض کو ناپ کر آؤ۔ ناپا تو صرف ایک بالشت بڑا تھا فرمایا جب تمہیں اتنی احتیاط نہیں کہ بلا سوچے سمجھے بہت بڑا کہہ دیا تو میں تمہیں بیعت نہیں کرتا۔ یہ ایسا ہے جیسے حدیث میں ہے صلوا خلف کل بر و فاجر کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ امامت کے لئے اسلام بھی شرط نہیں۔

حضرت والا کے برتاؤ مریدین کے ساتھ:۔ حضرت والا کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ بروقت مرید ہونے کے نذرانہ اور مٹھائی کھٹائی کچھ نہ ہوتی کہ جہاں وعظ فرماتے ہیں وہاں بھی اس دن اور اس سے اگلے دن کھانا نہیں کھاتے۔ جو لوگ ہدایا پیش کرتے رہتے ہیں ان کو بھی ہدایت ہے کہ اس کا التزام مت کرو کہ جب آؤ کچھ ضرور لاؤ۔ اس سے صورت دیکھتے ہی خیال ہوتا ہے کہ کچھ لایا ہوگا۔ کبھی لاؤ اور کبھی مت لاؤ بلکہ کبھی یہاں سے لے جاؤ۔ بعض دفعہ فرمایا کہ لوگ میرے پاس آویں بسر و چشم مگر بیعت کی درخواست نہ کریں

(یعنی اصرار نہ کریں) تعلیم اس پر موقوف نہیں۔ اللہ کا نام سیکھیں بیعت میری رائے پر چھوڑ دیں مناسب سمجھوں گا بیعت کروں گا ورنہ نہیں۔ بعض دفعہ فرمایا جو کوئی مسئلہ پوچھے یا کوئی تعلیم چاہے میں حاضر ہوں۔ رہا بیعت کرنا سو وہ ایسا ہے جیسے کسی کو بیٹا بنا لینا کہ بہت ہی سوچ سمجھ کر ہو سکتا ہے۔

بیعت کے متعلق ایک خواب اور اس کا قصہ:

ایک قصہ جس کو حضرت والا نے بمقام میرٹھ صدر مکان حافظ فصیح الدین صاحب بیان فرمایا۔ بتاریخ ۷ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ بعد مغرب حضرت والا کی پھوپھی زاد بھائی کی پوتی بمقام ریاست بہاولپور رہتی ہیں۔ ان کا ارادہ ایک سال سے کسی سے بیعت ہونے کا تھا۔ فکر میں تھیں کس سے بیعت ہوں اور نہایت جوش تھا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نے رومال میں لپٹا ہوا ایک کاغذ دیا کہ یہ خواجہ صاحب اجمیری (قدس سرہ) نے تیرے پاس بھیجا ہے۔ انہوں نے خواب ہی میں اس کو کھول کر پڑھا تو اس میں ایک نظم سات آٹھ شعر کی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ جب تیرا ارادہ بیعت کا ہے اور شوق ہے تو تو حق تعالیٰ سے بیعت ہو گئی۔ شریعت کی پابند رہ یہی حاصل بیعت کا ہے اور اگر اس سے تیری تسلی نہ ہو تو مولوی عبداللہ سے پوچھ۔ آنکھ کھلی تو وہ نظم ان کو یاد تھی مگر حیرت میں تھیں کہ صرف نام بتلایا گیا ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب کون ہیں۔ انہوں نے وہ نظم اور سارا واقعہ حضرت والا کو لکھا (حضرت والا کا بیان ہے کہ نظم (افسوس ہے کہ وہ نظم محفوظ نہیں رہی) زیادہ شاعرانہ نہ تھی مگر معنی خیز تھی۔ ایک بیت میں یہ بھی تھا کہ وزن تھا مگر قافیہ نہ تھا۔ فرمایا حضرت والا نے اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ بتعمیل آیت **وما علمناه الشعر** قصداً قافیہ نہیں درست کیا گیا تا کہ خواب کے سچا ہونے کا ثبوت ہو اور یا وجہ یہ ہے کہ دیکھنے والے کو سہو ہو گیا اور ارجح احتمال اول ہے) حضرت والا نے بجواب اس کے تحریر فرمایا کہ مولوی عبداللہ صاحب یہاں مدرس ہیں اور مولوی صاحب کا ایک مضمون موسومہ حزب اللہ ارسال فرما دیا۔ (حزب اللہ میں بیعت اور قابلان بیعت سے بحث کی ہے)۔

بیعت کی حقیقت:

فرمایا حضرت والا نے اس خواب کے سچے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ طریقہ سلف کے موافق ہے کہ بیعت کی حقیقت اتباع شریعت ہے اور متعارف بیعت شرط لازم نہیں اور سچے ہونے کے موید یہ بھی ہے کہ نظم یاد رہی۔

بیعت ضروری ہے یا نہیں:

اس کی تحقیق کہ بیعت ضروری ہے یا نہیں مختصراً یہ[1] ہے کہ ایک حقیقت ہے بیعت کی اور ایک صورت ہے۔ حقیقت اس کی التزام اتباع کسی شیخ کا اور صورت اس کی یہی طریق متعارف۔ سو تجربہ سے حقیقت تو اس کی ضروری ہے مگر صورت اس کی ضروری نہیں بلکہ بعض کے لئے بعض اوقات مضر ہے کہ وہ عمل سے بے فکر ہو جاتے ہیں کہ اب تو بیعت ہو چکے پیر ذمہ دار ہو گئے۔ اب عمل کی کیا ضرورت ہے پس ان وجوہ سے بیعت لینے میں جلدی کو پسند نہیں کیا جاتا۔

شیخ کی مثال طبیب کی سی ہے:

شیخ کی مثال معالجہ امراض باطنی میں طبیب کی سی ہے کہ اُس کے پاس ہر مریض کا علاج جداگانہ ہوتا ہے کبھی دو مریضوں کیلئے نسخہ بالکل نہیں ہو سکتا۔ اس کا نتیجہ ایک تو یہ ہے کہ اس کی رائے میں کسی کو دخل دینے کا مجاز نہیں۔

طریق تربیت سے شیخ کی شناخت غلط ہے اور ذکر لطائف:

اور ایک نتیجہ یہ ہے کہ طریق تربیت سے اس کی شناخت نہیں کی جا سکتی کیونکہ ہر شخص کے لئے طریق تربیت جدا ہے اور بعض طرق بعض شیوخ کے نزدیک متروک ہیں جیسا کہ ایک صاحب نے ہمارے حضرت والا کی نسبت رائے قائم کی۔ چند روز تھانہ بھون میں رہے اور کبیدہ خاطر ہو کر چلے گئے اور لوگوں سے کہہ گئے کہ یہاں تو امارت ہے اور ذکر لطائف کا تو پتہ بھی نہیں۔ امارت شاید اس سے اخذ کی کہ حضرت والا مصنوعی پیروں کی طرح گیروا رنگ

---

[1] یہ تحقیق حضرت والا نے خود تحریر فرمائی ہے ۱۲

کے کپڑے نہیں پہنتے ہیں اور امیروں کو دور دبک نہیں کرتے (اس کیوجہ اس رسالہ میں کئی جگہ ذکر ہوئی ہے) اور ذکر لطائف کی نسبت ان کی بات ٹھیک ہے لیکن اتنی کوتاہی ہوئی کہ حضرت والا سے انہوں نے دریافت نہ کیا کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ یہی حضرت والا کو افسوس رہا کہ مجھ سے انہوں نے دریافت نہ کیا ورنہ میں سمجھا دیتا کہ ذکر لطائف بالقصد چھوڑا ہوا ہے۔ قطب عالم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ آج کل شغل لطائف حجاب عن المقصود ہے اور اس کی تفصیل مبسوط فرمائی پس یہ طریقہ شناخت کا غلط ہے جیسا کہ طبیب کی شناخت اس سے نہیں کی جاتی کہ یہ فصد کم کراتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ فعل باقتضاء زمانہ ہو۔ اب لوگوں میں اتنا خون نہیں ہے کہ ہر مرض میں فصد کرائی جاوے۔

شیخ کی شناخت:

طبیب کی شناخت کے طریقے یہ ہیں کہ کسی قابل اور مسلم استاد سے سند حاصل کی ہو اور مریض زیادہ تر اس کے ہاتھ سے شفایاب ہوتے ہوں۔ علاج میں ایسی غلطی نہ کرتا ہو جو اصول مسلمہ کے خلاف ہو۔ یہ تیسری شناخت عام لوگوں کے لئے کارآمد بھی نہیں۔ اس سے وہی کام لے سکتا ہے جو فن طب سے آشنا ہو۔ ہمارے حضرت والا تینوں شناخت سے بفضلہ تعالیٰ پورے ہیں۔ دنیا کے مسلم استاد قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے حضرت والا کی نسبت یہ الفاظ ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو درجات علیا عطا فرمائے اور فیض آپ کا ہمیشہ جاری رہے۔ (از مکتوبات امدادیہ مکتوب ۲۶) بخدمت فیضد رجت جامع الکمالات عزیزم مولوی محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم (مکتوب ۳۵ مکتوبات امدادیہ) بخدمت فیضد رجت عمدۃ السالکین نخبۃ الواصلین حضرت العالم الحافظ الحاج القاری شاہ اشرف علی تھانوی (مکتوب ۳۸ مکتوبات امدادیہ) نیز اس میں ہے اللہ تعالیٰ العزیز کو ترقی ظاہر و باطن عطا فرماوے و خلق اللہ کو مستفید بفوائد صوری و معنوی کرے آمین۔ ان شاء اللہ میں ہر وقت دعا کرتا ہوں کہ آپ سے خلقت کثیر کو فائدہ ہوگا۔ اور سلسلہ جاری رہے گا۔ اور مکتوبات ۳۹ میں ہے جو طالب ہو ان سب کو ذکر و اشغال بتانے کی

اجازت عامہ آپ کو ہے۔ اور مریضوں کے شفایاب ہونے کی یہ حالت ہے کہ صحبت اور تعلیم وتربیت اور با قاعدہ علاج تو دوسری چیز ہے صرف حضرت والا کی تحریریں دیکھ کر صدہا گمراہوں کو ہدایت ہوگئی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اقطار عالم سے لوگ کھنچے چلے آتے ہیں اور تیسری شناخت میں تو حضرت والا کو وہ کمال حاصل ہے کہ من ندیدم چوں تو ہرگز دلبرے۔ کسی مسئلہ مسلمہ میں خود غلطی کرنا تو چہ معنی دوسروں کو بھی غلطی سے بچالیا۔ کسی اہل طریقت نے اس عقدہ کو ایسا حل نہیں کیا کہ طریقت عین شریعت ہے جیسا کہ حضرت والا نے اس کو حل کیا ہے۔ کلید مثنوی اور عرفان حافظ شرح دیوان حافظ اور حضرت والا کے مواعظ اور جملہ تصنیفات اس کے شاہد ہیں۔

شیخ کی قدر و قیمت کیمیا گر کی سی ہے:

اور شیخ کی مثال بلحاظ قدر و قیمت کے بلاتشبیہ کیمیا گر کی سی ہے کیمیا گر خواہ لنگوٹہ بند ہو کیسے کیسے لوگ اس کے پیچھے پھرتے ہیں اور وہ کسی کو منہ نہیں لگاتا حالانکہ کیمیا کی اصلیت اس سے زیادہ نہیں کہ سونا چاندی بنانا جانتا ہے اور سونا چاندی کنکھر پتھر کی طرح فانی چیز ہے۔

فما ظنک بمن اعطاه الله قوة يحيى بها الاموات و يعمر بها الخرابات وينور بها الظلمات و يبدل بها السيئات بالحسنات و يجعل الفانيات باقيات

ترجمہ پھر کیا خیال ہے اس شخص کے ساتھ جس کو حق تعالیٰ نے وہ قوت دی ہے کہ اس سے مردوں کو زندہ کرتا ہے اور ویرانوں کو آباد کرتا ہے اور اندھیریوں کو منور کرتا ہے۔ اور سئیات کو حسنات کر دیتا ہے۔ اور فانی چیزوں کو باقی کر دیتا ہے حق تو یہ ہے کہ وہ دنیا میں کسی سے بات بھی نہ کرے تو بجا اور درست ہے لیکن وہ جتنا بڑا ہے اتنا ہی حق تعالیٰ کے سامنے بندہ ہے۔ اور حق تعالیٰ کا حکم اس کو یہ ہے۔

يتلوا عليهم اٰياته ويزكيهم و يعلمهم الكتاب و الحكمة اور **واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداوة والعشى يريدون وجهه ولاتعد عيناك عنهم** اور **ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداوة والعشى يريدون وجهه ما عليك من حسابهم من شيء و مامن حسابك عليهم من شيء فتطردهم فتكون من الظلمين**

ان احکام نے سب ناز نخرے اس کے مٹا دیئے ہیں اور وہ حق تعالیٰ کے حکم سے طالبین کے درمیان ایک انہیں جیسا انسان بنا ہوا ہے ورنہ جو کچھ وہ نخرہ کرتا کم تھا مگر طالبین کو بھی یہ حکم خداوندی یاد رکھنا چاہئے۔

لتومنوا باللّٰہ و رسولہ و تعزروہ و توقروہ اور النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم

شیخ سے تکمیل ایمان کی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ تعظیم و ادب کا اور اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھنے کا بھی حکم ہے

کس نتاند برداز رہ ناقلے	اندر آدر سایہ آں عاقلے
سرپیچ از طاعت او ہیچ گاہ	پس تقرب جو بدو سوئے الٰہ
دیدۂ ہر کو ررا روشن کند	زانکہ او ہر خار را گلشن کند

تہجد میں کسی سورت کی قید نہیں بعض نوافل میں سورتوں کی قید:

(۲) قولہ قل ہواللہ کی قید نہیں۔ یہ اس غلطی کی اصلاح ہے کہ بعض جاہل تہجد میں ہر رکعت میں قل ہواللہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ کسی نماز میں بھی کسی صورت کی تعیین کرنا مکروہ ہے الا آنکہ شریعت میں منصوص ہے جیسے صلوٰۃ قوت حافظہ میں سورہ یاسین اور سورہ ملک اور سورہ حم الم سجدہ اور سورہ دخان کی تعیین آئی ہے۔

بعض بزرگان دین سے تعیین سورت منقول:

اور جو بعض بزرگوں سے کوئی نماز کسی حاجت کے لئے منقول ہے اور اس میں سورۃ کی بھی تعیین ہے تو باعتبار عمل ہونے کے یعنی وہ از قبیل عملیات ہے اس حاجت کے پورا ہونے کے لئے ثواب سمجھ کر تعیین نہ کرے کہ یہ بدعت ہے۔

ذکر جہری کی حد:

(۳) قولہ اتنا جہر نہ ہو کہ پاس کے لوگ جاگ اٹھیں کیونکہ ایذا ہے اور اتنا جہر ریا وسمعہ سے بھی کم خالی ہوتا ہے۔ حدیث و قرآن میں نماز میں بھی اتنا جہر منع آیا ہے۔

نیز جہر سے غرض زیادتی اثر اور قلب کا ذکر ہی کی طرف متوجہ ہو جانا ہے۔ اور یہ ذکر خفی کی نسبت سے ذکر جہری میں زیادہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ کان سے بھی ذکر ہی کی آواز پہنچتی ہے نیز کان بوجہ مشغولی فی الذکر کے دوسری طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تو ہمہ تن مستغرق فی الذکر ہو جاتا ہے اور یہ اسی وقت تک ہے کہ جہر اتنا نہ کیا جائے جو خود باعث مشغولی ہو جسے بالقصد و بتکلف چیخنا کہا جاوے۔

عادت میں معمول مقرر کرنا:

(۴) قولہ۔ جو کوئی جمعہ کے دن آوے گا وہ میرا مہمان نہیں عادات اور معمولات میں کچھ قواعد مقرر کرنے میں حرج نہیں۔ بشرطیکہ دوسرے کی ایذاء یا تحقیر یا اپنی ترفع کی حد تک نہ پہنچے۔ علامت اس کی یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص بھی وہ قواعد مقرر کرے اور اس کے ساتھ وہی برتاؤ کرے تو اس کو ناگوار نہ ہو۔

دربان مقرر کرنا:

جیسے دروازہ پر دربان رکھنا رسم شرعی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارک پر بھی رہتا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اس کے پابند تھے۔ کسی ادنیٰ شخص کے یہاں بھی بلا استیذان تشریف نہ لے جاتے۔ حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سچے جانثار اور حضور کو سر و دیدہ پر بٹھانے والے تھے۔ محب کے لئے اس سے زیادہ کیا دولت ہو سکتی ہے کہ محبوب اس کے گھر پر کرم فرماوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کی عادت تھی کہ جب مہمان زیادہ آ جاتے تو آپس میں بانٹ لیتے۔ اس سے حضرت والا کے خاص اس قاعدہ کی تائید ہوتی ہے کہ جمعہ کے دن کھانا نہ کھلاویں گے کیونکہ علت مشترک ہے۔ یعنی تکلیف مالایطاق سے بچنا۔ دوسرے حنیف وہ ہے۔

من جاء لیزورک نہ من جاء لحاجۃ نفسہ

کہ وہ ابن السبیل ہے اس کے عدم استطاعت کے وقت اس کا حق سب پر یکساں ہے۔

شجرہ پڑھنے کے فوائد

مصنوعی پیروں کے شجرہ کی رسم:

(۵) قولہ شجرہ کبھی کبھی سن لیا کرنا ''لفظ کبھی کبھی'' اس غلطی کی اصلاح ہے جو مصنوعی پیروں میں شائع ہے کہ شجرہ کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ راقم نے ایک سیاح فقیر کو دیکھا کہ ہزاروں شجرے جمع کئے تھے اور بڑے اہتمام سے خوشخط لکھوائے تھے۔ جس شہر میں پہنچتے وہاں کے درویشوں سے مل کر یہی درخواست ہوتی تھی کہ شجرہ عنایت کیجئے اور فخر یہ کہتے تھے کہ میرے پاس اتنے شجرے ہیں کہ کم کسی کے پاس نکلیں گے۔ اصل یہ ہے کہ غایت عظمٰی اور مقصود اصلی اہل اللہ کے تعلق سے اصلاح نفس ہے اور وہ ان کی اطاعت اور امتثال امر سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ صرف نام لینے سے ۔نام منافقین بھی لیتے تھے۔ نشهد انک رسول الله مگر وارد ان کے حق میں یہی ہے۔

استغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم

صرف نام لینا ایسا ہے جیسے لڈو کا نام چپنا کہ ساری عمر بھی گزر جائے تو نام جپنے سے منہ میٹھا ایک دفعہ بھی نہ ہوگا۔ ہاں اطاعت و امتثال ہو اور کبھی زبان سے نام بھی لیا جاوے تو برکت سے خالی نہیں ۔ یہ ان لوگوں کے نام ہیں جن کے ریاضت و مجاہدات اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ زہد و فنا گویا ان کا جزو ماہیت بلکہ عین ماہیت بن گیا تھا ان کے نام سے نفس و شیطان ایسا بھاگتا ہے جیسے سلطان خاں ایک شکاری تھا کہ بھیڑیئے کثرت سے مارا کرتا تھا حتیٰ کہ اس کے نام میں یہ اثر ہو گیا تھا کہ جنگل میں بھیڑیے نے بکری پکڑی اور کسی نے کہہ دیا سلطان خان دوڑنا اور بھیڑیا بکری کو چھوڑ کر چلتا بنا۔

شجرہ پڑھنے کا ایک خاص اثر:۔ ایک شخص کا تجربہ ہے کہ جب خطرات اور دنیا قلب پر ہجوم کرتے اور کسی علاج سے نفع نہ ہوتا تو شجرہ پڑھنے سے نفع ہوتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ دنیا سے گھن آنے لگی۔

شہدائے بدر کے نام سے دعا کا قبول ہونا:۔ یہی ہے اصل شہداء بدر کے اسماء سے کشف حاجت ہونے کی کہ وہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سب سے اول جانوں کو حق تعالیٰ کی راہ میں قربان

کیا۔خدائے تعالیٰ ان کے نام کی برکت سے دوسروں کی بھی حاجات پوری فرماتے ہیں۔

بمقتضائے کن لی اکن لک. ومن ذاالذی یقرض اللّٰہ قرضا حسنا فیضاعفہ لہ اضعافا کثیرۃ

ترجمہ:۔تو میرا ہو جا میں تیرا ہو جاؤں گا۔کون ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دے کہ اللہ اس کو اضعاف مضاعفہ بڑھاوے۔

پیران سلسلہ کو خطاب کر کے حاجت مانگنا شرک:۔شجرہ کے متعلق ایک غلطی یہ ہے کہ بعض جاہل اجہل ان بزرگوں کو خطاب کر کے التجا کرتے ہیں یہ جائز نہیں۔

قل اللّٰہ ینجیکم منہا و من کل کرب.

بصیغہ حصر فرمایا گیا ہے ترجمہ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی نجات دیتا ہے تم کو مصیبت معلوم سے اور ہر مصیبت سے۔

مجلس چہلم (۴۰)

اہل اللہ اور اہل دنیا کی عزت میں فرق۔لارڈ کرزن کا ایک قول:۔ایک خان صاحب (ان کا ذکر حکمت چہل و دوم میں بھی ہے) عبداللہ خان نام خواجہ ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھانہ بھون میں کوتوال تھے۔ان کی کھتولی ضلع مظفر نگر کو تبدیلی ہوئی۔وہ کھتولی کو روانہ ہوئے اور دو چار دن کے واسطے اہل وعیال کو تھانہ بھون چھوڑ گئے۔ان کے جاتے ہی مکان میں چوری ہوئی اور بہت نقصان ہوا۔حضرت والا ان کے گھر تسلی دینے کے لئے تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو فرمایا حکومت دنیا کی یہ اصلیت ہے کل ان سے تمام شہر ڈرتا تھا اور آج ان کا مال ومتاع سب لے گئے اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکے۔تھانہ والے ضابطہ کی تحقیقات کر رہے ہیں ان کا اختیار ہوتا تو چوری نکال ہی لیتے۔اور اہل اللہ کی حکومت کی دیکھئے کہ کسی سیاح یورپین نے ولایت میں جا کر کہا کہ ہم نے ہندوستان میں ایک مردہ ایسا دیکھا جو سلطنت کر رہا ہے (کنایہ ہے حضرت خواجہ اجمیری قدس سرہ)

اکبر بادشاہ کا پیدل اجمیر جانا:

اکبر بادشاہ باوجود آزاد خیال ہونے کے دو دفعہ آگرہ سے اجمیر پیدل گیا۔دین ت

آدمی کو دائمی عزت حاصل ہوتی ہے۔

اورنگ زیب کے مقبرہ کی عظمت:

اورنگ زیب کا مقبرہ اور بادشاہوں کی طرح نہیں بنایا گیا ہے۔قبر پکی بھی نہیں کچی ہے مگر اب تک ایسی عظمت ہے کہ جو کوئی جاتا ہے اسی طرح حاضری ہوتی ہے جیسے زندگی میں ہوتی تھی حتیٰ کہ حکام بھی جاتے ہیں تو مجاور ان کو حضوری کے آداب تسلیم و تعظیم سکھلاتے ہیں اور دور کھڑے کیئے جاتے ہیں گویا اب بادشاہ دربار میں موجود ہے یہ سب اس کا اثر ہے کہ اورنگ زیب عالم اور متشرع تھا۔

تورع کا اثر مرنے کے بعد قطب صاحب کا اثر:

تورع کا اثر بعد مرنے کے بھی رہتا ہے ہم نے خوجہ قطب الدین صاحب بختیار کا کی رحمۃ اللہ کے مزار کو دیکھا کہ نہ عمارت ہے نہ شان ہے نہ گنبد ہے بالکل کچی عام لوگوں کی سی قبر ہے اور عورتیں وہاں نہیں جاتیں میں نے مجاوروں سے پوچھا کہ نہ یہ مزار بزرگی کی طرح شاندار ہے اور نہ عورتیں یہاں آتی ہیں اس کی کیا وجہ۔کہا خواجہ صاحب اتباع شریعت میں بڑے کامل تھے۔

شاہ نجات اللہ صاحب کے مزار اور ایک قوال کا واقعہ:

اور نقل کیا حضرت نے کہ کرسی ضلع لکھنو میں مولوی صادق الیقین صاحب کے پردادا شاہ نجات اللہ صاحب کا مزار ہے شاہ صاحب بڑے محتاط اور متورع عالم تھے۔اب مزار پر عرس ہوتا ہے جس میں قرآن خوانی ہوتی ہے پھر مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے اور کچھ شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔(یہ تو پیرزادوں کی طبیعت میں داخل ہیں) مگر سماع اور قوالی بالکل نہیں ہوتی۔حتیٰ کہ ایک دفعہ لوگوں کو یہ بھی سوجھی اور مزار کے لئے اس کا سامان کیا ایک قوال کو بلایا۔جب وہ مزار کے قریب ایک گاؤں میں پہنچا تو پیٹ میں شدت کا درد پیدا ہوا ایسا کہ تڑپ گیا لوگوں نے علاج کیا مگر اس کو آرام نہیں ہوا کسی اہل دل نے کہا (یہ الہامی بات تھی) دوا علاج کو چھوڑ دیہ مرض اس کا نتیجہ ہے کہ مزار پر قوالی کا ارادہ کیا ہے۔اس سے سب لوگ توبہ

کرو۔ چنانچہ سب نے توبہ کی اور وہ قوال اچھا ہو گیا۔ شاہ نجات اللہ صاحب حضرت سید احمد صاحب سے ملے ہیں۔ سید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بہت قوی نسبت رکھتے ہیں۔

شاہ شمس الدین صاحب ترک کے مزار پر قوالی نہیں ہوتی:

فرمایا حضرت والا نے ہمارے مشائخ میں سے ایک بزرگ ہیں شیخ شمس الدین ترک قدس سرہ۔ آپ کے مزار پر بھی سماع نہیں ہوتا۔ پیرزادے بھی سمجھتے ہیں کہ متصلب فی الشریعۃ تھے۔ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۲ء در سہ دری خود در مدرسہ وقت چاشت روز جمعہ

فوائد نتائج (۱) عبداللہ خان صاحب کی والدہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے بیعت ہیں اور نہایت صالحہ ہیں اس وجہ سے حضرت والا کو ان کا بہت پاس تھا اور عبداللہ خان صاحب بذات خاص بھی اس قدر اہل اور صاحب خلوص ہیں کہ جب سے تھانہ بھون کی کوتوالی میں آئے تھے کہا کرتے تھے کہ میں تھانہ بھون کے کتے کو بھی ناحق نہ ستاؤں گا۔ یہاں کے درودیوار کی بھی عزت میرے دل میں ہے۔ حضرت والا سے ایسے مراسم انہوں نے پیدا کر لئے تھے کہ حضرت والا ان کے گھر کو اپنا گھر سمجھتے تھے۔ اس چوری کی خبر کرنے کے لئے حضرت والا نے اپنے خادم نیاز خاں کو کھتولی بھیجا۔

پیر بھائیوں کے ساتھ برتاؤ:

حضرت والا نے اپنے پیر بھائیوں کے ساتھ صرف اخلاق ہی سے نہیں پیش آتے بلکہ ان کا ادب کرتے ہیں۔ راقم نے دیکھا ہے کہ کانپور میں ایک شخص آیا کرتے تھے جو عالم نہ تھے مگر حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز سے بیعت تھے۔ حضرت والا ان کے واسطے کھڑے ہو جاتے اور تکیہ پر جگہ دیتے۔ اسی طرح تھانہ بھون میں ایک جن جی تھیں کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے بیعت تھیں۔ وہ جب چاہتیں حضرت والا سے کچھ پوچھنے چلی آتیں اور بہت بہت دیر تک حضرت والا کے تمام کام روک دیتیں حضرت والا کبھی چیں بچیں نہ ہوتے۔ اس کا ماخذ وہ حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ باپ کے ساتھ حسن ادب میں یہ بھی داخل ہے کہ باپ کے ملنے والوں کا بھی ادب کیا جاوے۔ باشتراک علت باپ سے ہر

بڑے کی طرف یہ حکم متعدی ہے۔ خصوصاً شیخ کی طرف کہ وہ روحانی باپ ہونے کی وجہ سے جسمانی باپ سے کم نہیں۔ حضرت والا کے اس فعل میں تعلیم ہے کہ ایک خاندان کے مریدین کو آپس میں کسی کو خلافت وشہرت حاصل ہو جانے سے تواضع نہ چھوڑنا چاہئے۔

مگو پائے عزت برافلاک نہ   بگو رئے اخلاص برخاک نہ

دنیا کے واقعات سے دینی سبق لینا:

(۲) دنیاوی واقعات سے دینی سبق لینا چاہئے۔

اولم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا اواذان یسمعون بھا

ترجمہ: کیا نہیں سیر کی انہوں نے زمین میں کہ ان کے دل ہو جاتے جن سے سمجھتے یا کان ہو جاتے جن سے سنتے۔ وغیرہا من الآیات والاحادیث التی لاتحصے

مجلس چہل ویکم (۴۱)

فلسفہ کی تعلیم کا مرتبہ:

تعلیم وفلسفہ کا ذکر ہوا تو حضرت والا نے فرمایا کہ میں نے بھی فلسفہ کی کتابیں پڑھی ہیں مگر کبھی ان پر بسم اللہ نہیں کہی۔ بلکہ اعوذ باللہ پڑھ لیا کرتا تھا اور نہ کبھی دل لگا کر فلسفہ کو پڑھا۔ ایک آلی علم سمجھ کر پڑھا بعض لوگ کہتے ہیں بڑا مشکل علم ہے اور کاموں کو چھوڑ کر پڑھا جاوے تب آتا ہے میں نے تو ہمیشہ اسی طرح پڑھا۔ مجھے تو کچھ مشکل معلوم نہیں ہوا۔ بہتوں کو پڑھا بھی دیا ایک شخص نے عرض کیا فلسفہ کارآمد چیز تو ضرور ہے۔ فرمایا ہاں عمق نظر اور دقت فکر اس سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک طالب علم فلسفہ جانتا ہو اور ایک نہ جانتا ہو تو دونوں میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ فلسفہ دان کو سمجھانے میں بہت سہولت ہوتی ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ کا فلسفہ سے منع کرنا اور مولانا محمد یعقوب صاحب کا اجازت دینا:۔ ایک بار حضرت گنگوہی قدس سرہ نے دیوبند کے نصاب سے بعض کتب فلسفہ کو خارج فرمایا تو بعض طلبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے شکایت کرنے لگے کہ حضرت نے فلسفہ کو حرام کر دیا۔ فرمایا ہرگز نہیں حضرت نے نہیں حرام کیا بلکہ تمہاری طبیعتوں نے حرام کیا

ہے۔ ہم تو پڑھاتے ہیں اور ہم کو تو یہ امید ہے کہ جیسے بخاری اور مسلم کے پڑھنے میں ہم کو ثواب ملتا ہے ایسے ہی فلسفہ کے پڑھنے میں بھی ملے گا ہم اعانت فی الدین کی وجہ سے فلسفہ کو پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ درسہ دری خود در مدرسہ وقت چاشت روز جمعہ

فوائد ونتائج

(۱) علمائے ربانی کو فلسفہ بہت آسان ہے:

یہ تو ظاہر اور مسلم ہے کہ فلسفہ علم اسلامی نہیں علم کفار اور مجموعہ اباطیل اور مضر ہے۔ لیکن الضرورت تبیح المحظورات کے قاعدے سے اگر بضرورت تدقیق نظر و تسہیل رد ان اباطیل کے پڑھا جاوے تو مضائقہ نہیں اور جہاں یہ نہ پایا جاوے تو حکم اصلی یعنی اس کی تعلیم خلاف اسلام اور حرام ہونا لوٹ آوے گا۔ مثال اس کی سنکھیا کا کھانا ہے کہ خطرناک چیز ہے مگر علت خطر اس کی سمیت ہے اگر سمیت سے حفاظت ہو سکے تو کھانے میں کچھ بھی حرج نہیں۔ اور اگر کسی مریض کا علاج ہو تو اس کے لئے اس کا کھانا اسی درجہ میں ہوگا جس درجہ میں گلاب اور کیوڑہ اور مشک اور زعفران کا کھانا مقتضائے احتیاط اور مقتضائے فطرت سلیمہ یہی ہے کہ اس سے بچے اور ماہر طبیب اس کو استعمال کرتے ہی ہیں اس مثال سے حضرت والا کا زمانہ طالب علمی میں فلسفہ پر بسم اللہ نہ کہنا اور حضرت علامہ گنگوہی قدس سرہ کا بعض طالب علموں کو فلسفہ سے منع کرنا اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلیم فلسفہ دیگر تعلیموں کے برابر کردینا بالکل صاف ہو گیا کسی پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔

علماء ربانی کو فلسفہ بہت آسان ہے: قولہ۔ مجھے تو کچھ مشکل معلوم نہیں ہوا فلسفہ مشکل ان لوگوں کے واسطے ہے جن کی غایت معراج الفاظ ہی ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو دولت عرفان حاصل نہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے۔ پائے استدلالیاں چوبیں بود۔ باقی جن پر معانی منکشف ہوں وہ الفاظ کو کیا مشکل سمجھیں گے۔ عارف اور ان میں وہ فرق ہے جو ان دو شخصوں میں ہے کہ ایک آفتاب کو دیکھنے والا اور دکھانے والا ہے اور ایک سنے سنائے الفاظ سے سمجھنے والا اور الفاظ ہی سے اس کا فوٹو کھینچ کر دوسرے کو سمجھانے والا ہے کہ اگر ساری عمر

بھی اپنی خرچ کر دے اور عمدہ سے عمدہ الفاظ رکھتا ہو تب بھی اتنا انکشاف آفتاب کا نہیں ہو سکتا جتنا ایک نظر آفتاب پر ڈالنے سے ہو سکتا ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب　　گر دلیلے بایدت زور و متاب

عارف کی نسبت خود فلسفہ کا قول ہے کہ کسانیکہ من عند اللہ موید بنفوس قدسیہ باشند اوشان در ادراک حقائق محتاج بنظر و فکر نباشند

حضرت حاجی صاحب فلسفی نہ تھے مگر آپ کے کلام کو فلسفی سمجھ بھی نہیں سکتے:۔ قطب العالم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فلسفہ داں نہ تھے۔ نہ درسیات کے بڑے متبحر عالم تھے لیکن ایک ایک جملہ جو زبان مبارک سے نکلتا تھا حقائق کا عطر ہوتا تھا (چنانچہ بعض جملے آگے آتے ہیں) حضرت قدس سرہ کی ایک چھوٹی سی تحریر رسالہ وحدۃ الوجود اب موجود ہے کہ فلسفی سر پٹخ کر مر جاویں تو اس جیسی تحقیق کرنا تو درکنار اس کو سمجھ بھی نہیں سکیں گے۔

فلسفی از عقل باشد راز او　　زاں نباشد معرفت دمساز او

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی فلسفی نہ تھے مگر حضورؐ کے غلام فلسفہ کے منہ پر تھوکتے ہیں:۔ خود اعرف العارفین سید السادات حضرت خاتم الانبیاء علیہ افضل الصلوٰت والتحیات نہ فلسفی تھے نہ عالم بلکہ حضور امی تھے مگر حضورؐ نے فلسفوں کے اغلاط رائے العین دکھلا دیئے۔

یتیمے کہ نا کردہ قرآں درست　　کتب خانہ چند ملت بشست

حضورؐ کے غلاموں کے غلام اور اطفال مکتب فلسفہ پر ہنستے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے تصرفات کو عقل عاشر کے تصرفات سے کم مانتا ہے۔ عقل عاشر الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد کی زنجیر کو توڑنے کی طاقت رکھتی ہے اور نعوذ باللہ خدائے عظیم نہیں رکھتا جو فلسفہ کی غلطیاں پکڑتے ہیں وہ فلسفہ کو مشکل کیا سمجھیں گے۔ مثنوی معنوی میں ہے

بحث عقلی گردر و مرجاں بود　　آں دگر باشد کہ بحث جاں بود
بحث جاں اندر مقام دیگر است　　بادۂ جاں راقوامے دیگر است
بحث عقل و حس اثر داں یا سبب　　بحث جانے یا عجب یا بوالعجب
ضوء جاں آمد نماند اے مستضی　　لازم و ملزوم نافی مقتضی

زانکہ بینائی نورش بازغ است از عصا و از عصا کش فارغ است

فاضل بجنوری مولوی حکیم رحیم اللہ صاحب ہدیۃ المنکرین تحریر فرماتے ہیں

ہست بس کوتاہ عقل فلسفی ہر کہ نازو بر چنیں است اوعوی

او ہمی بیند خزف راگوہرے داندادعین عرض راجوہرے

اہل دیں خوانند آں رابے خرد کز یقین وہم و گمانے راخرد

مجلس چہل ودوم (۴۲)

حضرت والا کا عام وخاص وقت: حضرت والا نے عصر کے بعد سے مغرب تک کا وقت لوگوں سے بات چیت کرنے کے لئے دے رکھا ہے۔ اس وقت وہ بات چیت ہوتی ہیں جن کے لئے تخلیہ کی ضرورت نہیں۔ یہ وقت بالقصد اسی واسطے خالی رکھا گیا ہے۔ ذرا دیر کے واسطے فتاویٰ کی نقل مقابلہ کے لئے آجاتی ہے یا ایک لڑکا تھوڑا قرآن شریف سناتا ہے۔ پھر اگر باہر کے مہمان یا شہر کے لوگ یا طلبہ بیٹھ جاتے ہیں اور کوئی بات چھڑ جاتی ہے تو حضرت والا مغرب تک نہیں اٹھتے اکثر مصلے ہی پر بیٹھے رہتے ہیں اور اگر کوئی نہیں ہوتا تو مکان پر تشریف لے جاتے ہیں اور مغرب کے وقت پھر تشریف لے آتے ہیں اور مغرب کے بعد کا وقت تخلیہ کے لئے دیا ہوا ہے۔ جس کو کچھ تخلیہ میں کہنا ہو وہ اپنا نام لکھ کر عصر کے بعد مصلے پر رکھ دیتا ہے یا حضرت والا کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ حضرت والا اس کو دیکھ کر بعد فراغ از نماز مغرب واوراد حسب موقعہ ومحل ایک ایک کو بلا کر بات کرتے ہیں پھر عشاء کی نماز تک سوائے کھانا کھانے کے اور کوئی کام نہیں کرتے۔ ایک روز حسب معمول بعد نماز عصر مصلے پر تشریف فرما تھے۔ قراءۃ سیکھنے والا لڑکا محمد عمر نام حسب معمول حاضر ہوا اور سامنے بیٹھ کر قرآن شریف شروع کیا۔ اس کے آس پاس اور لوگ بیٹھ گئے ایک اور طالب علم کو جو عرصہ دراز سے مدرسہ میں تھے اجازت تھی کہ ساعت کیا کریں۔

تہذیب مجلس:

وہ بھی قرآن شریف لے کر حاضر ہوئے اور محمد عمر کے پاس پہنچنے کے لئے مجمع میں گھسنا

چاہا تو حضرت والا نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا تم کو اتنے دن یہاں ہوئے مگر اب تک اس سے آشنا نہیں ہوئے کہ دین کیا چیز ہے۔ بہت سی کتابیں پڑھ لینے یا وظیفے گھونٹنے کا نام دین نہیں ہے۔ دین میں اصلاح عادات بھی داخل ہے اور اسی کو تہذیب بھی کہتے ہیں لوگوں کی گردنیں پھلانگنا کس نے بتایا ہے۔ تم تو سامع ہو آواز دور تک پہنچتی ہے جہاں جگہ ملی وہیں کیوں نہیں بیٹھ گئے اور پاس ہی بیٹھنے کا شوق تھا تو پہلے سے آئے ہوتے۔ جاؤ یہاں سے اٹھ جاؤ جب تک تہذیب نہ سیکھ لو ہمارے پاس مت آؤ۔ آڑ میں بیٹھو اور وہیں سے سنو۔ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ روز جمعہ بر مصلے بعد عصر

فوائد ونتائج

(۱) ہر ہر بات پر نظر رکھنا کمال تربیت ہے:

کمال تربیت یہی ہے کہ چھوٹی بڑی سب باتوں پر نظر ہو۔ اس کا ماخذ کہ ہر بات کا اہتمام ہو یہ آیت ہے۔

یایھا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا الآیہ

ترجمہ:۔ اے ایمان والو جب تم سے مجلس میں جگہ دینے کو کہا جاوے تو جگہ دو یعنی مجلس میں جگہ کم ہو اور لوگ زیادہ آجاویں تو دبکر بیٹھ جاؤ یہ ایسی معمولی بات ہے کہ بقول اہل فطرت زمانہ خود تعلیم کر لیتا ہے مگر حق تعالیٰ نے ایک آیت شدومد کے ساتھ اس کے لئے اتاری۔

(۲) دین اصلاح عادات کا نام ہے:۔ قولہ دین میں اصلاح عادات بھی داخل ہے۔ یہ بعینہ اس حدیث کا ترجمہ ہے **انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق** یعنی میں صرف اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ عادات کی تکمیل کردوں۔ معلوم ہوا کہ اصلاح عادات بھی دین کا بڑا جزو ہے۔ اس مضمون کی آیات واحادیث بہت ہیں اور لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر جانا بالتصریح حدیث جمعہ میں منع آیا ہے باوجود صف اول کی فضیلت کے اور جہاں یہ فضیلت بھی نہ ہو وہاں کا حکم تو ظاہر ہے۔

مجلس چہل و سوم (۴۳)

ذکر کی تعلیم:

ایک طالب علم نے ذکر شروع کرنا چاہا تو تعلیم فرمایا کہ تہجد کا التزام کرو۔ بہتر آخر شب میں ہے اگر نہ ہو سکے تو عشاء کے بعد ہی اور اکثری عادت آٹھ رکعت کی رکھنی چاہئے اور اس سے کمی زیادتی مقتضائے وقت و موقع پر ہے۔ بعد تہجد کے اسم ذات کم از کم ایک ہزار بار اور زیادہ سے زیادہ تین ہزار بار کا ورد کرو پھر صبح کی نماز کے بعد اپنے معمولات سے فارغ ہونے کے بعد بھی اسی قدر پھر ظہر کے بعد ایک ہزار بار اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرے لا الہ الا اللہ پڑھتے رہو اور کبھی محمد رسول اللہ بھی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور کتاب دیکھنا بالکل چھوڑ دو بس ہر وقت ذکر ہی سے دھیان رکھو۔ دوسرے اشغال جتنے بھی ہو سکے کم کردو کیونکہ کثرت اشغال مبتدی کے لئے مضر ہے۔ پھر حالات مجھ سے کہتے رہو۔ جو بات چھپانے کی نہ ہو عصر کے بعد مجمع میں کہہ لو اور جو بات چھپانے کی ہو وہ بعد مغرب کہو یہ دونوں وقت انہیں دونوں کاموں کے لئے مقرر ہیں۔ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ بعد مغرب روز جمعہ

فوائد و نتائج

قصہ افراط ذکر:

جیسے علاج امراض جسمانی میں اعتدال شرط ہے اور افراط و تفریط مضر ہوتی ہے ایسے ہی ذکر میں بھی جو معالجہ امراض باطنی ہے افراط و تفریط مضر ہے۔ تحمل قلب اور تحمل قوائے جسمانی کی رعایت ضرور ہے۔ اس واسطے زائد سے زائد کی بھی تحدید حضرت والا نے فرما دی۔ ایک مولوی صاحب کا قصہ ہے کہ انہوں نے بتعلیم حضرت امام ربانی محدث گنگوہی قدس سرہ ذکر شروع کیا اور حضرت کی تعلیم سے بہت زیادہ بڑھا دیا۔ حتیٰ کہ کھانے پینے کی بھی پروا نہ کی۔ اس سے ان کو محسوس ہوا کہ پرندوں کی بولی میں سمجھتا ہوں۔ بہت خوش ہوئے اور حضرت سے بذریعہ تحریر عرض کیا کہ مجھے ایک علم جلیل منکشف ہوا ہے کہ پرندوں کی بولی سمجھ میں آنے لگی۔ حضرت نے فرمایا معلوم ہوتا ہے آپ نے ذکر میں زیادتی کر دی فورا

ذکر کو چھوڑ دو اور راحت وسکون اختیار کرو اور کسی طبیب کے مشورہ سے دماغ کی اصلاح کرو۔ یہ علم نہیں ہے فساد دماغ اور مادہ مالیخولیا ہے مولوی صاحب نے لکھا آپ نے غور نہیں فرمایا یہ تشخیص آپ کی صحیح نہیں ہے مجھے ایک بڑا علم عطا ہوا ہے اور اور ہونا چاہتا ہے۔ فرمایا تم پچھتاؤ گے مولوی صاحب نے اپنے ذہن میں ایک نہ سنی اور زیادتی کی حتیٰ کہ جنون ہو گیا۔ ایسے ہی ہمارے حضرت والا نے ایک چلہ کش کو ایک مقدار معین کے ساتھ ذکر بتایا ان کو لذت زیادہ محسوس ہوئی اور مقدار کا خیال نہ رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک روز پاگلوں کی طرح بکتے بہکتے آنکھیں سرخ معتکف سے باہر نکل کھڑے ہوئے کہ ہائے مرا ہائے مرا۔ حضرت والا نے ان پر ٹھنڈا پانی بمقدار کثیر چھوڑوایا تب سکون ہوا تو ہدایت فرمائی کہ اب چند روز کے لئے ذکر بالکل چھوڑ دو ورنہ یاد رکھو کہ پاگل ہو جاؤ گے۔ حضرت والا کو بحمد اللہ طالب کے تحمل کا اندازہ کرنے کا ملکہ ایسا حاصل ہے کہ اس کی نظیر کم مل سکتی ہے۔ بعضوں کو بہت زیادہ ذکر تعلیم فرماتے ہیں اور بعضوں کو بہت کم حتیٰ کہ صرف پانچسو بار ذکر اسم ذات پر اکتفا فرمائی۔

مجلس چہل و چہارم (۴۴)

پرانے اور نئے فلسفہ کا فرق:۔ حضرت والا عصر کے بعد حسب معمول مصلے پر تشریف فرما تھے اور اہل شہر کا مجمع تھا چند مہمان بھی تھے۔ مختلف مضامین پر بات چیت ہوتی رہی اور حاجی صاحب قدس سرہ کا ذکر آیا تو بہت دیر تک آپ کے مناقب ومحامد وحکایات وواقعات اور علمی تحقیقات نقل فرمائیں۔ ان مضامین میں سے ایک یہ تھا کہ فلسفہ پر لوگ بہت دلدادہ ہیں پرانا فلسفہ تو کچھ تھا بھی جہاں تک عقل کی رسائی ہو سکتی ہے وہاں تک وہ لوگ پہنچے۔ جب عقل کو اپنی حد سے بڑھا دیا تو ٹھوکریں کھائیں۔ وہاں ایک رہبر کی ضرورت تھی اس کے ساتھ چلتے تو بہت کچھ حاصل ہوتا وہ رہبر وحی ہے مگر وہ اس دھوکہ میں رہے کہ عقل ہی کافی ہے حالانکہ الٰہیات میں عقل کی مثال آنکھ کی سی ہے۔ آنکھ میں قوت بصارت بیشک ہے اور دیکھنے کا آلہ یہی ہے لیکن اندھیرے میں روشنی کا محتاج ہے۔ بلا روشنی کے عدم وجود اس کا برابر ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ آنکھ اچھی چیز ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض جگہ اس کے لئے دوسری روشنی بھی موقوف علیہ ہے اور آج کل کا فلسفہ تو عجیب چیز ہے۔ لوگوں نے اس کا نام

ترقی رکھا ہے۔ حالانکہ اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ دل میں خودی اور خود رائی پیدا ہو جاتی ہے اور آپ ہی آپ محققیت کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں آج کل کے فلسفیوں (سائنس دانوں) کی سمجھ ایسی موٹی ہوتی ہے کہ ذرا ذرا سی بات نہیں سمجھتے اور خود سمجھتے نہیں اور دوسرے کی سنتے نہیں اور اپنے ہی آپ کو عقلمند سمجھتے ہیں۔ حالانکہ جواب ایک بات کا بھی نہیں آتا۔

قصہ رام پور مکالمہ دربارہ معراج:

میں ایک دفعہ رام پور گیا۔ مدارالمہام صاحب کے یہاں قیام تھا۔ ایک صاحب شاہی خاندان کے تشریف لائے (یہ لوگ وہاں صاحبزادے کہلاتے ہیں) اور مجھ سے ملے اور باتوں میں یہ بھی پوچھا کہ جناب کی تحقیق معراج کے بارہ میں کیا ہے۔ میں نے کہا یہ سوال ہی آپ کا ٹھیک نہیں ایک پابند مذہب سے اس پوچھنے کے کیا معنی کہ فلاں مذہبی مسئلہ میں تیری کیا تحقیق ہے۔ اس کی وہی تحقیق ہوگی جو مذہب کی ہوگی۔ جب میں اسلام کو حق سمجھتا ہوں تو معراج کو اور اس کے تمام مسائل کو بھی حق سمجھتا ہوں۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی۔ یہ بہت کھلی ہوئی بات تھی مگر اپنی غلطی کا انکشاف اب بھی نہ ہوا۔ میری بات کا جواب تو دیا نہیں اپنی ہی ہانکنے لگے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جسد عنصری کا اوپر کو اٹھنا کیسے ممکن ہے۔ میری طبیعت بہت الجھتی تھی کیونکہ جب مخاطب بات کو سمجھے اور قاعدہ سے گفتگو کرے تو اپنا بھی دل کھلے ورنہ سوائے انقباض کے کچھ نہیں ہوتا۔ دل میں تو آیا کہ خاموش ہو رہوں مگر ایک اور ان لوگوں کو خبط ہے کہ خود تو جواب سے عاجز ہوں اور بات بے ڈھنگی کریں اور سکوت کرنے سے دوسرے کو کہتے ہیں جواب نہیں آیا۔ اس واسطے میں نے سکوت نہیں کیا اور کہا یہ (یعنی ارتفاع جسد عنصری الی فوق) محال ہے یا ممکن مستبعد ہے کہا محال ہے مجھے افسوس آیا کہ ان کو محال اور ممکن کی تعریف تک نہیں آتی اور تحقیق کے مدعی ہیں اور بحث کرنے کو تیار ہیں۔ میں نے ان سے کہا محال کس کو کہتے ہیں اور ممکن اور مستبعد کی کیا تعریف ہے ان کو بیان کیجئے تاکہ میں سمجھ سکوں کہ مسئلہ زیر بحث کو محال کس طرح کہا گیا ہے۔ پس کھوئے گئے مگر وہی مرغی کی ایک ٹانگ اب بھی ہانکے جاتے ہیں کہ عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتی کہ ایک ثقیل جسم اوپر کو اٹھ

جاوے۔ پھر اوپر جاکر زندہ رہنا ممکن نہیں وہ از روئے انصاف تو عاجز ہو چکے تھے اب ان کا جواب نہیں دینا چاہتے۔ ان سے اپنا مدعا ثابت نہیں ہوتا جو لفظ وہ اطلاق کرتے تھے اس کے معنی تک ان کو معلوم نہیں تھے مگر تبرعاً میں نے اس کے معنی بیان کئے کہ محال اس کو کہتے ہیں جس کے ناممکن ہونے پر کوئی دلیل عقلی قائم ہو اور ممکن وہ ہے جس کے امتناع پر کوئی دلیل عقلی قائم نہ ہو اور ممکن کبھی مستبعد ہوتا ہے اور وہ وہ ہے جس کا وقوع خلاف عادت ہو اور کبھی مستبعد نہیں ہوتا جیسے تمام ممکنات جو دن رات دیکھے جاتے ہیں فلسفی کے نزدیک مستبعد محال نہیں ہوتا خواہ ساری عمر ایک بھی نظیر اس کی دیکھی نہ گئی ہو جب اس سے پوچھا جائے گا کہ اس کا وجود ہو سکتا ہے یا نہیں تو یہی کہے گا کہ ہاں ہو سکتا ہے اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ جب ایک چیز کو محال کہا جاوے تو اس کے امتناع کی کوئی دلیل عقلی ہونی چاہئے اور اگر دلیل عقلی قائم نہ ہو تو وہ چیز ممکن رہے گی خواہ مستبعد ہی ہو تو اس قاعدہ سے دلیل آپ کے ذمہ ہے نہ ہمارے ذمہ۔ اگر آپ دلیل قائم نہ کر سکیں تو ہمارا مدعا یعنی معراج کا امکان ثابت ہو جاوے گا اگر آپ کو معراج کے ہونے میں شک ہے تو امتناع پر دلیل قائم کیجئے ورنہ ہمارے قول کو مان لیجئے۔ اگر آپ فلسفی ہیں اور حجت اور دلیل کو سمجھتے ہیں بس صاحبزادے صاحب حیرت میں تھے جواب کچھ بھی نہ تھا مگر وہ ہی کہے جاتے تھے کہ ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

فلسفہ جدید کی حقیقت:

یہ فلاسفران زمانہ کی عقلیں ہیں دوسرے کی نہ سمجھتے ہیں نہ سنتے ہیں اپنی ہی کہے جاتے ہیں اور پھر اپنے ہی آپ کو عقلمند بھی سمجھتے ہیں ان لوگوں کا یہ عجیب سوال ہوتا ہے کہ نظیر کی ضرورت ہے اگر نظیر کی ضرورت ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ بھی ایک واقعہ ہے۔ آیا اس کے لئے نظیر کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو وجہ فرق کیا اور اگر ہے تو پھر اس نظیر میں بھی گفتگو ہو گی۔ اگر اس کا کہیں انتہا نہ ہوا تو تسلسل لازم آوے گا اور اگر انتہا ہو گیا تو اس نظیر اخیر اور اس واقعہ مبحوث عنہا میں آخر کیا فرق ہے۔ یہ آج کل کا فلسفہ ہے لوگوں کو یہی معلوم نہیں کہ فلسفہ کس چیز کا نام ہے۔ آج کل کا فلسفہ مادیات سفلیہ کے ترکیب و تحلیل یعنی صنائع

و بدائع کا نام ہے حالانکہ یہ فلسفہ کی ایک شاخ ہے جو تمام شاخوں سے ادنیٰ اور خسیس ہے۔ جس کو طبعیات کہتے ہیں ان کی رسائی مادیات علویہ تک بھی نہیں۔ الٰہیات تو بہت بالاتر ہیں۔

فلسفہ کے فوائد:

البتہ پرانے فلسفہ میں اس سے کچھ تعرض ہے گو اس میں عقل کو کافی سمجھنے کی وجہ سے انہوں نے غلطیاں کی ہیں تاہم ان کی نظر ان سے بہت دقیق ہے اور اس فلسفہ کے پڑھنے سے دقت فکر اور عمق نظر پیدا ہو جاتا ہے ان کو بات کا سمجھنا سمجھانا سہل ہوتا ہے۔

گفتگو از مولوی حشمت اللہ صاحب جنٹ:

ایک مرتبہ ریل میں مجھ سے فلسفہ کے ایک مسئلہ یعنی حدوث وقدوم عالم میں مسٹر حشمت اللہ خاں صاحب جنٹ نے کچھ گفتگو کی۔ انہوں نے فلسفہ پڑھا ہے میں نے تقریر کی تو میری تقریر سے بحد مسرور ہوئے اور کہا کہ ایسی تقریر و تحقیق میں نے کبھی نہیں سنی۔ ان کی بحث سے میرا دل بھی نہیں اکتا تا تھا اور جتنا وہ پوچھتے تھے اتنی ہی طبیعت کھلتی تھی۔ وجہ یہی ہے کہ وہ فلسفہ جانتے تھے اور قاعدہ کی گفتگو کرتے تھے اور رہے آج کل کے عقلمند سو بس اپنے ہی دل سے عقلمند ہیں ورنہ ان کو حقیقت شناسی اور فلسفہ سے مس بھی نہیں واقعی جب کسی ذی علم سے گفتگو ہوتی ہے تو مجیب کو کبھی گراں نہیں گزرتی بلکہ لطف آتا ہے اور اس گفتگو پر نتیجہ بھی متفرع ہوتا ہے یعنی کوئی تحقیق حاصل ہو جاتی ہے۔ اور جاہلانہ گفتگو تو جنگ وجدال اور تضییع وقت ہے۔

ایک مولوی اور منطقی کی گفتگو:

ایک دفعہ ایک مولوی اور ایک نئے تعلیم یافتہ صاحب سے گفتگو ہوئی۔ یہ تھے تو نئے خیال کے لیکن فلسفہ دان اور علماء کی صحبت پائے ہوئے تھے۔ گفتگو اس آیت میں تھی **فاما منا بعدو اما فداء** سید احمد خاں نے اس سے استدلال کیا ہے منع استرقاق یعنی بردہ فروشی کی ممانعت پر (سرسید بردہ فروشی کے اس قدر خلاف ہیں کہ لکھا ہے کہ بردہ فروشی شرک سے بھی زیادہ بری ہے۔ (یہ یورپ کی تقلید اور خوشامد ہے) کہ قرآن میں تو صرف من اور فداء

یعنی قیدیوں کا حکم یہ آیا ہے کہ یا مال لے کر چھوڑ دیا جاوے یا یونہی تبرعاً چھوڑ دیا جاوے۔ یہ صرف علماء کی گڑھت ہے کہ بردہ فروشی جائز ہے۔ وہ نئے خیال والے صاحب کہہ رہے تھے کہ دیکھئے سرسید کا استدلال آیت سے ہے اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے۔ مولوی صاحب نے کہا یہ بھی غور کیا آپ نے کہ فاما منا بعد و اما فداء قضیہ کونسا ہے بس اتنے ہی جواب سے وہ سمجھ گئے اور کہا بس جواب مل گیا واقعی اس کے منفصلہ حقیقۃ یا مانعۃ الخلو ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور استدلال اسی پر موقوف ہے ممکن ہے کہ قضیہ مانعۃ الجمع ہو۔ واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ فرمایا حضرت والا نے میں نے اپنی تمام تفسیر بیان القرآن میں اسی طرز سے مطالب کی تقریر کی ہے جو کوئی انصاف اور تحقیق کی نظر سے دیکھے گا وہ اس میں پائے گا جو کچھ پائے گا اور ثابت ہوگا کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہی حق ہے اور سلجھی ہوئی بات ہے نہ یہ کہ کھینچا کھینچ سے اپنے موافق اس کو بنایا گیا ہے۔

تولیت اختیار نہ کرنا حضرت حاجی صاحب کا:

اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اذکار میں سے ایک یہ تھا کہ حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار (جو ملک شام میں ہے) کے متعلق کچھ اوقاف ہیں جن کی آمدنی کثیر ہے اس کے متولی کا انتقال ہو گیا تھا اور بعض مشائخ نے اس کو حضرت صاحب کے لئے اس لئے تجویز کیا کہ خود متولی بھی اپنے مصارف اس سے بطریق مباح لے سکتا ہے اور حضرت صاحب کے پاس کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے تو اس سے اطمینان کی صورت ہو جاوے گی اور حضرت صاحب میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ حضرت صاحب ان کی اولاد میں ہیں اور حضرت صاحب کو وہاں رہنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کوئی نائب کام کرتا اور احکام یہاں سے پہنچتے رہتے۔ غرض یہ تجویز کر کے حضرت صاحب سے عرض کیا گیا آپ نے فی البدیہہ ارشاد فرمایا کہ اولاد میں ہونے کی خصوصیت سے جو میرے لئے تولیت تجویز کی گئی ہے تو حضرت سلطان نے تو سلطنت بلخ پر لات ماردی تھی۔ اگر میں اس دنیا کو اختیار کروں تو ان کی اولاد خلف کب رہا اور اس خدمت کے لئے خلف ہونا ضرور ہے اور اگر خلف بننا چاہوں

تو ان کا اقتداء کرنا ضرور ہے۔(ف) اس سے حضرت صاحب کا بغض للدینا و حسن تفہیم جو ایک شعبہ ہے ارشاد کا بخوبی واضح ہے۔(محمد مصطفیٰ عرض کرتا ہے کہ یہ مضمون کمالات امدادیہ میں حضرت والا کے قلم کا لکھا ہوا مل گیا اس واسطے بجنسہ و بلفظہ مع فائدہ نقل کر دیا گیا تبرکاً و تیمناً)

قصہ مولانا رحمت اللہ صاحب و سلطان المعظم

و حضرت حاجی صاحب قدس سرہ

اور ایک ذکر یہ تھا کہ مولوی رحمۃ اللہ صاحب مہاجر بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ کو حضرت سلطان المعظم عبدالحمید خان نے بلایا تو اس درجہ اکرام کیا کہ کسی بادشاہ کا بھی اتنا اعزاز نہ ہوتا تھا۔ جس کی نسبت ایک سلطنت کے سفیر نے لکھا تھا کہ ایک عالم یہاں آئے جن کا اس قدر اعزاز ہوا کہ کبھی کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کا بھی نہیں ہوا اور سلطان نے عہدہ اور مال دینا چاہا مگر مولوی صاحب کا دماغ کتب بینی اور کثرت مطالعہ سے خشک ہو گیا تھا اس لئے کچھ قبول نہ کیا حتیٰ کہ سلطان نے مدرسہ کی خدمت کرنا چاہی وہ بھی منظور نہیں کی۔ ہاں سلطان نے مولوی صاحب کو قضا کی سند عطا فرمادی تھی وہ محض تبرک کے طور پر لے لی تھی جس کی رو سے مولوی صاحب جب چاہتے قاضی بن سکتے تھے۔ مولوی صاحب کو شوق اس کا بھی نہ تھا صرف تبرکاً لے لی تھی کیونکہ اس پر سلطان کے دستخط اپنے قلم کے تھے۔ جب مولوی صاحب سلطان کے یہاں سے لوٹ کر مکہ معظّمہ تشریف لائے[1] تو ملاقات کے وقت حضرت صاحب سے ظل اللہ سلطان المعظم کے مدائح و مناقب بیان کر کے درخواست کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو ان کے حضور میں آپ کا بھی ذکر کروں۔ حضرت صاحب نے ارشاد فرمایا کہ کیا نتیجہ ہوگا۔ غایت مافی الباب وہ معتقد ہو جاویں گے پھر آپ دیکھ لیجئے کہ آپ کے جو معتقد ہوئے کیا نتیجہ ملا۔ یعنی بیت السلطان سے قرب اور بیت اللہ سے بعد۔ البتہ آپ ان کی تعریف کرتے ہیں کہ بڑے عادل ہیں۔ اور وارد ہوا ہے کہ سلطان عادل کی دعا قبول ہوتی ہے سو اگر آپ سے ہو سکے آپ ان سے میرے لئے دعا کرا

---

[1] یہاں سے تا سطر اول ۱۶۶ الی قولہ جاہلیت ہے۔ کمالات امدادیہ صفحہ ۶ سے بجنسہ نقل کیا گیا

دیجئے مگر ایک بادشاہ سے یہ کہنا کہ ایک درویش کے لئے دعا کرو یہ (عرفاً) آداب سلطنت کے خلاف ہے اس لئے میں آپ کو اس کا ایک طریقہ بتلاؤں وہ یہ کہ آپ میرا ان سے سلام کہہ دیں وہ جواب میں وعلیکم السلام ضرور ہی کہیں گے بس میرے لئے اس طرح دعا ہو جائے گی۔

استغنا عن غیر اللہ بیت اللہ سے انس:

ف۔ اس حکایت سے حضرت صاحب کے چند کمالات ثابت ہوتے ہیں۔ اول استغنا غیر اللہ سے کہ جاہ عند الملوک طبعاً محبوب و مرغوب ہوتا ہے مگر حضرت صاحب کو اس سے انقباض ہوا۔ دوم بیت اللہ سے خاص انس و دلچسپی کہ اس کے تلبس ظاہری کو بھی اتنے بڑے منصب جلیل پر ترجیح دی۔ واللہ در من قال

ومن دیدنی حب الدیار لاهلها وللناس فیما یعشقون مذاهب

میری عادات میں سے مکان کی بھی محبت ہے صاحب مکان کی وجہ سے لوگوں کے عشق و محبت میں مختلف طریقے ہوتے ہیں اور یہ کمال عشق الٰہی سے ناشی ہے۔

تواضع: سوم تواضع کے باوجود اتنے بڑے شیخ الوقت اور مرجع الفضلاء ہونے کے ایک بادشاہ کی طرف اپنی دینی احتیاج ظاہر فرمائی اور اپنے سے زائد ان کو مقبول القول درگاہ الٰہی میں سمجھا۔ ورنہ مشائخ ایسے امور کو اپنی کسر شان سمجھتے ہیں اور اس میں ایک ایہام کا رفع بھی ہے کہ اظہار استغناء سے رائحہ ترفع کا تھا۔ اس کا کیسی خوبی سے تدارک کیا ہے۔ استغناء کا تواضع کے ساتھ مجتمع ہونا کمال عظیم ہے اور اس میں اپنے مرتبہ کے موافق مجاہدہ نفس بھی ہے اور سالکین کی تربیت بھی کہ اس طرح اپنی اصلاح کا اہتمام چاہئے۔

رعایت ادب حفظ شرع کے ساتھ

حفظ عرف اخلاق جمیلہ سے ہے:

چہارم رعایت ادب واعتدال افعال وحفظ مراتب کہ امتثال امر نزلوا الناس منازلهم.

ہے کیونکہ حفظ شرع کے ساتھ حفظ عرف اخلاق جمیلہ سے ہے۔حدیث میں ہے خالق الناس باخلاقھم البتہ تزاحم کے وقت عرف محض لاشے ہے اور موسوم برسم جاہلیت ہے۔(یہ مضمون از صفحہ ۱۶۵ سطر ۱۸ من قولہ تو ملاقات کے وقت لغایتہ سطر ہذا کمالات امدادیہ سے نقل کیا گیا ہے۔بعینہ و بلفظ تبرکاً و تیمناً ۱۲) فرمایا حضرت والا نے حضرت حاجی صاحب کے یہاں ایسا اعتدال تھا کہ کسی پہلو کی رعایت متروک نہ ہوتی تھی۔ایک دفعہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کے جملے غضب کے ہوتے ہیں فرمایا ہمارے تو چٹکلے ہی ہوا کرتے ہیں۔

قصہ پیر مرد کہ اس کی بیوی مرتی تھی:

اور ایک حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے اذکار میں سے یہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب کی خدمت میں ایک بوڑھا شخص آیا اور آکر رونے لگا کہ حضرت میری بیوی مرتی ہے۔حضرت صاحب فرمانے لگے کہ اچھا ہے جیل خانہ سے چھوٹتی ہے اب تم بھی چھوٹ جاؤ گے۔ہم لوگوں کو اس لطیفہ پر دل میں ہنسی آئی کہ آیا تھا اس کی زندگی کی فکر میں خود اپنی موت کی بشارت لے چلا۔پھر حاضرین سے خطاب فرمانے لگے کہ دیکھو عجب بات ہے ایک مسلمان قید خانہ سے چھوٹتا ہے اس کو ناگوار ہے کہ کیوں چھوٹتا ہے بعد اس کے وہ کہنے لگا کہ حضرت وہ مجھ کو روٹی پکا کر دیتی تھی۔آپ نے فرمایا کیا وہ تمہارے ساتھ روٹی پکاتی ہوئی پیدا ہوئی تھی۔پھر وہ کہنے لگا کہ حضرت فلاں شخص نے وعدہ کیا تھا کہ میں تم کو مدینہ طیبہ لے چلوں گا وہ اب کچھ بے پروائی کرتا ہے۔آپ کی جبیں مبارک پر بل پڑ گیا اور نفرت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ بس ایسی شرک کی باتیں مت کرو۔

دنیا کی حقیقت:

ف: اس حکایت سے حضرت صاحب کے چند کمالات ثابت ہوئے۔ایک دنیا کی حقیقت کا حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الدنیا سجن المومن پورا انکشاف۔

موت سے ملال ہونا: دوسرے موت کو مایہ مسرت سمجھنا کہ علامت ولایت سے ہے۔

کمال توکل:

تیسرے کمال توکل کہ اس شخص کی نظر سے بیوی کی خدمت کا سبب راحت ہونا کس سہل عنوان سے نکالا۔

چوتھے کمال توحید کہ اس وعدہ کرنے والے پر بالاستقلال نظر کرنے سے کیسی نفرت دلائی اور آپ کے قلب پر اس کا کس قدر بار ہوا کہ اس کو شرک سے تعبیر فرمایا۔ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ روز جمعہ بعد عصر بر مصلی۔

فوائد ونتائج

کہتا ہے عبد ضعیف محمد مصطفیٰ کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے تین واقعات اس حکمت چہل وکیم میں بیان ہوئے۔ یہ تینوں واقعات کمالات امدادیہ میں مرقوم ہیں اور حضرت والا کے اس جلسہ کے الفاظ اور کمالات امدادیہ کے الفاظ میں قدر قلیل فرق بھی تھا اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ زبانی الفاظ اور ہوتے ہیں اور کتابی اور لیکن احقر نے زبانی الفاظ سے کمالات امدادیہ کے الفاظ کو ترجیح دی اس غرض سے کہ زبانی الفاظ کے نقل پر خواہ کیسا ہی احتیاط سے کام لیا جاوے اتنا وثوق نہیں ہوسکتا جتنا تحریر سے۔ ہاں واقعہ دوم میں شروع کی چند باتیں زائد تھیں جو فائدہ سے خالی نہیں ان کو اپنے لفظ سے لکھ کر جہاں سے عبارت کمالات امدادیہ سے نقل کی حاشیہ ونشان دیدیا ہے۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ ان واقعات کا ذکر نہ کیا جاوے بلکہ کمالات امدادیہ پر حوالہ کر کے چھوڑ دیا جاوے۔ لیکن عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ پر اور ہوالمسک ما کررتہ یتضوع پر نظر کر کے باوجود خوف طول کے نقل کیا اور کتاب مذکور میں سے ان فوائد کو بھی نقل کردیا جو ہر واقعہ کے آگے حضرت والا نے لکھے ہیں تاکہ اس عاجز کے لکھے ہوئے فوائد کو حضرت والا کے لکھے ہوئے فوائد سے زینت ہو اور کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ حضرت والا کے الفاظ اور فوائد کے طفیل میں اس عاجز کی کتاب کو بھی قبول فرمالیں۔ **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم**

رشتہ واپس نہ دہد ہر کہ گہر میگرد ۔۔۔ مے پذیرند بداں را بطفیل نیکاں

جواب الزامی وتحقیقی کا ثبوت:

مجیب کو سائل کے تابع ہونے کی ضرورت نہیں کہ اس کے مذاق کے موافق اس کی تسلی

کرے۔ مسئلہ کی تحقیق کر دینی چاہئے اگر وہ بنظر تحقیق پوچھتا ہے تو حق بات کا خاصہ ہے کہ دل کو لگ جاتی ہے ہاں اگر اس کے تحقیق میں کوئی شبہ ناشی عن دلیل رہتا ہو تو اس کا حل کرنا مجیب کا کام ہے اور اگر سائل مجادل ہے تو اس کے سمجھانے کی کوشش کرنا محض بے سود ہے۔ صرف جواب الزامی سے کام لینا چاہئے بلا اس کے اس سے پیچھا چھڑانا ناممکن ہے۔ اور یہ انتہا درجہ کی خوبی ہے کہ جواب الزام و تحقیق دونوں کو جامع ہو جیسا کہ حضرت والا نے صاحبزادہ صاحب سے ایسا جواب ارشاد فرمایا کہ بحیثیت الزامی ہونے کے ان کے لئے مسکت ہو اور یہی جواب تحقیقی بھی ہے۔ حق پسند آدمی اس سے پوری تسلی پا سکتا ہے۔ **و جادلهم بالتی هیٰ احسن** ۔ کی بھی تعمیل ہے۔ ترجمہ اور مجادلہ کروان سے اچھے طریقے کے ساتھ اور **قل لهم فی انفسهم قولا بليغا** کی بھی ترجمہ ان کے دلوں کے اندر گھس جانے والی بات کہئے۔ قرآن شریف میں دونوں قسم کے جواب بکثرت موجود ہیں مثلاً

الاانهم من افكهم ليقولون ولد الله وانهم لكذبون اصطفى البنات على البنين و قال فی موضع اخرانی یکون لی ولد و لم تكن له صاحبة الاول الزامی والثانی تحقیقی

مجلس چہل و پنجم (۴۵)

یوں دعا نہ مانگے کہ یہ کام بہتر ہو تو ہو جاوے:۔ عبداللہ خان (ان کا قصہ حکمت سی ذشتم میں گزر چکا ہے) تھانہ دار تھانہ بھون کی تبدیلی ہوئی ان کے جاتے ہی ان کے مکان پر چوری ہوئی۔ عبداللہ خان کے ماموں صاحب آئے۔ (یہ ذی فہم و صحبت یافتہ اور مسن آدمی تھے) حضرت والا نے بطور تعزیت افسوس آمیز کلمات فرمائے اور فرمایا خدا کرے وہ چوری نکل آوے تو انہوں نے کہا اگر وہ مال ہمارے واسطے بہتر ہو تو واپس مل جاوے ورنہ ہماری دعا یہ ہے کہ نہ ملے۔ فرمایا حضرت والا نے ہماری دعا تو یہی ہے کہ مل جاوے اور اگر واقع میں اس میں خیر نہیں ہے تو خدائے تعالیٰ آپ ہی قبول نہ فرماویں گے جیسے کہ ہم ہر مریض کے لئے یہی دعا کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ شفا دیں پھر اگر مناسب یہی ہوتا ہے کہ شفا نہ ہو تو حق تعالیٰ قبول نہیں فرماتے اور فرمایا حضرت والا نے کہ میں عبداللہ خاں صاحب کے مکان پر ان کی والدہ کے پاس بطور تعزیت

گیا تھا وہ حضرت حاجی صاحب کی مرید ہیں میرا گمان یہ تھا کہ بہت کچھ جزع فزع کرتی ہوں گی کیونکہ مال بہت گیا ہے۔ تقریباً چھ ہزار کا مال ہے اور اس میں عبداللہ خاں صاحب کی شادی کا سامان تھا بہت بیش قیمت جوڑے اور برتن بھی تھے۔ نقد مال سے اس کا افسوس اور زیادہ ہوتا ہے اس وجہ سے کہ کپڑے بڑی مدت میں تیار ہوتے ہیں اور شادی عنقریب ہونے والی تھی مگر ذرا جزع فزع نہیں پایا۔ وہ صبر سے بیٹھی ہیں اس کی بھی کچھ زیادہ طلب نہیں کہ مال مل ہی جاوے۔

سلسلہ میں زہد و محبت الٰہی:

یہ برکت ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی میں نے خوب تجربہ کیا ہے کہ حضرت کے تمام متوسلین میں زہد کی اور حق تعالیٰ کی محبت کی شان ضرور ہے۔

حضرت حاجی صاحب کی قطبیت کا ثبوت:

عبداللہ[1] خاں کے ماموں صاحب نے کہا کہ میں نے حاجی محمد اسحاق صاحب سوداگر دہلی کو سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ میرے پاس حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قطبیت کا ثبوت ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے ایک کتاب نکالی جس میں حاجی محمد اسحاق صاحب نے ایک شخص کی زبانی بطور یادداشت لکھ رکھا تھا کہ اس شخص نے (یہاں کچھ محمد مصطفیٰ بھول گیا) ایک ابدال سے نقل کیا کہ تمام ابدال ایک جگہ جمع ہوئے اور کہا قطب وقت کے وصال کا وقت آ گیا۔ کسی نے پوچھا کیا وقت ہے تو انہوں نے بتایا کہ فلاں وقت مقرر ہے۔ یہ وقت حاجی محمد اسحاق کو بھی ان ابدال نے بتا دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ ان قطب صاحب کا نام کیا ہے۔ کہا حاجی امداداللہ صاحب حضرت حاجی صاحب اس زمانہ میں زندہ تھے۔ حاجی محمد اسحاق صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں وہ وقت لکھ لیا اور منتظر تھا کہ سچ ہوتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا بیان کیا تھا۔ اسی وقت پر آپکا وصال ہوا۔ فرمایا حضرت والا نے قطبیت تو کوتوالی کا سا ایک عہدہ ہے حضرت قدس سرہ کے کمالات تو اس سے بہت زیادہ ہیں اور ان سب

---

[1] یہ قصہ ناقل کو پوری طرح یاد نہیں رہا مگر لب لباب اس کا کہ وہ ثبوت قطبیت و تعیین وقت وصال حضرت حاجی صاحب ہے محفوظ ہے

کا خلاصہ حق تعالیٰ کی محبت ہے۔ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ بعد ظہر درسہ دری خود در مدرسہ روز یکشنبہ

فوائد ونتائج

(۱) محبت الٰہی قطبیت سے بڑا کمال ہے:۔

ہماری دعا تو یہی ہے کہ مل جاوے حضرت والا نے ان کے اس لفظ کی تردید فرمائی کہ اگر بہتر ہو تو مل جاوے ورنہ نہ ملے۔ یہ ایک حدیث سے ماخوذ ہے۔

لایقل احدکم اللھم اغفرلی ان شئت وارحمنی ان شئت ولیعزم المسئلۃ

اشکال از صلوٰۃ استخارہ:

لیکن دعا استخارہ سے اس پر اشکال ہوتا ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ اے اللہ اگر یہ کام میرے لئے خیر ہو تو اس کے اسباب مہیا کر دیجئے اور اگر خیر نہ ہو تو ٹال دیجئے۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ آدمی مصیبت سے تنگ آ کر موت نہ مانگے بلکہ یوں دعا کرے کہ

احینی ماکانت الحیوۃ خیر الی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیر الی

یعنی اے اللہ جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہو تو زندہ رکھیے اور جب موت بہتر ہو تو موت دے دیجئے۔ حل یہ ہے کہ جہاں سائل کے نزدیک خیر و شر ہونے میں تردد ہو وہاں تردید کر کے مانگنا صحیح ہے جیسا دعا استخارہ میں اور جہاں اپنے نزدیک گمان غالب خیر کا ہو اس میں تردید نہ کرے۔ مثلاً کسی کو ضرورت ہو تو یوں دعا نہ کرے کہ یا اللہ آپ چاہیں تو مجھ کو سو روپیہ دید یجئے یا یہ روپیہ کا ملنا خیر ہو تو دے دیجئے ورنہ نہ دیجئے چنانچہ تمام احادیث میں دنیوی حاجات کا سوال بلا اس تردید کے موجود ہے۔ رزق کا صحت کا غنا کا وغیرہ ذلک۔ ہاں اگر اس وقت یہی ذہن میں نہ ہو کہ یہ خیر ہے تو یوں بھی مانگنا صحیح ہے۔

قطبیت کی تحقیق از حضرت مجدد صاحبؒ:

(۲) قولہ قطب تو کوتوالی کا سا عہدہ ہے اس کی تحقیق حضرت مجدد صاحب سرہندی قدس سرہ نے مکتوب دو سو چھپن میں فرمائی ہے کہ نقل رسالہ القاسم سے کی جاتی ہے

واضح ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کامل پیرو جب کمال اتباع کی وجہ سے مقام نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں۔ (یعنی عروج ونزول پورا ہونے کے بعد نائب پیغمبر ہو جاتا ہے) ان میں سے بعض کو منصب امامت پر سرفراز فرماتے ہیں اور بعض کے لئے محض ان کمالات کے حصول پر اکتفا فرماتے ہیں (یعنی کوئی منصب ان کو نہیں دیا جاتا) یہ دونوں بزرگ اصل کمال میں برابر ہیں۔ فرق منصب ملنے اور نہ ملنے کا ہے۔ اور جو امور متعلق اس منصب کے ہیں ان کے حاصل ہونے اور نہ ہونے کا فرق ہے اور جب متبعین کاملین کمالات ولایت کو بتمامہا حاصل کر لیتے ہیں ان میں سے بعض کو منصب خلافت کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں اور بعض کے لئے صرف ان کمالات کے حصول پر اکتفا فرماتے ہیں جیسا کہ اوپر گزرا یہ دونوں منصب یعنی منصب امامت ومنصب خلافت کمالات اصلیہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور کمالات ظلیہ میں منصب امامت کے مناسب منصب قطب ارشاد ہے اور منصب خلافت کے مناسب منصب قطب مدار ہے گویا یہ دونوں مقام کے تحت میں ہیں ظل اور عکس ان دو مقام کے ہیں جو اوپر ہیں اور قطب کو باعتبار اس کے اعوان وانصار کے قطب الاقطاب بھی کہہ دیتے ہیں کیونکہ قطب الاقطاب کے اعوان وانصار قطب حکمی ہیں اسی وجہ سے صاحب فتوحات مکیہ لکھتے ہیں

ما من قرية مومنة كانت او كافرة الا و فيهاقطب

یعنی کوئی آبادی نہیں مسلمانوں کی ہو یا کفار کی مگر اس میں ایک قطب ضرور ہے۔ جاننا چاہئے کہ صاحب منصب بیشک صاحب علم ہے کہ اس کو اپنے منصب کی خبر ہے اور جو شخص منصب کے کمالات تو رکھتا ہے مگر منصب نہیں رکھتا ضرور نہیں کہ وہ اس کا علم رکھتا ہو اور اپنے مراتب پر مطلع ہو اور جو بشارت عالم غیب سے پہنچتی ہے وہ اس مقام کے کمالات کے حاصل ہونے کی ہے نہ اس مقام کے منصب کی بشارت کہ وہ متعلق علم سے ہے۔ انتہی نقل المکتوب

قطبیت وغیرہ کی توضیح ایک مثال سے:

اس مضمون کی توضیح اس مثال سے ہو سکتی ہے کہ ایک مدرسہ میں بطریق جماعت

بندی تعلیم ہوتی ہے جب تمام مراتب تعلیم کو طے کر کے طالب علم فراغت حاصل کر لیتے ہیں تو بعض کو اسی مدرسہ میں مدرس بنا دیا جاتا ہے یا اور کوئی خدمت مدرسہ کی مثلاً اہتمام یا امتحان وغیرہ سپرد کر دی جاتی ہے۔ اس خدمت کا نام منصب ہے۔ ظاہر ہے کہ لیاقت منصب دار اور غیر منصب دار کی برابر ہے ہاں بعض باتیں جو منصب سے تعلق رکھتی ہیں وہ اس کو زیادہ حاصل ہیں مثلاً عملہ کا عزل و نصب طلبہ کی جماعت بندی۔ مدرسہ کا در وبست وغیرہ سو یہ دوسری چیز ہے اور اصل جو ہر انسانی یعنی علم و عمل شے دیگر۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ منصب سے لیاقت کا اندازہ کرنا صحیح نہیں ممکن ہے کہ کسی ضرورت سے ایک بہت بڑے علامہ نے میزان کا سبق پڑھانا اختیار کر لیا ہو تو میزان کا سبق پڑھاتے دیکھ کر یہ سمجھ لینا صحیح نہ ہوگا کہ اس لیاقت اتنی ہی ہوگی۔ یہی مراد ہے حضرت والا کے اس لفظ سے کہ قطبیت تو ایک عہدہ ہے۔ یعنی نظام عالم قائم رکھنے کے لئے یہ سلسلہ ہے۔ کمالات دوسری چیز ہیں جیسے کہ پولیس میں عہدے ہیں کہ فیما بینہما ان عہدوں میں بڑائی چھوٹائی اور افسری اور ماتحتی کا تفاوت ہے لیکن بادشاہ کے نزدیک قرب و بعد کے ذرائع اس سے بہت زیادہ اور ہیں۔ پولیس کا سلسلہ صرف انتظام کے لئے ہے جو وقعت رؤساء اور نوابوں کی ہے وہ پولیس کے عہدہ داروں کی نہیں ہوسکتی۔ یہ گویا ان کے خادم اور محافظ ہیں۔ ہاں کسی فرد میں نوابی اور پولیس کی افسری دونوں جمع ہو جاویں تو جملہ اسباب قرب کا اجتماع ہے۔ جیسا کہ قطب العالم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز میں کہ آپ کے کمالات دنیا پر اظہر من الشمس ہیں اور وجوہات متعددہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ قطب بھی تھے۔ سقی اللّٰہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ

مجلس چہل و ششم (۴۶)

مال حرام کے متعلق ایک پہچان:۔ حکیم محمدؐ ہاشم صاحب تھانوی نے عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے کپڑے کتے کے خون میں رنگے گئے ہیں۔ فرمایا شاید مراد مال ناجائز ہے کہیں سے آپ کے پاس آ گیا ہوگا۔ لوگ احتیاط کرتے ہی نہیں ہیں۔

مال حرام کے اثر کے متعلق قصہ:۔ اور فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک رئیس کے یہاں سے لڈو آئے ایک میں نے کھالیا وہ کھاتے ہی قلب میں

سخت ظلمت پیدا ہوئی اور ہر وقت یہ وسوسہ پیدا ہوتا تھا کہ کوئی خوبصورت عورت ملے کہ اس سے زنا کروں۔اسی حالت میں ایک مہینہ گزر گیا میں روتا تھا اور توبہ کرتا تھا کہ الٰہی یہ کیا ہو گیا۔

مال حلال کے متعلق ایک قصہ:

اور فرمایا کہ ایک دفعہ ایک اور شخص نے دعوت کی۔ یہ ایک بزرگ تھے۔عبداللہ شاہ نام کہ جنگل سے گھاس کھود کر لایا کرتے تھے اور دو آنے کو بیچ دیا کرتے تھے۔اس میں سے دو پیسے خیرات کر دیتے تھے اور چھ پیسے بال بچوں میں خرچ کرتے تھے انہوں نے ایک دن کہا کہ آپ صاحبوں کی دعوت کرنے کو دل چاہتا ہے مگر کھانا پکا کر کھلانا تو ہمارے بس کا ہے نہیں۔دام لے لو اور اپنے گھر میٹھے چاول پکا کر کھالو(دعوت شیراز تو مشہور تھی مگر یہ اور انوکھی دعوت ہے کہ دام لے لو اور پکا کر کھالو) اور ہم کئی آدمی تھے۔مولانا محمد قاسم صاحب بھی تھے اور آپ کے ساتھ چند اور آدمی بھی تھے۔سب نے مل کر مولانا محمد یعقوب صاحب کے ذمہ اس کا پکوانا رکھا وہ مولانا کے گھر پکا اور مولانا نے اس قدر احتیاط کی کہ کوری ہانڈی منگائی اور پکانے والے کو وضو کرایا۔ جب چاول تیار ہو گئے تو سب نے مل کر دو دو لقمے کھا لئے۔مولانا فرماتے ہیں کہ جیسے ہی وہ چاول حلق سے اترے ایک روحانی لذت اور نور محسوس ہوا اور لطف یہ کہ اس کا اثر مدت تک رہا تو ہم نے کہا کہ ایک بار کے کھانے کا جب یہ اثر ہے تو اس شخص کی کیا حالت ہوگی جو ہمیشہ ایسا ہی کھانا کھاتا ہے اور اس کے سوا دوسرا کوئی کھانا اس کے پیٹ میں جاتا ہی نہیں۔۱۲ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ روز یکشنبہ بعد ظہور درسہ دری خود مدرسہ

فوائد و نتائج

مال حرام کی طرف سے غفلت کی دو وجہ:

مال حلال کی ضرورت و فضیلت اور مال حرام کی مذمت و مضرت اس قصہ سے صاف ظاہر ہے آج کل اس کی طرف سے غفلت و بے احتیاطی بھی پوشیدہ نہیں ہے۔مگر قابل غور یہ بات ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ایک تو وجہ اس کی بے علمی اور بے صحبتی ہے اور یہ ظاہر ہے اور دوسری وجہ وہ ہے جو بہت سے پڑھے لکھوں کی نظر سے بھی پوشیدہ ہے وہ قلت احتیاط اور بوالہوسی ہے۔

افراط فی التقویٰ موجب ترک تقویٰ ہے:

واعظوں کی زبانی یا کتابوں میں بعض متورعین کے قصے سن لیتے ہیں کہ کسی کے کھیت میں دوسرے کا بیل آ گھسا تھا تو انہوں نے اس خیال سے کہ اس کے کھر میں دوسرے کھیت کی مٹی تھی وہ میرے کھیت کے نامعلوم کس دانہ کا جزو بن گئی ہو اپنے کھیت کا اناج بھی چھوڑ دیا۔ ان سے نتیجہ یہ نکال لیتے ہیں کہ مال حلال نصیب ہو ہی نہیں سکتا۔ آب جواز سر گزشت چہ یک نیزہ چہ یک دست جیسا ملجاوے کھالینا چاہئے۔ گنہگار بہر حال رہیں گے۔ اول تو ان قصوں کی اصلیت نہیں۔ دوسرے یہ ایسا ہے جیسے کوئی بیمار کسی بہت تندرست اور خوبصورت کو دیکھ کر کہے کہ ہم ایسے تو ہونے سے رہے پھر دوا اور پرہیز سے کیا فائدہ جو سامنے آ جاوے کھالو حتیٰ کہ سنکھیا بھی سہی۔ مگر ایسا کہیں دیکھا نہیں جس کو سو مرض ہیں وہ اس سے بھی کوتاہی نہیں کرتا کہ سو میں سے ایک ہی کم ہو جاوے۔

جس کو فقہ حلال کہے حلال ہے:

حضرت والا کے متعدد واعظوں میں بیان ہوا ہے کہ یاد رکھو کہ جس کو ابواب فقہ میں حلال کہا گیا ہے وہ ہی حلال ہے۔ زیادہ ہوس میں مت پڑو۔ جیسے پیٹ سے زیادہ کھا لینے سے ہیضہ ہو جاتا ہے ایسے ہی بساط سے زیادہ ہوس کرنے سے رہا سہا بھی تقویٰ جاتا رہتا ہے۔ ابواب فقہ کی پابندی جس کو احیاء العلوم میں ورع عدول کیا ہے ہر شخص کے ذمہ ضرور ہے اور اس سے زیادہ ہوس کرنا آج کل ذرا تامل کے ساتھ چاہئے اور ورع عدول نہایت درجہ آسان ہے تو مال حلال کا ملنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ مسئلہ کو علماء سے پوچھ لیں اور بے خطر عمل کریں۔ راقم کے نزدیک آج کل ورع عدول سے آگے بڑھنے کے لئے سب سے بے خطر یہ ہے کہ شیخ کامل سے مشورہ کر لے ورنہ بعض وقت تقویٰ زیادہ بگھارنے سے ورع عدول بھی کھویا جاتا ہے طبیعت ضعیف ہوتی ہے تنگی کی برداشت نہ ہوئی اور کاد الفقر ان یکون کفرا (ترجمہ قریب ہے احتیاج کہ کفر ہو جاوے ۱۲) کا مصداق ہو جاتا ہے اور طبیعت کا ضعف و قوت خود کو معلوم ہونا مشکل ہے۔ یہ شیخ کامل کا کام ہے راقم کا یہ مطلب

نہیں کہ ورع عدول سے بڑھنا نہ چاہئے اور اسی کو منتہائے ہمت بنالینا چاہئے بلکہ اس مثال سے اس کی توضیح بخوبی ہوسکتی ہے کہ زیادہ مالداری خطرناک ہے اور تاوقتیکہ مال کی حفاظت اور سمائی کے سامان نہ ہوں ہوس کرنا جان کو بھی خطرہ میں ڈالنا ہے۔ مگر یہ کسی کو نہیں دیکھا کہ ادنیٰ معیشت پر قناعت کئے ہو بلکہ جہاں تک ہوسکتا ہے بڑھ کر ہی قدم رکھتا ہے۔ اسی طرح چاہئے کہ ورع عدول تو مضبوطی کے ساتھ اختیار کرلے اور نظر مافوق پر رکھے۔ جب موقع پاوے اس سے بھی نہ چوکے۔

مجلس چہل و ہفتم (۴۷)

قصہ طالب علم بابت تصنع:

حضرت والا کی خدمت میں چند روز سے ایک طالب علم آئے ہوئے تھے یہ منتہا طالب علم تھے مگر ابتدا خراب ہونے کی وجہ سے صرف ونحو بھی صحیح نہ تھی اس واسطے یہ تجویز ہوئی کہ ایک نظر کتابوں پر از سر نو ڈال جاویں اور اس کے واسطے وہ چھوٹی جماعتوں کے سامع کر دیئے گئے۔ حضرت والا کو ان کی پاسداری زیادہ ملحوظ تھی بوجہ اس کے کہ ان کے بڑے بھائی حضرت والا کے خادم ہیں اور حضرت والا کو ان سے خاص انس ہے۔ انہوں نے ہی ان کو حضرت والا کی خدمت میں بھیجا اور خرچ کی کفالت کی تھی۔ ان طالب علم صاحب کے مزاج میں کچھ تصنع اور تکلف اور ترفع تھا بوجہ اس کے کہ چند روز وعظ گوئی کا پیشہ کیا تھا اور جسم کے بھی قوی تھے۔ اور ورزش اور پہلوانی کا بھی شوق تھا ان کو آئے ہوئے تقریباً ایک مہینہ ہوا تھا آج صبح ہی کا واقعہ ہے کہ یہ مولوی صاحب (ان کو تمام واقعہ میں بلفظ مولوی صاحب یاد کیا جاوے گا) صبح کے وقت کرتا بہت نیچا اور اوپر سے صدری پہن کر گھڑی جیب میں ڈال کر واعظانہ بڑا سا عمامہ باندھ کر کہیں جارہے تھے۔ حضرت والا کی نظر ان پر پڑگئی تو راقم سے فرمایا کہ ان سے کہہ دینا کہ یہ وضع مجھ کو پسند نہیں۔ طالب علموں کی طرح رہنا چاہئے۔ صدری کرتے کے نیچے کرلیں اور اگر ضرورت نہیں تو بالکل نہ پہنیں۔ اس کے بعد ان کا ایک خط حضرت والا کی نظر پڑگیا جس کا ذکر آگے آتا ہے اس سے حضرت والا بہت افروختہ ہوئے۔ اب شام کو بعد مغرب یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت والا مغرب کی نماز کا سلام پھیرنے

کے بعد صفوں سے پیچھے ہٹ کر حسب معمول ایک مصلے پر سنتوں کی نیت باندھتے تھے کہ ایک شخص نے درخواست کی کہ ایک تعویذ کی سخت ضرورت ہے۔ (شاید دردزہ کے واسطے ضرورت تھی) حضرت والا نے ترحماً فوراً تعویذ لکھنے کے لئے ایک لڑکے سے فرمایا۔ قلمدان لے آؤ۔ وہ قلمدان لے آیا۔ وہ مولوی صاحب کھڑے ہوئے پنکھا جھل رہے تھے۔ اس وقت کسی قدر اندھیرا ہوگیا تھا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ چراغ لے آؤں۔ فرمایا نہیں اور تعویذ لکھنا شروع کیا۔ بوجہ اندھیرے کے قدرے دقت ہوئی۔ مولوی صاحب نے پھر عرض کیا چراغ لے آؤں۔ بس حضرت والا نے تعویذ ہاتھ سے رکھ دیا اور فرمایا کہ میں نے قصداً بلا روشنی کے لکھنا شروع کیا تھا کہ دیکھوں آپ کیا کرتے ہیں مگر آپ کو ایک دفعہ کہنے پر بھی صبر نہ ہوا اور جو بات طبیعت میں ہے وہ ظاہر ہوئی ہے۔ آپ کی طبیعت میں امارت ہے اور میری طبیعت میں امارت سے نفرت ہے۔ ابھی اتنا اندھیرا نہیں ہے کہ لکھا نہ جا سکے ذرا کلفت سے سہی۔ یہ امارت ہے کہ شام ہوئی اور لالٹین روشن ہوئیں۔ ذرا گرمی ہوئی پنکھا شروع ہوا۔ میں پیخانہ میں بھی ہر وقت روشنی نہیں لے جاتا ہوں حالانکہ وہاں ضرورت ہے۔ میں اسکو بھی امارت ہی کی شان سمجھتا ہوں کہ پیخانہ کا وقت آیا لالٹین رکھو اور پانی رکھو خوب سمجھ لیجئے کہ بندہ وہ ہے جو بندوں کی طرح رہے اور ترفع اور بناوٹ چیز کیا ہے۔ سوائے اسکے کہ دھوکہ اور وہم وخیال ہے۔ بندہ جب تک زندہ ہے جب تک تو شان بنانی ہی نہیں چاہئے۔ کیا خبر کیا حالت ہونے والی ہے۔ ہاں جب دنیا سے ایمان صحیح وسالم لے کر نکل جاوے تو پھر اینٹھے جتنا چاہے۔

حضرت والا کا سفر ڈھاکہ تیسرے درجہ میں:

مجھ کو نواب صاحب ڈھاکہ نے بلایا اور صرف سفر خرچ کے سو روپے بھیجے۔ میں نے تیسرے درجہ میں سفر کیا جب وہاں پہنچا تو صرف چالیس روپے خرچ ہوئے تھے۔ باقی واپسی کے لئے رکھے۔ نواب صاحب نے واپسی کے لئے خرچ دینا چاہا کیونکہ ان کو یہ یقین نہیں آیا کہ کل اتنا ہی خرچ ہوا ہے۔ میں نے مفصل حساب لکھ کر دکھلا دیا اور وجہ اس کی کی یہ تھی کہ میں

نے تیسرے درجہ میں اکثر حصہ سفر کا قطع کیا۔نواب صاحب حیرت میں تھے۔پھر جب وطن واپس آ چکا تو پھر بھی چالیس ہی روپے خرچ ہوئے اور بیس بچ گئے میں نے واپسی کو نواب صاحب کی اہانت سمجھا اس لئے بعد میں خرچ کر کے انکو اطلاع دیدی۔ایک بار مجھ سے بھائی اکبر علی نے کہا کہ اب تم بڑے آدمی سمجھے جاتے ہو' معمولی آدمی نہیں رہے۔کم سے کم سیکنڈ کلاس میں سفر کیا کرو میں نے کہا کیا کروں میری طبیعت کے خلاف ہے۔میں ریل میں گنواروں اور بھنگی اور چماروں کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔شان کیا چیز ہے۔دو دن کے بعد بھنگی اور چمار بھی مٹی ہونگے اور میں بھی مٹی ہوں گا۔

مولانا محمد قاسم صاحب کا ارشاد:

اس کے بعد ان مولوی صاحب سے کہا یہاں آپ ریاست دکھلانے کے لئے آئے ہیں یا طالب علمی کے لئے۔اگر طالب علمی کے لئے آئے ہیں تو طالب دین بنئے۔دین کی صورت میں دنیا کو نہ طلب کیجئے اور بندہ بن کر رہیئے۔بندے وہ تھے جیسے مولانا محمد قاسم صاحب کہ فرمایا کرتے تھے اگر چار حرف جاننے کی تہمت نہ ہوتی اور اس سے لوگ جان نہ گئے ہوتے تو ایسا گم ہوتا کہ کوئی یہ بھی نہ پہچانتا کہ قاسم دنیا میں پیدا بھی ہوا تھا۔میں نے آج تمہارا وہ خط بھی دیکھا ہے جسمیں آپ نے اپنے بھائی صاحب کو لکھا ہے کہ میرے نام ایک روپیہ کا منی آرڈر مت بھیجنا کیونکہ یہاں لوگ میری عزت کرتے ہیں۔ایک روپیہ کا منی آرڈر آنے سے میری بہت ذلت ہوگی۔جس وقت سے میری نظر اس خط پر پڑی سر سے پیر تک آگ ہو گیا مگر میں نے ضبط کیا کہ آپ اب سمجھ جاویں اب سمجھ جاویں کہنے کی ضرورت نہ پڑے مگر اشارہ تو وہاں کافی ہو جہاں عقل ہو اور جہاں عقل ہو ہی نہیں۔فما یکفی الا الصراحۃ وہاں بے حیا ہی بننا پڑتا ہے۔مولوی صاحب نے عرض کیا میری اسمیں ایک اور مصلحت تھی وہ یہ کہ اس بہانہ سے بھائی ایک سے زیادہ روپیہ بھیجیں گے۔فرمایا اگر یہ ہے تو یہ حرکت آپ کی اور زیادہ بے ہودہ ہے۔اس میں ترفع کے ساتھ خداع مسلم بھی شامل ہے اور مسلم کے افراد میں سے بھی بھائی کے ساتھ سبحان اللہ' عذر گناہ بدتر از گناہ۔مجھے اسی پر طیش تھا کہ ترفع ہے۔یہاں گناہ کے اندر گناہ' گناہ کے اندر گناہ گھسا ہوا ہے۔آپ طالب علمی کرنے آئے ہیں بھائی اطمینان

سے بیٹھے ہوں گے کہ وہاں اصلاح ہو رہی ہوگی۔ یہاں یہ اصلاح ہو رہی ہے۔

خدمت نہ لینے کے وجوہات:

ان باتوں کی طرف تو کسی کو خیال ہی نہیں رہا، نہ عوام کو نہ خواص کو بس یہ سمجھ لیا ہے کہ دین نام ہے بہت سی نفلیں پڑھنے کا یا کتابیں پڑھ لینے کا۔ واللہ دین اور ہی چیز ہے۔ آپ مجھے پنکھا نہ جھلا کریں اور نہ کسی قسم کی میری خدمت کریں۔ آپ کی خدمت مجھے بہت ناگوار ہوگی اور میں یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ اسمیں رمز کیا ہے۔ وہ رمز یہ ہے کہ جب آپ میری ہر وقت خدمت کریں گے تو کوئی دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ آپ میرے مقرب ہیں۔

کسی کو واسطہ نہ بنانے کی حکمت:

پھر اگر وہ آپ سے کوئی بری بات دیکھے گا یا کسی کو آپ سے تکلیف بھی پہنچے گی تو مجھ تک شکایت نہ لا سکے گا۔ یہ ایسی بات ہے کہ دن ورات مشاہدہ میں ہے جہاں اس کا خیال نہیں ہے وہاں لوگوں کو خوب موقعہ ملتا ہے ظلم کرنے کا۔ میں نے نیاز (حضرت والا کے ملازم کا نام ہے) کو بھی منع کر رکھا ہے کہ کسی کا پیغام مجھے کبھی نہ پہنچاؤ۔ جس کو کچھ کہنا ہو براہ راست کہے۔ کیونکہ اس سے یہ خیال ہوسکتا ہے کہ وہ منہ لگا ہوا ہے پھر اسکی شکایت کوئی نہ کر سکے گا۔ نیز جب یہ معمول ہو جاوے گا کہ وہ واسطہ ہو جاوے گا تو ممکن ہے کہ اس کی نیت بدلے اور لوگوں سے تحصیل وصول شروع کر دے جیسا کہ بہت سے مشائخ کے یہاں ہم نے دیکھا ہے کہ بلا خدام کا پیٹ بھرے کیا مجال ہے کو کوئی پہنچ لے اور چونکہ شیخ صاحب کی بدولت ان کو آمدنی ہے اس واسطے اور زیادہ رجوعات بڑھانے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ آنے والوں کو شیخ صاحب کی کراماتیں (ایک صحیح اور دس غلط) سناتے ہیں۔ کچھ ڈراتے ہیں کچھ امید دلاتے ہیں۔ خدا کا نام تو بے طہارت لے لیں مگر شیخ صاحب کا نام کبھی بلا وضو نہ لیں۔ شیخ صاحب کو اچھا خاصہ بت بنا رکھا ہے کہ اسکی پوجا ہو رہی ہے۔ یہ کیا ہے سب ڈھونگ ہے۔ یہ سب اس کا نتیجہ ہے کہ بیچ والوں کو دخل دیا گیا ہے۔

سرسری آنے والوں کو خدمت کی اجازت:

مولوی صاحب خوب یاد کر لیجئے کہ اگر ایک طالب علم ہو کہ مدرسہ میں ہر وقت اپنی کتاب سے دھیان رکھے اور مجھے مہینوں صورت بھی نہ دکھاوے تو اس سے مجھے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ کتاب کو چھوڑ کر رات دن میری خدمت میں لگا رہے۔ حق تعالیٰ کے مقرب بنو۔ بندہ کے مقرب بننے سے کیا ہوتا ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں خدمت لینا کسی سے بھی پسند نہیں کرتا ہوں اور کسی طالب علم کو اجازت نہیں دیتا ہوں خاص کر ذاکرین کے لئے تو میں اس کو بے ادبی سمجھتا ہوں۔ ہاں جو لوگ ایک دو دن کے واسطے آتے ہیں بشرطیکہ پہلے سے ان سے بے تکلفی ہو ان کا دل خوش کرنے کے لئے اجازت دے دیتا ہوں کہ اپنا حوصلہ نکال لو اور جو کوئی یہاں رہنے کے لئے آتا ہے تو اسکو تو دوسرا ہی کام بہت ہے۔ میری خدمت کریگا تو وہ کام کیسے ہوگا جس کے لئے آیا ہے۔ ہاں بچوں کو معاف ہے کیونکہ یہ بھی ان کا ایک کھیل ہے۔ جب یہ خیال آیا اسمیں لگ گئے۔ دوسرا خیال آیا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بعضے بچے دوپہر کو پیر دباتے ہیں ان سے میں نے کہہ رکھا ہے کہ جب نیند آوے سو رہنا۔ وہ ایسا ہی کرتے ہیں نیند آئی اور پیر دباتے دباتے وہیں لوٹ گئے۔ یہ خدمت میرے اوپر بار نہیں ہوتی۔ رہی بڑوں کی خدمت تو اس میں کوئی انکی غرض بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس مفسدہ سے تو خالی ہے ہی نہیں جو میں نے ابھی بیان کیا۔ ان باتوں کو خوب یاد کر لو۔ مولوی صاحب نے عرض کیا جو کچھ مجھ سے غلطی ہوا کرے تو ٹوک دیا کیجئے۔ فرمایا میں کوئی پولیس کا سپاہی ہوں کہ ہر وقت ڈنڈا لئے تمہارے پیچھے پھرا کروں۔ ایک ایک بات کہاں تک ٹوکوں گا۔ تمہیں چاہئے کہ مجھے دیکھو اور میری سی عادتیں اختیار کرو۔

۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ بعد مغرب در مدرسہ مقام خلوت۔

فوائد و نتائج

(۱) تعلیم دین صرف کتابیں پڑھانے کا نام نہیں:

تعلیم دین صرف کتابیں پڑھا دینے کا نام نہیں بلکہ عبادات، عادات اخلاق ان سب کا

اچھا برا بتانے اور موافق شریعت انکے کاربند بنانے کا نام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق تعالیٰ نے معلم بنا کر بھیجا تھا۔ قرآن شریف میں ہے **یعلمھم** اور حدیث میں ہے **انما بعثت معلما** یعنی میں صرف معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف زبانی بتا دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر وقت کی روک ٹوک سے امر رسالت کو پورا کیا۔ یہی طریقہ نائبین حضورؐ کا ہونا چاہیئے طلبہ کو خود مختاری اور آزادی دینا کمال تعلیم کے خلاف ہے۔(۲) قولہ۔ بندہ وہ ہے جو بندوں کی طرح رہے۔ حدیث میں ہے **اما انا فأکل کما یاکل العبد** ۔ترجمہ۔ میں اس طرح کھانا کھاتا ہوں جیسے بندہ یا غلام کھاتا ہے۔اس حدیث میں اگرچہ تواضع کا ذکر صرف کھانا کھانے کے متعلق ہے مگر دوسرے عادات کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے۔

(۳) حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کی ایک وصیت عبادت عادت بن جانا: قولہ۔ میں نے کہا کیا کروں میری طبیعت کے خلاف ہے۔ یہ عبادت کا عادت بن جانا ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی قدس سرہ العزیز کی وصیت ہے کہ کمال دین جب سمجھو جبکہ طاعت عادت ہو جاوے

والیہ یشیر قولہ تعالیٰ تتجا فی جنوبھم عن المضاجع. اسند التجا فی الی الجنوب بمعنی ان الجنوب اعتادت التجا فی فکانھاھی الفاعلة للتجا فی بدون ارادۃِ صاحبھا وھو معنی کون الطاعة عادة

تواضع وانکسار حضرت والا کی عادت بن گیا ہے۔ کبھی حضرت والا مدرسہ سے مکان تک برہنہ پا بھی چلے جاتے ہیں۔ یہ غایت درجہ کا انکسار ہے اور اس حدیث کی تعمیل ہے۔ **امرنا ان نختفی مرة** صحابہ کہتے ہیں ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کبھی ننگے پاؤں بھی چل لیا کرو۔ اسی تواضع پر حق تعالیٰ کی طرف سے حسب وعدہ **من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ** (یعنی جو کوئی لوجہ اللہ تواضع اختیار کریگا اسکو حق تعالیٰ رفعت دیں گے) وہ عزت و رفعت مترتب ہوئی ہے کہ بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ حضرت والا کوئی تسخیر کا عمل پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ سوال بھی کر بیٹھے کہ حضرت وہ عمل ہم کو بھی بتا دیجئے۔ فرمایا نہ میں نے عمل پڑھا

ہے نہ مجھے کوئی ایسا عمل آتا ہے نہ میں اسکو اچھا سمجھتا ہوں۔

مسئلہ: اگر کوئی کسی کو بلاوے اور سفر خرچ اعلیٰ درجہ کا دے تو کیا جانے والے کو جائز ہے کہ درجۂ ادنےٰ میں سفر کرے اور باقی ماندہ رقم خود رکھ لے جواب قرائن سے دیکھنا چاہئے کہ دینے والے کی نیت تملیک ہے یا اباحت۔ اگر تملیک ہے تو بچالینا جائز ہے اور اگر صرف اباحت ہے تو بچالینا درست نہیں۔ تملیک کا قرینہ یہ ہے کہ حساب نہ لیا جاوے جیسے ملا زمان کو درمیانہ درجہ کا دونا کرایہ سرکار سے ملتا ہے اور اباحت کا قرینہ یہ ہے کہ حساب لیا جاوے۔ حضرت والا کو جو رقم نواب صاحب نے بھیجی وہ ظاہرا تملیک ہی کے قسم سے تھی کیونکہ حساب لینا ایسی معمولی رقم کا نواب صاحب سے بعید ہے لیکن حضرت والا نے اس میں سے بھی بچانا منظور نہ فرمایا۔

(۴) دنیا دار صرف وہی نہیں ہے جو دنیا کا کھلم کھلا طالب ہو۔ بہت سے ظاہری دیندار بھی درحقیقت دنیادار ہیں۔ نفس شیطان دین کی صورت میں دنیا کوان سے کمواتا ہے جیسے بہت سے مناظر کہ غرض اُن کی صرف تعلّی اور اپنا علم جتانا ہوتی ہے اور جیسے بہت سے متصنع شیخ کہ غرض ان کی تحصیل مال ہوتی ہے۔ انہیں کی نسبت مولانا فرماتے ہیں۔

شعر

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست	پس بہر دستے نشاید داد دست
وقال آخر علم رسمی سربسر قیل است وقال	نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال
علم چہ بود آں کہ رہ بنما یدت	زنگ گمراہی زدل نیزد ایدت
ایں ہو سہا از سرت بیروں کند	خوف وخشیت دردلت افزوں کند
تو ندانی جزیجو زولا یجوز	خودندانی کہ تو حوری یا عجوز

(۵) بے تحقیق کسی کی نسبت کوئی رائے قائم کرنا کوئی بات پوچھنے میں جلدی نہ کرنا:

اس واقعہ کا ہر ہر جزو حکمتوں سے لبریز ہے اور یہ واقعہ قل ان صلوتی ونسکی و محیای ومماتی للہ رب العالمین کا پورا مظہر ہے۔ افسوس ان لوگوں کے حال پر جو

تھانہ بھون آئے اور حضرت والا کی معمولات وتعلیمات وافعال واحوال واشغال میں غور نہ کیا اور کبیدہ خاطر رہے اور چلے گئے' نہ اتنی توفیق ہوئی کہ جس بات کی حکمت سمجھ میں نہ آئی ہو وہ کسی سے پوچھ ہی لیں یا انتظار کریں کہ خود معلوم ہو جائے جیسے ایک عارف نے کہا ہے۔

شعر

چولقماں دید کاندر دست داؤد ہمیں آہن بمعجز موم گردد
نپرسیدش ازاں تا چہل سالے بامید آنکہ خود معلوم گردد

حضرت جنید کا قصہ دربارہ غیبت:

اپنے گمان سے حکم کر دینے کی نسبت قرآن شریف میں ہے **اجتنبوا کثیرا من الظن** (یعنی بہت سے گمانوں سے بچو) حضرت جنید قدس سرہ کا قصہ ہے کہ ایک شخص کو دیکھا کہ ہٹا کٹا ہے اور سوال کر رہا ہے۔ آپ نے دل میں کہا کہ کیسا بے غیرت ہے ایسا توانا وتندرست ہو کر مانگتا ہے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ نے ایک لاش سامنے رکھی اور چھری ہاتھ میں دی۔ انہوں نے کہا کیا کروں کہا اس کو کھاؤ کہا یہ تو مردار ہے اسے کیسے کھاؤں۔ کہا جیسے دن میں کھایا تھا۔ حضرت خواجہ بیدار ہوئے اور اس شخص کو تلاش کر کے عفو تقصیر کرایا۔

(۶) کسی کا خط بلا اجازت دیکھنا درست ہے یا نہیں:

سوال: کسی کا خط بلا اجازت دیکھنا درست ہے یا نہیں

جواب: درست نہیں مگر اس کا عدم جواز معلول بہ علت ہے وہ علت کاتب خط کو نقصان پہونچنا ہے اور حدیث میں ہے **المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ**

ترجمہ۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے اور مسلمان محفوظ رہیں۔ یا اس کی ایذاء ہے جو بعض خفیات امور کے افشاء سے ہوتی ہے اور کسی کا خط دیکھنے سے یہ ضرور ہوتی ہے اکثر یا ارتکاب فعل لغو ہے۔ اگر خط دیکھنے سے نہ کاتب کو نقصان پہونچے نہ اس میں کوئی خفیہ بات کا احتمال ہو اور نہ اسکا کوئی نفع ہو۔

قال تعالیٰ والذین ھم عن اللغو معرضون ط قدم الا عراض عن اللغو علی

کثیر من الاعمال الواجبة کالزکوۃ و العقاب و القیام بالشہادۃ و امثالھا۔

ترجمہ: اور وہ لوگ جو فضول کام سے بچتے ہیں۔ عراض عن اللغو کو بہت سے ضروری اعمال پر مقدم کیا جیسے زکوٰۃ اور عقاب اور شہادت وغیرہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب بن بلتعہ کا خط کھلوایا:

اور اگر کسی صورت میں دوسرے کا خط دیکھنا ان تینوں علتوں سے خالی ہو اور کاتب ہی کی کوئی مصلحت بھی ہو تو حکم عدم جواز بھی مرتفع ہو جاویگا اور مندوب ہو جاویگا جیسے ماں باپ کا اولاد کے خطوط کی نگرانی رکھنا۔ استاد اور اتالیق اور مربی کا طلبہ کے خطوط کو دیکھنا یا حاکم کا رعایا کے اقوال وافعال کی خبر رکھنا کہ یہ سب کہیں جائز ہیں اور کہیں ضروری۔ حضور[1] سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب بن بلتعہ کا خط لے جانے والے سے بالجبر چھنوالیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باخبری

وقال تعالیٰ و یقولون ھو اذن قل اذن خیر لکم یعنی منافقین اعتراض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ تو مجسم کان ہیں (یعنی آپ کو ہر ہر خبر پہنچتی ہے) فرمادیجئے ہاں مجسم کان ہوں تمہارے بھلے کے لئے اور اگر خط کے دیکھنے کو بلاکسی علت کے ممنوع کہا جاوے تو ہزاروں مفاسد کا فتح باب ہوتا ہے جن کا خلاصہ آزادی وخودسری ہے۔

ایک معزز کی بیٹی کا بوجوہ عدم نگرانی بھاگنا:

ماں باپ اولاد کو منع نہ کریں۔ استاد طلبہ کی باتوں میں دخل نہ دیں حاکم رعایا کی نگرانی نہ کرے تو تربیت وسیاست کچھ بھی نہ ہو سکے۔ ایک معزز شخص نے بتقلید یورپ اپنی اولاد کو آزادی اور خودمختاری کے ساتھ رکھا۔ کئی بیٹیاں تھیں۔ ہر ایک کو ایک ایک کمرہ رہنے کو اور

---

[1] مختصر قصہ اس کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ شریف پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو صحابہ سے مشورہ کیا۔ اس مجمع میں حضرت حاطب بن بلتعہ صحابی بھی تھے۔ بہت بھولے تھے بعض اپنی مصلحتوں پر نظر کر کے انہوں نے ایک خط اہل مکہ کو لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ چلتا کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تو فوراً آپ نے چند سوار روانہ کئے اور عورت کا پتہ نشان سب بتادیا چنانچہ وہ عورت راستہ میں ملی اور بمشکل وہ خط اس کے بالوں میں سے برآمد ہوا۔

ایک ایک نوکر خدمت کو دیا اور خود فیشن کے رعب سے کبھی نظر بھی اٹھا کر ان کمروں کی طرف نہ دیکھتے تھے۔ انجام یہ ہوا کہ ایک لڑکی کی ایک کم حیثیت جوان سے آنکھ لگ گئی اور اس کی آمد وشد ہونے لگی۔ خبر گیروں اور مربیوں کے لئے فیشن جیسا سخت دربان لگا ہوا تھا ان کو اطلاع بھی نہ ہوئی اور لڑکی اس کے ساتھ بھاگ گئی اور تمام خاندان کی عزت کو یورپ روانہ کر گئی۔ حضرت والا نے عورتوں کے خطوط کے لئے یہ شرط لگا دی ہے کہ پتہ مرد کا ہاتھ کا لکھا ہوا ہو۔ نیز بہشتی زیور میں رائے دی ہے کہ مناسب ہے کہ جب عورت خط لکھے تو گھر والوں کو سنا دے اور پتہ بھی مرد کے ہاتھ سے لکھوائے تاکہ مردوں سے مخفی نہ رہے۔ یہ خطوط کے بارہ میں تحقیق ہے۔ اس سے کوئی صاحب دوسرے کا خط دیکھنے میں توسع نہ نکال لیں کیونکہ جب تک تینوں علتوں مذکورہ کا ارتفاع نہ ہو جاوے ہرگز ہرگز گنجائش نہیں۔ آج کل نوجوانوں کو یہ مرض ہے کہ اپنے کسی عزیز قریب کا خط یا حساب کتاب اکثر دیکھ لیتے ہیں حالانکہ نہ وہ ان کے مربی ہیں نہ حاکم۔ صرف ایک نفسانی حرکت ہے جو کم سے کم لغو کے مرتبہ میں تو ضرور ہے بلکہ اغلب ایذاء اور نقصان رسانی کے مرتبہ میں ہوتی ہے۔ انکو غور کرنا چاہئے کہ اگر ان کا اسی جیسا خط وہ شخص دیکھنا چاہے جس کا خط یہ دیکھنا چاہتے ہیں تو ناگوار ہو گا یا نہیں اور حدیث میں ہے **احب لاخیک المسلم ماتحب لنفسک تکن مسلما** یعنی اپنے بھائی مسلمان کے لئے وہی بات پسند کرو جو اپنے واسطے پسند کرتا ہو تب تو مسلمان ہوگا۔ اس باب میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے کسی کا خط دیکھ لینا حق العبد ہے جو بلا صاحب حق کے معاف کئے معاف نہیں ہو سکتا (۷) قولہ مجھے دیکھو اور میری سی عادتیں اختیار کرو۔ یہی طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا تھا **قال تعالے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** ترجمہ تمہارے لئے رسول اللہ میں اقتداء نیک موجود ہے فی قول رسول اللہ نہیں فرمایا بلکہ عام رکھا جسکے معنی یہ ہوئے کہ ہر طرح کا اتباع چاہئے۔ اسی واسطے علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل و تقریر سب کو حدیث کہا ہے بلکہ خیر القرون یعنی صحابہ و تابعین کے قول و فعل و تقریر تک کو حدیث میں داخل کیا ہے۔

مجلس چہل و ہشتم (۴۸)

نسبت بالرسول علیہ بالسلام ونسبتہ باللہ عزوجل:

عبداللہ خاں صاحب تھانہ دار کے ماموں صاحب نے عرض کیا (یہ صاحب علم اور صحبت یافتہ شخص ہیں۔ انکا ذکر حکمت چہل ودوم میں بھی آیا ہے) کہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے شیخ جن سے ہم مرید ہیں تمام دوسرے مشائخ سے افضل ہیں اور مرید کے لئے تصور شیخ بھی ایک چیز ہے۔ نفع بھی ہوتا ہے اور لذیذ بھی ہے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام شیخوں کے شیخ ہیں تو تمام مشائخ سے افضل ہوئے بلکہ حضور تو انبیاء علیہ السلام کے بھی امام ہیں تو آپ تو دنیا و مافیہا سے افضل و برتر ہوئے۔ بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ جب یہ ہمارا اور تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے تو حضور کا تصور تو بڑی چیز ہوا۔ لیکن جب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصور کا ارادہ کرتا ہوں تو اندر سے دل قبول نہیں کرتا اور لذت نہیں حاصل ہوتی گویا مجھ سے ہو ہی نہیں سکتا۔ ہاں اللہ کے تصور ذات میں جی لگتا ہے اور لذت آتی ہے۔ یہ کیا بات ہے اور اسمیں خطا و صواب کیا ہے۔ فرمایا مذاق مختلف ہوتے ہیں بعضوں پر حب حق غالب ہوتی ہے اور بعضوں پر حب رسول۔ آپ پر توحید کا غلبہ ہے اور فی نفسہ صحیح دونوں مذاق ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت بھی درحقیقت حق تعالیٰ ہی کی محبت ہے کیونکہ آپ سے محبت من حیث الرسالۃ ہے اور نائب کی محبت من حیث النیابۃ درحقیقت حق تعالیٰ ہی کی محبت ہے اور اللہ کو ہم نے پہچانا کیسے بذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلم وسلم کے تو جب تک کہ آپ کا واسطہ نہ ہو حب اللہ حاصل نہیں ہو سکتی اور میرا مذاق بھی آپ ہی کا سا ہے مجھے کسی چیز میں ایسی لذت نہیں آتی جیسی ذکر اللہ میں آتی ہے اور یہ یاد رکھئے کہ دونوں محمود ہیں۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ بعد عشاء مسجد سے مکان کو جاتے وقت وقت شب سہ شنبہ

فوائد ونتائج

(۱) تفصیل شیخ خود:

قولہ ہمارے شیخ تمام مشائخ سے افضل ہیں۔ مرید کے لئے یہ عقیدہ ہونا ضرور ہے

(اسکی بحث امداد السلوک میں بہت اعلیٰ درجہ کی ہے) ورنہ شیخ کے ساتھ پوری معیت باطنی نہیں ہوسکتی ہے اور فیضان کامل نہیں ہوسکتا اس مسئلہ پر بعض اشکال ہیں۔ راقم اس کو کمالات امدادیہ سے نقل کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا (حضرت قطب العالم حاجی صاحب قدس سرہ نے) اپنے شیخ کی نسبت یہ اعتقاد رکھے کہ زندہ بزرگوں میں میری طلب وسعی سے اس سے زیادہ مجھ کو نفع پہنچانے والا نہیں مل سکتا۔ ف اس ارشاد میں اس مسئلہ مشہورہ کی شرح ہے کہ اپنے شیخ کو تمام بزرگوں سے افضل سمجھنا ضرور ہے۔ اس مسئلہ کا لقب وحدت مطلب ہے اور اسکے لوازم میں سے ہے دوسرے کی طرف توجہ نہ کرنا۔ اس مشہور عنوان پر چند شبہات واقع ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ تمام بزرگوں میں متقدمین اولیاء اللہ اور حضرات صحابہ واہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کا افضل الامت ہونا ثابت ہے داخل ہوئے جاتے ہیں پس ایسا سمجھنا کس طرح جائز ہوگا۔ دوسرے اگر متقدمین سے قطع نظر کی جاوے اور صرف معاصرین ہی کو لیا جاوے تب بھی مدار فضیلت کا قبول عنداللہ پر ہے اور یہ امر غیبی ہے کہ عنداللہ کون زیادہ مقبول ہے۔ اسمیں رائے سے حکم کرنا جائز نہیں پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ فلاں بزرگ سب سے زیادہ مقبول ہیں پس ایسا اعتقاد غلط وصول الی اللہ کی شرط کس طرح ہوسکتا ہے پس حضرت صاحب نے اس کی کیسی اچھی شرح فرمائی ہے کہ بزرگوں کے عموم کو زندہ کی قید سے مخصوص کر دیا اور بجائے افضل کے انفع فرمایا اور بجائے واقعی کے اپنی سعی کی منتہی ہونے کو ارشاد کیا جس سے سارے اشکالات دفع ہوگئے۔ اس سے حضرت صاحب کا کمال عمق علمی اور مجدد فن ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے بروایت معتبرہ مسموع ہوا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ تو حضرت صاحب کے اور کمالات دیکھ کر معتقد ہوئے اور میں کمال علمی کی وجہ سے معتقد ہوا ہوں۔ سبحان اللہ

خویش را صافی کن از اوصاف خود　　تا بہ بینی ذات پاک صاف خود

بینی اندر دل علوم انبیاء　　بے کتاب و بے معین واوستا

تصور شیخ کے معنی: (۲) تصور شیخ کے معنی۔ اس کو برزخ اور رابطہ اور واسطہ بھی کہتے ہیں چونکہ اس مجلس چہل وہشتم میں شوق کلام صرف نسبت توحید اور نسبت رسالت کے بارہ میں

ہے اس واسطے تصور شیخ کی تحقیق اور مالہ و ماعلیہ سے تعرض کرنا بے ضرورت ہے۔ صرف اس کے متعلق ایک علمی اور ایک عملی غلطی کا بیان کیا جاتا ہے۔ علمی غلطی تو یہ ہے کہ بعض جاہل صوفی اسکی حقیقت یہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وقت پیر صاحب کی شکل دیکھا کرے اور جو دور ہو تو اس کی شکل کا تصور ہی کیا کرے اور یہ سمجھے کہ یہ خدا کی صورت ہے۔ ایسے ایک فقیر تھانہ بھون ہی میں مدت تک رہے جن کی صرف یہ تعلیم تھی کہ ہماری صورت کا تصور کرو۔ نماز روزہ کی بھی ضرورت نہیں (مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہئے) تصور شیخ کے یہ معنی تو بالکل بے اصل اور گمراہی ہے۔ معنی صرف یہ ہیں کہ شیخ کی صورت اور کمالات کا زیادہ خیال کرے اس سے محبت کی زیادتی اور نسبت کو قوت ہو جاتی ہے اور عملی غلطی یہ ہے کہ تصور شیخ کو ضروری سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلطی ہے۔ حضرت والا تعلیم الدین میں فرماتے ہیں صفحہ ۱۱۳ راقم کا تجربہ ہے کہ یہ شغل خواص کو تو مفید ہوتا ہے اور عوام کو سخت مضر کہ صورت پرستی (بت پرستی) کی نوبت آ جاتی ہے اور خواص بھی اگر کریں تو احتیاط کی حد تک محدود رکھیں اس کو حاضر و ناظر اور ہر وقت اپنا معین و دستگیر نہ سمجھ لیں کیونکہ کثرت تصور سے کبھی صورت مثالیہ روبرو ہو جاتی ہے کبھی تو وہ محض خیال ہوتا ہے اور کبھی کوئی لطیفہ غیبی اس شکل میں متمثل ہو جاتا ہے اور شیخ کو خبر بھی نہیں ہوتی اور تصور کرنے والا سمجھتا ہے کہ شیخ موجود ہیں میرے حال کو دیکھ رہے ہیں جیسے حضرت یوسف علیہ اسلام نے بروقت اصرار زلیخا کے حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دیکھی لولا ان رای برھان ربہ کی یہی تفسیر ہے۔ اگر وہ واقع میں حضرت یعقوب علیہ السلام ہوتے تو پھر بیٹوں سے تلاش کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہاں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جیسے تصور شیخ میں دو غلطیاں یعنی علمی و عملی ہیں ایسے تصور شیخ الشیوخ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی ہیں۔ حضور کی صورت مبارک کو صرف خدا سمجھنا یا حضور کو حاضر و ناظر سمجھنا غلطی ہے۔ حضورؐ کے جائز تصور کے یہی معنی ہیں کہ حضورؐ کے کمالات و حالات کو بکثرت پڑھنا یاد کرنا درود شریف کا ورد زیادہ رکھنا حلیہ شریف کو کتاب میں بار بار پڑھنا۔ جیسا کہ تصور شیخ سے یکسوئی از خیالات و رفع وساوس اور قوت اور قوت نسبت اور زیادتی

محبت ہوتی ہے ایسے ہی بلکہ بدرجہ اکمل واعلیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جائز تصور سے ہوتی ہے۔ رہا حاضر و ناظر جاننا اور بقطع کلی از غیر متوجہ ہونا یہ صرف ذات حق تعالیٰ عز اسمہ کا حق ہے اور درود شریف کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فوراً پیش کیا جانا لفظ حاضر و ناظر کے ہو جانے کو مستلزم نہیں بلکہ یہ ایسا ہے جیسے آج کل بذریعہ تار خبر پہنچتی ہے کہ ادھر ایک شخص تار پر ہاتھ رکھتا ہے ادھر فوراً دوسرے تار گھر میں خواہ وہ کتنی ہی دور ہو آواز ہوتی ہے بلکہ بعض جگہ یہ بھی ایجاد ہو گئی ہے کہ تار دینے والے کی تصویر بھی خبر کے ساتھ جاتی ہے بلکہ یہ بھی ہوا ہے کہ کاتب مکتوب الیہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں لیکن یہ حاضر ناظر ہونا نہیں ہے کیونکہ یہ الفاظ جب خدائے تعالیٰ کے واسطے بولے جاتے ہیں تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ بلا توسط اسباب اور بلا احتیاج الی غیرے حاضر ناظر ہیں۔ کوئی چیز کسی حال میں ان سے چھپ نہیں سکتی اور کاتب اور مکتوب الیہ کا باہم نظر آنا بذریعہ برق کے ہے اور صاحب برق کے فعل سے ہے اس کے بلا اجازت و رضامندی نہیں ہو سکتا اور اتنی ہی دیر تک ہو سکتا ہے کہ وہ برق کو حرکت دے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے ملائکہ معین فرما رکھے ہیں جو درود شریف کو فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتے ہیں گویا درود شریف پڑھتے وقت ایک تار پڑھنے والے اور حضورؐ کے درمیان لگ جاتا ہے اس وقت اگر حضورؐ کو حاضر و ناظر کہا جاوے تو اس مکتوب الیہ بلکہ کاتب کو بھی حاضر و ناظر کہنا چاہئے جن کے درمیان بذریعہ تار مع رویۃ باتیں ہو رہی ہوں وھو کما تری بلکہ اسمیں ایہام ہے۔ حق تعالیٰ کی صفت کا کسی دوسرے کے واسطے ثابت کرنے کا تو اس شخص کا اپنی حد سے بڑھانا اور شان خداوندی کا گھٹانا ہوا۔ اہل علم کے لئے تو یہ صرف صورۃً ہے اور عوام اگر اس لفظ کا اطلاق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کرنے لگیں گے تو اس معنی تک بھی ان کی رسائی نہ ہوگی کہ صرف باعتبار معنی لغوی کے حاضر و ناظر آپ کے لئے کہا گیا ہے وہ اس سے وہی معنی لیں گے جو ذات خداوندی پر اطلاق کے وقت لیتے ہیں اور یہ شرک ہے تو عوام کے مغالطہ میں پڑنے کی وجہ سے یہ اطلاق اہل علم کے لئے بھی مناسب نہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے کسی نے مشہور کیا کہ

بھوپال میں تحصیلدار ہو گیا ہوں اور اصلیت صرف یہ ہی ہے کہ محصل چندہ ہو گئے تھے معنی لغوی کے اعتبار تحصیلدار صحیح ہے مگر سننے والوں نے اور کچھ سمجھا۔ بلکہ لغۃً بھی صرف ناظر کا اطلاق تو صورت مذکورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہو سکتا ہے۔ حاضر کا صحیح نہیں کیونکہ حضور وہاں تشریف نہیں لاتے بلکہ رویت دور ہی سے ہو جاتی ہے لفظ حاضر ناظر کا اطلاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود شریف پڑھنے کے وقت بھی صحیح نہ ہوا نہ لغۃً اور نہ شرعاً کیونکہ موہم شرک اور باعث غوایۃ عوام ہے تو درود شریف پڑھنے کے علاوہ اوقات میں تو مفاسد مذکورہ کے علاوہ زیادتی علی الشرع بھی ہوئی کیونکہ شریعت میں صرف درود شریف کی اطلاع حضورؐ کو ہونا اور حضورؐ کا جواب دینا ثابت ہے۔ دیگر اوقات میں حضورؐ کا کسی کو دیکھنا یا کسی کے عمل پر مطلع ہونا سوائے وقت عرض اعمال یعنی شب جمعہ اور شب دوشنبہ کی ثابت نہیں الا آنکہ بطور خارق عادت ہو تو حضور کو حاضر و ناظر سمجھ کر تصور باندھنا محض ایجاد فی الدین ہوا جس کا نام بدعت سیئہ ہے ایسا عمل سخت مذموم ہے۔ باعث تقرب کیسے ہو سکتے۔ تصور رسولؐ میں یہ علمی و عملی غلطیاں ہیں جس میں اکثر پڑھے لکھے بھی مبتلا ہیں۔ تصور رسولؐ کا جائز طریقہ یہی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات و حالات کو اکثر یاد کرنا اور درود شریف کا زیادہ ورد رکھنا۔ حدیث و قرآن کی تعلیم و تعلم کا مشغلہ رکھنا رہا خطاب ایھا النبی تشھد میں وہ اس کو مستلزم نہیں کہ آپ کو بلا واسطہ علم ہو یہاں بھی ملائکہ کے واسطے سے علم ہے اور یہ خطاب ایسا ہے کہ جیسے قاصد سے کہے کہ فلاں جگہ جا کر ہماری طرف سے یوں کہنا کہ اے میرے دوست فلاں بات اس طرح ہے اور جہاں خطاب منصوص نہیں وہاں اس کا اعتقاد بھی جائز نہیں کہ اسکا علم بواسطہ ہو جائیگا۔ تصور شیخ کی بحث تعلیم الدین میں صفحہ ۱۱۳ پر ہے اور رسالہ القاسم میں بھی بماہ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ کچھ لکھی گئی ہے اور تکشف میں مشرح ہے۔ تعلیم الدین میں خلق اللہ آدم علی صورتہ کا حل بھی ہے۔

غلبۂ توحید افضل ہے یا غلبۂ رسالت:

(۳) سوال۔ غلبۃ التوحید افضل ام غلبۃ حب الرسول مع انہ مسلم ان

كـلاهـمـا مـحـمـود ان. جواب. ظاهران غلبة التوحيد افضل و اعلیٰ. لان شـرف التـعـلـق منوط بشرف المتعلق فكما ان ذات اللّٰه عزوجل افضل و اعـلیٰ من ذات الرسول عليه السلام فكذا غلبة التعلق به افضل و اعلی من غلبة التعلق بالرسولﷺ عليه الصلوٰة والسلام. وهذا امر ظاهر غايت الظهور ومـحـقق غاية التحقيق لا يمكن الكلام فيه لكن لتكن علیٰ حذر من الغلط فيـه فلاتـفهـم ان فـی هـذا الـقـول تـنـقيص لحضرة الرسالة عليه الصلوٰة والسـلام مـن انـه اذا قيـل لـواحد من الشيئين انه اعلےٰ فقد قيل للآخر انه ادنـیٰ وهذا لفظ تقشعر منه الجلود من استعماله فی حضرة الرسالة ارواح الـمؤمنين فداه. لان مثل تلک اللوازم لايعود بها ضمان علی متكلم اصلا فـالله تعالیٰ ناظر الی الحقيقة لاالصورة فما ظنک بمالا دخل له لاحقيقة ولا صـورـة بـل انـما جاء لزومه من فهم ناقص ولايخلو كلام عن مثل هذه الـلـوازم فـان مـن قال ان نبينا صلے اللّٰه عليه وآله وسلم افضل الانبياء فقد لزوم بحسب اللزوم المذكوران من سواه من الانبياء هم ادنیٰ وهو تنقيص لشان من رفعه اللّٰه وهو كفر صريح ثابت. وهل هذا الاسقم الفهم. فقد التضح ان لزوم نقصان شان الرسالة من الكلام المذكور سفسطه ومغالطه لا.

غلبۂ توحید کہنے میں ایک غلطی:

واقعية له. نعم مغالطة اخری يجب ان ينبه عليها وهی ان لاتفهم من كلامنا مذاق غلبة التوحيد اعلیٰ من مذاق غلبة حب حضرة الرسالة ان السالک يترقی من مذاق غلبة حب حضرت الرسالة الی مذاق غلبة التوحيد بمعنی انه يتجاوزعنه ويتركه ورااء ه ويستغنی عنه كما يتفوه به بعض المتصوفين الـمـتـصـنـعـين يـقـولـون مـالا يعقلون فيضلون ويضلون بل المعنیٰ ان كلا الـمـذاقـيـن صـحـيح و ضروری للانسان لايمكن الكفاية علی واحد منهما

مع ان فیما بینهما فرق المرتبة و یحصل توضیحه بهذ المثال.

ایک طبی مثال:

ان للانسان اعضاء بعضها اشرف من بعض فالاشرف هی الاعضاء الرئیسة اعنی القلب و الدماغ و الکبد لا استغفناءِ لانسان عن واحد منهما لکن مع ذلک حق ان فیما بین هذه الثلثة ایضاً فرقافی المرتبة فالقلب رئیس الرؤسا و اعلیٰ و ارفع من صاحبیه فالشیخ بمنزلة الکبد للطالب مثلا والرسولؐ علیه السلام بمنزلته الدماغ و الله سبحانه کالقب وقد حقق الاطباء ان فی بعض افراد الانسان یکون القلب اقوی و فی بعض الدماغ و فی بعض الکبدبل قالوا وهو حق ثابت ان فی بعض الناس یکون الیدا قوی و فی بعض المعدة و فی بعض الرجل مثلاً. فلیس مرادهم ان من هو قلبه اقوی یستغنی عن الدماغ و الکبدبل احتیاجه الیهما کا حتیاج سائر الناس الیهما لاامتیازله اصلا منهم فی ذٰلک بل ثمرة قوة قلبه انماهی ان الافعال التی لها تعلق بالقوة القلبیة تصدر عنه اکثر ممن سواه ومن کان دماغه اقوی تصدر عنه الافعال الدماغة اکثر و کذلک فی الکبد فنقول فی الممثل له ان الطالب لابدله من نسبة (ای تعلق) بالشیخ الذی هو کالکبدله کما فرضنا آنفا و لا بدله من نسبة بالنبی صلے اللّٰه علیه و آله وسلم الذی هو کالدماغ له فی التمثیل و لا بدله من نسبة باللّٰه عزوجل الذی هو کا لقلب له لا یاتی علیه زمان وحین بل آن وطرفة عین یستغنی فیه من واحد من النسب الثلثة (ومن ادعی ذالک فکانه ادعی امکان ان جزج من بدن انسان الکبد و الدماغ ثم یبقی قلبه حیا وهو کماتری و مع ذالک فلااستبعاد فی ان تکون نسبة ما من النسب الثلثة اقوی من اختیها کما حقق الاطباء کون عضو من العضاء الرئیسة اقومی فی فرد فمعنی

کون نسبة اقوى ان كل النسب موجود فيه بقدر مايكفى لحياة ايمانه لانقصان فى واحد منها من ذالک الوزن نعم واحد منها قدزادت من القدر الضرورى ولا حزج فيه نظيره فى الاعمال ما جاء فى الحديث للجنة ابوابا فمن كان من اهل الصلوة يدعى من باب الصلوٰة و من كان من اهل الصيام يدعى من باب الصيام (ويسمى الريان) وكذلک فقال ابوبكر فهل يدعى احد من الابواب كلها فقال صلے الله عليه وآله وسلم نعم وارجو ان تكون منهم. فليس معنى الحديث من كان من اهل الصلوٰة انه يصلى الصلوة فقط ولايعمل عملا اخر

بل المعنى ان الصلوة عليه غلبة من سائر الاعمال مع ان الاعمال كلها يعملها بقدر ماامربه.

بقی سوال غلبہ نسبت بالشیخ یا بالرسول علیہ السلام یا باللہ اختیاری ہے یا نہیں: وهو ان النسب الثلثة هل هى اختيارية ام اضطرارية اى يمكن اكتسابها والانتقال من احدها الى اخرى ام هى جبلية لا يمكن اكتسابها ولا الانتقال من واحد منها الىٰ الاخرىٰ بالاختيار فلعل التحقيق فى ذلک ان القسط الذى يومر بحكم بوجوبها اختيارية فانها من الاعمال الشرعية المكلف بها ولا تكلف الا بعد الاختيار وهو محمل قول عمر لرسول اللّٰه صلے الله عليه وآله وسلم انت احب الى من كل شئ الا نفسى الذى مابين جنبى فقال صلى الله عليه وآله وسلم لاتكون مومنا حتى اكون احب اليک من نفسک قال فاذاً انت احب الى من نفسى يدل على ان تلک النسبة اختيارية. فالمؤمن مكلف بان يكون شيخه احب اليه من سائر الناس والنبى صلے اللّٰه عليه وآله وسلم احب اليه من الشيخ والله احب اليه من النبى صلى اللّٰه عليه وآله وسلم بمعنى ان يرجح امر الشيخ على او امر الناس وامر النبى صلى الله عليه وآله وسلم على امر الشيخ وامر الله تعالىٰ

علی امر النبی صلی الله علی و آله وسلم والمراد من الامر ما امر بوجوه به واما القسط الذی لایحکم بوجوبها وهو الشغف فلیست باختیاریة یتفضل الله بها علی من یشاء من عباده ولایکون الطلاب فیه سواء فلبعضهم غلبة النسبة باالنبی صلی الله علیه وآله وسلم ولبعضهم غلبة نسبة التوحید وکلها محمودة لانها فوق الدرجة التی حکم بوجوبها وان کانت فیما بینها متفاوتة المراتب وهو المراد بقول مولانا ان کلاهما محمود ان ولایبعد ان یکون هذا الشغف وتبدیله ممکنا بتصرف الشیخ وا فادته فان الله یبدل الجبلة علی یدیه و یخرق العادة نعم علی الطالب ان لایصر من عند نفسه علی شئی منهابل یفوضه الی رای الشیخ ویکون کالمیت فی یدالغسّال.

مجلس چہلم ونہم (۴۹)

حضرت حاجی صاحب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صورۃ مبارک میں مدتوں رہے ہیں: عبداللہ خاں صاحب مذکور کے ماموں صاحب نے کہا کہ سنا گیا ہے کہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب قدس سرہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صورۃ مبارک میں برسوں رہے ہیں کیا یہ سچ ہے۔ فرمایا ہاں میں نے یہ روایت ایک ثقہ سے سنی ہے اور ان کی نسبت غلط بیانی اور مبالغہ کا بھی خیال نہیں۔ وہ خوش عقیدہ بلکہ متصلب شخص ہیں۔ ہمارے ہم عقیدہ ہیں اور علماء کی صحبت بہت پائی ہے۔ ان کی طرف مجھے یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ بدعتیوں کی طرح انہوں نے بلاتحقیق ایسی بات صرف شیخ کے ساتھ عقیدت ہونے کی وجہ سے مان لی ہو اور بات فی نفسہ محالات میں سے ہے نہیں۔

مولانا محمد یعقوب صاحب کی معیت بالرسول علیہ السلام: اسی کے قریب ایک بات ہے خود مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہے۔ فرماتے تھے کہ جب میں نے حدیث شروع کی تو مجھے بداہتہً معلوم ہوا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ متحد ہوں اور وہ علوم القا ہوتے تھے کہ اب نہیں ہوتے۔ ان میں سے بعضے علوم بیان بھی کئے تو عجیب عجیب علوم تھے جو کسب سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ درمیان

اذن عصر و نماز عصر در سہ دری خود در مدرسہ روز دوشنبہ۔

فوائد و نتائج متحد بالرسول علیہ السلام کے معنی:

اس واقعہ میں حل طلب دو باتیں ہیں۔ایک یہ کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے صورۃ مبارک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رہنے یا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ متحد ہونے کے کیا معنی؟ دوسرے یہ کہ اس حالت کے چند روز رہنے کے کیا معنی؟ حل اس کا یہ ہے کہ جس سے جس شخص کو تعلق ہوتا ہے اس سے اس کو روحانی اتصال ہوتا ہے اور اس اتصال کی وجہ سے تاثیر و تاثر بھی ہوتا ہے اگر دونوں قوت میں مساوی ہیں تو کچھ اثر اس کا اسپر اور کچھ اسکا اسپر ہوتا ہے اور اگر ایک غالب اور ایک مغلوب ہے تو مغلوب پر غالب کا اثر ہوتا ہے جس درجہ غلبہ ہو اسی قدر آثار اس کے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ تعلق اگر عشق کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے تو اس اتصال روحانی کا اثر کبھی جسم تک بھی پہنچ جاتا ہے اور عاشق کے حرکات و سکنات بول چال بلکہ صورت شکل اور نقشہ بھی محبوب کا سا یا اس کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ ایک نان پز آپ کی توجہ سے ایک دم میں بالکل آپ کے ہم شکل ہو گیا اور راقم نے ایک جوگی کے چیلہ کو دیکھا کہ دو مہینہ گرو کے پاس رہنے سے اس کے ہمشکل ہو گیا۔ حضرت قطب عالم قدس سرہ کے اسی حالت کا یہ قصہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کو عشق سلطان جہاں جان جاناں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلبہ ہوا تو اس درجہ اتصال حاصل ہوا کہ اس کو اسی لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صورت مبارک میں رہے۔ یعنی اتصال روحانی اس درجہ بڑھا کہ اتحاد جسمانی کہا جا سکتا ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

معیت بالرسول علیہ السلام کے چند نظارے:

اسی طرح حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث رسول علیہ وعلیٰ آلہ

والصلوٰۃ والسلام شروع کرنے سے بوجہ غایت محبت اور حضور صلے الہ علیہ وآلہ وسلم کے طرف سے فیضان ہونے کے وہ اتصال حاصل ہوگیا کہ اتصال جسمانی محسوس ہونے لگا اور علوم عجیبہ کا القا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ بیان سے تقرب الی الفہم ہوئی۔ اب اس کے چند نظائر دکھائے جاتے ہیں جس سے اور زیادہ طمانیت قلب ہو اور اس میں کوئی شبہ باقی نہ رہے کہ اتصال روحانی بھی ایک واقعی چیز ہے اور تاثیر اور تاثر کا ذریعہ ہے۔

کھلائی فصد لیلیٰ نے ہوا مجنوں کے خوں جاری:

قصہ مشہور ہے کہ لیلےٰ نے فصد کھلوائی اور مجنوں کے خون نکلا کھلائی فصد لیلیٰ نے ہوا مجنوں کے خوں جاری۔ یہ اسی اتصال روحانی کے بڑھنے کا اثر ہے کہ جسم تک دوسرے جسم کا اثر پہنچ گیا۔

قصہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اگر اس واقعہ میں کسی کو کلام ہو تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا واقعہ سن لے جو صحیح روایت سے ثابت ہے کہ یہ حضرت یمن میں تھے ایک دم دل گھبرایا اور ایسی پریشانی لاحق ہوئی کہ خواہ مخواہ دل میں آیا کہ ہو نہ ہو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ ایک صحابی جیسے عاشق نار پر جو کچھ اس وقت گزر گیا ہو کم ہے۔ بیساختہ قرآن شریف اٹھا کر کھولا تو یہ آیت نکلی وما محمد الارسول قد خلت من قبله الرسل الآیه جسکا صریح مضمون وفات شریف ہے۔ پس حضرت معاذؓ پچھاڑ کھا کر گرے اور بے ہوش ہوگئے۔ یہ خبر ہو جانا اور وحشت ہونا کا ہے کا اثر ہے۔ اسی اتصال روحانی کی شدت وقوت کا کہ بدن تک اس کا اثر پہنچا اور قلب میں اختلاج اور دماغ میں اختلال پیدا ہوگیا اور دور کیوں جایئے صدہا واقعات دیکھ لیجئے کہ جس بچہ کا باپ مر جاتا ہے اس کی ہمت وجرات بلکہ تمام قوائے جسمانی ضعیف ہو جاتے ہیں خواہ وہ اتنا چھوٹا کیوں نہ ہو کہ باپ کو پہچانتا بھی نہ ہو اور اس کو اب باپ کے سامنے سے بھی زیادہ عیش وآرام میں رکھا جاوے۔ اسکی وجہ وہی اتصال روحانی ہے کہ بچہ کی طبیعت میں باپ کے ساتھ رکھا گیا ہے۔

یورپ کے مقلدین کی شکل بھی بدل جاتی ہے:

اور اس سے بھی زیادہ بدیہی یہ ہے کہ جو لوگ یورپ کی تہذیب وغیرہ کے بھی دلدادہ

ہیں اور اس کے عاشق ہیں۔ان کے چال ڈھال میں حرکات سکنات میں انہیں کی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔حتیٰ کہ جب اس میں بہت زیادہ ہو جاتی ہے تو صورت شکل بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے۔مزاج بھی ویسا ہی ہو جاتا ہے۔دوا بھی انگریزی ہی موافق ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض وقت ان کو خود بھی یہ بات محسوس ہونے لگتی ہے۔راقم نے ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ اردو بولنا اسقدر بھول گئے تھے کہ تذکیر و تانیث کی تحریف کے علاوہ جناب کو جنّاب بضم جیم وتشدید نون بولتے تھے اور تمام اردو ایسی ہوتے تھے اور دوسری کی اردو بھی ایسے سنتے تھے کہ گویا بمشکل سمجھتے ہیں گویا اردو ان کی زبان ہی نہیں۔اگر صورت میں کالے بھٹ نہ ہوتے تو انگریز ہی کے بچے سمجھے جاتے۔ایک صاحب خود ہی اپنی تعریف کرتے اور مزہ لیتے تھے کہ دیکھو خانساماں ہمارا کوٹھی بنگلہ اور فرنیچر (اثاث البیت) سب انگریزوں کا سا ہے اور ہمارا طرز معاشرت بھی انگریزوں کا سا ہے۔کھانا پینا' اٹھنا بیٹھنا سب انگریزوں کا سا ہے۔ہمارا اردو بھی کالے آدمی کا سا نہیں رہا۔ہمارا باوالوگ تک انگریزی بولتا ہے۔اب ہم چاہتا ہے کہ ہندوستان کا رہنا بھی چھوڑ دے۔ہندوستان کبھی شریف آدمی کا رہنے کا جگہ نہیں ہے۔ یہاں رہ کر آدمی کبھی مہذب نہیں بن سکتا۔اب ہم ولایت جا کر رہے گا۔ہمارا بی بی بھی اسپر راضی ہو گیا ہے۔یہ سب اسی اتصال روحانی کی شدت وقوت کے نتائج ہیں کہ زبان بھی ٹیڑھی ہو گئی اور نقشہ بھی بدل گیا اور مزاج بھی۔

اتصال روحانی کی نظیر احتلام ہے:

اب ایک طبی نظیر بھی اتصال روحانی اور دوسرے جسم پر روح کی تاثیر کے متعلق عرض کی جاتی ہے وہ نظیر احتلام ہے جسکا بیان یہی کیا جا سکتا ہے کہ مرد کو اتصال روحانی عورت کے ساتھ ہوتا ہے اور چونکہ جماع فعل طبعی ہے گویا طبیعت رجل کے واسطے مثل جز کے ہے اور الشیء اذاثبت ثبت بلوازمہ عورت کے ساتھ اتصال ہوتے ہی فعل طبعی کا وجود ہو جاتا ہے اور عورت کے دیکھنے کو تو خواب وخیال بتلایا جاتا ہے لیکن جسم پر یہ اثر پڑ جاتا ہے کہ لذت محسوس ہو کر فعل طبعی کا آخری نتیجہ یعنی انزال متفرع ہو جاتا ہے۔یہ اتصال روحانی پر جسمانی اثر پیدا ہونے کی نظیر ہے۔گو نظیر بہت بے ہودہ ہے مگر توضیح مطلب کے لئے ایک ہی نظیر ہے۔

معیت بالرسول علیہ السلام کے دوام ہونے کے کیا معنی: رہی دوسری بات کہ حضرت شیخ کے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارک میں برسوں رہنے یعنی اس کو دوام نہ ہونے اور ایسے ہی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو صرف شروع حدیث کے وقت حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معیت محسوس ہونے کے کیا معنی۔ کیا بعد میں یہ حالت سلب ہوگئی سو اس کا بیان یہ ہے کہ یہ حالت بعد میں سلب نہیں ہوئی بلکہ احساس اسکا جاتا رہا کیونکہ احساس امر جدید کا ہوا کرتا ہے اور چیز داخل طبیعت ہو جاتی ہے اس کا احساس نہیں رہتا۔ حضرت والا سے بعض خدام نے پوچھا کہ جو لذت اور آثار اور انوار ذکر سے شروع میں محسوس ہوتے وہ اب نہیں رہے۔ معلوم ہوتا ہے رجعت ہوگئی۔ فرمایا حاشا و کلا انوار و برکات و آثار ویسے ہی ہیں بلکہ اس سے زیادہ ہیں ہاں احساس جاتا رہا۔ پہلے شوق تھا اب انس ہوگیا اس کا تجربہ یوں ہوسکتا ہے کہ دو چار دن چھوڑ کر دیکھو اس سے زیادہ ظلمت اور رنج محسوس ہوگا جتنا ذکر شروع کرنے سے پہلے تھا۔ اور فرمایا اسکی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نئی شادی کرے تو اس کو شوق اور میلان اور اس کے متعلق جملہ آثار بہت زیادہ محسوس ہونگے اور دس بیس برس کے بعد ان آثار میں بہت کمی ہو جاوے گی (ہندی مثل ہے پرانی جورو اماں کی برابر) حتیٰ کہ میاں بیوی میں لڑائی جھگڑا بھی ہوتا ہوگا مگر حقیقت اس کی یہ نہیں ہے کہ محبت کم ہوگئی بلکہ محبت داخل عادت ہوگئی۔ احساس نہیں رہا۔ اس کا امتحان یوں ہوتا ہے کہ نئی بہو مر جاوے تو اتنا صدمہ نہ ہوگا اور پرانی مر جاوے تو گویا خاوند کو بھی مار ہی جاتی ہے۔ اس تقریر سے صاف ظاہر ہوگیا کہ حضرت شیخ قدس سرہ کی اور حضرت والا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں حالتیں کبھی زائل نہیں ہوئیں بلکہ امر طبعی بن گئیں۔ یہاں سے ان لوگوں کی فضیلت نکلتی ہے جنہوں نے حضرت شیخ کو دیکھا گویا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور جنہوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی انہوں نے گویا خود حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھی۔

اللھم اجعلنا من خدامھم وارزقنا من برکاتھم۔

مجلس پنجاہم (۵۰)

راقم نے عرض کیا کہ وہ طالب علم جن کو جناب نے امارت مزاج پر کل تنبیہ فرمائی

(ان کا ذکر حکمت چہل و پنجم میں ہے) بہت روئے اور ان کو اب تک بہت ندامت ہے۔ فرمایا ان کو خوب رونے دو تہذیب نفس اسی طرح ہوگی۔ پھر فرمایا اگر میں خدمت سے منع نہ کروں گا تو میری بھی اور بعض علماء کی طرح خدمت ہونے لگے گی اور مجھے لوگ اپاہج اور بت بنا دیں گے۔ میں نے واقعات اور رواجوں میں غور کر کے دیکھا ہے کہ اس قسم کے امور میں ڈھیل دینے کے یہی نتائج ہیں۔ علماء کی تعظیم سے لوگوں کا تو نفع ہے کہ انکی تعظیم درحقیقت دین کی تعظیم ہے مگر علماء اور علم کے لئے سخت مضر ہے۔ علماء میں تو اس سے نخوت اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے اس واسطے مضر ہوا اور جب ان میں یہ صفات رذیلہ لوگ دیکھتے ہیں تو نہ ان کی بات میں اثر رہتا ہے اور نہ ان کے علم کی تعظیم لوگوں کے دلوں میں رہتی ہے۔ ان کے ساتھ علم بھی بدنام ہو جاتا ہے۔

علماء کے برتاؤ عوام کے ساتھ:

پھر ذکر فرمایا کہ ہم اعظم گڑھ گئے تو جو تعظیم علماء کی وہاں دیکھی کہیں بھی نہیں دیکھی اہل علم کو دیکھ کر لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ ہنود بھی۔ میں ایک راستہ سے گزرا۔ درمیان میں سرکاری مدرسہ آیا تو مجھے دیکھ کر لڑکے اور مدرس سب کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ ہندو لڑکے اور مدرسین بھی۔ ان لوگوں کا یہ برتاؤ دیکھ کر گزرتا چلا جانا اچھا نہ معلوم ہوا۔ میں وہاں رکا اور ان سب سے ملا۔ لوگوں نے مصافحے کئے۔ میں مدرسین سے ایک ایک سے ملا حتیٰ کہ ہندوؤں سے بھی اور مزاج پرسی وغیرہ کی۔ بڑے خوش ہوئے اور ان پر بڑا اثر ہوا۔ مجھے تعجب تھا کہ اس قدر متاثر ہوئے۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں علماء کا گزر اکثر رہتا ہے کیونکہ لوگ قدر کرتے ہیں مگر ان بندگان خدا کا طرز عمل یہ ہے کہ راستہ میں گزرتے ہیں لوگ ہندو اور مسلم ان کو سلام کرتے ہیں اور کھڑے ہو جاتے ہیں مگر وہ کسی کا سلام نہیں لیتے نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ منہ چڑھائے ہوئے چلے جاتے ہیں اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں کہ یہ علم کی شان ہے۔ ہر کس و ناکس سے بات کرنا علم کو ذلیل کرنا ہے حتیٰ کہ سنا کہ ایک غیر مذہب والے نے کسی مولوی کے وعظ میں بیٹھنا چاہا۔ مولوی صاحب نے ڈانٹ بتائی نکالو اس

مردود وملعون کو۔ یہ وجہ تھی میرے اس ذرا سے نرم برتاؤ سے اسقدر متاثر ہونے کی کہ آج ان کو بالکل نئی سی بات معلوم ہوئی کہ مولوی ایسے بھی ہوتے ہیں پہلے تو سب بھیڑیئے ہی دیکھے تھے۔ پھر ہر قسم کے لوگ بڑی کثرت سے ملنے آئے۔

علماءِ زمانہ کی تحصیل وصول کے طریقے اور رسوم:

فرمایا حضرت والا نے اور وہاں ایک دستور دیکھا کہ لوگ آتے ہیں اور بڑے الحاح سے کہتے ذرا دیر کے لئے ہمارے گھر تبرکاً تشریف لے چلئے میں نے کہا بہت اچھا جب ایک شخص کے گھر پہنچا تو اس نے بڑی خاطر داری سے بٹھایا اور پان اور دو روپیہ پیش کئے۔ میں نے کہا یہ کیا۔ کہا یہ حضور کا حق ہے۔ ہمارے ہاں رواج ہے کہ کسی عالم کو خالی نہیں پھیرتے۔ میں سمجھ گیا کہ تبرک اور تیمن تو برائے نام ہے یہ لب لباب ہے بلانے کا۔ یہ ان گشتی مولوی صاحبان کی ترکیبیں ہیں کہ اپنے مطلب کی رسمیں باندھ رکھی ہیں اور میں نے کہا کیا واہیات ہے یہ بھی تو رسم ہی ہوئی۔ رسوم کچھ شادی بیاہ ہی کی رسموں کا نام نہیں ہے۔ ہر التزام مالا یلزم رسم ہے میں ہرگز نہیں لوں گا۔ صاحب خانہ نے بہت اصرار کیا کہ میری دلشکنی ہوگی اور یہ تو ہدیہ ہے اس کا قبول کرنا سنت ہے۔ میں نے کہا اگر ہدیہ ہے تو اس کا دینا وہاں بھی ممکن تھا جہاں میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ یہ صرف رسم اور اپنا کرم دکھلانا ہے کہ ہم عالم کو خالی نہیں جانے دیتے اور یہ مولوی صاحبان کی مہربانی ہے اسمیں اور خرابیوں کے علاوہ ایک یہ بھی خرابی ہے کہ اگر کوئی غریب آدمی مجھے بلانا چاہے تو کیا کرے تو گویا تبرک بھی امیروں ہی کو مل سکتا ہے۔ اس صورت میں وہ تبرک ہی نہیں ہے۔ جب میں نے وہ روپے پھیر دیئے تو متعدد آدمی اس مجمع میں سے کھڑے ہوئے اور قسم کھا کر کہا کہ ہم کو غایت درجہ کا اشتیاق تھا کہ ہم بھی آپ کو اپنے گھر لے چلیں مگر اس شرم کے مارے خاموش رہے کہ ہمارے پاس دینے کو نہیں ہے۔ میں نے ان لوگوں سے کہا لیجئے اپنی ہی نظروں سے ان نامعقول رسموں کی خرابیاں دیکھ لیجئے اور میں سب غربا کے گھر گیا ان لوگوں کو کس قدر خوشی ہوئی اور اپنا بھی دل خوش ہوا۔

مولویوں کیلئے چندہ:

ایک مقام پر ایک شخص ایک رومال میں باندھ کر دوسو روپے لائے اور میرے سامنے رکھ دیئے۔ میں نے کہا یہ کیا ہے کہا آپ کا نذرانہ اور سفر خرچ۔ میں نے کہا آپ اپنے پاس سے دیتے ہیں یا چندہ سے۔ کہا تمام بستی کے چندہ سے اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہر عالم کا ہم اپنے اوپر حق سمجھتے ہیں ہر شخص سے بقدر استطاعت وصول کرتے ہیں اور پیش کر دیتے ہیں۔ میں نے کہا یہ ہدیہ نہیں ہے غضب ہے جو مال بلا رضامندی وصول کیا جاوے وہ مال سحت ہے۔ سب نے مل کر اصرار کیا کہ قبول کر لیجئے مگر میں نے کہا ہرگز نہ لوں گا اسمیں بہت سے مفاسد ہیں۔ ایک موٹی سی بات یہ ہے کہ ہدیہ سے اصل غرض محبت کا بڑھنا ہے بدلیل **تھادوا تحابوا** (ترجمہ۔ آپس میں ہدیہ دیا کرو کہ ایک دوسرے کے دوست بن جاؤ گے۔ اور اس ہدیہ میں ایسے لوگوں کی بھی شرکت ہے کہ انہوں نے مجھے دیکھا تک بھی نہیں نہ کبھی میرا نام سنا تو کیا چیز بڑھے گی جسکی اصل ہی نہیں۔ کہا یہ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ کسی نے ناخوشی سے نہیں دیا۔ یہاں سب کو علماء سے محبت ہے میں نے کہا اچھا اس کا امتحان یہ ہے کہ اس کو جس جس سے لیا ہے اس کو واپس کیجئے اور کہہ دیجئے کہ سب نے جتنا جتنا دیا ہے وہ کم زیادہ کا کچھ خیال نہ کریں اپنا اپنا ہدیہ خود لے کر چلے آویں میں سب سے لے لونگا۔ اس طرح ان سے ملاقات بھی ہو جاوے گی پھر ہدیہ موجب محبت ہو جاویگا۔ اسکا ان کے پاس کچھ جواب نہ تھا وہ رقم لے گئے اور سب کو واپس کی۔ پھر قسم کھانے کو ایک پیسہ بھی تو کوئی لے کر نہیں آیا۔ میں نے کہا دیکھ لیجئے۔ یہ چندہ جبر کے ساتھ تھا ورنہ اتنے دینے والوں میں سے کوئی تو اپنا ہدیہ لاتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے بھی ہدیہ سمجھ کر نہیں دیا۔ صرف محصل کے دباؤ اور شرما حضوری سے اور ادا ءرسم کیلئے دیا تھا۔

حضرت کا معمول:

انہیں باتوں کو دیکھ کر میں نے یہ مقرر کر لیا ہے کہ جب کوئی ہدیہ پیش کرتا ہے تو اس سے پوچھتا ہوں کہ تمہاری ماہواری آمدنی کیا ہے اگر اس نے کہا تمیں روپیہ ہے تو ایک روپیہ

لے لیتا ہوں باقی واپس یعنی ایک دن کی آمدنی سے زیادہ نہیں لیتا ہوں۔ ایک شخص کو جب یہ معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ اچھا ایک ہی دن کی آمدنی لے لیجئے مجھے زیادہ پر اصرار نہیں آپ کا کہنا کر دوں گا آج یہ لے لیجئے اور کل یا پرسوں کو پھر اتنا ہی لاؤں میں نے کہا نہیں۔ دوبارہ دوسرے مہینہ میں لوں گا۔

قصہ تحصیلدار صاحب:

فرمایا حضرت والا نے ایک شخص یہیں تھانہ بھون میں میرے پاس آئے۔ یہ صاحب بھوپال میں تحصیلدار تھے۔ ایک اور شخص بھی ان کے ساتھ تھے۔ تحصیلدار صاحب نے پچیس روپیہ پیش کئے میں نے کہا یہ بہت ہیں انہوں نے ہر چند اصرار کیا مگر میں نے دس روپیہ لئے باقی واپس کر دیئے۔ جب تحصیلدار صاحب چلے گئے تو وہ دوسرے شخص میرے پاس بیٹھے تھے انہوں نے بیان کیا کہ جب ہم گھر سے چلے تو تحصیلدار صاحب نے اول نذرانہ کے لئے دس روپیہ نکالے مگر پھر کہا کہ یہ بہت تھوڑے ہیں میری شان کے بھی خلاف ہے اور حضرت کی شان کے بھی کم سے کم پچیس تو ہوں چنانچہ وہ پچیس ہی لائے تھے۔ قدرت خدا کی آپ نے دس ہی لئے۔ فرمایا حضرت والا نے کہ مجھے تو اس کا علم بھی نہ تھا میں شاید پانچ ہی لیتا اور بیس واپس کرتا مگر دس لینے کی وجہ یہ ہوئی کہ میں نے ایک روز پہلے قرض ایندھن خریدا تھا جس کی قیمت دس روپے تھی۔ صبح کو میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ آج دس روپیہ بھیج دیجئے تو یہ قرض ادا ہو جاوے۔ جس وقت یہ پچیس روپے آئے تو میں نے کم ہی لینا چاہے مگر پھر حق تعالیٰ سے ڈر معلوم ہوا کہ کہیں گے کہ ہم بھیجتے ہیں اور یہ لیتا نہیں اس واسطے میں نے دس لے لئے اور جو کچھ واقع ہوا ہو جو تحصیلدار صاحب کے ساتھی نے بیان کیا یہ حق تعالیٰ کا احسان ہے کہ مجھے مال سحت سے بچایا۔ ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ روز سہ شنبہ۔

فوائد ونتائج

(۱) تادیب بقدر تحمل چاہئے:

یہ طالب علم جن کو امارت مزاج پر تنبیہ فرمائی گئی نہایت قوی الجثہ اور جنگجو اور جاہل مزاج

تھے ان کی اتنی ندامت اور رونا بھی حضرت والا نے کافی نہیں سمجھا اور یہ تجویز بالکل صحیح تھی کئی مہینہ کے بعد ثابت ہوا کہ ان پر اثر بہت کم ہوتا ہے معلم کو متعلم کی طبیعت کا اندازہ صحیح کرنا غایت درجہ کا کمال ہے اور تربیت کے لئے شرط ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق تعالیٰ نے معلم فرمایا پھر رحمۃ اللعالمین فرمانے کے ساتھ واغلظ علیہم کا بھی حکم فرمایا ہے شعر ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است چو رگزن کہ جراح و مرہم نہ است

کفار کے ساتھ سخت زبانی خلاف شریعت ہے: (۲) کفار کے ساتھ بھی سخت زبانی تعلیم شریعت کے خلاف ہے بدلیل **فقولا له قولا لینا لعله یتذکرا ویخشی** (پس بولنا تم فرعون سے نرم بات شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے ۱۲) امر مع اسکی وجہ کے ہے یعنی نرم گفتار سے فرعون جیسے کافر کی راہ پر آنے کی امید کی جاسکتی ہے۔

بشیریں زبانی و لطف و خوشی توانی کہ پیلے بموئے کشی

نرم زبانی سے سخت سے سخت مخالف بھی موافق بن سکتا ہے اور سخت زبانی کی نسبت ارشاد ہے **ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک** (ترجمہ اگر ہوتے آپ بدگو اور سخت دل تو سب آپ کے پاس سے بھاگ جاتے)

یہاں سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہئے کہ عوام مومنین سے بھی کھنچتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب کا قصہ ہے کہ عامی آدمی سے راستہ میں ملاقات ہوئی اس بے چارہ نے سلام کیا تو انہوں نے جواب بھی نہیں دیا اور منہ پھیر لیا۔ اسکو سخت ناگوار ہوا اور مولوی صاحب کو پکڑ لیا کہ جناب ہم نے سنا ہے کہ سلام کرنا تو سنت ہے مگر جواب دینا فرض۔ آپ نے جواب کیوں نہیں دیا۔ کہا قرآن شریف میں ہے کہ جاہلوں سے کچھ تعلق نہ رکھو۔

واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلما اس نے کہا اس کا ترجمہ کیجئے کہ مولوی صاحب نے ترجمہ کیا جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو وہ سلام کرتے ہیں یعنی ٹال دیتے ہیں۔ کہا جناب ٹالیئے نہیں یعنی کو رہنے دیجئے۔ آیت تو خود بول رہی ہے کہ ہم آپ کو سلام بھی نہ کریں بات ہی کریں۔ تو جب بات کریں آپ سلام ہی کریں۔ دس دفعہ بات کریں تو دس دفعہ آپ سلام کریں چہ جائے کہ سلام کا بھی جواب ندارد۔ مولوی صاحب کے

پاس کچھ جواب نہ تھا۔

کفار کے ساتھ معیت:

بعض لوگوں کو اسمیں اشتباہ ہو جاتا ہے کہ نرم زبانی میل جول اور محبت کا شعبہ ہے جسکی کفار سے ممانعت ہے اور جسکی نسبت ارشاد ہے

لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المؤمنین

(ترجمہ مت بناؤ کفار کو دوست مومنین کو چھوڑ کر ۱۲) اور

المرء مع من احب وغیر ھا من الآیات والاحادیث

(ترجمہ آدمی اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ محبت رکھے) اصل یہ ہے کہ برتاؤ کے دو مرتبے ہیں۔ایک اتنا تعلق دوسرے سے رکھنا جتنا تمدن کے لئے ضروری ہے کیونکہ انسان متمدن بالطبع یعنی ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ایک زائد از ضرورت تعلقات بڑھانا اور اتحاد پیدا کرنا۔اول محمود ہے اور دوسرا مذموم۔اول کو حسن خلق کہتے ہیں اور دوسرے کو مودۃ اور محبت اور تولّی۔اول کے بھی بہت سے مراتب ہیں اور دوسرے کے بھی۔اول کے بعض مراتب یہ ہیں۔ کسی سے تمدنی (معاشی) ضرورت میں مدد لینا یا مدد دینا مثلاً کفار کو نوکر رکھنا یا ان کی نوکری کرنا۔ ان کو قرض دینا یا ان سے قرض لینا۔

قال تعالیٰ لا ینھا کم اللّٰہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الدین ولم یخرجو کم من دیار کم ان تبروھم و تقسطوا الیھم ان اللّٰہ یحب المقسطین

(ترجمہ) نہیں منع کرتا اللہ تم کو ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے لڑائی نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے وطن سے نکالا اس سے کہ انکے ساتھ سلوک کرو اور برابری رکھو۔اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے مقسطین کو) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے کفار کی یہاں مزدوری کرنا ثابت ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے قرض لیا اور مثلاً مظلوم کی دادرسی کی کہ یہ نہ صرف مباح ہے بلکہ مستحسن اور واجب اور ضروری ہے۔

قال تعالیٰ واذاقلتم فاعدلوا ولو کان ذاقربیٰ وقال ولا یجرمنکم شناٰن قوم علی ان لاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی

(ترجمہ اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو خواہ کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور نہ آمادہ کرے تم کو عداوت کسی قوم کی اسپر کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کرو وہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان کو ذمی کافر کے قصاص میں قتل کیا اور مثلاً احسان کا بدلہ احسان کیساتھ دینا قال تعالیٰ هل جزاء الاحسان الا الا حسان.

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احسان شناسی:

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کافر لونڈی سے پانی لیا تھا تو اس کو کھجوریں دیں اور اس کے تمام گانوں کو قتال سے چھوڑ دیا۔ حالانکہ اس لونڈی کا کچھ احسان بھی نہ ہوا تھا۔ حضور کے اعجاز سے پانی اسکا اتنا ہی رہا تھا۔ اسی جنس سے نرم گفتاری بھی ہے۔

قال تعالیٰ ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك و قال ادفع بالتي هي احسن فاذاالذي بينك و بينه عداوة كانه ولي حميم وما يلقاها الا الذين صبروا وما يلقاها الاذو حظ عظيم. وقال تعالى لموسىٰ على نبينا و عليه الصلوٰة والسلام فقولا له قولا لينا

(ترجمہ: اگر ہوتے آپ بد گو سخت دل تو بھاگ جاتے آپ کے پاس سے۔ ٹالئے ایسے طریقے سے کہ وہ اچھا ہے پس ناگہاں وہ شخص کہ آپ میں اور اس میں عداوت ہے پکا دوست بن جاوے گا اور نہیں پا سکتا ہے اس کو مگر وہ کہ صابر ہو اور نہیں پا سکتا ہے اسکو مگر بڑا صاحب نصیب) مخالف کے ساتھ نرمی جہاں اپنی یا اسلام کی توہین ہو: اسلام میں جس قدر اسکی تعلیم ہے دنیا پر آشکارا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگ کیسے کیسے برے لفظ کہتے تھے

ان تتبعون الا رجلا مسحورا. هذا شئي عجيب لأنزل عليه الذكر من بيننا وغيرها من الايات والاحاديث التي هي على السن اهل الارض

(ترجمہ: نہیں پیروی کرتے ہو تم مگر ایک جادو کئے ہوئے آدمی کی۔ یہ عجیب چیز ہیں۔ کیا ہم میں سے انہیں پر وحی اترنے کو تھی) مگر کبھی حضورؐ نے برے لفظ کے جواب میں برا لفظ نہیں کہا۔ غایت سے غایت یہ لفظ تھا

لا حجة بيننا و بينكم الله يجمع بيننا و اليه المصير

(ترجمہ ہم میں تم میں کچھ تکرار نہیں۔ اللہ تعالےٰ ہم کو تم کو سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے) غرض نرم برتاؤ کے قسم اول کے سب مراتب محمودؐ ہیں

الا آنکہ مفضی الی الشر ہو جاویں مثلاً کفار سے امداد لینا جبکہ اپنی توہین یا توہین اسلام کی موجب ہو۔

قصہ متخلفین تبوک:

جیسے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب غزوہ تبوک سے رہ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بولنے چالنے کو منع فرمادیا تو شاہ غساں نے ان کے پاس رقعہ بھیجا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا ہے اور تمہاری قدر نہیں جانی۔ آپ یہاں آجایئے آپ کی قدر افزائی کی جائے گی تو انہوں نے اس رقعہ کو تنور میں جھونک دیا۔

کفار کے ساتھ انکے رسوم میں شریک ہونا:

یا مثلاً کفار کا احسان لینے میں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ بھی بے موقع شرکت کرنا پڑے گی مثلاً وہ کسی مدرسہ یا مسجد کے چندہ میں شریک ہونا چاہیں کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کبھی ان کے مندر میں شریک ہونا پڑے گا تو یہ میل درست نہیں۔ جیسے ایک مرتبہ ہندو مسلمانوں میں اتفاق کی ہوا چلی تھی کہ ہندو تعزیہ داری میں شریک ہوں اور مسلمان ہولی میں۔ یہ سب قصور فہم ہے اور **ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** (ترجمہ مت مدد کرو گناہ اور ظلم میں) کے خلاف ہے اور **من کثر سواد قوم فھو منھم** (جو جس جماعت کو بڑھاوے وہ انہیں میں سے ہے) کا مصداق ہے۔

کفار سے بروقت مناظرہ:

یا کفار سے بے موقعہ نرم بولنا جیسے بروقت مناظرہ ضرورت سے۔ زیادہ نرمی اختیار کی جاوے جسکا انجام خود بھی ذلیل ہونا اور دین کو بھی ذلیل کرنا ہے ایسے ہی موقعوں کے لئے وارد ہے۔ **واغلظ علیھم** یعنی اور سختی کیجئے ان پر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باغیوں کے ساتھ سخت گیری:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجود رحمت مجسم ہونے کے مرتدین غرنیین کو یہ سزا دی کہ ان کے ہاتھ پیر کٹوا کر اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا دیں کہ آنکھیں پھوٹ گئیں اور ان کو گرم زمین پر ڈلوا دیا۔ یہاں تک کہ مر گئے کیونکہ انہوں نے چرواہوں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ شعر

نکوئی بابداں کردن چناں است ۔۔۔ کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

کفار سے میل جول کے مراتب:

اور قسم دوم یعنی زائد از ضرورت کفار کی طرف میلان کے بھی چند مراتب ہیں مثلاً تشبہ بالکفار۔ ان کے رسوم قبیحہ میں شرکت بیجا خوشامد' متعصب کفار کی چاپلوسی اور ابلہ فریبیوں میں آجانا کہ

من تشبہ بقوم فھو منھم اور **من کثر سواد قوم فھو منھم** اور **ھا نتم اولاء تحبونھم ولا یحبونکم** اور **فتری الذین فی قلوبھم مرض یسارعون فیھم یقولون نخشی ان تصیبنا دائرۃ**

(ترجمہ: جو جس قوم کی مشابہت کرے وہ اسی میں سے ہے اور جو جس جماعت کو بڑھا دے وہ انہیں سے ہے اور دیکھو تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور پھر دیکھو گے ان کو جن کے دل میں روگ ہے کہ گھستے ہیں ان میں۔ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ کوئی آفت نہ آ جاوے) ان کے بارہ میں وارد ہیں۔ یہ سب قبیح اور ممنوع ہیں الا آنکہ کوئی ضرورت شدید یا اکراہ داعی ہو تو مجبوری ہے۔ اختیار اور ارادہ سے اور ان افعال کو جائز سمجھ کر کرنا کسی حالت میں درست نہیں۔

حسن خلق اور چیز ہے اور مودۃ و محبت اور: الغرض حسن خلق اور چیز ہے اور مودۃ و محبت اور۔ تولی اور حسن خلق کی نسبت وارد ہے۔ **انک لعلی خلق عظیم** اور مودۃ اور تولی کی نسبت وارد ہے۔

الذین یتخذون الکفرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئ الا ان تتقوا منھم تقۃ۔ و من یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لایھدی القوم

الظلمین (ترجمہ۔وہ لوگ جو بناتے ہیں کفار کو دوست مومنین کو چھوڑ کر اور جو کوئی ایسا کرے وہ اللہ تعالیٰ سے کسی درجہ میں بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ تم ان سے پوری طور سے بچو۔اور جو کوئی انکی طرف ہو جاوے وہ انہیں میں سے ہے بیشک اللہ نہیں راہ دیتا ظالمین کو۔

ہندوؤں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا تکبر اور تصنع ہے: حسن خلق کفار کے ساتھ مندوب و مستحسن ہے اور مودۃ و محبت ممنوع و مذموم۔ ہندوؤں سے ملنا اور مزاج پرسی وغیرہ کرنا جیسے حضرت والا نے کیا حسن خلق ہے اور ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا اور ان سے نفرت ظاہر کرنا سوء خلق اور تکبر بلکہ تصنع ہے کہ درحقیقت تو مقصود ان کو اور راغب کرنا اور ان پر اپنا اثر بٹھانا ہے اور صورت بے نیازی کیسے اختیار کی جاتی ہے اور اگر کوئی ہندو کوئی رقم دینے لگے تو انکار نہ ہو اور سو حیلوں سے اسکو جائز کر لیا جاوے۔

عارف کی نظر حقیقت پر ہونی چاہئے: عارف کو حقیقت پر نظر چاہئے نہ کہ صورت پر مکانوں پر بلانے کی صورت تو تبرک تھی مگر حقیقت صرف پابندی رسم۔

ہر ہدیہ قابل قبول نہیں: ہر ایک ہدیہ بھی لے لینا سنت نہیں۔ جو ہدیہ کسی دینی یا دنیاوی خرابی کو مستلزم نہ ہو اس کا قبول کرنا سنت ہے۔ دینی خرابی جیسے طمع' حرام و حلال میں تمیز نہ کرنا' حق پوشی میں مبتلا ہونا وغیرہ اور دنیاوی جیسے نظروں میں ذلیل ہونا وغیرہ۔ ایسے ہی ہدیہ کی نسبت عارف شیرازی کا قول ہے شعر

ما برو ے صبر و قناعت نمے بریم   بابا دشہ بگوے کہ روزی مقدار است

ہدیہ کے شرائط حضرت والا کے مواعظ میں بارہا ذکر ہوئے ہیں

دعا ہر حاجت کیلئے مسنون ہے:

دعا مانگنا ہر حاجت کے لئے مندوب و مستحسن ہے۔ایک شخص نے مدتوں ایک حاجت کیلئے دعا مانگی حالانکہ کبھی وہ حاجت پوری نہیں ہوئی کسی نے کہا کہ جب مدت گزر گئی اور وہ حاجت پوری نہیں ہوتی تو معلوم ہوتا ہے کہ منظور خدا نہیں ہے کہ وہ حاجت پوری ہو پھر دعا سے کیا فائدہ بلکہ گونہ گستاخی ہے۔اگر دینا ہوتا تو اب تک دیدی ہوتی اور جب نہیں

دی تو اب دعا مانگنا مجبور کرنا ہے اور یہ گستاخی ہے۔ اس نے کہا میرا کام یہی ہے کہ میں مانگوں دینا نہ دینا ان کا کام ہے۔ میں اپنے کام کا ذمہ دار ہوں ان کے کام کا ذمہ دار نہیں۔ اگر وہ کام میرا ہو جاتا تو مانگنا ختم ہو جاتا اور جب وہ کام نہیں ہوا تو معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے منگوانا ہی منظور ہے۔ مجھے اسی میں حظ آتا ہے کہ جو کام مجھ سے وہ چاہیں وہ مجھ سے ہوتا رہے وہ مجھے تڑپا دیں میں تڑپتا رہوں۔ شعر

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

خدا کرے کہ مزا انتظار کا نہ مٹے مرے سوال کا دیں وہ جواب برسوں میں

تڑپ میں اس سے زیادہ حظ حاصل ہے جو اس کام کے پورے ہونے میں ہوتا۔ مصرع

جو مزا انتظار میں دیکھا نہ پھر وہ وصل یار میں دیکھا

اور حدیث میں وعدہ ہے کہ جس دعا کی قبولیت ظاہر نہیں ہوتی وہ ذخیرہ ہو جاتا ہے آخرت کے لئے۔ تو فانی کی جگہ باقی کے ملنے کی ان شاء اللہ امید ہے جس کو حاجت کی طرف سے اطمینان بھی ہو اس کو بھی دعا مانگنی چاہئے کہ یہ ثواب مفت ہاتھ آتا ہے۔

(۶) حضرت والا کا دس روپیہ لینا اس خیال سے کہ میں نے دس کی دعا مانگی تھی

ادعوا اللّٰہ وانتم موقنون بالاجابۃ

(ترجمہ: اس طرح دعا مانگو کہ قبولیت کا بھی یقین ہو) کی تعمیل ہے۔

مجلس پنجاہ و یکم (۵۱)

مشاہدات کا انکار نہ چاہئے:

فرمایا علی گڑھ جانا ہوا تو کالج والوں نے سائنس کے کمرہ کی بھی سیر کرائی اور بجلی کے تصرفات دکھلائے تو قدرت کے کرشمے نظر آنے تھے۔ حق تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں اور انسان کو سب پر غالب کیا ہے۔

برق کی تحقیق:

کر جو یہ سمجھتے ہیں کہ بس آسمانی برق کی یہی حقیقت ہے مگر میں کہتا ہوں اس کے تصرفات کا تو انکار نہیں کیونکہ مشاہد ہیں شریعت نے مشاہدات کے انکار کا حکم نہیں کیا لیکن اہل سائنس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ بجلی اور آسمانی بجلی ایک ہی ہیں۔ تو یوں کیوں نہ کہا جاوے کہ بجلی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ارضی اور سماوی۔ (یا قدرتی اور مصنوعی) ارضی وہ ہے جو صناع خاصہ سے بن سکتی ہے جو یہ موجود ہے اور سماوی وہ جو شریعت میں ثابت ہے اور جسکی حقیقت سوط الملک ہے۔ اس کو کالج والوں نے بہت ہی پسند کیا۔ اس مجمع میں چند پروفیسر اور ماسٹر بھی تھے ان کو تو بہت ہی حظ ہوا۔ ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ بعد عصر روز سہ شنبہ بر مصلی۔

فوائد و نتائج

بجلی کی دو قسموں کی عام فہم نظیر برف ہے:

(۱) بجلی کی دو قسم ہونے کی ایک عام فہم نظیر برف ہے۔ آسمانی بھی ہوتی ہے اور مشین کا بنا ہوا بھی ہوتا ہے۔ افعال دونوں کے بالکل ایک ہیں مگر سب جانتے اور مانتے ہیں کہ آسمانی برف بننے اور ہونے کے اسباب اور ہیں اور مصنوعی کے اور۔ تو آثار کے متحد ہونے سے ذات کے اوپر قائل ہو جانا محض زبردستی اور کوتاہ نظری ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے کوئی کسی کو دیسے کہ ایک گھنٹہ میں پچاس میل کا سفر طے کر لیا تو دعویٰ کرنے لگا کہ یہ شخص ریل ہی میں آیا ہے حالانکہ ممکن ہے کہ موٹر کار میں آیا ہو کیونکہ وہ بھی اتنی چل سکتی ہے۔ یہ دعوی محض سخن پروری اور جہالت ہے خصوصاً جبکہ وہ آنے والا کہتا ہے کہ میں ریل میں نہیں آیا کہ اس وقت میں یہ دعویٰ بالکل جہل مرکب اور توجیہ القول بمالا یرضی بہ القائل ہے اور ایک نظیر بارش ہے کہ آجکل کی تحقیق ہے کہ اس کا بخاری مادہ سمندر سے اٹھتا ہے اور اطراف عالم میں پھیل کر قطروں کی صورت میں ٹپکتا ہے جسکو مانسون کہتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی لوگوں کی چشم دید بات ہے کہ زمین میں سے بخارات اٹھے اور بادل کی صورت بن کر برس گئے تو بارش کبھی مانسون سے ہوتی ہے اور کبھی [illegible] اور دونوں کا پانی یکساں ہوتا ہے۔

شرعی تحقیق اگر سمجھ میں نہ آوے تو کسی عالم سے پوچھ لینا چاہئے

(۲) نئے تعلیم یافتوں کو اس واقعہ سے یہ سبق خاص طور سے لینا چاہئے کہ سائنس کی تحقیقات پر مفتوں ہو کر شرعی تحقیقات کی طرف سے کم عقیدگی میں جلدی نہ کریں کسی معتمد عالم سے دریافت کریں۔ خدا کے بندے اب بھی موجود ہیں اور ہر زمانہ میں موجود رہیں گے۔

(کماورد به الحدیث الحق یعلوا و لا یعلے وقال تعالیٰ لاغلبن انا و رسلی ولایزال طائفة من امتی منصورین علی الحق لا یضرهم من خذلهم

ترجمہ: میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے اور میری امت کا ایک گروہ ضرور ایسا رہے گا کہ حق بات میں وہ غالب ہوگا۔ ان کو کوئی ان کا ساتھ چھوڑ دینے والا نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

جو دین کو واقعیت کے ساتھ سمجھیں گے اور سمجھا سکیں گے۔ یہ بڑا ظلم اور اندھیر ہے کہ ایک طرف کی بات سن کر دوسرے پر ڈگری دیدی جاوے۔ بجلی کے تصرفات آنکھوں سے دیکھنے کے بعد سائنس کے دلدادوں کو کوئی شبہ کی گنجائش نہ رہی تھی کہ یہ وہی بجلی ہے جو آسمان پر مانی جاتی ہے مگر ایک خدا کے بندے کے ایک فقرہ نے ایسا حل کر دیا کہ اس شبہ کی گرد ہی اڑ گئی۔ مسلمان کے لئے بڑی خطرناک بات ہے کہ شریعت کی کوئی بات تو بلا سائنس سے دریافت کئے قابل اطمینان نہ ہو اور سائنس کی کسی بات کے لئے شریعت سے دریافت کی بھی ضرورت نہ ہو۔

نعوذ باللّٰہ من غضب اللّٰہ. فما کان لشرکائهم فلا یصل الی اللّٰہ وما کان للّٰہ فهو یصل الی شرکائهم ساء ما یحکمون

(ترجمہ: جو شرکاء یعنی غیر اللہ کا حصہ ہو وہ تو اللہ کو نہ پہنچے اور جو اللہ کا حصہ ہے وہ غیروں کو پہنچ جاوے برا فیصلہ ہے یہ)

رود نیل کے منبع کی تحقیق کے متعلق ایک قصہ:

ایک صاحب یورپ کی ترقی کی تعریف کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ دیکھو رود نیل جیسے دریا کا منبع ہی معلوم کر لیا جس کو مذہب نے تو یہ بتایا تھا کہ جنت سے نکلا ہے۔ اب تو

جغرافیہ تک میں چھپ گیا کہ فلاں جھیل میں سے نکلا ہے۔ راقم نے کہا ہم کو منبع اسکا یورپ سے پہلے معلوم تھا حالانکہ ہم نے رود نیل کو دیکھا تک نہیں۔ کہا کیا معلوم تھا۔ راقم نے کہا یہ معلوم تھا کہ مصر سے اوپر ہے۔ سبحان اللہ اس کو منبع کہتے ہیں۔ منبع وہ ہے جہاں سے شروع ہوا ہو اور اس سے اوپر اس کے وجود نہ ہو۔ راقم نے کہا بس یہی جواب ہے۔ جس سے جھیل کو منبع مانا۔ یہ بھی تحقیق ہو گیا کہ اس میں پانی کہاں سے آتا ہے۔ کیا پانی وہیں پیدا ہوتا ہے اور اس سے اوپر وجود نہیں ہے۔ کہا نہیں۔ یہ تو آج تک تحقیق نہیں ہو سکا کہ سوتھ میں سے پانی کیوں ابلتا ہے۔ بعض سائنس والوں کی رائے یہ ہے کہ زمین کے اندر ہے اور اس کے نیچے آگ ہے۔ اس کے دھکے سے پانی اوپر کو جوش مارتا ہے۔ اسکا قرینہ یہ ہے کہ سوتھ میں سے پانی گرم نکلتا ہے۔ راقم نے کہا جب آپ مانتے ہیں کہ اس جھیل سے بھی اوپر پانی کا وجود ہے تو جھیل منبع کیسے ہوا۔ اس میں اور اس میرے تحقیق میں کیا فرق ہوا کہ مصر سے اوپر منبع ہے۔ شریعت نے اصل الاصول کو بیان فرمایا ہے نہ مصر سے اوپر کو نہ جھیل کو نہ سوتھ کو بلکہ اس جگہ کو منبع فرمایا جس سے اوپر پانی کا وجود نہیں یعنی جنت۔ کہنے لگے کیا جنت سے کوئی نل لگا ہوا ہے جس میں سے پانی سوتھ میں اور جھیل میں آتا ہے۔ راقم نے کہا اس تحقیق کی ہم کو ضرورت نہیں جتنا بتلایا گیا ہے اتنا کافی ہے جیسے کہ آپ نے اسپر کفایت کی کہ جھیل میں سوتھ میں سے پانی ابلتا ہے اور اسکی تحقیق کو چھوڑ دیا کہ سوتھ میں سے پانی باوجود ثقیل بالطبع ہونے کے اوپر کو کیسے جوش مارتا ہے۔

بارش کی اصل مون سون ہے:

ہاں تقریب الی الفہم کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ جیسے آج تک یہ مانا جاتا تھا کہ بارش کا مادہ زمین کے بخارات ہیں جو جَو کی سردی سے منجمد ہو کر ٹپک پڑتے ہیں لیکن اب مانا جانے لگا کہ زمین کے بخارات نہیں بلکہ سمندر کے بخارات ہیں جو خاص وقت میں پیدا ہو کر اطراف عالم میں پھیلتے اور پانی بنتے ہیں جن کو مانسون کہتے ہیں۔ تو بعد قطع وسائط یہ کہنا بجا ہے کہ بارش کا منبع سمندر ہے۔ بتائیے سمندر سے بادلوں میں کونسا نل لگا ہوا ہے اور کونسی

مشین اتنا پانی کھینچتی ہے اور وہ نل اور وہ مشین کسی سیاح اور جغرافیہ داں نے یا کسی ہوا باز نے بھی دیکھی ہے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ قدرت خدا سے ایسا ہوا پھر جس نے لاکھوں من پانی جیسی ثقیل بالطبع چیز کو اوپر چڑھایا وہ جنت سے سوتھ میں پانی کیوں نہیں لا سکتا ہے۔ زائد سے زائد یہ کہ ہم کو اس ذریعہ کا علم نہیں جس سے پانی سوتھ تک پہنچا۔ ممکن ہے ہوا بن کر پہنچا ہو اور ہوا سوتھ میں یا جھیل میں پانی بن جاتی ہو۔ آجکل اس قسم کے تصرفات صنعت سے ہی حاصل ہو گئے ہیں۔ ایک برقی آلہ ہے جس سے ہوا کا پانی بن جاتا ہے اور جیسا کہ سوتھ کے پانی کی گرمی سے قیاس کیا گیا کہ آگ کا اثر ہے ایسے ہی رودنیل کے پانی کی عمدگی اور لا ثانی ہونا پتہ دیتا ہے کہ جنت کا پانی ہے۔ غور سے دیکھا جاوے تو شریعت مطہرہ کی تحقیقات پر کوئی بھی اعتراض نہیں پڑتا۔ خلجان پیدا ہونا صرف اس کا نتیجہ ہے کہ علماء سے تحقیقات نہیں کرتا اور باوجود اس کے بعضوں کو جہلِ مرکب یہ سوار ہے کہ علماء ہماری خبر نہیں لیتے۔ حضرت والا نے تمام تعلیم یافتوں سے علی العموم اور اصحاب علی گڑھ سے بالخصوص بارہا فرمائش کی کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے شبہات کو قلمبند کر کے میرے پاس بھیجیں تا کہ ان کا حل کیا جاوے مگر کسی کو اس کی توفیق نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ حضرت والا نے

بمقتضائے افنضرب عنکم الذکر صفحا ان کنتم قوما مسرفین

(ترجمہ۔ کیا ہم تم سے نصیحت کو روک دیں اس وجہ سے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو)

خود ہی یہ کام بھی اپنے ذمہ لیا اور اشکال بھی خود ہی پیدا کر کے جوابات دیکر

رسالہ الانتباهات المفیدہ فی حل الاشکالات الجدیدہ

کی صورت میں شائع کر دیا۔ نیز رسالہ الرشید دیوبند میں ایسے ہی مضامین شائع ہوتے ہیں مگر افسوس ہے کہ اس کے دیکھنے والے بھی کم ہیں۔

مجلس پنجاہ و دُوم (۵۲)

بریلی والوں کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں: ایک شخص نے پوچھا کہ ہم بریلی والوں کے پیچھے نماز پڑھیں تو نماز ہو جائے گی یا نہیں۔ فرمایا ہاں ہم ان کو کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ ہمیں کہتے ہیں۔ ہمارا تو مسلک یہ ہے کہ کسی کو کافر کہنے میں بڑی احتیاط چاہئے اگر کوئی

حقیقت میں کافر ہے اور ہم نے نہ کہا تو کیا حرج ہوا اور اگر ہم نے کافر کہا اور حقیقت حال اس کے خلاف ہے تو یہ بہت خطرناک بات ہے۔

قادیانیوں پر کفر کا فتویٰ:

ہم تو قادیانوں کو بھی کافر نہ کہتے تھے اور وہ ہمیں کہتے تھے۔ ہاں اب جبکہ ثابت ہو گیا کہ وہ مرزا صاحب کی رسالت کے قائل ہیں تب ہم نے کفر کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ یہ تو کفر صریح ہے اس کے سوا انکی تمام باتوں کی تاویل کر لیتے تھے گو وہ تاویلیں بعید ہی ہوتی تھیں۔ ہم بریلی والوں کو اہلِ ہوا کہتے ہیں۔ اہل ہوی کافر نہیں۔

مسئلہ علم غیب:

ہاں یک مسئلہ علم غیب ہمارے اور ان کے درمیان ایسا متنازعہ فیہ ہے کہ اس میں اثبات صفت باری تعالیٰ غیر کے لئے لازم آتی ہے مگر اس کی تاویل قادیانیوں کے اقوال کی تاویل سے زیادہ دشوار نہیں اور اب تو سنا ہے کہ وہ علم غیب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ثابت تو کرتے ہیں مگر علم باری تعالیٰ کی طرح علم محیط نہیں ثابت کرتے بلکہ اس کی حد مانتے ہیں۔

الیٰ ان یدخل اھل الجنة الجنة و اھل النار النار

اگر یہ صحیح ہے تو شرک ثابت نہیں ہوتا کیونکہ صفت خاص باری تعالیٰ علم محیط ہے علم محدود نہیں تو اب ہم میں اور ان میں خلاف ایک امر ممکن میں رہا کہ وہ واقع ہوا یا نہیں یعنی یہ علم

الیٰ مایدخل اھل الجنة الجنة و اھل النار النار

حضور کو دیا گیا یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں دیا جانا فی نفسہٖ ممکن ہے مگر وقوع اُسکا شریعت سے کہیں ثابت نہیں اور وہ کہتے ہیں ثابت بھی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ تمام دلیلیں اس وقوعہ کی جو وہ پیش کرتے ہیں ناتمام ہیں اور ان کے مدعا کو ثابت نہیں کرتیں تو زائد سے زائد الزام ان پر یہ رہا کہ انہوں نے ایسی بات کو مان لیا جو شرعی دلیل سے ثابت نہیں اور یہ شان مبتدع کی ہے نہ کافر کی۔ ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ روز سہ شنبہ بعد عصر بر مصلیٰ

فوائد ونتائج لانکفر اہل القبلۃ:

حضرت والا کا یہ طرز عمل سلف کے موافق ہے کہ انہوں نے معتزلہ تک کو کافر کہنے میں احتیاط کی ہے۔ اگرچہ ان کے عقاید صریح کفر کے ہیں لیکن سلف نے احتیاطاً یہ اصول رکھا ہے لانکفر اہل القبلہ اور ان کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد رکھا اور ان کے اقوال کے لئے ایک کلی تاویل کر لی کہ متمسک اپنا وہ بھی قرآن وحدیث ہی کو کہتے ہیں گو تمسک میں غلطی کرتے ہیں تو انکا کفر لزومی ہوا نہ کہ کفر صریح۔

حضرت والا کی فتویٰ کفر میں احتیاط:

ایک مرتبہ حضرت والا سے ایک مولوی صاحب نے یہی گفتگو کی کہ ہم بریلی والوں کو کیوں کافر نہ کہیں۔ فرمایا کافر کہنے کے واسطہ وجہ کی ضرورت ہے نہ کہ کافر نہ کہنے کے لئے تو وجہ آپ بتلایئے کہ کیوں کہیں۔ مولوی صاحب نے بہت سی وجوہات پیش کیں اور حضرت والا نے سب کی تاویل کی گو بعید بعید تاویلیں تھیں۔ بالآخر مولوی صاحب نے کہا اگر کچھ بھی وجہ نہ ہو تو یہ کیا کافی نہیں ہے کہ وہ ہم کو کافر کہتے ہیں اور یہ ثابت ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہے۔ پس اگر ہم اپنے آپ کو مسلمان جانتے ہیں اور وہ ہم کو کافر کہتے ہیں تو ہم کو یہ بات ماننی چاہیئے کہ کفر لوٹ کر انہیں پر پڑتا ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ ہمیں اپنے اسلام میں شک ہے۔ فرمایا غایت سے غایت دلیلوں کا نتیجہ یہ ہے کہ کفر لزومی ہے کفر صریح تو نہ ہوا۔ پس وہ اگر واقع میں کافر ہوں اور ہم نہ کہیں تو ہم سے قیامت کے دن کیا باز پرس ہوگی اور اگر ہم کافر کہیں تو کتنی رکعت کا ثواب ملے گا سوائے اس کے کچھ بھی نہیں کہ تضیع وقت ہے اور ہی کام بہت ہیں۔ رہا یہ کہ کافر نہ کہنا بغرض احتیاط ہے مگر سوال نماز کے متعلق ہے اور اس کے لئے شبہ تکفیر مسلم کافی علت ہے تو الیقین لایزول بالشک اس شبہ کا جواب ہے

مجلس پنجاہ وسُوم (۵۳)

تجہیز وتکفین:

حضرت والا کے ایک قریب کے رشتہ دار کی چار سالہ لڑکی کا انتقال ہوا۔ حضرت والا

سے پوچھا گیا کفن میں کتنے کپڑے دیئے جاویں۔ فرمایا نابالغ ہے اس واسطے دو یا تین کپڑے کافی ہیں۔ صرف دو چادریں دیدو۔ راقم نے عرض کیا تکفین کے بارہ میں نابالغ لڑکی جوان عورت کے حکم میں ہے جیسا کہ بہشتی زیور میں ہے۔ فرمایا ہاں استحبابا نہ وجوبا۔ پھر جب جنازہ تیار ہوا تو حضرت والا اور خدام ساتھ گئے۔ جنازہ کو لڑکی کے والد اپنے ہاتھوں پر مدرسہ کے پیچھے قبرستان تک لے گئے۔ جب مردہ کو قبر میں رکھا تو فرمایا قبلہ رخ داہنی کروٹ پر کردو۔ رکھنے والے نے کچھ قبلہ کی طرف کو کردیا فرمایا بالکل کروٹ پر کردو۔ جب پٹاؤ دیا گیا تو کچھ کمی تھی جس میں مٹی گرنے کا خیال تھا فرمایا پورا کرو اور ڈھیلے رکھ دو تا کہ مٹی نہ گرے مگر دیکھتے آنکھوں تو اپنے عزیز پر مٹی گرتے نہیں دیکھی جاتی۔ راقم نے پوچھا پٹاؤ پتھر کا دینا درست ہے یا نہیں۔ فرمایا ہاں بلکہ لکڑی سے اچھا ہے کیونکہ از جنس ارض ہے اور اس سے بھی اچھی کچی اینٹیں یا کچے گھڑے ہیں جیسا کہ بعض شہروں میں رواج ہے اور پکی اینٹیں یا پکے گھڑے مکروہ ہیں پھر قبر درست ہو جانے کے بعد حضرت والا نے کچھ پڑھا پھر سب لوگ بلا اس کے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کریں لوٹ آئے۔ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ روز پنجشنبہ بعد عصر۔

فوائد ونتائج

(۱) قبرستان چونکہ بہت ہی قریب تھا اس واسطے جنازہ کو کسی دوسرے نے نہیں لیا ورنہ بدلتے چلنا اعانت ہے۔

(۲) کپڑے کفن میں کم کرنا شاید اس کے والد صاحب کی تنگدستی کی وجہ سے تھا۔

(۳) مردہ کو قبر میں کروٹ پر لٹانا چاہیئے جیسا کہ رواج ہے کہ صرف منہ قبلہ کی طرف کر دیتے ہیں اور دفن سے واپس ہوتے وقت التزام کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا یا جنازہ کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا یہ سب صرف رواج و رسم ہے۔ خفیہ اور بلا التزام مضائقہ نہیں۔

مجلس پنجاہ و چہارم (۵۴)

اصل صفائی مع اللہ ہے خانگی معاملات میں بھی اسی کا خیال چاہیئے: حضرت والا اور ایک خاص عزیز کے درمیان امور خانگی میں کچھ نا چاقی پیش آئی تو انہوں نے بہت لمبا چوڑا

خط لکھا جس میں ان امور کا تذکرہ تھا اور کچھ جواب الزامی اور کچھ تحقیقی تھے۔ حضرت والا نے جواب لکھا کہ نہ مجھے مفصل جواب کی فرصت ہے نہ اسکی ضرورت۔ مناظرہ کرنا مقصود نہیں صرف اس پر اکتفا کرتا ہوں کہ جو جوابات تم نے لکھے ہیں اگر وہ تمہارے نزدیک شرح صدر کیساتھ تمہارے اس معاملہ کی صفائی کے لئے کافی ہیں جو خدائے تعالیٰ کے ساتھ ہے تو کسی کی خوشی اور ناخوشی کی پروانہ کرو کیونکہ اصل دیانت ہے اور ہر معاملہ کی انتہا حق تعالیٰ پر ہوتی ہے۔ جب حق تعالیٰ سے صفائی ہے تو اور کسی کی پرواہ نہیں میں تو کیا چیز ہوں۔ میری خوشی اور ناخوشی کا اثر تم پر کیا پڑ سکتا ہے۔

شیخ معبود نہیں واسطہ الی المعبود ہے:

میں تو کہتا ہوں اگر کسی کا معاملہ فیما بینہ و بین اللہ صاف ہو اور اسکا شیخ جس سے وہ بیعت ہے وہ بھی ناراض ہو تب بھی پروانہ کرنا چاہئے اور اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا کیونکہ شیخ معبود نہیں ہے بلکہ واسطہ الی المعبود ہے اور معاملہ عبد کا معبود کے ساتھ ہے اور اگر تمہیں خود ہی ان جوابوں کے صفائی معاملہ مع اللہ کے لئے کافی ہونے کی نسبت شرح صدر نہ ہو بلکہ یہ تحریر صرف مشق اور ذہانت ہو اور دل اندر سے اسکی تکذیب کرتا ہو تو ذرا اس کا خیال کر لینا کہ جو باتیں تمہارے ذمہ عائد ہوتی ہیں وہ حق اللہ ہیں یا حق العبد اور ان سے سبکدوشی بلا صاحب حق کے عفو کے ہو بھی سکتی ہے یا نہیں

بعضوں کے لئے اولاد نہ ہونا ہی بہتر ہے:

فرمایا حضرت والا نے اب مجھ کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی قدر آئی۔ گھر میں کی خالہ صاحبہ نے عرض کیا تھا کہ دعا کر دیجئے ان کے بھی اولاد ہو۔ حضرت نے دعا کی پھر مجھ سے فرمایا کہ یہ تو میں نہیں کہوں گا کہ اولاد نہ ہو لیکن مجھے زیادہ پسند تمہارے واسطے یہی ہے کہ میری ہی طرح تم بھی آزاد رہو۔ میرے خود اولاد نہیں ہے۔ رشتہ کے عزیز ہیں ان سے بھی تکلیف ہی پہنچتی ہے ان کو تو میں الگ بھی کر سکتا ہوں اپنی اولاد ہوتی تو الگ کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ میں نے عرض کیا مجھ کو وہی پسند ہے جو حضرت میرے لئے پسند کرتے ہیں۔ اب اس کی

قدر آتی ہے کہ کس درجہ کی بات ہے۔ عزیزوں کے ساتھ جان کھپادیں مگر بیکار۔

مورخہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ قریب مغرب روز پنجشنبہ درسہ دری خود در مسجد

فوائد ونتائج

(۱) بزرگوں پر انکے اعزا کی حالت دیکھ کر اعتراض: بعض جہلا المعترض کالاعلمی کے مصداق کو دیکھا کہ جب کسی بزرگ کی نسبت ان کو کوئی حرف گیری کا موقعہ نہ ملے تو بھی اعتراض چھانٹ لیتے ہیں کہ ان کے گھر بھی ایسی باتیں ہوتی ہیں۔ اگر کچھ ہوتے تو اپنے گھر کی اصلاح تو پہلے کرتے۔ ہر چند کہ ایسے جہلاء کو قابلِ خطاب بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ تعلیم وصحبت مذہبی سے قطع نظر جس نے کوئی صحبت یا تعلیم بھی تھوڑی یا بہت پائی ہے وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ کسی مذہب اور ملت اور کسی قانون اور آئین میں یہ نہیں مانا گیا کہ ایک کے قصور کا ذمہ دار دوسرا ہو لیکن اس وجہ سے کہ اس غلطی میں بعض پڑھے لکھے بھی شریک ہو جاتے ہیں یہاں ان سے تعرض کیا گیا۔

بزرگوں کے تصرفات کو اختیاری سمجھنا:

بیان اس کا یہ ہے کہ ان جہلاء کے ایسے بے ڈھنگے اعتراض کی ایک تو وجہ ان بزرگ سے بے وجہ مخالفت ہے۔ یہ حمیت جاہلیت تو انہیں کے ساتھ خاص ہے تعلیم یافتہ اور صحبت یافتہ اشخاص میں یہ کم ہوتی ہے اور دوسری وجہ ایک عقیدہ فاسد ہے وہ یہ کہ بزرگوں کو اس قدر صاحب تصرف اور ذی اختیار سمجھتے ہیں کہ جو چاہیں کر سکتے ہیں جس کو چاہیں امیر بنا دیں اور جس کو چاہیں فقیر اور جس کو چاہیں ہدایت کر دیں اور جس کو چاہیں گمراہ۔ جب ان کے خیال میں بزرگوں کے یہ صفات ہیں تو جس میں یہ صفات نہ پائی جاویں ان کو بزرگ نہیں سمجھتے۔ اس خیال میں تعلیم یافتہ بھی شریک ہیں۔ اکثر واعظ منبر پر بیٹھ کر بزرگوں کی ایسی ایسی کراماتیں بیان کرتے ہیں جن سے ایک دفعہ کو تو سننے والا یہ کہتے بھی ڈرنے لگتا ہے کہ یہ بزرگ از جنس انسان تھے۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ کرامت کوئی چیز نہیں یا کرامتوں کا بیان کرنا وعظ میں نہ چاہئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جہاں کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے وہاں ان کے

خوف وخشیت اور عبودیت اور مجاہدات وریاضیات کا اور فقر وفاقہ کا ذکر کیوں نہیں کیا جاتا۔

صاحب کرامت کے تصرفات سے مجبوریاں تعداد میں زیادہ ہوتی ہیں:

جب یہ سب ایک ہی شخص کے حالات ہیں تو ذکر کرامات کی تخصیص میں ضرور کوئی چور ہے۔ وہ چور یہی ہے کہ ان کے ساتھ اتنا عقیدہ بڑھالیا ہے کہ ان کو گونہ متصرف بالاستقلال خیال کرلیا ہے کسی جگہ ان کی مجبوری کو ظاہر کرنا داخل بے ادبی سمجھتے ہیں حالانکہ دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی بڑے سے بڑے صاحبِ کرامت بزرگ کے حالات کو ابتداء عمر سے یا ابتداء کمال سے آخر تک جمع کرے تو بہ نسبت تصرف وکرامات کے مجبوریاں زیادہ ثابت ہوں گی۔ واعظ لوگ ان مجبوریوں کو (جو فی نفس الامر کمال عبودیت کی دلیل ہیں اور جاہل لوگ اس کو کمی تصرف سمجھتے ہیں) حذف کر کے صرف کرامات بیان کرتے ہیں۔تو گویہ تعلیم یافتہ گروہ زبان سے نہ کہے کہ ہم بزرگوں کو متصرف سمجھتے ہیں مگر اس طرز عمل سے پتہ چلتا ہے کہ دل میں یہ چور ضرور ہے کہ بزرگ صاحب تصرف ہوتے ہیں اور جہاں یہ نہ ہو ان سے بدعقیدگی یا کمی عقیدہ ان کو ضرور ہو جاتی ہے تو یہ بھی ان جہلاء کے ساتھ کسی بزرگ کے اعزا و برادری کے حالات بہت عمدہ نہ دیکھ کر اعتراض میں زبان سے نہ سہی دل سے ضرور شریک ہو جاتے ہیں۔ کم سے کم یہ تو ضرور کہنے لگتے ہیں کہ جب ان سے اپنے ہی کنبہ والوں کو نفع کامل نہیں ہوتا تو ہم کو کیا ہوسکتا ہے۔

علماء اصلاح کرنے کے مکلّف ہیں اصلاح ہونے کے مکلّف نہیں

اس گروہ کی غلطی ظاہر کرنے کے لئے یہ مضمون یہاں لایا گیا جاننا چاہئے کہ علماء اور اہل اللہ اور مشائخ تبلیغ اور اصلاح کرنے کے مکلّف ہیں کسی کے اصلاح پذیر ہونے کے مکلّف نہیں۔

قل لا تسئلون عما اجر مناو لا نسئل عما تعملون. ولست علیهم بمصیطر
(ترجمہ: کہہ دیجئے تم سے ہمارے گناہوں کا سوال نہ ہوگا اور ہم سے تمہارے گناہوں کا سوال نہ ہوگا۔ آپ ان پر گماشتہ نہیں ہیں) اس میں کوئی اپنا ہو یا غیر کسی کی تخصیص نہیں۔
و کفی شاهدا فی ذلک قصة سیدنا ابراهیم و سیدنا نوح علی نبینا و علیهما السلام مع ابیه وابنه وقصة رسولنا صلی اللّٰه علیه و آله وسلم مع ابی طالب
(ترجمہ: اور اسکی شہادت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور آپ کے والد آزر کا قصہ اور حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے بیٹے کا قصہ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ کے چچا کا قصہ کافی ہے۱۲) اصل یہ ہے کہ اہل اللہ کا کمال عبودیت ہے اور بس تعمیل حکم کے لئے تبلیغ اور اصلاح کی کوشش کرتے ہیں اور یہ کام حق تعالیٰ کا ہے کہ جہاں چاہیں کوئی کام ان کا پورا کریں اور جہاں چاہیں نہ کریں خواہ وہ کام دین کے ہوں یا دنیا کے۔ ابوجہل کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کی اور کوئی دقیقہ اس کی نصیحت کا اٹھا نہ رکھا لیکن خدائے تعالیٰ کو منظور نہ تھا اس لئے ہدایت نہ ہوئی۔ بہت سے وہ معجزات جو کفار طلب کرتے تھے حق تعالےٰ نے ظاہر فرمائے اور بعضوں کے جواب میں فرمادیا
قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا. واذا لم تاتهم بآیة قالو الولا اجتبیتها قل انما اتبع ما یوحیٰ الیّ من ربی و غیرها من الآیات
(ترجمہ: کہہ دیجئے پاکی ہے میرے رب کو میں تو صرف ایک انسان رسول ہوں اور جب کوئی معجزہ (ان کے سوال کے موافق) آپ نہیں دکھاتے تو کہتے ہیں اسی کو چھانٹ کر کیوں نہیں اختیار کیا۔ آپ کہہ دیجئے میں وہی کرتا ہوں جو حق تعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم ہوتا ہے۱۲)

کمال کا معیار اثر ہونے کو سمجھنا غلط ہے
صحیح معیار اطاعت امر اللہ ہے

تمام انبیاء علیہم السلام کی شان میں وارد ہے وما کان لرسول ان یاتی بایة الا باذن الله تو اس کو بزرگی اور کمال کا معیار قرار دینا صحیح نہیں کہ انکی ہدایت اور اصلاح کو سب

لوگ مان لیتے ہیں یا نہیں۔ بلکہ صحیح معیار یہ ہے کہ سراء اور ضراء اور رضا اور غضب اور رنج و راحت ہر حالت میں وہ پابند امر الٰہی رہتے ہیں یا نہیں۔ جو شخص ہر حالت میں معاملہ بینہ و بین اللہ کا نگراں رہے وہی کامل ہے۔ خواہ تمام عمر میں ایک شخص کو بھی اس سے ہدایت نہ ہو اور ایک بھی کرامت اس سے صادر نہ ہو۔

بعض انبیاء سے ایک ہی شخص کو ہدایت ہوئی بعض اولیاء کو کسی نے جانا بھی نہیں:

بعض انبیاء علیہ السلام ایسے ہوئے ہیں کہ تمام عمر میں ایک ہی شخص کو ان سے ہدایت ہوئی تو اس سے انکی شان میں کچھ منقصت لازم نہیں آتی اور بعض اولیاء ایسے ہوئے ہیں کہ ان کو کسی نے جانا بھی نہیں اور جو شخص کسی حالت میں امر اللہ سے ڈگ جاوے وہ کامل نہیں خواہ کرامات مجسم کیوں نہ ہو۔ بہت سے جوگی بکثرت خارق عادت دکھلا سکتے ہیں اور بعض وقت شیطان سے لوگوں کو ہدایت ہوگئی ہے۔ وہ شخص بارادہ حق تعالیٰ ہدایت کا حمال ہے جہاں حق تعالیٰ کو پہنچانا ہے لے جاتا ہے اور خود اس سے محروم ہے۔

مناقشات خانگی میں حضرت والا کی استقامت

اس حکمت پنجاہ و چہارم میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرت والا نے کیا برتاؤ کیا۔ امر اللہ کے موافق کیا یا نہیں۔ سو جو کوئی ذرا سی بھی سمجھ رکھتا ہو اور بے رو و رعایت انصاف سے کام لے وہ بے ساختہ کہہ دیگا کہ اس آیت کی تعمیل کی یایها الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیرا فالله اولی بهما ترجمہ اے مسلمانوں بہت مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور خدائے تعالیٰ کے گواہ رہو اگر چہ اپنی جانوں کے مقابلہ میں ہو یا والدین کے یا دیگر قرابت داروں کے کوئی مالدار ہو یا محتاج۔ خدائے تعالیٰ کو اس کے ساتھ تعلق زیادہ ہے۔ مطلب یہ ہے جتنا کسی سے تعلق زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی اسکا لحاظ زیادہ کرنا پڑتا ہے اور جبکہ سب کو تعلق خدائے

تعالیٰ ہی سے ہے تو حق تعالیٰ ہی سے معاملہ کو صاف رکھو اور یہی حضرت والا کے جواب کا ماحصل ہے جو خوبیاں اس جواب میں ہیں دوسرے کسی جواب میں نہیں ہوسکتیں۔ نہ غصہ میں حد سے خروج ہے نہ نفسانیت سے کچھ علاقہ اور ذرا سا جواب الزامی بھی ہے اور تحقیقی بھی۔ اور مختصر و جامع اتنا کہ کوزہ میں دریا ہے۔ تعلیمات اور حکمتوں کا عطر ہے۔

مناقشات خانگی کی اصلاح کا مختصر طریق:

اگر لوگ مناقشات خانگی کے وقت اسکی تقلید کریں یعنی ہر شخص معاملہ فیما بینہ و بین اللہ کی صفائی پر نظر رکھے تو مناقشات کی جڑ ہی کٹ جاوے اور عیشۃ نقیۃ اور حیوٰۃ طیبہ نصیب ہو اور اسکی عمدہ تدبیر یہ ہے کہ جیسے نماز روزہ کے مسائل علماء سے پوچھتے ہیں ایسے ہی جب کوئی خانگی جھگڑا ہو علماء حقانی سے بصورت استفتار اس کو دریافت کرلیں جو امر اللہ و امر الرسولؐ ہو اسکو تسلیم کرلیں۔ راقم کا یہ دعویٰ ہے کہ ان شاء اللہ ایسا سیدھا راستہ نکلے گا کہ متناقشین خوش رہیں گے اور کسی کی حق تلفی بھی نہ ہوگی اور اس وقت قدر آ وےگی کہ شرعی قانون میں کیا کیا خوبیاں ہیں بطور نمونہ ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

ایک دیندار معزز عہدہ دار حضرت والا کے خادم دوسو روپیہ تنخواہ پاتے تھے اور بوجہ غایت اتقا پوری تنخواہ اپنی والدہ کے ہاتھ میں لاکر دیتے تھے جب یہ خود والدہ سے اتنے مطیع تھے تو گھر میں کسی کی کیا مجال تھی کہ ان کے سامنے دم مارے۔ سب انہیں گھر کا مالک ذی اختیار سمجھتے تھے حتیٰ کہ وہ اس رقم میں سے کچھ گھر میں خرچ کرتیں اور کچھ پس انداز کرکے اپنے دوسرے بیٹوں کو بہوؤں کی امداد دیتیں۔ ان کی بی بی کو یہ انتظام پسند نہ ہوا اور گھر میں بے لطفی پیدا ہونے لگی۔ حضرت والا کے سامنے یہ سب واقعات ظاہر کئے گئے تو حضرت والا نے گھر کا کل اختیار بی بی کو دلوایا اور خرچ والدہ کا کل ان کے ذمہ اور جیب خرچ دس روپیہ ماہوار مقرر کرادیا اور بھائی بہنوں اور بھاوجوں سب کو الگ کردیا۔ قرآن شریف میں ہے لینفق ذو سعۃ من سعتہ یعنی مقدور والے کو عورت کا نفقہ اپنے مقدور کے موافق دینا چاہئے۔ نیز حدیث میں ہے کہ عورت اس واسطے ہے کہ خاوند کے مال کی حفاظت کرے۔ حفاظت کرنا پہرا دینے کا نام نہیں بلکہ بدنظمی سے بچانے کا نام ہے۔ اس سے صاف ظاہر

ہے کہ گھر کا انتظام بی بی کے ہاتھ میں ہونا چاہئے اور بھاوج تو بالکل ہی غیر ہوتی ہے۔ بھائی کا مال بھائی پر خرچ کرنا والدہ کو جائز نہ تھا اس واسطے اس سے روک دیا گیا اور والدہ کی خدمت یہ بہت ہے کہ علاوہ خرچ کے دس روپیہ فاضل دیئے جاویں۔

یہ واخفض لهما جناح الذل کی کافی تعمیل ہے۔ ناظرین غور کرلیں کہ مناقشات کس خوبی سے رفع ہو گئے۔ نہ والدہ کا حق مارا گیا نہ بی بی کا نہ حفظ مراتب ہاتھ سے گیا۔

مجلس پنجاہ و پنجم (۵۵)

مولانا احمد حسین صاحب سنبھلی مقیم تھانہ بھون نے پوچھا کہ نماز میں خشوع صرف بقدر تحریمہ ضروری ہے (جیسا کہ ردالمختار میں ہے) یا کل نماز میں۔ فرمایا میرے نزدیک خشوع کل نماز میں واجب ہے۔ کہا نووی نے اجماع نقل کیا ہے کہ خشوع واجب نہیں۔ فرمایا ان امور میں اہل ظاہر کا قول معتبر نہیں ہوسکتا۔ نصوص قرانیہ سے وجوب صاف ثابت ہوتا ہے۔

الم يأن للذين امنوا ان تخشع قلوبهم لذكر الله وما نزل من الحق ولايكونوا كالذين اوتوا الكتاب من قبل فطال عليهم الامد فقست قلوبهم

ترجمہ کیا اسکا وقت مسلمانوں کے لئے نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر اللہ اور قرآن کے لئے خاشع ہو جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پھر ان کی امل بڑھ گئی تو دل ان کے قاسی ہو گئے۔ عنوان آیت یعنی شکایت سے تو وجوب ثابت ہوتا ہی ہے زیادہ تصریح اس سے ہوتی ہے کہ خشوع نہ ہونے پر قساوت کو مبنی فرمایا جو کفار کے خواص میں سے ہے۔

بدليل وجعلنا قلوبهم قاسية فهي كالحجارة او اشد قسوة

ترجمہ۔ اور کردیا ہم نے ان کے دلوں کو قساوت والا تو وہ پتھر کی طرح ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں اور قساوۃ کی نسبت حدیثوں میں ہے مثلاً ابعد شئ من الله القلب القاسي ترجمہ۔ نہیں ہے کوئی چیز دور حق تعالیٰ سے قلب قاسی کی برابر۔ ان نصوص کو استحباب پر محمول کرنا جب ممکن تھا کہ کوئی نص معارض موجود ہوتی۔ ولیس فلیس اور فقہاء ایسے امور میں بہت ڈھیلے ہیں۔ عرض کیا تو واجب کے یہ معنی ہیں کہ ترک سے اعادہ واجب ہوتا ہے فرمایا نہیں کوئی حکم ظاہر اسپر متفرع نہیں ہوتا۔ ہاں کمال نماز کے لئے موقوف علیہ ہے۔ عرض کیا

واجب کا مقابل مکروہ تحریمی ہے۔فرمایا ہاں بے خشوع نماز کو مکروہ تحریمی کہیں تو کیا حرج ہے۔

قصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

انی لاجهز جیشی و انا فی الصلوة

عرض کیا قصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انی لاجهز جیشی و انا فی الصلوة

ترجمہ: میں لشکر کی تیاری میں رہتا ہوں جبکہ میں نماز میں ہوتا ہوں۔نفی وجوب کی دلیل ہے۔ فرمایا اس کا حل حضرت حاجی صاحبؒ نے کیا ہے کہ خشوع ہر شخص کا علیحدہ ہوتا ہے۔ بہت واضح مثال حضرت نے یہ دی کہ سلطان کے سامنے درباری لوگ ہر شخص اپنی اپنی خدمت پیش کرتا اور اسی کے متعلق گفتگو کرتا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کار منصبی یہی تھا۔تجہیز جیش ان کی عبادت تھی تو ایک عبادت دوسرے کے ساتھ مل گئی۔راقم نے عرض کیا کہ خیالات تو آتے ہی ہیں۔ان سے احتراز بالکلیہ کیسے ہو۔فرمایا جو خیالات خود طاعت کے متعلق ہوں ان میں تو کچھ بھی حرج نہیں دو طاعت ایک وقت جمع ہو جاتی ہیں مثلاً کوئی فقیہ مسائل فقہ سوچتا رہے اور اگر مباحات کے متعلق ہوں تو ان کو بالقصد لانا یا استدامۃ نہ چاہیے۔قلب سے انکو دفع کرے اور یہ بڑا مجاہدہ ہے اور بعضے اس پر بسہولت قادر ہوتے ہیں اور بعضے بتکلف۔ کہنے کی بات نہیں میں بحمد اللہ بسہولت قادر ہوں۔اسکی نہایت خوشی ہے مگر اسکا افسوس ہے کہ باوجود قدرت کے عمل نہیں۔ ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ روز جمعہ وقت چاشت درسہ دری خود در مدرسہ

فوائد ونتائج

(۱) احکام ظاہر میں علماء ظاہر کی تقلید اور احکام باطن میں علمائے باطن کی تقلید کرنی چاہیے:

ظاہری احکام میں علماء ظاہر کی تقلید اور باطنی احکام میں اصحاب باطن کی تقلید آیت۔

یایها الذین امنوا اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۔ترجمہ۔اے ایمان والو فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور اپنے اولی الامر کی۔ کی تعمیل

ہے۔ ہر کام میں اس کے اولی الامر یعنی ماہرین کا اقتدا چاہئے (۲) خشوع کے متعلق حضرت والا کا ایک مستقل وعظ ہے۔ مواعظ اشرفیہ نام اسکو دیکھنا چاہئے۔

مجلس پنجاہ و ششم (۵۶)

کسی کا احسان حتیٰ الامکان نہ چاہئے:

مولوی ریاض الحسن الہ آبادی (یہ ایک طالب علم تھے جنہوں نے ڈاک لانے اور لے جانے کی خدمت اپنے ذمہ لے رکھی تھی) کی غلطی سے ایک خط ڈاک میں بے رنگ پڑ گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ ابھی ڈاک روانہ نہیں ہوئی ہوگی۔ میں پوسٹ ماسٹر سے کہہ کر کہ وہ خط نکلوالوں اور ٹکٹ لگا دوں۔ فرمایا اسکا احسان ہوگا۔ عرض کیا یہ کیا احسان ہے۔ ہمارا خط ہے ہمیں واپس لیتے ہیں کسی کی چوری نہیں کرتے۔ فرمایا حسب قواعد ڈاک خانہ ایک روپیہ کا اسٹامپ دینا چاہئے جبکہ وہ تمہارے یا میرے خاطر سے بلا اسٹامپ دیدیگا تو گویا ایک روپیہ کا احسان کرے گا اور سرکاری نقصان بھی کرے گا جو اس کو جائز نہیں۔

احسان شناسی:

یاد رکھو کہ اگر کوئی تمہارے سے ایک چیز بالشت بھر سے بھی اٹھا کر دیدے تو اس کو بھی احسان سمجھو۔ ہمیشہ اس کو یاد رکھو۔ حتی الامکان کسی کا احسان نہ لو اور اگر کوئی چھوٹے سے چھوٹا بھی احسان کرے تو اس کو احسان سمجھو۔ آجکل اس سے بہت غفلت ہے میرے والد صاحب کی جب میراث تقسیم ہوئی تو میری پھوپھی صاحبہ دادا صاحب کی میراث میں سے اور تائی صاحبہ تایا صاحب کی جائیداد میں سے اپنے حصے ہم سب بھائیوں کو دیتی تھیں مگر میں نے انکار کر دیا۔ اس وجہ سے کہ عورت کا احسان لینا طبیعت کے خلاف ہے۔

عورت مہر معاف بھی کر دے تب بھی دینا چاہئے:

میرے گھر میں کا مہر پانچ ہزار تھا اور انہوں نے معاف کر دیا مگر میں نے کہا یہ تمہارا فعل تھا اور میرا فعل یہ ہے کہ میں ادا کرتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اتنی قیمت کا مکان دیا اور کچھ نقد بھی دیا۔

بی بی کی دلشکنی نہ چاہئے:

اب مکان مسکونہ خالص ان کی ملک ہے جو چاہیں کرسکتی ہیں اور پھر مجھ کو یہ بھی احسان گوارا نہیں ہوا کہ ان کے مکان میں رہوں اس لئے پانچ سو روپے اور زائد دیدیئے ہیں جسکو میں نے بطور کرایہ سمجھا ہے گو ان سے اسکا اظہار نہیں کیا کہ یہ کرایہ ہے کیونکہ موجب دلشکنی ہے۔ شریعت کا مسئلہ ہے کہ طلاق قبل الدخول میں نصف مہر واجب ہوتا ہے۔ جس آیت میں اس کا بیان ہے وہ قابل غور ہے فرماتے ہیں۔

وان طلقتمو هن من قبل ان تمسوهن و قدفرضتم لهن فريضة فنصف مافرضتم الا ان يعفون او يعفوا الذى بيده عقدة النكاح و ان تعفوا اقرب للتقوى و لا تنسوا الفضل بينكم ان الله بما تعملون بصير.

ترجمہ۔ اگر تم بیبیوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو مہر مقرر کا نصف ہے۔ مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کردیں یا یہ کہ وہ شخص رعایت کردے جس کے ہاتھ میں نکاح ہے (یعنی خاوند[1]) اور تمہارا معاف کردینا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

الا ان يعفون اى يسقطن ذلك النصف ايضاً

یعنی عورت اس نصف کو بھی معاف کردے۔

اويعفواالذى بيده عقدة النكاح اى الزوج فيعطى من عنده النصف الاخر ايضا یعنی زوج معاف کرے۔ (رعایت کرے) کہ نصف بطور وجوب دے اور نصف اپنی طرف سے تبرعاً دیدے۔ (میں اس کے معنی یہ سمجھتا ہوں) آگے فرمایا۔

وان تعفوا اقرب للتقوى:

یہ ظاہری صیغہ سے خطاب صرف زوج کو ہے۔ ان آیتوں میں صاف تعلیم ہے کہ اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہئے بلاکسی ضرورت یا مصلحت کے عورتوں کا احسان لینا مناسب نہیں اور طبعاً اور غیرت کے بھی خلاف ہے۔

---

[1] قال مولانا مدظلہ فی تفسیرہ بیان القرآن هو الزوج المالک لعقد النكاح وحله وهو التفسير الماثور عن رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم كما اخرجه ابن جرير الخ ۱۳۱ جلد اول

عورت کو نصف میراث ملنے کی وجہ:

اور اس وقت ایک نکتہ عورت کو نصف میراث ملنے کا بھی سمجھ میں آیا وہ یہ کہ عورت کو زیادہ میراث کی ضرورت نہیں کیوں کہ دوسروں کی دست نگر ہے جس کی دست نگر ہے اس کو زیادہ ضرورت ہے اور وہ مرد ہے۔ اور عورت کو محروم الارث اس لئے نہیں کیا کہ بعضے خرچ عورت ایسے کرتی ہے کہ ان کا تحمل کرنا مرد پر واجب نہیں۔ اس کی اعانت کے لئے نصف میراث دلوادے۔

مرد کو عورت کا دست نگر بننا بے غیرتی ہے:

غرض یہ قلب موضوع ہے کہ مرد عورت کا دست نگر ہو۔ اتفاقیات اور حوادث اور ضرورات دوسری چیز ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت اور بحالت اختیار مرد کو عورت کا دست نگر بننا غیرت کی بات ہے۔

بی بی کے زیور یا جہیز پر نظر ڈالنا:

اب زمانہ میں اس کا خیال بھی نہیں رہا۔ خصوصاً اپنی اہل کے ساتھ اس کے زیور پر نگاہ ہوتی ہے۔ جہیز کے برتن بیچ لیتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ عورت سونے چاندی کے برتن جہیز میں لائی ہو تو اپنے مٹی کے برتن اس سے اچھے۔ اس کے برتنوں کو مقفل کر کے رکھ دے اور مٹی کے برتن استعمال کرے ورنہ کبھی نہ کبھی بات منہ پر آ ہی جاتی ہے کہ میاں کے یہاں کیا تھا۔ میرے برتن کام آرہے ہیں۔ خانگی باتیں ظاہری کرنے کی نہیں ہوتیں مگر اس وقت بضرورت شرعی اس واسطے ظاہر کر دیں کہ میرے دوست بھی ایسا ہی کریں۔ بحمد اللہ کسی ایسی عورت کا جسکا خود مجھ پر شرعاً یا مروۃً حق ہو میرے اوپر ذرا بھی احسان نہیں ہے۔

بہنوں کو میراث نہ دینا یا تساہل کرنا:

چھوٹوں کے ساتھ احسان کرنا اور ان کا احسان نہ لینا تو بہت دور گیا۔ آجکل تو حقوق تک کی پرواہ نہیں۔ میراث تک کو صحیح تقسیم نہیں کرتے بعضے تو بہنوں کو حصہ ہی نہیں دیتے۔ یہ تو

تقلید کفار اور شریعت کا مقابلہ نہیں تو اور کیا ہے اور جو لوگ حصہ دینے کو ضروری سمجھتے ہیں وہ بھی بعض وقت تساہل کرتے ہیں حالانکہ یہ بڑا ظلم ہے۔ میرے ایک عزیز کے یہاں کچھ حصہ نابالغوں کا آپڑا تھا اور باقاعدہ تقسیم نہ ہوتا تھا۔ میں نے انکو فہمائش کی گو وہ لالچی تو نہیں ہیں مگر بعض دفعہ تغافل ہو جاتا ہے۔ عرصہ تک کچھ پروا نہ کی۔ آخر میں نے یہ کیا کہ ان کے گھر کہلا بھیجا کہ میرے یہاں کوئی چیز کھانے کی نہ بھیجا کریں کیونکہ مخلوط بحق الغیر ہے اسکا اثر ہوا اور نابالغوں کا حصہ علیحدہ کر دیا۔

تقسیم میراث ایک دعوت کا قصہ:

قاضی صاحب پڑوسی کے یہاں میری دعوت ہوئی (قاضی صاحب کا انتقال ہو چکا ہے اور ترکہ تقسیم نہیں ہوا نابالغ بھی وارث ہیں) کھانا مکان پر آیا واپس کرنا تو خلاف مصلحت تھا میں نے ان کی فرائض نکالی اور کھانے کی قیمت لگائی جتنے پیسے نابالغوں کے حصہ کے نکلے وہ قاضی صاحب کے گھر بھیج دیئے اور کہلا بھیجا کہ آپ برا نہ مانیں اور واپس نہ کریں۔ بضرورت شرعی ایسا کیا گیا ہے۔ انہوں نے اہلیت کی کہ انکو لے گیا اور نابالغ وارث کی ملک کر دی۔ ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ وقت صبح درسہ دری خود در مدرسہ روز جمعہ

فوائد و نتائج

(۱) شکریہ دل و زبان دونوں سے چاہئے:

قولہ۔ ذرا سے احسان کو بھی احسان سمجھو۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ دل سے اسکے شکر گزار ہو نہ صرف زبان سے بلکہ زبان اور دل کا موافق نہ ہونا نفاق ہے۔ حضرت والا کا یہ لفظ کہ آجکل اس سے بہت غفلت ہے اس پر بخوبی دلالت کر رہا ہے کیونکہ آجکل شکریہ زبانی تو بہت ہے کمی ہے تو شکریہ قلبی کی ہے۔

آداب مجلس:

حضرت والا کے اس چھوٹے سے جملہ میں تمام آداب معاشرت مندرج ہیں جو

اشخاص اس کی پابندی کریں کبھی ان میں نا اتفاقی نہیں ہوسکتی اور اتفاق بمرتبہ اکمل قائم رہ سکتا ہے جو اصل ہے حسن معاشرت کی۔ آداب مجلس اسی میں مندرج ہیں مثلاً کوئی شخص دوسرے کے پاس آتا ہے تو اس کا آنا اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ اس تعلق کو جو افراد انسان میں خدائے تعالیٰ نے طبعًا رکھا ہے قائم کرتا ہے اور صاحب خانہ کو اس کا اہل سمجھتا ہے۔

اکرام مہمان وسلام وجواب:

یہ بھی گونہ احسان ہے۔ لہٰذا صاحب خانہ کو چاہئے کہ اسکی مکافات کرے یعنی اس کو اکرام کے ساتھ بٹھاوے اور جبکہ اس نے زبان سے بھی اس مافی الضمیر کی تصدیق کی یعنی سلام کیا تو یہ بھی حال کے ساتھ قال سے بھی جواب دے اور احسان کی مکافات اچھی جب ہوتی ہے کہ اس احسان سے قدرے زائد ہو۔ یعنی جواب سلام سے اچھا ہو۔ اسی واسطے فرمایا گیا ہے۔

واذاحییتم بتحیة فحیوا باحسن منھا اور دوھا

ترجمہ: اور جب تم کو سلام کیا جاوے تو اس سے اچھا جواب دو یا ویسا ہی دیدو۔ اگر اس نے السلام علیکم کہا ہے تو یہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے بلکہ وبرکاتہ بھی بڑھا دے تو اور اچھا ہے اور مزاج پرسی کرے اور یہ سب آداب مقدمات اور ذرائع ہیں اور تعلق انسانی یعنی تمدن اور ایک کی کاربراری اور دوسرے سے اصل مقصود ہے لہٰذا اس پر نظر چاہئے اور اس آنے والے کی حاجت میں بقدر وسع خلوص کے ساتھ امداد دینا چاہئے۔

کھانا کھلانا:

سب سے پہلی حاجت کھانا کھانا ہے اس کو کھانا کھلاوے اور آرام کا موقعہ دے پھر اس کی دیگر حاجات معلوم کر کے شریک ہو اور چونکہ شرکت وشکریہ دلی معتبر ہے صرف زبانی معتبر نہیں اس واسطے ان سب آداب میں سے وہ باتیں حذف ہو جاوینگی جو محض بناوٹ ہیں جو اودھ کی تہذیب کے جز ہیں جیسے فرشی سلام اور بات پر قیام اور حد سے زیادہ عاجزی کے کلمات اور غیر واقعی تعریفات اور ضرورت سے زیادہ القاب وغیرہ وغیرہ بس وہ تہذیب رہ جاویگی جو مفید اور تمدن کیلئے شرط ہے۔

تہذیب اودھ کی غلو:

قاعدہ ہے کہ جہاں بناوٹ زیادہ ہوتی ہے اصلیت ندارد ہو جاتی ہے۔ یا یوں کہا جاوے کہ جہاں حسن صورت ضرورت سے بڑھ جاتا ہے تو حسن حقیقت نہیں رہتا۔ دیکھا ہو گا کہ جن کی یہ تہذیب ہے کہ ادنیٰ سا آدمی آ جاوے تو تعظیماً اور جسوقت کوئی مجمع میں سے اٹھے تو مشایعت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جتنی دیر بیٹھتے ہیں بات بات پر بچھے جاتے ہیں۔ ایک ایک جلسہ میں پچاس پچاس دفعہ اٹھتے بیٹھتے ہیں وہاں صرف صورت ہوتی ہے۔ باقی حقیقت تہذیب یہ ہوتی ہے کہ جنکی ابھی مشایعت کی تھی پشت دیتے ہی کہتے ہیں بڑا ہی کم اصل ہے روز آ کر دق کرتا ہے بعضوں کو دیکھا ہو گا کہ ان کو کوئی بڑا آدمی پکارے تو بولتے ہیں حضور قبلہ پیر و مرشد خداوند۔ سامنے یہ اور پیچھے کہتے ہیں مادر بخطا نے زر خرید غلام ہی سمجھ لیا ہے جب چاہا پکار لیا۔

شریعت کی تعلیم اور نئی تہذیب کی حقیقت:

شریعت کی تعلیم ہے کہ اصل مطمع نظر حقیقت ہونا چاہئے اور اسکے لئے ذریعہ صورت کو بنایا جاوے تو مضائقہ نہیں۔ جب غور سے دیکھا جاوے تو یہ بات صرف شرعی تہذیب میں ہے اور دوسری تہذیبیں سب اس سے خالی ہیں۔ تہذیب اودھ میں بناوٹ اتنی بڑھ گئی کہ حقیقت کو دبا لیا اور نئی تہذیب میں تو حقیقت کا وجود ہی نہیں۔ اسکا خلاصہ اپنا مطلب نکالنا اور اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنا ہے اور جو کچھ دوسرے کے ساتھ نرمی و ملاطفت دیکھی جاتی ہے وہ صرف اپنا تکبر اور مطلب براری نباہنے کے لئے ہے۔ اسی واسطے جہاں اسکی امید نہیں رہتی وہاں سب نرمی و ملاطفت بلکہ رحم و انصاف بھی بالائے طاق ہو جاتا ہے۔ **کما لا یخفی علی من له ادنی تامل** غرض احسان فراموشی نہ کرنا تہذیب کی اصل بنیاد ہے۔

(۲) حسن معاشرت بالاہل:

قولہ۔ کیونکہ موجب[1] دل شکنی ہے۔ اس میں جس قدر حسن معاشرت بالاہل حسن معاشرت

---

[1] حسن معاشرت بالاہل کا بیان کچھ حکمت سی ؛ بختم میں بھی ہے

بالا ہل کا بیان کچھ حکمت سی و ہفتم میں بھی ہے کی تعلیم ہے محتاج بیان نہیں جسکا مسلمانوں میں آجکل وجود نہیں رہا۔ مردوں کو صرف شریعت کی یہ تعلیم یاد رہ گئی ہے کہ عورت کے لئے خاوند گویا مجازی خدا ہے نکاح سے وہ تصرفات حاصل ہو گئے ہیں کہ شاید ملک رقبہ سے بھی نہ ہوتے اور اس کے لئے یہ آیت پیش کی جاتی ہے الرجال قوامون علی النساء یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور وہ حدیث پڑھ دی جاتی ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ اگر سوائے خدا کے کسی کے لئے سجدہ جائز ہوتا تو عورت کو خاوند کے لئے جائز ہوتا۔

عورتوں کے حقوق:

اور وہ تعلیمات یاد نہیں رہیں جن میں عورتوں کے حقوق مذکور ہیں جیسے

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف

یعنی جیسے عورت کے اوپر حقوق ہیں ایسے ہی حقوق عورت کے لئے بھی ہیں ایک قاعدہ وقانون کے ساتھ۔

بری عورت میں بھلائی ہونا ممکن ہے

وعاشروهن بالمعروف فان کرهتموهن فعسی ان تکرهوا شیئا ویجعل الله فیه خیرا کثیرا ترجمہ۔ عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ رہو اور اگر تم کسی وجہ سے ان سے ناخوش بھی ہو تو ممکن ہے کہ تم جس چیز سے ناخوش ہو اسمیں حق تعالیٰ نے بڑی بھلائی رکھی ہو۔ اس سے تو صاف نکلتا ہے کہ بری عورت کے ساتھ بھی برائی کرنا نہ چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ اس بری عورت میں کوئی بھلائی ہو مگر مسلمانوں کی حالت اس شعر کا مصداق ہے۔

لا تقربوا الصلوۃ زنهیم بخاطر است   وز امریا دماند کلوا واشربوا مرا

مرد عورت پر حاکم کیوں ہے:

آیت الرجال قوامون کو بھی پورا پڑھا جاوے اور سیاق وسباق پر نظر ڈالی جاوے تو موجودہ طرز عمل کی تردید ہوتی ہے۔ مردوں کو حاکم فرمایا اور اسکی دو وجہ ارشاد فرمائیں ایک وہبی

اور ایک اکتسابی۔ وہی بما فضل اللہ بعضهم علیٰ بعض ہے یعنی فطری بات ہے کہ ایک فرد نوع کو دوسرے پر شرف ہوتا ہے۔ اسی جنس سے ہے کہ مرد کو حق تعالیٰ نے اشرف بنایا ہے تو وہی حکومت کے سزاوار ہے۔ یہ شرف عقل اور ہمت اور جرأت سے ہے اور اکتسابی بما انفقوا من اموالهم ہے یعنی اس وجہ سے مرد عورت سے اشرف ہے اور قابل حکومت ہے کہ وہ مال خرچ کرتا ہے اور حدیث میں وارد ہے اور بہت ظاہر بات یہی ہے الید العلیا خیر من الید السفلیٰ اونچا ہاتھ یعنی دینے والا نیچے ہاتھ یعنی لینے والے سے اشرف ہوتا ہے تو جب مرد حکومت اور محکومیت کی بنیاد صحیح نہ سمجھے نہ عقل و ہمت میں عورت سے زیادہ ہو نہ مال خرچ کرے وہ قوامون کا مدعی کیسے بن سکتا ہے۔ آگے نافرمان عورت کی کچھ تنبیہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہے۔ فان اطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلا. ترجمہ۔ اگر وہ نافرمانی چھوڑ دیں تو ان سے کچھ تعرض نہ کرو اور اس کو مؤکد کیا ان اللّٰہ کان علیا کبیرا سے جسکا حاصل یہ ہے کہ یہ بھی یاد رکھو کہ جو تمہارے اوپر حاکم ہے جو تم سے بہت زیادہ قدرت والا ہے وہ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے وہ علی و کبیر ہے جب تم گناہ چھوڑ دیتے ہو تو بڑے سے بڑے گناہ اور کل ماسبق کو نسیاً منسیا کر دیتا ہے۔

توبہ کرنے والے کو اس گناہ سے عار دلانا:

حدیث میں ہے کہ جو کوئی کسی گنہگار کو توبہ کے بعد اس پہلے گناہ سے عار دلاتا ہے تو قسم کھائی ہے حق تعالیٰ نے کہ اس کو موت نہیں دوں گا جب تک کہ اسی گناہ میں یا اس سے بھی بدتر میں مبتلا نہ کر دوں گا۔ ایسے ہی عورت کی تقصیرات اطاعت قبول کر لینے کے بعد دل سے بھلا دو۔ پھر فرمایا وان خفتم شقاق بینهما الآیہ یعنی اگر کسی میاں بی بی میں نا اتفاقی کا اندیشہ ہو تو دیگر مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک شخص کو مرد کے کنبہ میں سے اور ایک عورت کو کنبہ میں سے منتخب کر کے اسکا انتظام کر دیں۔ یہاں یہ بات خاص طور سے قابل غور ہے کہ مرد کو باوجود حاکم فرمانے کے اجازت نہیں دی کہ خود اسکا انتظام کرے بلکہ اسکو ایک فریق اور عورت کو ایک فریق قرار دے کر تیسرے کو حکم بنانے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ بروقت مخاصمت

مرد و عورت دونوں فریقین متساوبین ہیں۔ ایک کو دوسرے پر کچھ اختیار نہیں۔ پھر آگے اس قانونی برتاؤ کے بیان کے بعد وفا و احسان کو بیان فرمایا جسمیں **ذی القربی و الجار ذی القربی الجارا لجنب و الصاحب بالجنب** بھی ہے یعنی احسان کرو قرابت داروں اور رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور جس سے ذرا دیر کا بھی ساتھ ہو جاوے (جبکہ ذرا دیر کے ساتھ پر احسان کا حکم ہے تو تمام عمر کے ساتھن کے ساتھ کیسے نہ ہو گا) اور نری تحریض نہیں بلکہ عبادت معبود کے ساتھ ان سب کو بیان فرمایا۔ معلوم ہوا کہ یہ تمام افعال بھی ایسے ہی مؤکد ہیں جیسے عبادات معبود۔ بایں معنی کہ عبادت کے اجزاء و متممات اور کمال عبودیت ان کے بغیر نہیں ہوسکتا پھر اسکی تصریح بھی فرمادی۔ **ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا الی آخر الآیۃ الی ان ختم باعتدنا للکفرین عذابا الیما و من یکن الشیطان لہ قرینا فساء قرینا** یعنی جو کوئی ایسا نہ کرے وہ متکبر اور متبختر ہے اور حق تعالےٰ کے نزدیک مبغوض ہے اور عبدیت سے خارج ہے۔

حکومت اور چیز ہے اور ظلم اور چیز:

اس گروہ کی یہ بھی غلطی ہے کہ حکومت کے معنی اتلاف حق کے سمجھے ہیں۔ حالانکہ دونوں الگ چیزیں ہیں۔ اسکی پوری توضیح اس مثال سے ہو جاتی ہے۔ گورنمنٹ ہم پر حاکم ہے جیسے کہ ہم عورتوں پر حاکم ہیں بلکہ گورنمنٹ کو ہم پر زیادہ قدرت حاصل ہوتی ہے تو کیا حکومت جبھی ہوگی کہ ہمارے حقوق ضائع کئے جائیں اور اگر گورنمنٹ ہم کو ہمارے حقوق دیتی ہے تو کیا اس کی حکومت باقی نہیں رہتی۔ نہیں بلکہ حقوق کے ادا کرنے سے حکومت کو غایت درجہ کا استحکام ہوتا ہے۔

تہذیب کے حقوق نسواں:

مسلمانوں کے جس گروہ کو اس طرز معاشرت کی برائی کا احساس ہوا اور اصلاح کی سوجھی انہوں نے ایسی اصلاح کی کہ **فر من المطر و قر تحت المیزاب** کا مصداق ہے۔ انہوں نے عورتوں کو مردوں کی برابر بلکہ اعلیٰ و اشرف مان لیا۔

عورت کی مثال گاڑی کے پہیوں سے غلط ہے:

حقیقت تو اس کی یورپ کی تقلید ہے اور من سمجھوتی کے لئے دو دلیلیں گڑھی ہیں۔ ایک یہ کہ گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں۔ اگر دونوں میں سے ایک ذرا بھی چھوٹا بڑا ہو تو گاڑی چل نہیں سکتی۔ اسی طرح عورت و مرد دونوں سے خدا تعالیٰ نے دنیا کو بسایا ہے ایک کو کم ایک کو زیادہ کہا جاوے تو جو انجام گاڑی کا تھا وہ ہی اسکا ہوگا۔ دوسری یہ کہ اولاد کے پیدا ہونے میں بڑا دخل ماں کو ہے تو وہی اصل ہوئی اور اصل کا تقدم ظاہر ہے تو عورت مرد سے اقدم ہوئی۔ اسی واسطے اہل یورپ کا رواج ہے کہ جب عورت مرد کی ملاقات ہوتی ہے تو مرد عورت کو سلام کرتا ہے۔ اول تو ایسی من گھڑت تک بندیوں سے شریعت کا مقابلہ کرنے پر آفریں ہے دوم گاڑی اور پہینکی مثال غلط ہے۔ عورت قدرتی طور پر کمزور ہے اور پہیے دونوں ایک طاقت کے ہوتے ہیں تو ٹھیک مثال بادشاہ اور وزیر کی ہے کہ دونوں شرط میں لیکن دونوں برابر نہیں۔ بلکہ ایک زبردست اور ایک زیردست ہے اور اگر یہ حفظ مراتب قائم نہ رہے تو جو انجام ہو ظاہر ہے۔

زوجین کے حقوق ادا کرنا عدل ہے:

اور ماں کا موقوف علیہ للولد ہونے سے شرف نہیں لازم آتا کیونکہ باپ اس سے زیادہ موقوف علیہ ہے۔ نیز دانہ کے لئے کھیت موقوف علیہ ہے لیکن بونے والے سے بلکہ دانہ سے بھی کھیت اشرف نہیں۔ یہ دونوں گروہ طریق حق سے منحرف ہیں۔ شریعت مطہرہ نے زن و مرد دونوں کو اس طرح ملایا ہے کہ میل بھی رہے اور حفظ مراتب بھی قائم رہے اور دنیا کی بھی اصلاح ہو اور دین کی بھی **کما لایخفی ولا نطول الکلام فیہ** حضرت والا کی اس تقریر میں حقوق نسواں ضائع کرنیوالوں کی تردید کے ساتھ فرقہ دوم یعنی حقوق نسواں کو بڑھا دینے والوں کی بھی تردید ہے۔ اسی طرح کہ خلاصہ تمام تقریر کا یہ ہے کہ مرد کو احسان عورت کا نہ لینا چاہئے کیونکہ مرد سرپرست ہے اور عورت اس کی دست نگر۔ تو مرد حاکم ہوا اور عورت محکوم اور فریق دوم دونوں کو برابر کرتا ہے۔ عورت کے احسان نہ لینے میں عورت کی رعایت ہے کہ اسکا کیا احسان لے بلکہ اس پر احسان کرے جیسا کہ **وان تعفوا** سے استدلال اسکی

دلیل ہے تو اس میں فرق اول کی اصلاح ہے جو حقوق نسواں کو ضائع کرتے ہیں۔

شادی بیاہ کی رسموں میں قلب موضوع ہے:

(۳) شادی بیاہ کی مروجہ رسموں میں علاوہ دیگر مفاسد کے ایک یہ بھی غلطی ہے کہ قلب موضوع لازم آتا ہے یعنی مرد عورتوں کے محکوم بن جاتے ہیں۔ عورتیں وہ رسمیں کرتی اور کرواتی ہیں کہ جن کی نہ وجہ معلوم نہ کوئی اہل عقل ان کو تجویز کرتا ہے بلکہ عقل اس کے خلاف کہتی ہے اور خود کرنے والے بھی پریشان اور پشیمان ہوتے ہیں مگر عورتوں کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتے۔

جہیز مانگنا بھیک مانگنا ہے:

اسی قبیل سے لڑکے والوں کی طرف سے جہیز کا مطالبہ اور اسکے لئے جھگڑے اور گاڑی لے جانا جسکی حقیقت عورت سے بھیک مانگنا ہے۔ اگر لڑکی والا لڑکی کو دے تو وہی پہنچائے۔ اب ان رسموں کی بدولت یہ نوبت ہے کہ لڑکے والے تکتے ہیں کہ امیر گھر کریں گے تو اتنا جہیز ملے گا۔ اچھے اچھے اہل عقل یہاں دیوانے ہو جاتے ہیں۔

عورت کا زیور خاوند نہیں لے سکتا:

(۴) مسئلہ اپنی بی بی کا زیور جو اس کی ملک ہو خواہ میکے سے ملا ہو یا خاوند سے مہر وصول کر کے بنوایا ہو یا خاوند نے تبرعاً دیا ہو کسی ذریعہ سے اسکی ملک میں آیا ہو۔ خاوند کو اپنی ضرورت کے واسطے بلا رضامندی لینا علاوہ بے غیرتی اور قلب موضوع کے ناجائز بھی ہے کہ حق العبد ہوگا بلا اسکے معاف کئے ہوئے معاف نہیں ہو سکتا اور رضامندی عنداللہ وہ معتبر ہے جو دل سے بلا کسی قسم کے دباؤ اور لحاظ کے ہو۔

ساس سسروں کا جہیز میں تصرف جائز نہیں:

جہیز کے سامان کا بھی حکم یہی ہے کہ جو چیز لڑکی کو دی گئی ہے وہ اسی کی ملک ہے برتن ہو یا زیور یا کپڑے۔ اس میں خاوند کو بھی تصرف جائز نہیں اور اب غضب یہ ہے کہ ساس

سسرے اس میں تصرف کرتے ہیں۔ تنبیہ۔ عورت کے مال میں خاوند کو تصرف کرنے کے متعلق یہ اعتراض نہ کیا جاوے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غنا مال خدیجہ سے حاصل ہوئی جس پر حق تعالیٰ نے بطور امتنان فرمایا ووجدک عائلا فاغنی یعنی آپکو نادار پایا پھر مالدار کر دیا۔ کیونکہ حضور نے اس مال سے غنا حاصل نہیں کی بلکہ اس سے تجارت کر کے غنا حاصل کی تو یہ مضاربت ہوئی جو قسم ہے معاملہ کی اور معاملات میں ایک فریق کا احسان دوسرے پر نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو اسکی مکافات دوسرے کی طرف سے بھی ہوتی ہے جیسے بیع وشریٰ کہ اگر بائع ایک چیز دیتا ہے تو کیا احسان ہے جبکہ مشتری دام دیتا ہے۔ اور یہ جواب بطریق اہل ظاہر ہے ورنہ حضورؐ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی دولت لازوال پر اگر خدیجہ کا مال تو کیا دنیا و مافیہا بھی نثار کر دیا جاوے تو کچھ نہیں۔

جمادے چند دادہ جاں خریدہ بنام ایزد عجب ارزاں خریدہ

اور جو خدمت بلا واسطہ نفع تجارت بھی انہوں نے کی وہ غایت خلوص کے سبب گوارا فرمائی گئی سو معافی امر کو یہاں بھی گوارا کر لیا گیا۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خود عادت شریفہ مکافات کی تھی اور آیت میں مکافات کی نفی نہیں سو یہاں بھی مکافات کی گئی۔

حیا اور بے حیائی سب شریعت کے دائرہ کے اندر ہونا چاہئے:

(۵) قولہ۔ بضرورت شرعی اس واسطے ظاہر کر دیں الخ اسمیں تعلیم ہے کہ جملہ باتوں میں حکم شرعی پر رہنا چاہئے جہاں حیا کا حکم ہو وہاں حیا اور جہاں ترک حیا کا حکم ہو وہاں ترک حیا۔

سفر میں بی بیو کا نماز نہ پڑھنا:

سفر میں اکثر وہ بیبیاں بھی نماز نہیں پڑھتیں جو دیندار اور پابند صوم وصلوٰۃ مانی جاتی ہیں۔ ریل میں عذر یہ ہوتا ہے کہ پانی نہیں ہے یا قبلہ معلوم نہیں۔ اگر اسٹیشن آ گیا اور کوئی دوسرا آدمی عورت کے پاس نہیں ہے تو چاہئے کہ خود بہشتی سے پانی لے لے یا قیمت سے ملتا ہو اور یہ قیمت دے سکتی ہے تو قیمت دے کر لے یا اتر کر نل میں سے لے لے بشرطیکہ ریل چھوٹ جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ ایسے ہی دوسری عورتوں سے یا کسی قلی وغیرہ سے قبلہ کی سمت

پوچھ لے چونکہ بلا اس کے نماز نہیں ہو سکتی نہ نماز کا قضا کرنا درست ہے۔ ہاں احتیاط رکھے کہ بدن قدر جواز سے زیادہ نہ کھلے اور گھوڑا گاڑی اور بیل گاڑی میں یہ عذر ہوتا ہے کہ گاڑی راستہ میں رکتی نہیں اور جنگل میں اترنے میں بے پردگی ہوتی ہے۔ یہ دونوں عذر شرعاً قابل سماعت نہیں۔ اگر نماز کا خیال ہے تو گاڑی سے کہہ کر گاڑی رکوادے۔ اگر اس میں کچھ خرچ کی ضرورت ہو تو اگر موجود ہو تو خرچ کرے اور اگر کوئی صورت نہ ہو تو تیمم کر کے گاڑی کے اندر بیٹھ کر فرض ادا کرے اور اس کے مسائل کو علماء سے اچھی طرح معلوم کر لے یا جہاں گھوڑے بدلے جاویں وہاں اتر کر پڑھ لے اور بے پردگی کے عذر کا جواب یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر شریعت کا حکم ہے کہ منہ اور پہونچوں تک ہاتھ اور ٹخنوں سے نیچے پیر کھولنا جائز ہے زیادہ پردہ مشیخت ہے۔

اپنی بی بی کو جنگل میں نماز پڑھوانا:

ایک عالم کا قصہ ہے کہ گاڑی میں اپنی بی بی کے ساتھ سفر کر رہے تھے گاڑی کے اوپر اور آدمی بھی تھے۔ نماز کا وقت آیا تو انہوں نے گاڑی رکوائی۔ لوگوں نے کہا یہاں اترنا پردہ کے خلاف ہے۔ انہوں نے برقعہ اڑھا کر بی بی کو اتارا اور نماز پڑھوائی اور پکار کر کہا کہ بھائی جس نے نہ دیکھا ہو وہ دیکھ لو کہ یہ میری بی بی ہے ہمیشہ مکان میں رہتی ہے اب خدائے تعالیٰ کے حکم سے میدان میں کھڑی نماز پڑھ رہی ہے تم اس کو بے حیائی سمجھو مگر خدائے تعالیٰ کا فرض قضا کرنا اس سے زیادہ بے حیائی ہے۔ موٹی سی بات ہے کہ اپنے حقوق کے لئے اچھی اچھی خاندانی مستورات کچہری جاتی اور جواب وسوال کرتی ہیں پھر اگر بضرورت دینی ایسا کریں تو کیا مضائقہ ہے۔

(۶) قولہ۔ میرے دوست بھی ایسا ہی کریں۔ یہ حضرت والا کا ارشاد باعث اور مؤید ہے۔ احقر کے ان اوراق کے جمع کا اور دیگران اصحاب سے بھی عرض ہے جن کو حاضری کا موقع ملتا ہے کہ فیوض اشرفیہ کو اپنے ہی تک محدود نہ رکھیں خیر الناس من ینفع الناس ایک دن احقر نے عرض بھی کیا کہ فدوی نے جو واقعات مفید دیکھے شرح وبسط کے ساتھ

قلمبند کیے ہیں۔ فرمایا یہی طریقہ احادیث کے جمع اور تبلیغ کا تھا۔

مجلس پنجاہ و ہفتم (۵۷)

طالب بیعت کی جانچ:

ایک دیہاتی میاں جی عمامہ باندھے اور جبہ پہنے علماء کے صورت بنائے ہوئے تشریف لائے اور اول ملاقات میں بیعت کی درخواست کی۔ حضرت والا نے کچھ عذر پیش کیے مگر انہوں نے جو اب ایک کا بھی مطابق سوال کے نہیں دیا اپنی کہتے تھے اور دوسرے کی سنتے نہ تھے۔ بہت دیر تک گفتگو رہی مگر ایسی اُلجھی ہوئی کیں جس سے دوسرے شخص کو سخت کوفت ہو۔ سمجھ کی بات کوئی نہ تھی۔ بالآخر حضرت والا نے فرمایا کہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ کسی کو بیعت کے لیے بلائے نہیں جاتے۔ کسی قسم کی ترغیب اس کے متعلق نہیں کرتے اور جو کوئی خود اس کا طالب ہوتا ہے اس کو بھی تاوقتیکہ جان پہچان نہ لیں بیعت نہیں کرتے۔ کیونکہ بیعت کی رسم ادا کرنا نہیں ہے مقصود تعلیم اور نفع ہے اور یہ بلا جانے پہچانے اور اُنس ہوئے کیسے ہوسکتا ہے تو اگر آپ کو بیعت ہونا منظور ہے تو دو چار دفعہ مجھ سے ملئے میں آپ کو دیکھ لوں اور آپ مجھے دیکھ لیں۔ اس کے بعد اگر سمجھ میں آیا تو بیعت کرلونگا۔ اس پر انھوں نے پہلے ہی کیسی بے تکی باتیں شروع کیں اور فرضی عذر کیے تو فرمایا زائداز کار باتوں سے معاف کیجئے مجھے اتنی فرصت نہیں لیکن وہ اپنی ہی کہتے رہے۔ فرمایا کہ اب میں ملاقات کی تعداد مقرر کرتا ہوں کہ دس مرتبہ مجھ سے ملئے اس کے بعد بیعت کی فرمائش کیجئے لیکن میں ابھی سے کہے دیتا ہوں کہ وعدہ نہیں ہے کہ اس کے بعد میں بیعت کر ہی لوں گا۔ میرا جی چاہے گا تو بیعت کرلوں گا۔ انھوں نے پھر اصرار کیا تو فرمایا کہ اس اصرار کا نتیجہ یہ ہے کہ اب بجائے دس کے بیس دفعہ ملاقات کے بعد جواب دونگا اور نہ معلوم بیعت پر آپ کو اس قدر اصرار کیوں ہے۔ اگر اس پر نظر کا ہے آپ کی جو بیعت سے مقصود ہے یعنی تعلیم اور ذکر اللہ تو اس کے لیے میں حاضر ہوں جو آپ پوچھیں میں بتادوں بیعت اس کے لیے کچھ شرط نہیں اور جو بیعت کسی درجہ میں مفید ہے وہ وہی ہے کہ سوچ سمجھ کر ہو رہی اور چلتی پھرتی بیعت کسی شمار میں نہیں۔ پھر فرمایا بیعت کے لئے تو لوگ

ناحق دق کیا کرتے ہیں۔ اللہ کا نام سیکھنے کے لئے آویں میں ان سے خوش رہوں اور وہ مجھ سے خوش رہیں اور بیعت کچھ اس کے لئے موقوف علیہ نہیں۔

تصنع شعبہ تکبر ہے اور بیعت تذلل:

جب وہ چلے گئے تو فرمایا جو بات کسی کی مجھے اول ملاقات میں محسوس ہو جاتی ہے وہ بڑی دیر تک مؤثر رہتی ہے۔ اس شخص کی حالت مجھے اول ہی یہ محسوس ہوئی کہ ان میں تصنع اور باتیں بنانا بہت ہے اور یہ شعبہ ہے ترفع کا جو دیہات کے میانجیوں میں اکثر پیدا ہو جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے ہمیشہ سے عادی ہوتے ہیں کیونکہ لوگ انکی تعظیم کرتے ہیں۔ پس یہ تعظیم اور رفعت ان کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے جہاں بھی جاتے ہیں اسی کو طبیعت ڈھونڈتی ہے کہ یہاں بھی میری تعظیم ہو۔ کسی کے پاس بیٹھ کر خوش نہیں ہوتے۔ جب تک کہ انکی وقعت نہ ہو اسی کے واسطے ہر بات میں دخل دیتے اور چبا چبا کر باتیں کرتے ہیں اور اکثر یہ ہے کہ ان میانجیوں کو لیاقت برائے نام ہی ہوتی ہے۔ جیسی بناوٹ کرنا چاہتے ہیں ہو سکتی نہیں اگر دوسرا شخص فہیم ہوتا ہے تو اس تصنع سے ان کی اور بھی قلعی کھل جاتی ہے۔ اور بیعت غایت درجہ تواضع اور تذلل کا نام ہے تو تکبر کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہے۔ ان کے اصرار اور خود رائی سے طبیعت بہت رک گئی ورنہ ایک دو دفعہ ملاقات کے بعد میں ان کو بیعت کر لیتا۔ اور سب سے پہلے ان کا جبہ قبہ اتروا تا۔

فریمیسن کی تحقیق:

پھر فرمایا کہ دیکھا ہوگا کہ ایک جماعت ہے جس نے اپنا نام فریمیس رکھا ہے۔ یہ مرکب لفظ ہے بمعنی آزاد معمار۔ وہ اپنی جماعت میں کسی کو بلا کافی رقم لئے ہوئے شامل نہیں کرتے۔ یہ رقم لینے کے بعد جب اس کو داخل کرتے ہیں تو کفنی پہناتے ہیں اور گردن میں ایک رسی ڈال کر کتے کی طرح کھینچتے ہوئے ایک اندھیرے تاریک مکان میں لے جاتے ہیں جس کی تعمیر میں یہ رعایت رکھی جاتی ہے کہ نہایت ہولناک ہو۔ مکان میں بہت دھیمی روشنی ہوتی ہے اور اونچے اونچے ستون پر پاٹا ہوا ہوتا ہے۔ جب تھوڑی دور پہونچتا ہے تو

ایک آڑ میں سے ایک شخص یکلخت ایک برچھی کی نوک اس کے پہلو پر رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے اقرار کر کہ میں فریمیسن کا حال کسی سے ظاہر نہ کرونگا اور اس کے مذہب کے موافق سخت سخت قسمیں کھلاتا ہے۔ بس اس کو فریمیسن کہتے ہیں۔ پھر ہمیشہ کے لئے اس سے ایک کافی رقم چندہ کی مقرر کی جاتی ہے۔ یہ سب تدبیریں اس کی ہیں کہ اسکے ذہن میں فریمیسن جماعت کی عظمت رہے اور اس سے دبا رہے اور اس جماعت سے علیحدہ نہ ہو جاوے۔ جبکہ ایسی جماعت کی یہ شرائط ہیں جو محض ڈھونگ ہے جسکا اس وقت نہ کچھ فائدہ ہے نہ آئندہ تو اس جماعت کے ساتھ کیا خیال ہے جس سے وصول الی اللہ کی توقع کی جاتی ہے وہ کیوں نہ جانچیں۔

۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ وقت صبح بعد رجوع از ہوا خوری۔ روز شنبہ درسہ دری خود در مدرسہ

فوائد و نتائج

(۱) ایک نظر میں کامل کر دینا عادت ہے دائمی نہیں:

اس واقعہ سے مرید کرنے والوں کے لئے تو سبق یہ ہے کہ بلا سوچے سمجھے بیعت کرنا ٹھیک نہیں۔ کچھ وقفہ طالب کے حالات معلوم کرنے اور اس کے مزاج اور اشغال اور صحت اور ہمت کا اندازہ کرنے کیلئے دینا چاہئے تا کہ علاج امراض باطنی صحیح اور باقاعدہ ہو سکے۔ اپنی فراست پر اتنا بھروسہ کر لینا کہ ایک نظر کو کافی سمجھ لیں صحیح نہیں کہ خبث نفس نگردد بسالہا معلوم یہ مرتبہ کرامت و کشف کا ہے کہ ایک نظر میں تمام حالات معلوم ہو جاویں اور کرامت اختیاری اور دائمی نہیں ہوتی۔ جن مشائخ سے ایسے واقعات منقول ہیں کہ ایک نظر میں کسی کے حالات بالکل واقعی دریافت کر لئے بلکہ ایسے واقعات منقول ہیں کہ ایک نظر میں کسی کو کامل کر دیا۔ ان سے بھی یہ دونوں باتیں اختیاراً اور دواماً نہیں ہوتی تھیں اور آج کل کے مدعی تو صرف متصنع ہیں۔

طالب کو کالمیت فی ید الغسال ہونا چاہئے:

اور طالبین کے واسطے بڑے کام کی بات اس واقعہ میں یہ ہے کہ شیخ کامل کے سامنے

خودرائی کو بالکل بالائے طاق رکھ کر جانا چاہئے اگر اس وقت بیعت سے انکار کریں تو انہیں کی رائے پر عمل چاہئے۔ پھر فرصت اور موقعہ کا منتظر رہنا چاہئے اور اس سے ملول نہ ہو اور چھوڑ نہ بیٹھے۔ شعر

طلبگار باید صبور و حمول　　　　که نشنیده ام کیمیاگر ملول

ورنہ انجام اسکا محرومی یا ضیق میں پڑتا ہے

خودرائی سے تنگی پیدا ہوتی ہے:

اگر یہ میانجی صاحب اس وقت اپنی رائے کو ترجیح نہ دیتے تو ایک دو بار کی حاضری کے بعد ان کا کام بن جاتا اور خودرائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اول دس ملاقات کی اور اس کے بعد بیس کی قید لگ گئی۔ نظیر اسکی قصہ بنی اسرائیل بابتہ ذبح بقرہ ہے کہ جتنی خودرائی کرتے گئے تنگی بڑھتی گئی۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ خلاف حکم حاضر نہ ہو سکے:

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے۔ مگر شرف زیارت حاصل نہ کر سکے اس وجہ سے کہ آپ کی والدہ خدمت کی محتاج تھیں۔ ان کو چھوڑ کر آنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف تھا۔ دوسرے لفظ میں یوں کہنا چاہئے کہ محبوب کا حکم تھا کہ رنج جدائی سہو آپ نے تمام عمر یہ داغ برداشت کیا اور حکم کے خلاف نہ کیا۔ اطاعت اس کا نام ہے۔ شعر

نہ رونے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

شعر:
دمادم شراب الم درکشند　　　دگر تلخ مبینندم درکشند

اویس قرنی کے عشق کے سامنے لیلیٰ و مجنوں اور تمام دنیا کے عشق نقل و اصل کی نسبت بھی نہیں رکھتے لیکن دیکھنا چاہئے کہ ان کی اطاعت کو کہ ایسے شاق کم کو (گویا تکلیف مالا یطاق کو) برداشت کیا۔ وما کان لمومن و لامؤمنة اذاقضی اللہ و رسوله امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم. (ترجمہ۔ نہیں ہے کسی مسلمان مرد اور مسلمان عورت کے لئے جبکہ اللہ و

رسول کسی کام کا حکم کریں کہ ان کو اپنے کام کا اختیار رہے) کی پوری تعمیل یہی ہے۔ شعر

اگر زار بکشتن دہد آں یار عزیز تا نگویم کہ دراں دم غم جانم باشد

ع از محبت تلخہا شیریں بود

حضوری نافرمانی کے ساتھ بھی دوری ہے: ایسے واقعات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی منقول ہیں۔ پھر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت اویس رضی اللہ عنہ کے واسطے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اس حکم کے امتثال سے زیادہ اچھی ہوتی۔ ہرگز نہیں۔ خلاف حکم اگر زیارت ہوتی تو وہ ایسی ہوتی جیسے مجرم بادشاہ کے سامنے کھڑا کیا ہوا ہو کہ اس کو قرب صوری بہت کچھ نصیب ہے مگر بیکار ہے۔ صورت اس کی قرب ہے اور حقیقۃ بُعد اور بمقابلہ اس کے بادشاہ کا ایک خادم خاص ہے کہ کسی تعمیل کے لئے دور گیا ہوا ہے وہ گو صورۃً دور ہے مگر حقیقۃً قریب ہے اور اس مجرم سے اچھا ہے۔ یہی مطلب ہے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے اس قول کا بدل حاضرم گرچہ از دیدہ دورم۔ ایک بزرگ کے جواب میں فرمایا تھا جنہوں نے دوری کا افسوس ظاہر کیا تھا۔ علی ہٰذا بیعت اگر ناخوشی کے ساتھ ہوئی تو کس شمار میں ہے اور اگر بیعت نہ کرنے ہی میں شیخ کی خوشی ہے تو کوئی نتیجہ پیدا ہونے والا ہے۔ (۲) فرمایا حضرت والا نے کہ فریمیسن کے متعلق مشہور ہے کہ کوئی راز بیان نہیں کر سکتا۔ کوئی خبر وجدانیات کی قسم سے ہے مگر میرا خیال ہمیشہ سے یہی تھا کہ صرف ڈھونگ ہے اور ایسی تدبیریں کی گئی ہیں جن سے آدمی مرعوب ہو جاوے نہ راز کو ظاہر نہ جماعت سے خارج ہوا اور اس پر ایسا اطمینان تھا کہ میں نے ایک کتاب میں اس کو لکھ بھی دیا۔ اس کے بعد ایک کتاب کے ذریعہ سے جو کہ کسی فریمیسن نے اس جماعت سے خارج ہو کر لکھی ہے اور سب حقیقت ظاہر کردی۔ معلوم ہوا کہ اس نے قریب قریب یہی لکھا ہے جو میرا خیال تھا۔

مجلس پنجاہ و ہشتم (۵۸)

حُسن معاشرت بالخادم:

حضرت پیرانی صاحبہ اپنے بھائی کے یہاں گئی ہوئی تھیں۔ مکان میں حضرت والا کے خادم نیاز خاں کی بی بی آ گئی۔ جب مکان میں اتر گئی تو معلوم ہوا کہ راستہ میں اسکا کوئی زیور گر گیا تو نیاز اسکے ڈھونڈنے کے لئے چلے۔ عشا کے قریب کا وقت تھا بندہ اور حضرت والا

بیرونی مکان میں تھے۔

تواضع وانکسار:

حضرت والا نے نیاز خاں سے فرمایا کہ تم جاتے ہوا تنے بڑے مکان میں بہوا کیلی ڈر یگی لہٰذا یوں کرو کہ میں دروازہ پر بیٹھا جاتا ہوں۔ بہو سے کہو بیرونی مکان میں آ جاوے اور دروازے اندر سے بند کر کلے۔ جب تک تم لوٹ کر آ ؤ گے میں بیٹھا رہوں گا۔ بندہ نے عرض کیا حضرت خدام کس واسطے ہیں۔ حضور والا مدرسہ تشریف لے جاویں۔ بندہ دروازہ پر بیٹھا رہیگا۔ فرمایا نہیں اس میں کیا حرج ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ کام خادموں ہی کے لئے چھوڑ دیجئے۔ فرمایا اگر ایسا ہی اصرار ہے تو آ ؤ ہم تم دونوں بیٹھیں۔ بندہ نے چارپائی بچھادی اور دونوں بیٹھ گئے اور جب تک نیاز خاں لوٹ کر آئے مزہ کی باتیں ہوتی رہیں۔ شب ۱۸ ذیقعد ۱۳۳۲ء

شب خوش ہمچو صبح زندگانی نشاط افزا چو ایام جوانی

فوائد ونتائج تواضع وعبودیت بڑی کرامت ہے:

چونکہ راقم نے التزام کیا ہے کہ کتاب ہٰذا میں کوئی بات حضرت والا کے کمال کے عنوان سے نہیں لکھی جاویگی بلکہ واقعات کے متعلق اشکالات کے حل بطور فوائد اور جو تعلیمیں ان سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ بطور نتائج لکھی جاوینگی اور کمالات کو ناظرین کے انصاف کے حوالہ کیا جاویگا۔ سو اس واسطے حضرت والا کے تواضع کی نسبت قلم نہیں اٹھایا جاتا ہے جو اس واقعہ سے کالشمس فی نصف النہار ظاہر و باہر ہے۔ بعض لوگ کرامتوں کو ڈھونڈا کرتے ہیں اس پر انکی نظر نہیں جاتی جو سب سے بڑی کرامت ہے۔ دیگر کرامتوں کی نقل اہل باطل بھی کر لیتے ہیں مگر یہ تواضع وہ کرامت ہے جس کی نقل اہل باطل تو درکنار کبھی اس شخص سے بھی نہیں ہوسکتی جس میں ذرا سی کسر فنا میں باقی ہے۔ یہ کرامت اسی سے ہوسکتی ہے جس کے حال میں موتوا قبل ان تموتوا داخل ہوگیا ہو۔

کانپور میں حضرت والا کے خدام کا ہجوم:

راقم نے بچشم خود دیکھا ہے اور بہت سے اور بھی دیکھنے والے موجود ہونگے کہ حضرت

والا کانپور میں قیام گاہ سے اسٹیشن کو چلے تو دروازہ پر معززین اور عوام الناس کا ہجوم اتنا تھا کہ مصافحہ کرتے آدھا گھنٹہ گزر گیا اور ریل نکل جانے کا احتمال ہو گیا بالآخر گاڑی منگوادی گئی تو یہ نوبت تھی کہ چار پانچ سو قدم تک سڑک پر جگہ نہ تھی۔ کوچبان چیختے چیختے تھک گیا مگر راستہ نہ ملتا بمشکل وہاں سے گاڑی نکلی اور اسٹیشن پہنچے تو دیکھا کہ وہاں اس سے زیادہ مجمع موجود ہے اور معلوم ہوا کہ کانپور کے دوسرے اسٹیشن پر اتنا ہی مجمع گیا ہے اس خیال سے کہ شاید یہاں سے سوار ہوں بمشکل جان چھڑا کر پلیٹ فارم پر پہنچے تو لوگ اس قدر بے قرار کہ ایک دم بلا ٹکٹ پلیٹ فارم پر گھس آئے۔ پھاٹک کا سپاہی دیکھتا ہے اور چیختا ہے مگر نقار خانہ میں طوطی کی آواز ہے حتیٰ کہ اسٹیشن ماسٹر تک نوبت آئی اور اس نے آکر انتظام کیا مگر کون سنتا ہے۔ آخر اس نے خوشامد سے کہا کہ اگر کوئی حاکم بالا آجاویگا تو میرے اوپر آفت آجاویگی۔ آپ لوگ ازراہ مہربانی باہر چلے جاویں تب بھی کچھ باہر گئے اور کچھ نہ گئے۔ جب تک کہ ریل چھوٹ نہیں گئی تب تک یہی چپقلش تھی بلکہ بعض لوگ دو دو تین تین اسٹیشن تک بھی ساتھ گئے۔ گویا یوضع له القبول فی الارض (ترجمہ۔ مقبولیت اس کے لئے مقرر کر دی جاتی ہے۔۱۲)

کا پورا نظارہ تھا۔ یہ صرف ایک واقعہ کانپور کا بیان کیا گیا بہت جگہ ایسا ہی دیکھنے میں آیا۔

حضرت والا پر عمل تسخیر کا شبہ:

حضرت والا کے اس جاہ کو دیکھ کر بعض لوگوں کو یقین کے ساتھ یہ خیال ہو گیا اور بارہا ایسے عریضے آئے کہ جو عمل تسخیر کا آپ پڑھتے ہیں ہم کو بھی بتادیجئے۔ حضرت والا نے لکھ دیا کہ نہ میں نے کوئی عمل پڑھا نہ مجھے کوئی ایسا عمل آتا ہے۔ نہ میں اس کو جائز سمجھتا ہوں مگر لوگوں کو یقین نہیں آیا۔ جب کانپور سے حضرت والا نے عزلت فرمائی تو اہل کانپور کی یہ حالت تھی کہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے۔ ایک صاحبؒ نے نہایت الحاح سے عرض کیا کہ ٹھنڈی سڑک کی دو دکانیں میں نذر کرتا ہوں اور سو روپیہ ماہوار ہمیشہ حاضر کروں گا اور مدرسہ کی خدمت سے جناب کو سبکدوش کیا جاتا ہے مگر حضور برائے خدا کانپور ہی میں رہیں۔ فرمایا اس میں اختیار حضرت حاجی صاحب کو ہے ان لوگوں نے حضرت کو لکھا تو

جواب آیا کہ مولانا کو زیادہ دق نہ کرو اور کانپور رہنے پر مجبور نہ کرو اور حضرت والا کو تحریر فرمایا کہ تھانہ بھون ہی میں قیام مناسب ہے۔ ہاں کبھی کبھی کانپور ہو آیا کرنا ان کا بھی حق ہے۔ چنانچہ حضرت والا اب تک اسی کے کاربند ہیں۔ پھر جس شخص کو حق تعالیٰ نے یہ عزت دی ہو اس کا اپنے نوکر کے سامنے نوکر بن جانا اور دروازہ پر بیٹھ جانا فنا نہیں تو کیا ہے اور کرامت نہیں تو کیا ہے۔ تواضع اسی کو کہتے ہیں اور عبدیت یہی ہے اور کرامتیں سچی یا جھوٹی حاصل کی جاسکتی ہیں لیکن ایں کرامت بزور بازو نیست۔ رباعی

سرمد غم عشق بوالہوس راند ہند   سوز دل پروانہ مگس راند ہند

عمرے باید کہ یار آید بکنار   ایں دولت سرمد ہمہ کس راند ہند

اس تواضع اور فناہی کی بدولت حق تعالےٰ نے وہ جاہ وعزت حضرت والا کو عطا فرمائی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔

من تواضع للہ رفعہ اللہ۔

نوکروں کے ساتھ کیا برتاؤ چاہئے:

(۲) سوال۔ نوکروں کے ساتھ کیا برتاؤ چاہئے؟ کیا یہ برتاؤ چاہئے کہ اس کے سامنے عاجزی اور تذلل سے پیش آویں یا اس کو اپنے سے زیادہ یا اپنی برابر رکھیں۔

تعلیم شریعت میں نظر اصل کار پر رکھنا چاہئے:

جواب۔ شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ ہر کام میں نظر اصل کام پر رکھنا چاہئے اور زوائد سے حتی الامکان احتراز چاہئے کیونکہ وہ لغو کا مرتبہ ہے

وقال تعالیٰ والذین ھم عن اللغو معرضون۔ جب زائد از کار باتوں سے بچنا بہتر ہے تو جو مفاسد اس کے متعلق ہوں ان کا حکم معلوم۔ بیان اس کا یہ ہے کہ ہر کام میں ایک اصل غرض ہوتی ہے اور کچھ مفاسد ہوتے ہیں اور کچھ زوائد ہوتے ہیں۔ جو فعل جائز ہے وہ اصل غرض تک بے شبہ جائز ہے۔ اور جب مفاسد کو مستلزم ہو جاوے تو بے شبہ جائز ہے اور زوائد کا حکم یہ ہے کہ وہ بین بین ہیں۔ اگر معین ہوں اصل غرض کی تکمیل میں تو بے

شبہ جائز ہیں اور اگر مفضی ہوں مفاسد کی طرف تو ذریعہ معصیت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہیں اور اگر نہ معین ہوں اصل غرض میں نہ مفضی الی المعصیت تو اصل حکم اباحت ہے۔ الا آنانکہ کوئی سدا اللباب بطور احتیاط ترک کرے۔

کپڑے سے اصل غرض ستر عورت وحفاظت بدن ہے:

مثال یہ ہے کہ کپڑا پہننا جائز ہے اس سے اصل غرض ستر ڈھانکنا اور گرمی سردی سے بدن کو بچانا ہے۔ اس حد تک جائز بلکہ واجب ہے اور جب مفاسد کی حد تک پہنچ جاوے جیسے ٹخنوں سے نیچا ہو یا ایسی وضع بناوی جاوے جس سے تکبر وعجب وغیرہ پیدا ہو تو جائز نہیں اور زوائد یہ ہیں کہ کپڑا بہت قیمتی اور مضبوط لیا جاوے تاکہ زیادہ دیرپا ہو اور اصل غرض بطریق احسن انجام پاوے۔ یہ بوجہ تکمیل اصل غرض جائز ہے بلکہ اولیٰ ہے اور اگر قیمتی کپڑا ایسا لیا جاوے کہ غالب اسمیں افضاء الی المعصیت ہو تو بوجہ ذریعہ معصیت ہونے کے ناجائز ہے جیسے شدت گرمی یا شدت سردی میں بہت باریک کپڑا پہننا کہ اس وقت دکھلاوے اور تفاخر کی طرف مفضی ہونا اسکا ظاہر ہے اور جو زوائد بین بین ہیں نہ غالب ان میں تکمیل غرض ہے نہ افضار الی المعصیت وہ مباح ہیں جیسے کپڑے صاف عمدہ دھلوانا کہ جائز اور مباح ہے۔ الا آنکہ کوئی غایت احتیاط سے اس کو بھی نہ کرے تو زہد کا مرتبہ ہے۔ علی ہٰذا خادم (نوکر) سے اصل غرض اپنی حاجات میں امداد لینا ہے اور نوکر رکھنے کے مفاسد عجب اور تکبر اور طاقت سے زیادہ کام لینے سے ایذا دینا وغیرہ ہیں۔

نوکر کی تادیب:

نوکر رکھنا بلاشبہ جائز ہے اور ان مفاسد میں سے ایک بھی جائز نہیں اور جو برتاؤ اصل غرض میں معین ہوں وہ بھی ملحق بغرض ہیں اور جائز ہیں اور جو برتاؤ غالباً مفضی الی المفاسد ہوں وہ مفاسد کے ساتھ ملحق اور ناجائز ہیں اور جو بین بین ہیں وہ مباح ہیں۔ قسم اول یعنی ملحق بغرض کی مثال نوکر سے زیادہ بے تکلفی نہ بڑھانا اسکے سامنے نہ ہنسنا اسکو اپنے سامنے حقہ نہ پینے دینا اپنے سے آگے نہ چلنے دینا۔ زور سے نہ بولنے دینا وغیرہ وغیرہ جو باتیں

از قسم تادیب ہیں کہ ان سے اصل غرض یعنی اس کام میں جس کے لئے وہ نوکر ہے مدد ملتی ہے کیونکہ جب اس کے دل میں خوف ہوگا تو وہ کام میں کوتاہی نہ کرے گا۔ حدیث میں ہے

لاتکثر الضحک فانہ یذھب بمھابۃ الوجہ

یعنی ہنسا زیادہ نہ کرو کہ اس سے چہرہ کا رعب جاتا رہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ رعب مستحسن چیز ہے۔

نوکر کو نقش دیوار کی طرح رکھنا یا اسکو ذلیل کرنا:

اور قسم دوم کی مثال نوکر کو اودھ کی سی تہذیب سکھلانا کہ جہاں آقا بیٹھے ہوں نقش دیوار کی طرح کھڑے رہنا جب آواز دیں تو حضور قبلہ پیر ومرشد خداوند کہنا بچوں سے نوکر کے چپتیں لگوانا کہ یہ تکبر اور تذلیل انسان ہے اور بین بین کی مثال نوکر کا صاف ستھرا رہنا' شیریں گفتار' تمیز دار ہوتا کہ یہ نہ اصل کلام میں دخیل ہیں نہ موجب مفاسد۔

نوکر کا شیریں گفتار ہونا:

ان میں جیسی نیت کی جاوے ویسا حکم ہوگا۔ اگر نیت کی جاوے کہ اسکی صفائی اور شیریں گفتار سے مثلاً مہمانوں کو آرام ملے تو مستحسن ہوگا اور اگر اپنی بڑائی دکھانے اور شیخی جتانے کی نیت ہو تو ناجائز کام ہے۔

نوکر کی وردی:

اگر یہ قسم صرف زینت کے واسطے ہو تب بھی جائز ہے بشرطیکہ نیت تکبر نہ ہو جیسے رؤسا کے یہاں نوکروں کو کپڑے عمدہ پہنائے جاتے ہیں یا بعض نوکروں کی خاص قسم کی وردی پہنائی جاتی ہے تو یہ سب پانچ قسم کے برتاؤ ہوئے۔ نوکر سے وہ کام لینا جس کے واسطے وہ رکھا گیا ہے۔ نوکر سے خلاف معاہدہ کام لینا یا ذلیل کرنا۔ ضروری تہذیب سکھلانا۔ متکبرانہ تہذیب سکھلانا۔ آرائش ان میں سے اول جائز اور ثانی ناجائز اور ثالث ملحق بالاول ہونے کی وجہ سے جائز۔ رابع ملحق بالثانی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اور خامس بین بین ہے۔

مباح نیت سے مباح اور غیر مباح سے غیر مباح ہے۔

والاولة قوله تعالیٰ لیتخذ بعضهم بعضا سخریا ط وجعلکم خلئف فی الارض و رفع بعضکم فوق بعض درجت لیبلوکم ط (ینظران الٰی الاول) ویایها الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود و انما السبیل علی الذین یظلمون الناس و یبغون فی الارض بغیر الحق اولئک لهم عذاب الیم ط (ینظرون الی الثانی) وقوله علیه السلام انما بعثت معلماً (ینظر الی الثالث) وقوله علیه السلام لاتقومو کماتقوم الاعاجم ط وقوله علیه السلام من سره ان یتمثل له الناس قیاما فلیتبوأ مقعده من النار (ینظران الی الرابع) وقوله تعالیٰ والخیل والبغال والحمیر لترکبوها وزینة الرکوب هو القسم الاول والزینة هی القسم الخامس و کما ان الخیل والبغال مملو کان فکذا الانسان مملوک بعقدالاجاره و انکان ذا املک المنافع و ذلک ملک الرقبة

جو نتیجہ اس تمام تقریر سے نکالنا ہے وہ آگے آتا ہے یہاں طرد اللباب چند اور فروع جن میں لوگ غلطی کرتے ہیں بیان کئے جاتے ہیں۔

نوکروں سے بدزبانی:

بعض لوگ ہر وقت نوکروں سے بلا لحاظ بڑے اور چھوٹے اور شریف اور رذیل کے بدزبانی سے بولتے ہیں۔ یہ جائز نہیں۔ ایک فیشن ایبل صاحب کے یہاں ایک بوڑھا آدمی سفید ریش نوکر تھا۔ کھانا کھاتے وقت اس نے پانی گلاس بھر کر دیدیا تو انہوں نے چھوٹتے ہی کہا گدھے عقل سیکھ۔ اس طرح ایک مجلس میں کئی بار اس کو گدھا بنایا اور کہا یہ ملانوں کی نوکری نہیں ہے جو تجھ کو باپ بنالیں۔ اس میں یہ غلطی ہے کہ انہوں نے اس کو داخل قسم ثالث سمجھا کہ نوکر کام اسی طرح ٹھیک کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں خیال رہا کہ تہذیب تو ہر شخص کے لئے اچھی چیز ہے اگر اس کی طرح یہ دوسرے کے دست نگر ہو جاویں تو کسی کی ایسی گفتگو پسند ہوگی یا نہیں۔ درحقیقت یہ قسم دوم میں داخل ہے۔ عقد اجارہ سے اس نے

اپنے ہاتھ پیر کے منافع بیچے ہیں آبرو نہیں بیچی اور یہ آبرو کو بھی لیتے ہیں۔

دودھ پلائی پر ایک فیشن ایبل کا ظلم: ایک دوسرے فیشن ایبل صاحب کے یہاں دودھ پلائی نوکر تھی اگر وہ کسی وقت اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی تو اس کو مارتے تھے اور کہتے اس چھیچھڑے کو کہاں سے لگا لیا ہے۔ یہ تو کیا چیز ہے ہمارے سامنے نوکر کی صرف اتنی اصلیت ہے جیسے گھاس کا تنکا۔ یہ بھی قسم دوم میں داخل ہے اور اس پر ایک صریح وعید اور بھی وارد ہے

من فرق بين الوالدة وولدها لم يشم لائحة الجنة او كما قال

یعنی جو کوئی بچہ کو ماں سے چھڑائیگا جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔

قلیوں کو ٹھوکروں سے مارنا:

نوکروں اور قلیوں کو ٹھوکروں سے مارنا قسم چہارم میں بلکہ قسم دوم میں داخل ہے۔

نوکروں کی غلطی پکڑنا:

نوکروں کی غلطی پکڑنا اور مناسب سزا دینا قسم سوم میں داخل ہے اور دانائی اور عقل کی بات ہے بشرطیکہ قدر جرم سے زیادہ نہ ہو۔

بچوں کو نوکروں پر زیادتی سے روکنا:

بچے اور گھر والے اگر نوکر پر زیادتی کریں تو اس کا تدارک نہ کرنا قسم چہارم یا قسم دوم میں داخل ہے اور حق العبد کے گناہ کے علاوہ بچوں کی تربیت کے لئے بالکل مضر ہے۔

حضرت والا نے بیان فرمایا کہ مجھ سے ایک بڑے تعلیم یافتہ شخص کی اس پر گفتگو ہوئی کہ اگر بچہ نوکر کے تھپڑ مارے تو کیا عمل کیا جاوے تو میں نے صاحب خانہ سے کہا کہ کیا وجہ کہ اس پر بچہ کو سزا نہ دی جاوے یا اس بچہ سے نہ کہا جاوے کہ نوکر سے خطا معاف کرادے۔ کہا جو ہوا سو ہوا ایسا کرنے سے ہمیشہ کو بچہ کم حوصلہ ہو جاویگا۔ فرمایا اگر ظلم نہ کرنا کم حوصلگی ہے تو کیا کسی کا مال اٹھا لینے اور چوری کرنے پر بھی آپ کچھ نہ کہیں گے اس پر وہ متحیر ہو گئے۔ تو فرمایا حضرت والا نے اس وقت تدارک کرنے سے تمام عمر کے لئے ایک خلق حسن بچہ میں مرکوز ہو جاویگا کہ ظلم کرنے کی کبھی ہمت نہ ہوگی اور تواضع پیدا ہوگی۔

نوکروں کیساتھ نئے تعلیم یافتہ کا برتاؤ، اگر تکبر کے ساتھ لوگوں کا برتاؤ:

فروع کو کہاں تک بیان کیا جاوے۔ اجمالاً یہ ہے کہ نوکروں کے ساتھ جو برتاؤ نئے تعلیم یافتہ کرتے ہیں اکثر داخل قسم ثانی ورابع ہیں۔ جو ظلم اور حق العبد کے افراد ہیں انکی دنیا برباد کرنیوالے اور آقا کو متکبر بنا کر واصل جہنم کرنے والے ہیں۔ پرانے فیشن کے لوگوں کا برتاؤ پھر غنیمت ہے کام پورا لیتے ہیں اور نوکر کو ذلیل نہیں کرتے۔ بسا اوقات کھانا اسکو اپنے ساتھ کھلاتے ہیں۔

قصہ رئیس حیدرآباد کے ادب کا:

احقر نے ایک رئیس حیدر آبادی کو دیکھا کہ ان کے یہاں ایک باورچی محمد نامی تھا وہ اور ان کا تمام گھر صرف نام لے کر نہیں پکارتے تھے بلکہ محمد صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ کتنی گہری بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم نام ہونے سے نوکر کا اتنا ادب کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نکتہ نواز ہیں بعض وقت ذرا سی طاعت وادب سے کام بنا دیتے ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس تعظیم کرنے سے نوکر کام نہ کریگا وہ اور زیادہ لپٹتا تھا اور دل سے جان نثاری کے لئے تیار تھا بخلاف اس کے جن نوکروں کو ٹھوکروں سے مارا جاتا ہے وہ اپنی غرض تک نوکر ہیں اور موقعہ پر کبھی کام نہیں دیتے۔

نوکروں کے حقوق کا ایک چٹکلہ:

احقر شریعت کی تعلیم میں سے صرف ایک بات پیش کرتا ہے جو نوکروں کے متعلق تمام مفاسد سے بچانے والی ہے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ شریعت مطہرہ نے ہم کو کیسی قیمتی باتیں سکھلائی ہیں۔

سلام بالخاصہ مورث مساوات ہے:

وہ یہ ہے کہ شریعت نے سلام میں اور جماعت میں کسی مسلمان کے لئے فرق نہیں رکھا۔ اگر لوگ اس کا التزام کرلیں کہ نوکر سلام شرعی یعنی السلام علیکم کیا کریں اور جماعت میں برابر کھڑے ہوا کریں تو ان کے تمام حقوق ومعاملات محفوظ رہیں۔ کیونکہ اس لفظ میں

بالخاصۃ اثر ہے کہ اصول مساوات کو قائم کرتا ہے۔

مساوات ہی ذریعہ ترقی مانا گیا ہے سلام میں ادب:

لفظ مساوات کو سن کر جدید خیال کے لوگ بہت چونکیں گے لیکن ان کی چونک رفع کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ آج دنیا کی ترقی کنندگان معترف ہیں کہ اسلام کی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ اصول مساوات تھا جس کو کوئی اب تک ایسا نہیں قائم کر سکا جیسا اسلام نے قائم کیا۔ ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ تعلیم کیا جاوے کہ سلام دبی زبان سے مودبانہ کہیں۔ علی ہذا جماعت میں بھی شریعت نے فرق نہیں کیا اس میں بھی مساوات پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔

معاملہ بالخادم:

آمدم برسر مطلب۔ جو نتیجہ ہم کو نکالنا تھا وہ یہ ہے کہ معاملہ مع الخادم کی قسم ثانی یعنی معاملہ سے زیادہ کام لینا یا نوکر کو ذلیل کرنا تو جائز نہیں اور قسم رابع یعنی تہذیب اعاجم اسی کے ساتھ ملحق ہے۔ اب نوکر کے ساتھ جائز معاملہ کی دو صورتیں ہیں۔ صورت اول یعنی کام پورا لینا یا نوکر کو ذلیل کرنا تو جائز نہیں اور قسم رابع یعنی تہذیب اعاجم کے ساتھ ملحق ہے۔ صورت سوم جو اول ہی کے ساتھ ملحق ہے۔ یعنی تہذیب سکھانا اور اپنا رعب قائم رکھنا اور صورت خامس یعنی آرائش بھی داخل جواز ہے لیکن اہل اللہ کو صورت خامس یعنی آرائش کی پرواہ نہیں۔ وہ دنیا کو پس پشت ڈال چکے ہیں۔ ان کے نزدیک فقر و فاقہ اور بدنمائی کو تنعم اور تن آرائی پر ترجیح ہے۔ برنگ و زیب و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا + اور صورت سوم یعنی رعب ان کو خداداد اس قدر حاصل ہے کہ کسب و اکتساب سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بسا اوقات اس کو کم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی مصلحت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور اہل اللہ کے مزاح فرمانے کی جیسا کہ مجلس سی و یکم میں بیان ہوا

دل فریباں نباتی ہمہ زیور بستند   دلبر ما است کہ با حسن خداداد آمد

زیر بار اند درختاں کہ ثمر ہا دارند   اے خوشا سرو کہ از بندِ غم آزاد آمد

دیگر

حسن الحضارۃ مجلوب بتطریۃ   وفی البداوۃ حسن غیر مجلوب

تو اہل اللہ کے لئے معاملہ بالخادم میں صرف قسم اول یعنی کام لینے کی ضرورت ہے۔ رعب خداوندی خود اس کا رہبر ہو جاتا ہے۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست

ہیبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت سے مجمع کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے۔ پیچھا پھر کر دیکھا جتنوں پر نظر پڑی سب گر پڑے۔ بحمد اللہ اس تقریر سے معاملہ بالخادم کے متعلق تمام امور حل ہو گئے اور اہل اللہ کے معاملہ بالخادم پر بھی کوئی غبار نہ رہا۔

حضرت والا کا برتاؤ اسی جنس سے ہے نہ اسکی تقلید دوسروں کو ضروری اور نہ اس پر کسی قسم کا خدشہ بلکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عین اتباع ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بچپن سے حضور کی خدمت میں رہے کہتے ہیں کہ کبھی حضورؐ نے مجھ کو نہ مارا نہ کبھی کسی کام پر فرمایا یہ کیوں کیا اور کیوں نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق تعالیٰ نے ایسا رعب دیا تھا جس کی نسبت وارد ہے نصرت بالرعب مسیرۃ شھر اسی کا پر تو اہل اللہ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ بقول کہ

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسد از وے جن وانس و ہر کہ دید

ہمارے حضرت والا کو بھی حق تعالیٰ نے اسمیں سے بڑا حصہ عطا فرمایا ہے جو لوگ زیارت کو جاتے ہیں سب اسکے شاہد ہیں لہٰذا جہاں تک بھی خادم سے نرمی کریں مضر نہیں بلکہ نہد شاخ پر میوہ سر برز میں کا مصداق ہے۔

والحمد الله الذی بنعمته تتم الصالحات والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الکائنات واله واصحابه مادامت الارض والسموت.

فائدہ نوکر پر زیادتی نہ ہونے کی تدبیر:

راقم نے ایک بار حضرت والا سے دریافت کیا کہ نوکر پر زبان سے یا ہاتھ سے زیادتی ہو جاتی ہے اور بعد میں پچتانا پڑتا ہے۔ کوئی ایسی تدبیر ارشاد ہو جس سے زیادتی نہ ہو اور سیاست میں بھی فرق نہ آوے۔ فرمایا تدبیر یہ ہے زبان سے کچھ کہنے یا ہاتھ بڑھانے سے

پہلے یہ سوچ لیا جاوے کہ فلاں فلاں لفظ میں کہونگا یا اتنا ماروں گا پھر اسکا التزام کرلیا جاوے کہ جتنا سوچا ہے اس سے زیادہ نہ ہونے پاوے (سبحان اللہ کیا چٹکلہ ہے)

مجلس پنجاہ ونہم (۵۹)

خانگی مناقشات:

ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے ایک مولوی صاحب ذی علم اور صحبت یافتہ کو دیکھا کہ اپنے ایک بزرگ شیخ وقت سے خانگی باتوں میں بگاڑ بیٹھے حالانکہ وہ باتیں بہت معمولی تھیں اور ان کی چشم دید بھی نہ تھیں۔ عورتوں سے سنی سنائی تھیں ان کی حالت دیکھ کر مجھے اپنی حالت پر مسرت ہے کہ مجھے بھی اپنے خاندانی بزرگوں کے گھر میں اسی طرح کی شکایتیں پیش آئیں اور وہ واقعی تھیں۔ میں نے بچشم خود اپنے بچوں پر زیادتی اور ترجیح بلا مرجح دیکھی۔ گھر میں دوسرے بچے بھی تھے ان کے کھانے پینے عادات کی نگرانی بہت کافی ہوتی تھی اور میرے بچوں کو کوئی منہ بھی نہیں لگاتا تھا۔ ایک بچہ بیمار تھا اور سخت تکلیف تھی اس کی کوئی خبر نہ لیتا تھا اور میں بوجہ ادب والدین کے کچھ نہ کہہ سکتا تھا گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل میں تھا۔

خانگی الجھن کے وقت دعا کرنا:

ایک مہینہ کامل میں نے ضبط کیا اس خیال سے کہ ممکن ہے میں غلطی پر ہوں اور ایسا نہ ہو کہ مجھ سے زیادتی ہو جاوے سوائے ایک دن کے کہ میں نے کچھ کہا اور معاً خیال ہوا کہ تجھ سے ضرور زیادتی ہو جاوے گی اس واسطے بات پوری بھی نہ ہونے دی اور بیچ سے کاٹ کر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی اور توبہ واستغفار کیا اور دعا مانگی کہ یا اللہ میرے لئے کوئی سبیل آسانی کی نکال دیجئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ایسے اسباب مہیا کر دیئے۔ حضرت والا نے اس کو دعا دی کہ حق تعالیٰ برکت دیں وہی حافظ ہیں۔ اس نے عرض کیا اس دن کی حرکت پر مجھ کو بہت قلق ہوا اور میں نے مثنوی معنوی جلد اول کھولی تو اس میں قصہ خرگوش وشیر نکلا جس میں یہ اشعار بھی تھے۔

آب کا ہے رابھاموں میرد آب نو ہے راعجب چوں میرد
حال آں کو قول دشمن راشنود بیں جزائے آنکہ شد یار حسود
دشمن ارچہ دوستانہ گویدت دام داں گرچہ زادانہ گویدت
چوں قضا آید نہ بینی غیر پوست دشمناں راباز نشناسی زدوست
چوں چنیں شد ابتہال آغاز کن نالہ و تسبیح و روزہ ساز کن
نالہ مکین کانے تو علام الغیوب زیر سنگ مکر بدمارا مکوب
انتقام ازمالکش اندر ذنوب یا کریم العفو ستار العیوب
انچہ درکون است اشیا ہرچہ ہست وانما جاں رابہر صورت کہ ہست
گرسگی کردیم اے شیر آفریں شیررامگمار برما زیں مکیں
آب خوش را صورت آتش مدہ اندر آتش صورت آبے منہ
از شراب قہر چوں مستی دہی بنتھارا صورت ہستی دہی
چیست مستی بند چشم ازدید چشم تانما یدسنگ گو ہر پشم پشم
چیست مستی حسہا مبدل شدن چوب گز اندر نظر صندل شدن

صورت طاعت کی ہوتی ہے اور حقیقت معصیت:

ان اشعار سے سمجھ میں آیا کہ میں کچھ بھی سمجھوں مگر حقیقت اور منشا میرے فعل کا حسد ہے۔ صورت مباح اور حقیقت وحرام اور گناہ ہے۔ اس کے علاج کے لئے ان بچوں میں سے ایک کو گود میں اٹھالیا اور پیار کیا اور حق تعالیٰ سے دعا کی اللّٰھم لاتنظر الینا وانظر الیک اللھم انت الیہ و انا العبد اللّٰھم انت الغفور وانا الخاطی وانت الغنی وانا الفقیر لاالٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین اس دن کچھ زبان سے کہہ دینے پر سخت قلق ہوا اور ایسی بے چینی قلب میں پیدا ہوئی کہ قرار نہ آتا تھا بار بار افسوس کرتا تھا کہ ایک مہینہ صبر کے بعد ایک دفعہ کیوں ایسا ہوا۔ اتفاقاً ایک اہل دل عالم کے وعظ میں شریک ہوا۔ انہوں نے ایک حدیث پڑھی جسکا ماحصل یہ تھا کہ مومن کی مثال

ہرے درخت کی سی ہے کہ ہوا کے جھونکوں سے ادھر ادھر کو جھکتا ہے مگر پھر سیدھا ہو جاتا ہے اور منافق کی مثال خشک درخت کی سی ہے کہ جب تک کھڑا ہے کھڑا ہے اور جب ٹوٹا بس پھر نہیں سیدھا ہوتا۔ اس سے وہ اضطراب بحمد اللہ رفع ہوا۔

مثنوی سے مطلب نکالنا:

حضرت والا نے اس کو دعائیں دیں اور فرمایا مثنوی خوب کتاب ہے۔ ایک زمانہ میں مجھے کچھ جوش و محبت کا غلبہ تھا اور اب وہ بات نہیں رہی۔ ایک دن میں نے غایت تحیر اور بے چینی میں خیال کیا کہ طالبین کو کچھ نہ کچھ محبت بھی بحمد اللہ ہے ہی ایک مقدمہ یہ ہوا اور دوسرا یہ کہ حق تعالیٰ کو اس کا علم بھی ہے اور تیسرا یہ کہ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ رحیم بھی ہیں اور چوتھا یہ کہ قدیر بھی ہیں۔ پھر کامیابی جلدی کیوں نہیں ہو جاتی۔

کامیابی میں جلدی نہ کرنے کے فائدے:

اسی حالت میں میں نے مثنوی کھولی اس میں یہ اشعار نکلے جن میں میرے چاروں مقدمے مذکور تھے اور ایک پانچواں بھی تھا جس میں میرے خیال کا جواب تھا اور وہ یہ کہ حق تعالیٰ علیم اور رحیم اور قدیر ہونے کے ساتھ حکیم بھی ہیں۔ پس دیر میں حکمتیں ہیں وہ اشعار یہ ہیں ؎

چارہ مے جو یدپے من دردِ تو میشنو دم دوش آہِ سرد تو
مے تو انم ہم کہ بے ایں انتظار رہ نمایم و ادہم راہ گذار
تاازیں طوفان دوراں وارہی برسر گنج و صالم پا نہی
لیک شیرینی و لذات مقر ہست بر اندازۂ رنجِ سفر
آنگہ از فرزند و خویشاں برخوری کز غریبی رنج و محنتہا بری
ہر کہ اوارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلی بقرصِ ناں دہد

یہ معلوم ہوتا تھا کہ مولانا بالمشافہ میرا ہی جواب دے رہے ہیں۔ شب ۱۸ ذیقعدہ ۳۲ھ

فوائد ونتائج

(۱) اپنے جملہ افعال کی نگرانی: اپنے افعال وحرکات وسکنات و معاملات و بول چال

سب کا نگران رہنا چاہئے۔ گناہ سب میں ہیں۔ صرف نماز کثرت سے پڑھنے اور روزہ رکھنے کا نام دین نہیں ہے بعض افعال کی صورت نیک ہوتی ہے اور حقیقت بد اور اچھے اچھوں کی نظر بعض وقت اس کی نہیں پہنچتی۔

بلا صدور معصیت بھی استغفار کرتا رہے۔ توبہ پلید کو پاک کر لیتی ہے: اس کے لئے ایک مفید تدبیر یہ ہے کہ بلا صدور (یعنی اپنے نزدیک) معصیت بھی توبہ و استغفار کرتا رہے۔ استغفار میں وہ اثر ہے جو مٹی میں ہے کہ بری سے بری اور گندی سے گندی چیز کو چند روز میں پاک صاف اور اپنا ہمجنس کر لیتی ہے یا جیسے طبیعت انسانی مدبر بدن ہے کہ اگر کوئی دوا و غذا و غیرہ میں کما حقہ قاعدہ پر چلنا چاہے تو ممکن نہیں کچھ نہ کچھ کوتاہی اور غلطی ہر شخص سے ہوتی ہے مگر حق تعالیٰ نے طبیعت کو وہ اثر دیا ہے کہ سب کوتاہیوں کا تدارک کر لیتی ہے تو ایسے ہی توبہ و استغفار سب تقصیرات کا تدارک کر لیتا ہے۔ اسی معنی کر حدیث میں کلکم خطاؤن و خیر الخطائین التوابون یعنی تقصیرات سب ہی سے ہوتی ہیں اور اچھے وہ ہیں جو توبہ سے ان کا تدارک کر لیتے ہیں۔

کیمیا دارد کہ تبدیلش کند گرچہ جوئے خوں بود نیلش کند

قا تعالیٰ الامن تاب و آمن و عمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات

سیئات سے مراد اہل لطائف کے نزدیک خود وہ طاعات ہیں جسمیں تقصیرات واقع ہو جاتی ہیں مگر حق تعالیٰ پھر بھی ان کو حسنات ہی میں شمار فرما لیتے ہیں۔ (کذا سمعته من مولائ عثیر مرة)

(۲) مثنوی سے کوئی استنباط:

مثنوی کا طرز جیسا نرالا اور دقیق ہے مطالعہ کرنے والوں پر ظاہر ہے اس میں سب کچھ ہے لیکن استنباط کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ بلا تشبیہ جیسے قرآن مجید میں سے باوجود اس کے جامع ہونے کے استخراج سہل نہیں ایسی کتاب سے کسی مسئلہ کا فیصلہ سمجھنے کے لئے غایت درجہ کی لطافت فہم اور دقت نظر اور جامعیت کی ضرورت ہے اور یہ علماء حقانی ہی کا حصہ ہے۔

دیوان حافظ سے فال کھولنا:

یہاں سے عوام کے مثنوی سے کچھ اخذ کرنیکا حال معلوم ہوگیا اور دیوان حافظ سے فال کھولنے کا حال بھی ظاہر ہوگیا کیونکہ دیوان حافظ مثنوی سے بھی زیادہ دقیق ہے اور بعض وقت جو عوام اور کم استعداد لوگوں کا مطلب بھی مثنوی سے یا دیوان حافظ وغیرہ سے حل ہو جاتا ہے۔ اول تو یہ اتفاقیات ہیں اور دوسرے یہ اس وقت ہوتا ہے کہ کوئی مضطر ہو حاجت دنیاوی کی وجہ سے یا طالب صادق ہو اور دین کی طلب میں بے چین ہو تو رحمت خداوندی مصنف کی روح کی برکت سے اسکی دستگیری فرمائی اور جب فاسد العقیدہ یا طالب دنیا اپنا مطلب پیش نظر رکھ کر اہل اللہ کی کتابوں کو دیکھتا ہے تو بجائے ہدایت کے اور گمراہی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں بھی یہی ہے کما قال تعالیٰ یضل به کثیرا ویھدے به کثیرا ط اہل اللہ نری رحمت ہی نہیں مظہر قہر بھی ہوتے ہیں: یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ ان کتابوں سے مطلب نکالنے کے وقت بالکل خالی الذہن ہونا شرط ہے اور پھر بھی وجوہات سمجھ میں آئے اس پر اعتماد کرنا نہ چاہئے۔ ایک گونہ ظن حاصل ہوسکتا ہے کسی دلیل کا معارضہ اس سے نہ کریں بلکہ خائف رہیں کہ اہل اللہ نری رحمت ہی نہیں ہوتے جملہ فات کے مظہر ہوتے ہیں۔ قہر و اضلال بھی ان سے ظہور میں آتا ہے اور اصل یہ ہے کہ مثنوی اور دیگر کتب اہل اللہ سے کوئی الجھی ہوئی بات سلجھانا عارفین ہی کا کام ہے ہر شخص اس میں قدم نہ رکھے اور فال کھولنا اور پیشین گوئیاں کرنا تو صرف پیسہ کمانے کی ترکیب ہے۔

مجلس شصتم (۶۰)

حضرت والا نے عصر کے بعد سے مغرب تک کا وقت عام بات چیت کے لئے اور مغرب سے عشا تک خاص بات چیت کے لئے دے رکھا ہے۔ جس کو تنہائی میں کچھ کہنا ہوتا ہے وہ اپنا نام ایک پرچہ پر لکھ کر عصر کا سلام پھیرنے کے بعد حضرت والا کو دیدیتا ہے۔ آپ بعد مغرب ایک ایک کو بلا کر تنہائی کے ساتھ بات کرتے ہیں۔ احقر نے ہمیشہ دیکھا تھا کہ اسکے لئے حضرت بعد مغرب مسجد ہی میں تشریف رکھا کرتے تھے مگر اس مرتبہ دیکھا کہ خارج مسجد حوض کے جنوب کی جانب اپنی سہ دری کے متصل رونق افروز ہوتے ہیں۔ احقر نے اسکی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ

بعض دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ میں لیٹ گیا اور آنکھ لگ گئی۔ ایک روز ایک طالب علم نے اعتراض کیا کہ مسجد میں بلا ضرورت شرعی سونا جائز نہیں۔ مجھے تنبہ ہوا اور یہ جگہ اختیار کی۔ اب میں مغرب کے بعد بھی عشاء کے بعد بھی یہیں بیٹھتا ہوں۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ روز شنبہ

فوائد ونتائج:

طالب حق اور عارف کی نظر ہمیشہ اس پر ہونی چاہئے کہ حق بات جہاں سے بھی ہاتھ آوے اختیار کر لے اور اپنے فعل کی خواہ مخواہ تاویل نہ کرے۔ کلمة الحكمة ضالة المؤمن. ترجمہ اچھی بات مسلمان کی گمشدہ چیز ہے یعنی جیسا کوئی اپنی کھوئی ہوئی چیز کے مل جانے سے خوش ہوتا ہے ایسے ہی اچھی بات ہاتھ آنے سے خوش ہونا چاہئے۔

مجلس شصت ویکم (۶۱)

حضرت والا کے متوسلین میں سے ایک برگ تھانہ بھون میں مقیم تھے۔ احقر نے یہ چاہا کہ ایک روز حضرت والا اور ان بزرگ کی دعوت کرے (ان بزرگ کو تمام اس بیان میں بلفظ مولوی صاحب تعبیر کیا جاویگا) حضرت والا صبح کے وقت ہوا خوری کے لئے حسب معمول تشریف لے گئے تھے۔

صاف بات کہنا اور اپنے ذمہ ایسا کام نہ لینا جو نبھ نہ سکے:

اول احقر مولوی صاحب کے پاس پہنچا اور کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد عرض کیا کہ بندہ زادہ یہاں رہے گا سبق کے متعلق کچھ پوچھا کرے تو برائے مہربانی بتا دیا کیجئے گا۔ فرمایا فرصت کم ہے تاہم میں خیال رکھوں گا۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ آج کا دوپہر کھانا حضرت والا اور آپ میرے ساتھ کھالیں۔ مولوی صاحب نے عذر کیا کہ طبیعت اچھی نہیں ہے۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ دوپہر کو میں کچھ کھاؤں گا یا فاقہ کروں گا۔ احقر نے اصرار کیا تو خاموش ہو گئے۔ اس خاموشی کو بندہ نے قبول پر محمول کیا اور اٹھ کر چلا آیا۔ مولوی صاحب بھی یہی سمجھے میں نے سکوت کو قبول پر محمول کیا ہے۔ جب احقر گھر پہنچا تو مولوی صاحب نے رقعہ بھیجا کہ میں نے ضیافت بلا اطلاع حضرت والا کے قبول کر لی جو

میری عادت کے خلاف ہے لہٰذا خواستگار معافی ہوں۔ احقر کو بہت ملال ہوا اور یہ سوچا کہ اگر حضرت والا کی اجازت پر موقوف ہے تو حضرت ہی سے چل کر عرض کروں۔ چنانچہ وہ رقعہ لے کر مدرسہ کے بالا خانہ پر دار التصنیف میں حضرت والا کے حضور میں حاضر ہوا۔ اول حضرت والا سے دعوت کی التجا کی۔ حضرت والا نے عین مہربانی سے منظور فرمایا۔ تب احقر نے وہ رقعہ دکھایا تو فرمایا تم نے غلطی کی پہلے لڑکے کے واسطے سفارش کی پھر دعوت کے لئے کہا یہ دعوت اسکے معاوضہ میں ہوئی اور جبکہ مولوی صاحب نے یہ عذر کیا ہے کہ مجھے فرصت کم ہے میں لڑکے کو امداد نہ دے سکوں گا۔ اس واسطے وہ اس کا معاوضہ یعنی دعوت لینے سے احتیاط کرتے ہیں۔ یہ مجھے یقین ہے کہ قصداً اسکا نہ کیا ہوگا مگر صورت تو ایسی ہی پیدا ہوگئی۔ مولوی صاحب تارک اسباب ہیں جیسے ترک اسباب کیا ہے یہ ان کا حال بن گیا ہے۔

رہذ: میں نے عرض کیا حضور والا کی اجازت پر موقوف ہے۔ آپ اجازت دیدیں۔ فرمایا مناسب یہ ہے کہ اصرار نہ کرو اگر مولوی صاحب نے دعوت مان بھی لی تو جب بشاشت نہ ہوئی تو کیا لطف ہوگا۔ میں نے عرض کیا واللہ باللہ مجھے اس کا خیال بھی نہ تھا اور چونکہ مولوی صاحب کی نظر بہت گہری پہونچی اور یہ حد درجہ کا زہد ہے اس واسطے میں ان کے قلب کو ملول کرنا نہیں چاہتا بلکہ اس کو اعانت بالخیر سمجھتا ہوں کہ اسمیں خارج نہ ہو۔ فرمایا ایک تدبیر یہ ہے کہ یہ کہہ دو کہ میں نے حضرت والا کو ایک آدمی اپنے ساتھ لانے کا اختیار دے دیا ہے۔ اگر میں دیکھوں گا کہ مولوی صاحب کو تنگدلی نہیں ہے تو ساتھ لیتا آؤنگا۔ احقر نے مولوی صاحب سے بھی کہہ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مولوی صاحب کا رقعہ پہونچا کہ میں اب آپ کے ساتھ کھانا کھالوں گا چنانچہ دوپہر کا کھانا حضرت والا نے اور مولوی صاحب نے احقر کے ساتھ کھایا۔ ۱۹ ذیقعدہ ۳۲ھ روز شنبہ

فوائد ونتائج

اس قصہ کے لکھنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ یعنی نیک بندوں کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے نیز اپنے ہم جنسوں کی ہمت دیکھ کر دوسروں کو بھی حوصلہ ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ اس ناکارہ کو بھی توفیق عطا فرمادیں۔ بعض قصے ایسے اولیائے

سلف سے بھی منقول ہے جیسا کہ احیاء العلوم میں ایک قصہ منقول ہے۔

سوال قلبی سے بھی بچتا رہے:

ایک شخص ناج خرید کر پلہ دار کے سر پر رکھوا کر گھر لائے۔ گھر میں روٹی رکھی تھی۔ پلہ دار نے نگاہ بھر کر اس کو دیکھا۔ صاحب خانہ سمجھ گئے کہ یہ بھوکا ہے اور مزدوری کے ساتھ کچھ روٹی بھی اس کو دی۔ اس نے روٹی ہاتھ میں لی اور پھر واپس کر دی۔ صاحب خانہ کو تعجب ہوا کہ کیوں لی اور کیوں واپس کی۔ پوچھا تو انہوں نے کہا میں بھوکا ہوں اس وجہ سے لے لی لیکن معاً خیال آیا کہ جب میں گھر میں گھسا تھا تو اس روٹی پر جو مال غیر ہے نظر اشتیاق کے ساتھ پڑی تھی اور مالک نے اس نظر کو پہچان لیا اور مجھے دیدی۔ یہ درحقیقت سوال ہے گو زبان سے نہیں ہے اور اخذ مال غیر ہے۔ صاحب خانہ نے کہا میں خوشی سے دیتا ہوں۔ کہا اشراف نفس تو اب بھی باقی رہا لہٰذا یہ لقمہ خبیث ہے۔ صاحب خانہ نے وہ روٹی واپس لے کر رکھ لی۔

اشراف نفس کا علاج:

اور جب وہ پلہ دار صاحب کچھ دور چلے گئے تو لڑکے کے ہاتھ وہ روٹی پھر بھیجی اور کہلا دیا کہ اب اشراف نفس جاتا رہا۔ اب یہ ہدیہ محض ہے اب لے لو چنانچہ انہوں نے لے لی اور کھالی۔

یہ شخص کاملین میں سے تھے۔ اس قسم کے قصے حضرت والا کے وعظوں میں اور بزرگوں سے بھی منقول ہیں۔ بحمد اللہ اس زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں اور شکر ہے کہ حق تعالیٰ نے ہماری آنکھوں کو بھی انکی زیارت کا شرف عطا فرمایا ہے۔ شعر

احب الصالحین ولست منھم

لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

اور ایک وجہ اس قصہ کے لکھنے کی یہ ہے کہ لوگ حضرت والا کے فیوض و برکات کا اندازہ کریں کہ حضرت کے متوسلین میں نمونہ سلف موجود ہیں۔ **اللھم زد فزدو بارک فیھم**

یہاں دعوت کے کھانوں کا ذکر بھی لطف سے خالی نہیں۔ اس وقت دسترخوان پر بکری کا گوشت

بہت معمولی پکا ہوا اور اوڑہ کی کالی دال تھی اور چونکہ احقر سامان سفر کر چکا تھا سفر کے ناشتہ میں سے گوارا کی پھلیاں تیل کی پکی ہوئی اور چند میٹھی ٹکیاں اور آٹے کی کھجوریں رکھ دی تھیں۔ یہ کھانا اس قابل کسی طرح نہ تھا کہ مہمانوں کے سامنے رکھا جاوے مگر جس خوشی اور بشاشت کے ساتھ دونوں حضرات نے کھایا اسکا لطف احقر کو ان شاء اللہ ہمیشہ یاد رہے گا اور احقر کا دل اور زبان اور بال بال اس کا شکر گزار رہے گا۔

مجلس شصت و دوم (۶۲)

تحقیق ضاد

قال لمحمد عمر متعلم القراء ة حين سمعه يقرأ الضاد دالامفخما كماهو المروج اعلم ان مخرجه طرف اللسان مع الضرس الايمن او الايسر فاذا اخرجته من مخرجه كان اشبه شيء بالظاء ولايكون له بالدال شبه اصلا لا كما يخرجه قراء الزمان فانه يجعلونه دالا مفخما وادلک على الفرق بينهما فاحفظه ولاتغلط فيه هوانک اذا اخرجت الضاد من مخرجه فاحفظ لسانک ان يمس اسفل الثناياالعليا فان ذلک مخرج الدال. سمعنا القراء اذا علموا لطلبة ذلک طلوا مخرج الدال بالمداد ثم قالو الهم اخرجوا الضاد من مخرجه ثم نظر و السانهم هل فيه شيء من السودام لا فان كان مس مخرج الدال لكان في راس اللسان سوادا البتة وانا كانوا خرجوه صحيحا لم يكن سواد اصلا فليفعل من شاء كذلک ثم لينظر هل يكون الضاد اشبه شيء بالظاء ام لا قال رجل قدرأينا القراء الذين تعلموا القراء ة في مكة لايقرؤن الضا دالا دالا مفخما كما هو المروج قال مولانا نعم هذا خطأ قد شاع في العرب كلة لكن المعتبر القول لاالفعل وقد سئل القاري عبدالله المكي الذي هو استاد القراء عن ذلک فقال الصحيح الصواب هو الذي يشبه الظاء لا الذي هو المروج بل هوخطاء فاحش لكنا نحن ايضاً نقرؤه دالا مفخما كما يقرأ عامة العرب و ذلک من خوف الفتنة فان حكام العرب يعزرون على ذلک (قال مولانا والتعزير في

الحجاز هوا لاخراج عن البلد والقتل) قال مولانا وهكذا قال ابراهيم قاری المصر. وهو المذهب الصحيح الصريح الذی لا ريب فيه دل عليه كتب الفن واذا نحن اهل الهند لانخاف الفتنة فليس لنا ان نبدل حرفا مكان حرف و نحن قادرون علیٰ اخراجه صحيحاً

فوائد ونتائج مخرج دال کے مسئلہ میں شغف سے ممانعت:

التحقيق الذی فی هذه الحكمة هو الحق الصريح لا ينكره احد ممن علم القراءة شيئا اونظر فی كتب الفن لكن اوصی مولانا رجلاقد شغف فی ذلک و ناقص الناس ان لا تتوغل فيه ودع الناس يفرح كل حزب بمالديه فان التفريق بين المسلمين فتة ايضا نعم لا تغلط فيه انت بنفسک فانه تجا هل بعد العلم قال فهل اصلی خلف من يجعله دالا مفخما قال نعم فان مثل تلک الاغلا ط التی قد شاعت لا يمنع جواز الصلوٰة كما صريح الفقهاء ان علم الفرق بين الحروف القرنية المخرج لايمنع لعلم التحرز عنه لشيوع الجهل فالعلة اعنی عموم البلوی موجود ههنا ايضاً و قال عجباً ممن نياقش الناس فی الضاد ولا يعرض لحرف اخرامع ان ائمة المساجد فی الاكثره لا يقدرون علیٰ اداء حرف بشروطه فما خصوصية الضاد فی ذلک

مجلس شصت وسوم (٦٣)

احقر نے دیکھا کہ خلاف معمول حضرت والا کے سرہانے ایک تسبیح سیاہ رنگ بہت بڑے بڑے دانوں کی رکھی ہے۔ عرض کیا یہ تسبیح کہاں سے آئی۔ فرمایا یہ حضرت حاجی صاحب کی ہے۔ قصہ اس کا یہ ہوا کہ یہ ایک شخص کے پاس تھی۔ اُن کو ضرورت پیش آئی مجھ سے انہوں نے کہا کہ حضرت حاجی صاحب کا تبرک ہے اگر کوئی خریدار ہو تو چھ سو روپیہ کے بدلے میں اس کو علیحدہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ذمہ اسی قدر قرض ہے سو مجھے چھ سو روپیہ دینا تو مشکل تھے۔ حق تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ تسبیح ضائع نہ ہو۔ یہ شخص اس کو ذریعہ کسب بنا دے گا۔ قدرت خدا کہ اگلے دن وہ خود آئے اور کہا مجھے یہ خیال ہوا کہ تبرکات کی قیمت لینا بے ادبی ہے

اور میں اس کے رکھنے کا بھی اہل نہیں ہوں لہٰذا اس کی حفاظت اس میں سمجھتا ہوں کہ آپ رکھ لیں۔ یہ جب سے میرے پاس ہے کبھی کبھی اس پر کچھ پڑھ لیتا ہوں بعض حاضرین نے اس کو آنکھوں سے لگایا اور بعض نے حضرت والا کی اجازت سے تھوڑی دیر اس پر تسبیح پڑھی۔

فوائد و نتائج

یہ تسبیح سیاہ رنگ چمکدار کسی لکڑی کے دانوں کی ہے۔ دانے گول نہیں ہیں۔ بہت پہل دار ہیں۔ دانے قدرے بڑے ہیں۔ ہیئت اس کی بتاتی ہے کہ بہت مستعمل ہے۔ احقر نے حضرت والا سے پوچھا بھی کچھ معلوم ہے کس چیز کی ہے فرمایا نہیں۔

حضرت والا کی عادت ہے کہ تسبیح معمولی سی کانچ کی یا لکڑی کی یا پتھر کی رکھتے ہیں اور وہ اکثر رومال میں بندھی رہتی ہے۔ بڑے بڑے دانوں کی اور بھاری تسبیح رکھنے کی عادت نہیں ہے اس واسطے احقر کو یہ بھاری دیکھ کر تعجب ہوا۔ حضرت والا کے پاس تسبیح مختلف رہنے کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ کبھی بعض خادم تحصیل تبرک کے لیے تسبیح حضرت والا کے پاس چھوڑ جاتے ہیں اور چند روز استعمال کے بعد لے جاتے ہیں اور حضرت والا کو دوسری تسبیح دے جاتے ہیں۔ حضرت والا تسبیح بھی استعمال کرتے ہیں اور عقد انامل کے بھی عادی ہیں۔ بعض لوگوں نے تسبیح کو بدعت کہا ہے لیکن تحقیق یہی ہے کہ بدعت نہیں۔ کیونکہ ہزاروں مشائخ اور علماء سے منقول ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول واعقدن بالانامل شفقة و استحباب (از دواج مطہرات میں سے کوئی بی بی سبحان اللہ پڑھ رہی تھیں اور ایک ہزار گٹھلیاں کھجور کی گنتی کے لیے سامنے رکھی تھیں۔ حضور تشریف لائے تو فرمایا اتنے بکھیڑے کی کیا ضرورت ہے۔ واعقدن بالانامل یعنی انگلیوں پر گن لیا کرو اور عقد انامل کی ترکیب تعلیم فرمائی)۔ پر محمول ہے، نہ وجوب پر ہاں بدعت اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ اس کو مسنون اور عمل دینی سمجھے یا تصنع اور ریا اور تفاخر کے لیے بڑی بڑی رکھے۔ واللہ اعلم

مجلس شصت و چہارم (۶۴)

سورہ نوح میں متشابہ: حضرت والا نے فجر کی نماز میں سورہ نوح شروع کی ایک آیت کے بعد ایسا متشابہ لگا کہ آگے چل ہی نہ سکے۔ مجبوراً سورہ نوح کو چھوڑ کر سورہ مدثر پڑھی اور دوسری رکعت

میں سورہ قیمہ پڑھی۔ بعد نماز بیان فرمایا کہ میں نے سورہ نوح شروع کی اور شروع کرتے ہی ایک اعرابی کا قصہ یاد آیا کہ اس کے امام نے سورہ نوح شروع کی تو اس کو انا ارسلنا نوحا الی قومه کے آگے ایسا متشابہ لگا کہ کئی بار لوٹایا مگر نہ چل سکا تو اعرابی نے پیچھے سے کہا اذا لم یکف نوح فارسل مکانه آخر یعنی جبکہ نوح کے بھیجنے سے کام نہیں چلتا ہے تو اور کسی کو بھیجو۔ یہ قصہ یاد کر کے میری قوت واہمہ نے کہا کہیں میں بھی نہ بھول جاؤں۔ بس قوت واہمہ ہی غالب آ گئی اور بھول گیا۔

۵ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ روز یکشنبہ

مجلس شصت و پنجم (۶۵)

بلا سنتیں پڑھے امامت کرنا:

ظہر کے لیے وضو کیا تو وقت جماعت کا ہو گیا۔ لہٰذا حضرت والا نے بلا سنتیں پڑھے ہوئے امامت کی۔ راقم نے بعد نماز دریافت کیا کہ امام نے اگر سنتیں نہ پڑھی ہوں وامامت کرنے میں کچھ حرج تو نہیں۔ فرمایا میں نے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا تھا تو فرمایا کچھ حرج نہیں۔ راقم کہتا ہے کہ حضرت والا اوقات کے ایسے پابند ہیں کہ نظیر کا ملنا مشکل ہے۔ تمام دن و رات کے اوقات ایسے تقسیم کیے ہوئے ہیں کہ ایک لحظہ بیکار نہیں رہتا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے وقتوں کی پابندی عامیانہ اور جاہلانہ نہیں جیسے بعض جگہ دیکھا کہ صف میں بیٹھے ہیں اور نظر گھڑی پر ہے۔ ادھر گھنٹہ بجنا شروع ہوا اور اُدھر تکبیر ہوئی اور اس پر لڑتے مرتے ہیں۔ حضرت والا کے یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ تو لہو ولعب ہے۔ عارف کی نظر ہر کام میں حقیقت پر ہوتی ہے اور زوائد کو بقدر ضرورت اختیار کرتا ہے۔ پابندئ وقت کوئی مقصود بالذات فعل نہیں۔ انتظام جماعت کے لئے ذریعہ ہے اسکو مقصود قرار دے لینا۔ حقیقت ناشناسی ہے۔ حضرت والا کی مسجد میں قصبہ کے نمازی ایک دو سے زائد نہیں ہوتے کیونکہ یہ مسجد ایک کونہ پر ہے تمام جماعت طلبہ اور خدام مدرسہ اور مہمانوں کی ہوتی ہے۔ یہاں دو چار منٹ وقت ادھر ادھر ہو جانے سے کسی کا حرج نہیں ہوتا۔ اس واسطے حضرت والا کی عادت ہے کہ جب گھڑی میں وقت ہو گیا تو ادھر ادھر دیکھ لیتے ہیں کہ سب لوگ تیار ہیں یا نہیں۔ اگر تیار نہ ہوں تو دو چار منٹ کا کچھ خیال نہیں فرماتے حتیٰ کہ رمضان میں اذان مغرب

ہو جانے کے بعد اطمینان سے مہمانوں کو افطاری سے فارغ ہونے اور کلی کر لینے کا موقعہ دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ کبھی دس منٹ کے قریب بعد ختم اذان لگ جاتے ہیں۔ نہ عوام کی طرح کہ موذن نے اذان ختم کی اور ادھر تکبیر شروع ہوگئی۔ حتیٰ کہ موذن بھی کلی کرنے نہیں پاتا۔ امام کے منہ میں بھی لقمہ ہوتا ہے جماعت میں سے کوئی بھی تکبیر اولیٰ میں شریک نہیں ہوسکتا۔ یہ صرف لہو ولعب اور بے علمی ہے۔ آج اتنی جلدی کرنا کہ سنتیں پڑھے بغیر ہی امامت کے لئے کھڑے ہوگئے۔ شاید اسی مسئلہ کے بیان کے لئے تھا۔ ۷ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ روز شنبہ

مجلس شصت و ششم (٦٦)

عجیب واقعہ:

مدرسہ کے پچدرہ میں چڑیا کے گھونسلے میں سے دو پیسے گرے وہ حضرت والا کے سامنے پیش کئے گئے۔ ہنس کر فرمایا کہ ایک کی دال منگاؤ اور ایک کے چاول اور کھچڑی پکاؤ اور چڑیا اسے کھالے اور جب چڑیا آوے تو کہے دور کے موئے میری آنکھیں دکھتی ہیں۔ یہ قصہ تو پرانے زمانے کا ہے کہ چڑا چڑیا دال چاول لائے تھے اب ترقی کا زمانہ ہے حیوانوں کو بھی روپیہ پیسہ ہی کی سوجھتی ہے۔ فرمایا یہ لقطہ ہے مصرف لقطہ میں صرف کرو یعنی خیرات کرو۔

مجلس شصت و ہفتم (٦٧)

قال نحن مقلدون للفقهاء فی نقل الاحکام لا فی نقل الدلائل مثلا نسربا میس للتقل عن الامام و اما اذادعی احد ان دلیله هذا فلا نسلم لا نه منقول عن الامام فلا نسکت ما اینشرح صدر ناله ۲۲ شوال ۱۳۳۲ھ

مجلس شصت و ہشتم (٦٨)

فرمایا عراقی بڑے عارف ہوئے ہیں مولانا شمس تبریزؒ کے ہمعصر ہیں یہ انہیں کا شعر ہے

صنمارہ قلندر سزادار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

نیز یہ شعر ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور فرمایا شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ایسا ہے جیسا استاد کا اور دوسروں کا کلام اس کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے شاگرد کا۔ ۲۲ شوال روز دوشنبہ

مجلس شصت ونہم (۶۹)

ایک بچہ بڑے پیٹ والا سامنے سے گزرا تو مسکرا کر فرمایا چلا کچھالا گڑ برجھالا اور فرمایا یہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کا ٹکڑا ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب کا ایک لڑکا بڑے پیٹ کا تھا اس کے بارے میں فرمایا تھا۔ ۲۳ شوال ۱۳۳۲ھ روز شنبہ اندرون پھاٹک نشستگاہ

مجلس ہفتادم (۷۰)

حضرت والا کے پیر میں بالتوڑ کل آیا تھا۔ قریب پچیس دن کے تکلیف رہی۔ چلنے پھرنے سے معذوری رہی۔ اول اول یہ رہا کہ فجر کے وقت مدرسہ میں تشریف لے آتے اور عشاء کی نماز کے بعد تشریف لے جاتے اور نماز کھڑے ہو کر پڑھتے۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ چلنے سے نقصان ہوتا ہے اس واسطے یہ کیا کہ گڈولنے میں بٹھا کر نیاز خاں ملازم یا اور کوئی خادم صبح کو پہنچا دیتے اور عشا کے بعد اسی طرح مکان پر پہونچا دیتے مگر جماعت ترک نہ کرتے اور نماز کھڑے ہو کر پڑھتے۔ پھر ثابت ہوا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی مضر ہے تو نماز بیٹھ کر اختیار کی۔ مگر نوافل حسب معمول پورے پڑھتے۔ پھر ثابت ہوا گڈولنے کی حرکت بھی مضر ہوتی ہے لہٰذا مکان پر قیام فرمایا۔ مسجد جانا موقوف کر دیا۔ زیارت کنندگان مکان ہی پر آتے۔ کبھی کوئی کہتا بڑی تکلیف اٹھائی تو فرماتے جیسے تکلیف بالتوڑ میں لوگ بیان کرتے ہیں وہ تو بحمد اللہ مجھے کچھ بھی نہیں ہوئی ہاں چلنے پھرنے سے قدرے مجبوری ہے۔ حق تعالےٰ کو خلوت کا مزا چکھانا تھا وہ حاصل ہوا اور ثابت ہوا کہ خلوت واقعی بڑی اچھی چیز ہے گو مفید اور موجب ثواب زیادہ جلوت ہو مگر خلوت لذیذ بہت ہے اسی واسطے کہا ہے

شعر قعر چہ بگزید ہر کو عاقل است
زانکہ در خلوت صفا ہائے دل است

تمام شد مجالس الحکمت

بزمِ جمشید

ملقب بہ اسم تاریخی

خمخانہ باطن

ملفوظات حکیم الامت

ضبط کردہ

صاحب خلق سامی جناب وصل صاحب بلگرامی رحمہ اللہ

تصدیق وتوثیق

از:۔ حضرت حکیم الامۃ مجدد الملت

مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد وصلوۃ نا کارہ آوارہ اشرف علی تھانوی عرض کرتا ہے کہ اس عجالہ حاضرہ کے متعلق مجھ سے اظہار واقع کی درخواست پر باتمثال حکم شرعی ولاتکتموا الشہادۃ سطور ذیل لکھتاہوں کہ میں نے اس مجموعہ ملفوظات ملقب بہ بزم جمشید اوراس کے ضمیمہ کے مسودہ کوجس کو جناب وصل بلگرامی سلمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت خلوص وشوق واحتیاط سے ضبط کیا ہے۔نظر غائر سے دیکھااور مواقع ضرورت پر ترمیم وتمیم سے اصلاح بھی کی۔جس کے بعد ان شاءاللہ تعالیٰ یہ شائقین مستفیدین کے لئے مکمل ذخیرہ ہے اللہ تعالیٰ اس کومقبول ونافع فرماوے اور جامع کو جزائے خیر بخشے والسلام تھانہ بھون ۱۹ر جب ۱۳۵۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم

دنیا نے اپنا رنگ بدلا، زمانے نے کروٹیں لیں، عالم میں تغیر ہوا، تمام کائنات کچھ سے کچھ ہو گئی۔ جدھر دیکھئے نمائش کا ظہور، اثر کا فقدان مسجدوں میں نمائش، خانقاہوں میں نمائش، حجروں میں نمائش، عبادت میں نمائش مجالس میں نمائش، ذکر و شغل میں نمائش، کسی کام میں خلوص نہیں آہ بھی ہے تو بے تاثیر، نالہ بھی ہے تو بے اثر، دعاؤں میں پذیرائی کہاں، فقراء و مشائخ کی صحبتوں میں دل بستگی نہیں۔ علماء و فضلاء سے تقرب حقانیت سے خالی، ان کی وضع ان کی قطع ان کے لباس ان کے مشاغل ان کی معاشرت سب میں فرق، نہ وعظوں میں لطف نہ گفتگو میں مزہ اس حالت اور اس دور میں تشنہ کامان معرفت اور رہنوردان منزل طریقت کے لئے جس قدر دشواریاں ہوں وہ کم ہیں۔ یہ کہاں جائیں کہاں پیاس بجھائیں کس سے راستہ پوچھیں کس کو رہبر بنائیں؟ ان کو آب حیات کا سرچشمہ کہاں ملے؟ یہ خضر کو کہاں پائیں؟ یہ سب کچھ ہے پھر بھی دنیا خالی نہیں، ڈھونڈنے والے ڈھونڈ لیتے ہیں اور پانے والے پا جاتے ہیں۔

خدائے برتر و بزرگ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے فیوض و برکات کو ہمیشہ قائم رکھے ان میں روز افزوں ترقی ہو اور تمام عالم ان سے مستفید، اب بھی وہاں شریعت کی شمع روشن ہے اب بھی وہاں آفتاب معرفت درخشاں و تاباں ہے اب بھی وہاں ابر رحمت گوہر افشانی کر رہا ہے اب بھی وہاں ہدایت کا دریا موجزن ہے لوگ آتے ہیں اور سیراب ہو کر چلے جاتے ہیں۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است ... خم و خمخانہ بامہر و نشان است

حکیم امت مصروف علاج ہے۔ مریض آتے ہیں اور صحت پا کر واپس جاتے ہیں۔ ہر ایک علاج اس کے مرض کے موافق ہر ایک کا نسخہ اس کے مزاج کے مطابق تشخیص جدا، تجویز جدا، پرہیز جدا، غذا جدا، تدبیر جدا، تربیت جدا، تعلیم جدا

ہر ادا اس کی جدا، عشوہ جدا، ناز جدا ... سطوت حسن جدا، شان خدا ساز جدا

لب جاں بخش میں ہیں سینکڑوں اعجاز جدا — نیچی نظروں میں قیامت کے ہیں انداز جدا
مے جدا' شیشہ جدا' میکدہ راز جدا — میرے ساقی کا زمانے سے ہے انداز جدا
ساز عالم سے الگ بول رہا ہے کوئی اور — ساری آوازوں سے سنتا ہوں اک آواز جدا
کس کے ایمائے ترحم کے ہیں فیض و برکات — ہو گئی غم سے میری قسمت ناساز جدا
کرم و لطف کے ہیں ایک ہی انداز مگر — ایک انداز سے ہے دوسرا انداز جدا
صاف آتی ہے نظر اہل محبت کو یہاں — شکل انجام جدا' صورت آغاز جدا
کس کی آواز نے عالم کو کیا ہے بے تاب — کس کی معمورۂ عالم میں ہے آواز جدا
طائران چمن دہر کی پرواز ہے اور — طائر گلشن عرفان کی ہے پرواز جدا
کس مغنی کے یہ اعجاز ہیں اللہ اللہ — لے جدا' نغمہ جدا' سوز جدا' ساز جدا
اڑ کے آتے ہیں یہاں شوق میں آنے والے — ان کے جذبات جدا' قوت پرواز جدا
کھینچے لیتی ہے ادھر دل کشش حسن کلام — اثر انداز ادھر چشم فسوں ساز جدا
ناز قسمت پہ کریں کیوں نہ یہاں کے خدام — مرتبے ان کے جدا' ان کے ہیں اعزاز جدا
یوں تو دنیا میں ہیں غازی و مجاہد لاکھوں — دراشرف پہ ہیں اسلام کے جاں باز جدا
دل لبھاتی ہے الگ رحمت و بخشش کی ادا — حشر ڈھاتی ہے نگاہ غلط انداز جدا
پا گئے اہل طلب دولت کونین الگ — ہو گئے خاص نوازش سے سرافراز جدا
ایسے سلطان پہ سو جاں ہی صدقے اے وصل — جس کے دربار گرامی کے ہیں انداز جدا

یہاں رئیس و امیر' شاہ و گدا سب برابر ہیں۔ کسی کی تخصیص نہیں' کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ رحمت کی بارش نہ ہوتی ہو۔ یہاں کے توسل کی برکتیں ہر ایک کے واسطے یکساں ہیں۔ عقیدت و محبت کی ضرورت ہے یہی چند دن کا واقعہ ہے ہمارے محترم فخر قوم جناب نواب جمشید علی خاں صاحب ام ال اے رئیس باغپت (ضلع میرٹھ) جو حضرت اقدس مدظلہم العالی کے حلقہ خدام میں داخل ہیں مع اپنے اہل و عیال کے تھانہ بھون حاضر ہوئے تھے۔

ساری[1] دنیا کے خزانے ان کے قدموں پہ نثار — جنکو حاصل ہو گئی ہے دولت تھانہ بھون

---

[1] ایک عنایت نامہ میں یہ اشعار احقر کو جناب ڈاکٹر عبدالحئی صاحب بی اے ال ال بی ہومیوپیتھ جو نیز مجاز طریقت حضرت اقدس مدظلہم العالی نے تحریر فرمائے تھے ۱۲ وصل

بس گئی ہے جسکے دل میں نزہت تھانہ بھون — ہیچ ہے اس کی نظر میں باغ عالم کی بہار

وہ جو ہیں آسودگان خلوت تھانہ بھون — کیا کریں ہنگامہ عالم کے جلووں پر نظر

اب گوارا ہی نہیں ہے فرقت تھانہ بھون — آرزو یہ ہے کہ ساری عمر رہنا ہو وہیں

ان کی عقیدت ومحبت کی حالت کسی سے پنہاں نہیں، خود حضرت اقدس مدظلہم العالی فرماتے ہیں کہ اعمال میں تو کچھ کمی ہے مگر محبت وعقیدت میں کمی نہیں اور ان کے یہاں کی مستورات تو اپنے وقت کی رابعہ بصریہ ہیں۔

بالخصوص ان کی اہلیہ تو سراپا خلوص وطاعت ہیں۔ان کے حالات تو دیکھنے سے معلوم ہوتے ہیں میں نے اپنے گھر کے ذریعے سے جس قدر حالات سنے ہیں وہ اس دور میں آپ اپنی مثال ہیں۔ باوجود تنعم کے مزاج میں جس قدر انکسار عجز و بردباری ہے وہ اس زمانے میں مشکل ہے۔محبت وعقیدت میں فنا ہیں۔نواب صاحب کی والدہ نے مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کیا تھا۔ یہ سب برکتیں اور یہ سب اثر اس گرامی توسل کا ہے جو مکہ معظمہ سے حاصل ہوکر باغپت میں آیا تھا اور خدا نے چاہا تو یہ سلسلہ ہمیشہ روز افزوں ترقی کے ساتھ قائم رہے گا۔

نواب صاحب موصوف نے اس مرتبہ تھانہ بھون کے قیام کے زمانہ میں ایک بار مجلس خاص اور ایک بار مجلس عام میں کچھ استفسارات کئے اور اپنی تشفی وتسکین کرنا چاہی حضرت والا نے جس پیرایہ میں ان کے جوابات عطا فرمائے ہیں ان کا لطف سننے سے متعلق تھا۔ بیان یا تحریر میں نہیں آسکتا۔اس وقت ایک عجیب عالم تھا اور ایک عجیب کیفیت۔ یہ بیانات ایسے تھے جن سے عوام وخواص دونوں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔اس لئے وہ کسی نہ کسی طرح ضبط تحریر میں لائے گئے اور بعد ملاحظہ نظر فیض اثر حضرت اقدس مدظلہم العالی بغرض استفادہ عام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں اس مجموعہ کا نام بھی حضرت والا نے اپنی غایت شفقت سے جناب نواب صاحب ممدوح کے نام نامی کی رعایت سے بزم جمشید تجویز فرمایا اس کے بعد اسم تاریخی خمخانہ باطن سے ملقب کیا گیا۔نواب صاحب ممدوح کے زبانی استفسارات کے جوابات کے علاوہ چند اور ضروری ملفوظات بطور ضمیمہ شامل مجموعہ ہذا کئے گئے۔

سہ شنبہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۶ مئی ۱۹۳۹ء
بوقت صبح مجلس خاص

قیامت کی ہولناکی اور شفاعتِ کبریٰ وصغریٰ:

جس میں یہ خادم بھی حاضر تھا حضرت والا کے اس بیان فیض ترجمان پر جو کسی گفتگو کے سلسلہ میں فرمارہے تھے کہ قیامت کا دن بہت سخت دن ہوگا۔ ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوگا ہر ایک پریشان ہوگا۔ سب تنگ آ کر اس امر کی تمنا کریں گے کہ ہمارا حساب کتاب شروع ہو جائے۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے پاس اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ سفارش فرماویں تا کہ جلد حساب کتاب ہو جاوے۔ سب انبیاء علیہم السلام عذر فرمائیں گے جس طرح حدیث شریف میں آیا ہے۔

اس جواب کے بعد تمام مخلوق ہمارے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوگی۔ حضور سفارش کے لئے تشریف لے جائیں گے اور سجدے میں جا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے حد حمد وثناء کریں گے باری تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ آپ اپنے سر مبارک کو اٹھایئے جو سوال آپ کریں گے پورا کیا جائے گا۔

اس پر جناب نواب جمشید علی خاں صاحب نے دریافت کیا۔ کیا اور انبیاء علیہم السلام اپنی امت کی سفارش نہیں کریں گے؟ اس پر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ پہلے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق اور ہر ایک کی امت کی سفارش حساب کتاب شروع ہونے کی فرمائیں گے اور اسی کو شفاعت کبریٰ کہا گیا ہے۔ اس کے بعد ہر نبی اپنی اپنی امت کی نجات ومغفرت کی سفارش کریں گے جس کو شفاعت صغریٰ کہتے ہیں۔ نیز جس کا جس سے

تعلق ہے وہ بھی سفارش کرے گا اور حشر کے متعلق بیان فرمایا کہ یہی بیت المقدس کی سرزمین میدان قیامت بنی ہوئی ہوگی۔ اس کو اس قدر وسیع کر دیا جائے گا کہ تمام عالم اس میں سما جائے گا۔ یہیں مزیان رکھی جائے گی۔ یہیں اعمال تولے جائیں گے۔ یہیں حساب کتاب ہوگا پھر جنت والے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے اور دوزخ والے دوزخ میں۔ اسی سلسلہ میں دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ جنت آسمان پر ہے اور دوزخ زمین کے نیچے بعض اہل کشف کا قول ہے کہ وہی نار اس روز زمین کے اوپر تک آ جائے گی۔ اس وقت سے ڈرنا چاہیے اور عمل نیک کی فکر کرنا چاہیے۔

چہار شنبہ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۹۳۹ء

بوقت صبح مجلس خاص

لندن کے نومسلم شیخ فاروق کی تھانہ بھون حاضری:

کسی ذکر پر جناب نواب جمشید علی خان صاحب سے اس خادم نے شیخ فاروق احمد صاحب (متوطن لندن) کا تذکرہ کیا کہ اسلام لانے سے پہلے انہوں نے انگریز مصنفین کی کتابیں تصوف پر انگریزی میں پڑھی تھیں۔ بالخصوص ایک فرنچ مصنف کی جو مسلمان ہوگیا تھا۔ کیرو میں رہتا تھا اس کا نام عبدالواحد یحیٰی تھا۔ اس کا طریقہ شاذلیہ تھا۔ یہ کتابیں پڑھ کر ان کو تصوف سے خاص دلچسپی ہوگئی اور حصول روحانیت کے شوق و جذبات نے ان پر بہت اثر کیا۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء میں وہ مسجد ووکنگ میں مشرف باسلام ہوئے۔ اس کے ایک سال بعد یعنی ہندوستان آنے سے پانچ ماہ پہلے وہ طریقہ علویہ میں داخل ہوگئے۔ یہ سلسلہ سوئزرلینڈ میں چند فرنچ اور مقامی حضرات نے خلیفہ نورالدین (متوطن سوئزرلینڈ) کی قیادت میں جاری کیا تھا۔ اس درمیان میں ان کو حضرت والا کے چند رسائل کے مطالعہ کا جن کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ موقع ملا جس سے ان کو محسوس ہوا کہ صحیح قدیم اسلامی تعلیم حضرت اقدس کے یہاں ہے۔ اسی زمانہ میں ان سے اور نواب صاحب

(بہاولپور) کے سیکرٹری صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے ان کو اور ان کے بھائی کو جو ان کے ساتھ ہی اسلام لا چکے تھے اور جن کا اسلامی نام (شیخ) شہید اللہ تھا۔ ہندوستان آنے کی دعوت دی یہ دونوں بھائی ان کی دعوت پر ہندوستان آئے اور بہاولپور پہنچے۔ شیخ فاروق احمد صاحب کو پہلے ہی سے تھانہ بھون حاضر ہونے اور حضرت والا کی زیارت کا شوق دامن گیر تھا اور محبت وعقیدت کی آگ ان کے دل میں شروع سے سلگ رہی تھی۔ انہوں نے بہاولپور سے حضرت والا کو تار کے ذریعہ سے اطلاع دی کہ میں فلاں تاریخ اور فلاں وقت مظفر نگر پہنچوگا (کیونکہ ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ تھانہ بھون کس راستہ پر ریل سے جانا ہوتا ہے) حضرت والا نے دو پتوں سے دو تار بہاولپور دئے کہ ان کو بجائے مظفر نگر کے سہارنپور آنا چاہیے۔ سہارنپور اسٹیشن پر ان کو کوئی ایسا شخص ملے گا جو ساتھ لا سکے۔ چنانچہ حضرت اقدس کی منظوری کے بعد یہ خادم سہارنپور گیا خیال تھا کہ وہ یورپین وضع میں ہونگے۔ میں سہارنپور اسٹیشن پر بیمار ہوگیا۔ ویٹنگ روم میں جا کر پڑ گیا اس قابل نہ رہا کہ بہاولپور سے آنے والی گاڑی پر جا کر ان سے مل سکوں، مجبوراً اس کا انتظام کر دیا کہ وہ میرے پاس ویٹنگ روم تک پہنچ جائیں چنانچہ یہی ہوا۔ وہ ویٹنگ روم میں آ گئے۔ اب جو دیکھتا ہوں تو ایک ہندوستانی وضع کے مسلمان نوجوان میرے سامنے ہیں۔ سر پر ترکی ٹوپی تو تھی باقی کل لباس اپنا تھا۔ پاؤں میں پنجابی جوتہ، شلوار پہنے ہوئے جسم پر شیروانی یورپین سرخ وسپید رنگ تو نمایاں ہی تھا۔ لیکن چہرے کو داڑھی اور نورانی بنا رہی تھی۔ غرض ہم دونوں میں تعارف ہوا اور وہ بقیہ رات باتوں باتوں میں نہایت لطف وانبساط کے ساتھ کٹی۔ علی الصباح جناب مولانا حافظ عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے جو چند رفقاء کیساتھ حج سے واپس آنے والے حضرات سے ملنے اسٹیشن پر تشریف لائے تھے۔ شرف نیاز حاصل ہوا۔ فجر کی نماز اسٹیشن سے قریب والی مسجد میں پڑھی۔ وہاں جناب مولوی محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے ملاقات ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد مسجد کے قریب جناب ناظم صاحب تشریف لے آئے اور ان کے ارشاد کے مطابق ہم دونوں مدرسہ مظاہر العلوم میں حاضر ہوئے۔ جناب ناظم صاحب نے مدرسہ دار الطلبہ وغیرہ

کو دکھایا۔ وہاں تھوڑی دیر قیام رہا۔ مولوی محمود الحق صاحب وکیل ہردوئی کے صاحبزادے مولوی ابرار الحق نے جو اسی مدرسہ میں پڑھتے ہیں چائے پلائی جس میں جناب ناظم صاحب نے شرکت فرما کر لطف کو اور دوبالا کر دیا۔ وہاں سے ہم لوگ چھوٹی لائن کے اسٹیشن پر آئے اور ریل پر سوار ہو کر تھانہ بھون پہنچے۔ حضرت والا کی تجویز تھی کہ وہ ایسے مکان میں ٹھہرائے جائیں جس میں ہندوستانی اور انگریزی دونوں قسم کی معاشرت کا انتظام ہو۔

چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو وہ مکان اور کئی جگہیں ان کے آرام کے خیال سے دکھائی گئیں۔ اور خانقاہ شریف کا مہمان خانہ حجرے اور اجابت خانہ بھی دکھا دئے گئے۔ انہوں نے خانقاہ شریف کے قیام کو پسند کیا اور اسی کو سب پر ترجیح دی۔ ظہر کے وقت حضرت اقدس مدظلہم العالی کی زیارت ہوئی۔ میں نہیں کہہ سکتا ان کی کیا حالت تھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی پروانہ شمع پر نثار ہونے والا ہے۔ ان کے جذبات کا عجب عالم تھا وہ کرسی پر بیٹھنے کے عادی تھے۔ دوزانوں پالتھی مار کر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ مگر چاہتے تھے کہ اس طرح بیٹھیں اور مؤدب بیٹھیں لیکن مجبور تھے۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جس طرح چاہیں بیٹھیں انہوں نے بیان کیا کہ میں صحیح صورت میں قدیم اسلام کو دیکھنے آیا تھا۔ وہ یہاں مجھ کو مل گیا۔ میری آرزو پوری ہوگئی۔ میری آنکھوں نے جو دیکھنا تھا دیکھ لیا۔ ان میں قدیم معاشرت' قدیم تمدن' قدیم طرز' قدیم روش اور قدیم چیزوں سے محبت پائی گئی جدید چیزوں اور جدید معاشرت سے تنفر دیکھا گیا۔ حضرت والا کو واسطی قلم سے لکھتے ہوئے دیکھ کر بے حد محظوظ ہوئے۔ کہنے لگے کہ میں نے اکثر علماء کی جیبوں میں فاؤنٹین پن لگے ہوئے دیکھے ہیں مگر حضرت کے یہاں یہ نئی چیزیں نہیں ہیں۔ شیخ فاروق احمد صاحب کئی دن تھانہ بھون میں ٹھہرے اور اس کے بعد وہ میرے ساتھ لکھنو گئے تاکہ تھوڑے عرصہ تک وہاں قیام کر کے اردو زبان کو حاصل کر سکیں۔ لیکن لکھنو میں یہ دیکھ کر لکھنو کی معاشرت بالکل ایسی ہی ہے جیسی لندن کی وہی بے پردگی وہی بیباکی' وہی بے حیائی وہی بے شرمی' اسلامی شعار کا فقدان' اس حالت کو دیکھ کر وہ گھبرا گئے۔ اتفاق سے بیمار ہو گئے اور ان کو پریشان ہو کر لکھنو چھوڑنا پڑا۔ پھر سہارنپور آئے۔ چند دن علاج کے سلسلے میں یہاں رہ کر پھر تھانہ بھون حاضر ہوئے۔

اب ڈیڑھ مہینے کے قریب یہاں قیام رہا اور جب حضرت والا دانت بنوانے کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے ہیں یہ بھی حضرت والا کے ہمراہ لاہور گئے۔ وہیں سے اپنے بھائی کے ہمراہ بہاولپور واپس ہوئے۔ وہاں سے پھر دوبارہ یہ تھانہ بھون آئے اور فیض و برکت کی دولت لئے ہوئے اپنے وطن واپس ہوئے۔ اب دوبارہ یہ ہندوستان آئے ہیں اور فی الحال حیدرآباد میں مقیم ہیں اور تھانہ بھون حاضر ہونے کے لئے بے تاب ہیں۔ یہ ہے مختصر کیفیت ایک تازہ اسلام لانے والے یورپین کی جس کے دل میں کوٹ کوٹ کر اسلامی جذبہ بھرا ہوا تھا' اسلامی اصول کی خوبیاں اس میں سرایت کر گئی تھیں۔ تصوف کی تعلیم نے اس میں اور آگ لگادی تھی۔ وہ بیتاب تھا۔ بے قرار تھا وہ ڈھونڈتا تھا وہ دیکھنا چاہتا تھا وہی قدیم اسلام' وہی قدیم مسلمان وہی قدیم علماء وہی قدیم مشائخ وہی قدیم صوفیہ' وہی قدیم طرز وہی قدیم روش۔ اس کی آگ یہاں بجھی۔ اس کی تشنگی یہاں کم ہوئی اگر اس کو اپنی معیشت کی طرف سے بالکل اطمینان ہوتا تو وہ کبھی تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اور حضرت اقدس کی صحبت گرامی کو ایک لمحے کے لئے بھی نہ چھوڑتا۔

اس کی پیاس بالکل بجھ جاتی۔ اس کو دارین کی دولت یہیں حاصل ہو جاتی اور اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سکون حاصل ہو جاتا اور خدا کی قدرت سے کچھ دور نہیں کہ وہ زمانہ آئے اور اس کی یہ تمنا پوری ہو کر رہے۔

شیخ حسین بن منصور حلاج کا معاملہ

تھانہ بھون کے قیام کے زمانہ میں شیخ فاروق احمد صاحب نے نہ معلوم کتنے سوالات کئے اور کیا عرض کیا جائے کہ کیا کیا جوابات پائے۔ بعض سوالات بے حد دقیق تھے جن کے جوابات حضرت والا نے ایسے دیئے کہ بے ساختہ ان کے منہ سے نکل جاتا تھا میں نے نہ جانے کتنے علماء سے یہی باتیں پوچھیں مگر ایسے تشفی بخش جوابات کسی سے نہیں سنے۔ منجملہ مختلف سوالات کے ایک سوال انہوں نے حسین بن منصور حلاجؒ کے متعلق بھی کیا تھا کہ ان کے زمانہ کے علماء نے ان کے قتل کا فتویٰ کیونکر دیا۔

خلق اللہ کے پتھر مارنے پر ان کا صبر و تحمل اور حضرت شبلی کے ایک پھول پھینکنے پر ان کا چیخنا اور شکایت کرنا جو مشہور واقعات ہیں یہ امور سمجھ میں نہیں آئے۔

(۳) حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ دراصل ابن منصور کامل نہیں تھے۔ ناقص تھے اور جو کلمہ ان کے منہ سے نکلا تھا وہی ان کے نقص کی دلیل ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام سب کامل ہوتے ہیں اور کسی نبی سے انا الحق کہنا منقول نہیں۔ اگر یہ کچھ کمال کی بات تھی تو انبیاء سے اس کا صدور ضرور ہوتا۔ پس انبیاء سے اس کا صادر نہ ہونا دلیل ہے اس حالت کے ناقص اور اس کلمہ کے خلاف ادب ہونے کی۔ اور ابن منصور سے علماء نے جو گفتگو کی تھی اس سے ان کا مجنون و مختلف الحواس ہونا ظاہر نہ ہوتا تھا۔ اس لئے فتویٰ قتل کا دیدیا۔ پھر فرمایا کہ جس زمانہ میں ابن منصور مکہ معظمہ میں جبل ابوقبیس پر خلوت گزین تھے اس زمانہ میں ایک بزرگ کا مکہ معظّمہ میں ورود ہوا لوگوں نے ان سے ابن منصور کی بہت تعریف کی اور عرض کیا کہ وہ جبل ابوقبیس پر تشریف رکھتے ہیں وہ بزرگ ان سے ملنے گئے۔ اس وقت ابن منصور جہاں بیٹھے ہوئے مشغول ذکر تھے وہاں دھوپ آ گئی تھی مگر ابن منصور وہاں سے اٹھے نہیں دھوپ ہی میں بیٹھے رہے۔ چہرہ تمتما رہا تھا اور تمام بدن سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ بزرگ بغیر ملے واپس چلے آئے اور فرمایا کہ عنقریب یہ شخص کسی بڑی بلا میں گرفتار ہوگا کیونکہ اس نے اپنے آپ بلا کو اختیار کر رکھا ہے جب اس جگہ دھوپ آ گئی تھی اور دوسری جگہ سایہ موجود تھا تو سایہ میں چلا جانا چاہیے تھا سنت یہی ہے۔ از خود بلا کو سر پر لینا خلاف سنت ہے۔

اس مقام پر بہت لوگوں کو مغالطہ ہو جاتا ہے بعض دھوپ میں بیٹھے رہنے کو نفس کشی اور مجاہدہ سمجھتے ہیں اور سایہ کی طرف منتقل ہونے کو نفس پرستی اور تعیش خیال کرتے ہیں۔ دونوں امور خلاف سنت ہیں۔

بغض فی اللہ اور تواضع کیسے جمع ہو سکتے ہیں

اس طریق میں بعض حالات محمودہ اور مذمومہ ایسے ملے جلے ہوئے ہیں کہ ان میں

امتیاز کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ مثلاً گنہگار سے بغض فی اللہ کا بھی حکم ہے اور اپنے کو سب سے کمتر جاننا بھی ضروری ہے۔ اب بعض لوگوں کی عقل میں نہیں آتا کہ گنہگار سے بغض فی اللہ کرتے ہوئے تکبر سے حفاظت کیونکر ہو سکتی ہے۔ یقیناً جب اس سے بغض ہوگا تو اپنے کو اس سے افضل جانے گا۔ یہی تکبر ہے جو حرام ہے اس لئے بعض ناقصین نے پریشان ہو کر کہہ دیا ہے۔

درمیاں قعر دریا تختہ بندم کردۂ　　بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

مگر عارفین محققین نے دونوں کو جمع کر کے دکھا دیا ہے چنانچہ ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ گنہگار سے بغض ونفرت اور ملامت کے وقت تمہاری وہ حالت ہونا چاہیے جو حالت جلاد کی ہوتی ہے جبکہ بادشاہ اس کو شاہزادہ کے بید لگانے کا حکم دے۔ حکم کی وجہ سے شاہزادے کے بید ضرور لگائے گا لیکن عین بید لگانے کی حالت میں اس کو یہ وسوسہ بھی نہ آئے گا کہ میں شاہزادے سے افضل ہوں۔ وہ اپنے کو بھنگی اور حقیر ہی سمجھے گا اور شاہزادہ کو شاہزادہ ہی خیال کرے گا۔ اور بید لگانے میں اپنے کو معذور و مجبور جانے گا۔ بس یہی حال عارف کا ہوتا ہے وہ اہل معصیت پر سیاست کرتے وقت محض حکم کی وجہ سے سب کچھ کرتا ہے لیکن اپنی افضلیت کا اس کو وسوسہ بھی نہیں آتا۔ سبحان اللہ۔

حضرات عارفین کے سامنے یہ حقائق اس طرح منکشف ہیں گویا مشاہدہ کر رہے ہیں معقول کو محسوس کر لینا انہیں حضرات کا کام ہے۔ دیکھئے اس مثال میں کیسی آسانی سے بغض فی اللہ اور تواضع کا اجتماع واضح کر دیا۔

ابن منصور سے اپنے شیخ کی ناراضگی

پھر ارشاد فرمایا کہ ابن منصور حضرت جنیدؒ سے بیعت تھے مگر حضرت جنید ان سے خوش نہ تھے بلکہ ناراض تھے کیونکہ ابن منصور اسرار کو ظاہر کر دیتے تھے۔ ضبط نہ کرتے تھے وہ اپنے کو ضبط سے عاجز سمجھتے تھے۔ مگر حضرت جنیدؒ جانتے تھے کہ یہ ضبط سے عاجز نہیں ہیں اگر ہمت کریں تو ضبط کر سکتے ہیں۔

اسرار باطن کا ضبط

اس میں بہت لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے بعض دفعہ وہ اپنے کو ضبط سے عاجز سمجھنے لگتے

ہیں۔ حالانکہ فی نفسہ عاجز نہیں ہوتے۔ اس کا فیصلہ خود نہیں کرنا چاہیے بلکہ شیخ سے رجوع کرنا چاہیے اس طریق میں اتباع شیخ کی سخت ضرورت ہے۔

؎ یار باید راہ را تنہا مرو — بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

بلکہ ہمیں تو ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر کسی کا شیخ زندہ نہ ہو وہ بھی مشکلات میں اپنی رائے سے فیصلہ نہ کرے بلکہ اس کو اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ غرض چھوٹے بڑوں کا اتباع کریں اور بڑے چھوٹوں سے مشورہ لیں۔

اس امت کے چھوٹے اور بڑے سب کام کے ہیں اور اس رائے کا ماخذ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے **وشاورھم فی الامر** حضور کو صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم ہے لیکن یہ حکم نہیں کہ ان کے مشورہ پر عمل کریں بلکہ عمل کے متعلق ارشاد ہے **فاذا عزمت فتوکل علی اللہ** کہ مشورہ کے بعد آپ کا جو ارادہ ہو جائے اللہ پر توکل کر کے اس پر عمل کر لیجئے۔ اہل شوریٰ کی رائے کا اتباع ضروری نہیں۔ مشورہ کا حکم محض اس لئے ہے کہ اس کی برکت سے حق واضح ہو جاتا ہے۔ خواہ مشورہ دینے والوں کی رایوں میں سے کسی ایک رائے کا حق ہونا واضح ہو جائے یا سب رایوں کے سننے سے کوئی اور صورت ذہن میں آ جائے جو حق ہو۔ یہ ماخذ اسی وقت ذہن میں آیا پہلے ذہن میں نہ تھا۔ صرف قواعد سے میں یہ مسئلہ بیان کیا کرتا تھا کہ شیخ کو اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ تو حضرت جنیدؒ کی رائے میں ابن منصور ضبط سے عاجز نہ تھے۔ اسی لئے وہ ان سے مکدر اور ناراض تھے۔

حضرت شبلیؒ مغلوب الحال تھے:

حضرت شبلیؒ سے ناخوش نہیں تھے۔ حالانکہ وہ بھی بہت مغلوب الحال ہیں اور ان سے شطحیات (خلاف ادب باتیں ۱۲) کا صدور بہت ہوا ہے بعض دفعہ وہ غلبہ حال میں حضرت جنیدؒ کے زنانہ مکان میں بلا اجازت چلے جاتے تھے۔ اور حضرت جنید اپنی فراست سے صورت دیکھتے ہی پہچان لیتے تھے کہ مغلوب الحال ہیں۔ بعض دفعہ جب حضرت شبلی آتے تو حضرت جنید کی بیوی پردے میں جانے کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ حضرت جنیدؒ ان کو ہاتھ پکڑ

کر بٹھا دیتے۔ فرماتے شبلی اس وقت ہوش میں نہیں پردہ بیکار ہے۔ پھر شبلی باتیں کرتے کرتے رونے لگتے اس وقت حضرت جنید اپنی بیوی سے فرماتے اب شبلی کو ہوش آ رہا ہے پردہ کرلو۔ دیکھئے رونا جو عام لوگوں کے نزدیک غلبہ حال کی دلیل ہے۔ وہ اس کو ہوش کی دلیل سمجھتے تھے یہ کمال فراست تھا حضرت جنید کا۔

شیخ کی ناراضگی کا اثر:

غرض حضرت جنیدؒ ابن منصور سے ناراض تھے اور شیخ کی ناراضی و تکدر سے گو آخرت میں مواخذہ نہ ہو کیونکہ وہ نبی نہیں ہے جس کی ناراضی سے گناہ ہو مگر تجربہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو دنیا میں کبھی چین نصیب نہیں ہوتا چنانچہ ابن منصور کو بھی چین نصیب نہ ہوا عمر بھر پریشان ہی رہے۔ یہاں تک کہ انا الحق کہنے پر فتویٰ کفر کا لگایا گیا۔

الہام

اسی سلسلہ میں الہام کا حکم بیان فرمایا کہ اسی طرح الہام کی مخالفت سے آخرت میں مواخذہ نہیں ہوگا۔ مگر تجربہ یہ ہے کہ دنیا میں نقصان ضرور پہنچتا ہے۔ چنانچہ ایک مقامی بزرگ کسی نو وارد مسافر بزرگ سے ملنے کو اٹھے۔ الہام ہوا نہ جاؤ۔ یہ بیٹھ گئے۔ پھر خیال ہوا کہ یہ الہام نہیں خیال ہوگا۔ آخر ان سے ملنے میں کیا حرج ہے۔ چنانچہ پھر اٹھے' پھر الہام ہوا نہ جاؤ' یہ بیٹھ گئے۔ تیسری مرتبہ پھر اٹھے پھر وہی الہام ہوا۔ مگر یہ نہ رکے اور چل کھڑے ہوئے۔ دو چار قدم چلے ہوں گے کہ گر پڑے اور ٹانگ ٹوٹ گئی۔

الہام کی مخالفت کی تھی۔ یہ ضرر ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بزرگ مبتدع تھے۔ یہ اگر ان سے ملنے جاتے تو عوام کا دین خراب و تباہ ہو جاتا۔ تو ابن منصور پر حضرت جنیدؒ کے تکدر سے وبال آیا گو آخرت میں وہ معتوب نہ ہوں گے کیونکہ اپنے خیال میں وہ معذور تھے۔

بعض دفعہ اپنے آپ کو عاجز سمجھ لیتے ہیں حالانکہ عاجز نہیں ہوتے

بعض لوگ اب بھی ایسے موجود ہیں جو بعض احوال میں اپنے کو عاجز سمجھ لیتے ہیں مگر

شیخ کے سامنے اس حالت کو بیان کر دیتے ہیں تو شیخ سمجھ لیتا ہے کہ وہ معذور ہیں یا نہیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ اجنبی عورت کو دیکھنے کے بعد ضبط کی قدرت نہیں رہتی۔ نگاہ پھیرنے سے عاجز ہو جاتا ہوں۔ میں نے لکھا بالکل غلط ہے قدرت تو ہے مگر تکلیف کے ساتھ۔ اور تم اس تکلیف کے تحمل سے گھبراتے ہو۔ اس لئے اپنے کو عاجز سمجھتے ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اپنے دل میں ٹٹولو کہ اگر اس عورت کے ساتھ اس کا شوہر یا باپ بھی ہو اور تم کو یہ یقین ہو کہ عورت کو گھورنے کی اطلاع اس کے شوہر یا باپ کو ہو جائے گی وہ تم کو گھورتے ہوئے دیکھ لے گا تو کیا اس وقت بھی تم کو اس کے گھورنے کی جرات ہوگی۔ اقرار کیا کہ اس وقت تو یہ جرات نہ ہوگی۔ میں نے کہا کہ بس معلوم ہو گیا کہ نگاہ پھیرنے پر قدرت موجود ہے مگر تم اس سے کام نہیں لیتے کیونکہ اس میں ذرا نفس کو تکلیف ہوتی ہے۔

سماع کے بارے میں صوفیاء اور فقہاء کا طرز عمل

اس بیان کے ختم ہونے کے بعد جناب نواب جمشید علی خاں صاحب نے دریافت کیا کہ بزرگوں سے جو سماع منقول ہے کیا وہ ایسا ہی تھا جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے؟

(۴) فرمایا ہرگز نہیں سماع کے لئے بزرگوں نے اکیس بائیس شرطیں لکھی ہیں۔ جن کا آج کل نام و نشان بھی نہیں ہے۔ حضرت نظام الدین سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ صاحب سماع تھے مگر فوائد الفواد میں جس میں ان کے ملفوظات ہیں صاف تصریح ہے کہ سماع کے لئے چار شرطیں ہیں۔ سامع، مسمع، مسموع، آلہ سماع۔ سامع اہل ہوی و شہوت نباشد، سننے والا اہل نفس و ہوس سے نہو۔ بلکہ صاحب دل صاحب حال ہو۔ مسمع زن و کودک نباشد مرد تمام باشد سنانے والا عورت یا لڑکا نہ ہو بلکہ پورا مرد ہو۔ مسموع ہزل و فحش نباشد۔ اشعار ہزل اور فحش نہ ہوں بلکہ بزرگوں کا کلام ہو۔ حمد و نعت ہو۔ آلہ سماع کے متعلق تصریح ہے چنگ و رباب درمیان نباشد، کہ مزامیر درمیان میں نہ ہوں۔ بس ان کا سماع صرف یہ تھا کہ کوئی شخص خوش الحان کوئی غزل یا حمد و نعت سنا دے اور سننے والے سب اہل دل ہوں فساق و فجار کا اجتماع نہ ہو۔ گانے والا بھی اپنے ہی مجمع کا ہو۔

ایک مرتبہ حضرت سلطان جی کو سماع کا تقاضا ہوا۔ فرمایا کوئی قوال تلاش کرو۔ خدام نے تلاش کیا کوئی نہ ملا۔ فرمایا حمید الدین ناگوریؒ کے مکتوبات لاؤ۔ یہ آپ کے اصحاب میں سے ہیں ان کے خطوط کسی خادم کے پاس جمع تھے۔ چنانچہ وہ مکتوب لائے گئے فرمایا سناؤ۔ چنانچہ ایک خط پڑھا گیا۔ جس کا پہلا جملہ یہ تھا۔ از خاکپائے درویشاں و گرد راہ ایشاں حمید الدین ناگوری اس جملہ کا سننا تھا کہ حضرت سلطان جیؒ کو وجد آ گیا۔ اور تین روز تک یہ حالت رہی۔ یہ تھا ان کا حضرات کا سماع مگر فقہاء اس کو بھی حرام کہتے ہیں کیونکہ سماع کی خاصیت ہے کہ وہ کیفیت موجود کو قوی کر دیتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر اس سماع کی بھی اجازت دیدی جائے گی تو ان میں جو کیفیت اس وقت موجود ہے اس کو قوت ہوگی اور زیادہ تر نفس میں شر ہے اس کو قوت ہو کر وہ مفاسد کی طرف مفضی ہوگا۔ کیونکہ عوام میں شہوت اور نفس کی خواہش غالب ہے۔ سماع سے اس میں ہیجان ہوگا۔ قوت بڑھ جائے گی اور اس سے سخت مفاسد پیدا ہوں گے چنانچہ شاہ لطف رسول صاحب نے ایک درویش کا واقعہ بیان کیا کہ وہ اپنی ایک مریدنی سے گانا سنا کرتا تھا۔ ایک روز عین حالت سماع میں نفس کو جوش ہوا۔ عورت کا ہاتھ پکڑ کر حجرے میں لے گیا اور منہ کالا کیا۔ فراغت کے بعد باہر آ کر مریدوں سے کہنے لگا جب آیا جوش نہ رہا ہوش۔ تو عوام کو سماع کی اجازت دینے میں یہ مفسدہ ہے اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے الغناء رقیة الزنا غنا زنا کا منتر ہے۔ فقہاء چونکہ منتظم ہیں تمام عالم کا انتظام ان کے سپرد ہے اس لئے وہ بعض دفعہ ایسی چیز کو بھی منع کرتے ہیں جس میں شرعاً کچھ گنجائش بھی ہو سکتی ہے جس طرح وبا کے زمانہ میں ڈاکٹر کھیرے ککڑی کو مطلقاً منع کر دیتا ہے۔ اگرچہ قلیل مقدار مضر نہیں ہوتی اور صحیح المعدہ کو زیادہ مقدار بھی مضر نہیں ہوتی۔ لیکن اگر ڈاکٹر اس تفصیل سے منع کرے گا تو کوئی بھی اس کے کھانے سے باز نہ آئے گا۔ ہر شخص اپنے کو صحیح المعدہ سمجھنے لگے گا اور کثیر مقدار کو بھی قلیل ہی کہے گا۔ اس لئے انتظام کا مقتضی یہی ہے کہ وباء کے زمانہ میں کسی کو بھی کھیرے ککڑی کی اجازت نہ دی جائے۔ بلکہ کھیتوں میں ان کو ڈلوا دیا جائے۔ یہی حالت فقہاء کی ہے کہ حضرات صوفیہ نے جس سماع کو اختیار کیا تھا اور شرعاً اس میں گنجائش بھی تھی مگر فقہاء نے انتظاماً اس سے بھی منع

فرما دیا۔ چنانچہ حضرت سلطان جیؒ کا سماع شرعاً ناجائز نہ تھا کیونکہ وہ آداب وحدود کی رعایت کے ساتھ تھا مگر فقہاء اس کو بھی بدعت کہتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور عوام کو اجازت دینے میں مفسدہ ہے۔

حضرت نظام الدینؒ کا سماع اور قاضیٔ وقت

حضرت سلطان جیؒ کے زمانہ میں قاضی ضیاء الدین سنامی قاضی تھے وہ ہمیشہ حضرت سلطان جی کے سماع پر نکیر کرتے تھے ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ حضرت سلطان جیؒ کے یہاں مجلس سماع گرم ہے وہ درہ لے کر اپنے حشم وخدم کے ساتھ وہاں پہنچے۔ ایک بڑے خیمے کے اندر سماع ہو رہا تھا۔ قاضی صاحب اور ان کے خدم وحشم کو سلطان جی تک پہنچنے کا راستہ نہ ملا۔

خیمہ مجمع سے بھرا ہوا تھا۔ راستہ نہیں مل سکتا تھا۔ صوفیوں کو قاضی ومحتسب کی کیا پروا تھی۔ وہاں ان کو کون راستہ دیتا اور کون سلطان جیؒ تک پہنچاتا۔ صوفیہ تو بادشاہ کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ یہاں تو سب اپنے حال میں مست تھے۔ قاضی صاحب کا جب کوئی زور نہ چلا تو فوج کو حکم دیا کہ خیمے کی طنابیں کاٹ دی جائیں تاکہ خیمہ گر پڑے اور اس کے نیچے دب کر یہ لوگ سماع کو بند کر دیں مگر طنابیں کاٹ دینے کے بعد بھی خیمہ اور چوبیں اسی حالت میں قائم رہیں۔ یہ حضرت سلطان جیؒ کی کرامت تھی۔ مگر قاضی صاحب بھی اپنی دھن کے ایسے پکے تھے۔ فرمانے لگے کہ میں اس ڈھونگ کا قائل نہیں۔ بدعتی سے ظاہر میں کرامت بھی صادر ہو تو وہ کرامت نہیں۔ اور یہ کہہ کر اچھا پھر کسی وقت آؤں گا اس وقت واپس گئے کچھ زمانہ کے بعد پھر تشریف لائے اور برابر نکیر کرتے رہے۔

حضرت شاہ خوب اللہ صاحب الہ آبادی جو بڑے بزرگ تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام سے ملا کرتے تھے ان کے خاندان میں مشہور ہے کہ ایک کتاب پر حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ف ہے۔ ان سے کسی نے سماع کی بابت دریافت کیا کہ آپ کی رائے اس بارہ میں کیا ہے؟ آپ نے جواب لکھا کہ میں ایک واقعہ لکھتا ہوں اس سے فیصلہ کر لو۔ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ صاحب سماع تھے۔ اور حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی منکر سماع ان پر نکیر کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ مجلس سماع کی خبر سن کر تشریف لائے اور اس پر نکیر

کرنے لگے۔ حضرت سلطان جیؒ نے فرمایا کہ اچھا اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھوا دیں تب تو پیچھا چھوڑ و گے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ ہاں حضور سے پچھوا دو۔ اس کا ان کو یقین تھا کہ سلطان جیؒ اس درجہ کے ہیں کہ حضور کی زیارت کرا دیں گے۔ معتقد بھی تھے اور منکر پر نکیر بھی کرتے تھے۔ سلطان جیؒ ان کی طرف متوجہ ہوئے اس تصرف سے ان پر ایک حالت غنودگی اور غیبت کی طاری ہوگئی۔ اس حالت میں ان کو منکشف ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دربار میں رونق افروز ہیں۔ قاضی صاحب کو دیکھ کر فرمایا کہ فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو۔ قاضی صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اس وقت اپنی حالت کی حقیقت معلوم نہیں کہ میں ہوش میں بھی ہوں یا نہیں؟ اور حضور کے جو ارشادات ثقہ راویوں کے واسطہ سے عالم بیداری میں ہم تک پہنچے ہیں وہ اس ارشاد پر مقدم ہیں ان کو اس ارشاد کی وجہ سے چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اس جواب پر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اس کے بعد قاضی صاحب کو افاقہ ہوا۔ حضرت سلطان جیؒ نے فرمایا دیکھا ہم نے حضور سے پچھوا بھی دیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا اور دیکھا ہم نے جواب بھی عرض کر دیا۔ اس کے بعد مجلس سماع گرم ہوئی اور حضرت سلطان جیؒ پر وجد طاری ہو گیا اور کھڑے ہو گئے۔ قاضی صاحب نے کھڑے ہو کر ان کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ اس کے بعد

سلطان جیؒ کو وجد ہوا اور کھڑے ہو گئے۔ قاضی صاحب نے پھر ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ تیسری بار پھر سلطان جی کو وجد ہوا اور کھڑے ہو گئے۔ قاضی صاحب نے پھر ہاتھ پکڑ کر بٹھانا چاہا مگر اب خود ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور دیر تک ادب کے ساتھ کھڑے رہے۔ جب سلطان جیؒ کو افاقہ ہوا اور وہ خود ہی بیٹھ گئے تو یہ بھی بیٹھے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ پھر آؤں گا۔ میں ان باتوں سے ہٹنے والا نہیں۔ راستے میں کسی نے دریافت کیا کہ آپ سلطان جیؒ پر نکیر کرنے گئے تھے۔ پھر خود ہی ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کیوں کھڑے ہو گئے۔ فرمایا جب ان کو پہلی بار وجد ہوا ہے تو ان کی روح نے آسمان دنیا تک پرواز کیا۔ میں ان کو وہاں سے یہ کہہ کر واپس لے آیا کہ تم کو زمین پر رہنا چاہیے آسمان پر کہاں جاتے ہوں۔ دوبارہ جب وجد ہوا تو روح نے تخت العرش تک پرواز کیا یہاں تک بھی میری رسائی

تھی۔ وہاں سے بھی میں ان کو واپس لے آیا۔ تیسری بار جب وجد ہوا ہے تو فوق العرش پہنچ گئے۔ میں نے وہاں سے بھی واپس لانا چاہا تو حاملان عرش نے مجھ کو روک دیا کہ آگے تمہارا مقام نہیں یہ نظام الدین ہی کا مقام ہے۔ وہی فوق العرش جا سکتے ہیں اس وقت حاملان عرش کے ادب سے میں نے ہاتھ باندھ لئے تھے نہ کہ بدعتی کی تعظیم کے لئے۔ واقعی انتظام اسی کا نام ہے۔ باوجود سلطان جی کے مقام سے واقف ہونے کے ان کے جس فعل کو وہ بدعت سمجھتے تھے برابر اس پر انکار کرتے رہے۔

قاضی ضیاء الدین کی وفات کے وقت حضرت نظام الدین کی ملاقات

پھر قاضی صاحب کی وفات کا وقت جب قریب آیا اور حضرت سلطان جی کو اس کا علم ہوا تو عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ خادم نے قاضی صاحب کو سلطان جی کے تشریف لانے کی اطلاع دی۔ فرمایا ان سے کہہ دو کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کا وقت ہے اس وقت میں بدعتی سے ملنا نہیں چاہتا۔ سلطان جیؒ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں ایسا بے ادب نہیں ہوں کہ بدعت میں ملوث ہو کر آپ کے پاس آؤں میں اس سے توبہ کر کے آیا ہوں۔ والتائب من الذنب کمن لاذنب له یہ جواب سن کر حضرت قاضی صاحب آبدیدہ ہو گئے۔ اور اپنا عمامہ خدام کو دیکر فرمایا کہ اس کو بچھا دو اور سلطان جیؒ سے عرض کرو کہ اس پر پاؤں رکھتے ہوئے تشریف لائیں۔ میں ان کے مقام سے واقف ہوں۔ ان میں ایک ہی کسر تھی جب وہ نہیں رہی تو اب وہ اس قابل ہیں کہ میرے عمامہ پر قدم رکھتے ہوئے تشریف لائیں۔ خدام نے حکم کی تعمیل کی اور عمامہ [illegible] پر بچھا دیا۔ حضرت سلطان جی نے وہ عمامہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور فرمایا یہ دستار شریعت ہے اس پر میں قدم رکھوں میری کیا مجال ہے۔ اس کو تو میں سر پر رکھوں گا۔ چنانچہ سر پر رکھے ہوئے تشریف لائے۔ قاضی صاحب نے بڑی تعظیم و تکریم سے بٹھایا اور عرض کیا کہ حضرت اب میرا آخری وقت ہے توجہ فرمایئے کہ خاتمہ ایمان پر ہو۔ سلطان جیؒ یہ سن کر دیر تک متوجہ رہے اور رخصت ہو کر دہلیز تک پہنچے

تھے کہ قاضی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ حضرت سلطان جیؒ پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمانے لگے کہ افسوس آج شریعت کا ستون منہدم ہو گیا۔

اللہ اللہ ساری عمر تو قاضی صاحب آپ پر نکیر کرتے رہے اور آج قاضی صاحب کے وصال پر آپ افسوس کرتے ہیں روتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ شریعت کا ستون منہدم ہو گیا۔ یہ تھے اللہ والے یہ عالم تھا ان کے اخلاص کا۔ ان میں محبت تھی تو اللہ کے لئے وہ لڑتے تھے تو اللہ کے لئے۔ شاہ خوب اللہ صاحب یہ واقعہ لکھ کر فرماتے ہیں کہ نہ میں سلطان نظام الدین اولیاء ہوں جو سماع کو جائز کہوں اور نہ قاضی ضیاء الدین سنامیؒ ہوں جو اس پر نکیر کروں یہ مفصل روایت الہ آباد میں شاہ محمد بشیر صاحب نے مجھ سے نقل کی۔

حضرت نظام الدینؒ کے بارے میں حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد

مجھ کو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ بہت پسند آیا جو میں نے مولوی الیاس (صاحب سے سنا ہے یہ یاد نہیں کہ مولوی الیاس نے بلا واسطہ حضرت سے سنا ہے یا دوسرے کے واسطہ سے۔ بہر حال راوی ثقہ ہیں ان کا بیان ہے کہ مولانا گنگوہی سے کسی نے سوال کیا کہ کیا حضرت سلطان جیؒ عالم تھے فرمایا جی ہاں اور بڑے عالم تھے پھر سوال کیا کہ کیا حضرت سلطان جی سماع سنتے تھے فرمایا ہاں سنتے تھے۔ پھر عرض کیا کہ ان کے پاس جواز کی کوئی دلیل ہو گی فرمایا ضرور ہو گی پھر عرض کیا کیا دلیل ہو گی فرمایا ہمیں معلوم نہیں۔ سبحان اللہ۔ اس کو ادب کہتے ہیں شریعت کے ادب کو بھی نہیں چھوڑا اور بزرگوں کے ادب کا بھی لحاظ رکھا۔ یہ ہیں کمالات جن کے سامنے کرامات حسیہ کی کچھ حقیقت نہیں یہ جواب صاحب کمال ہی دے سکتا ہے۔ ناقص سے ممکن نہیں۔

حضرت خواجہ بختیار کاکی سے سماع پر علماء کا مناظرہ

نزہۃ الخواطر میں حضرت سلطان جی کا وہ مناظرہ منقول ہے جو علمائے دہلی سے دربار شاہی میں ہوا ہے۔ اس میں سلطان جی نے تصریح فرمائی ہے کہ مزامیر تو حرام ہیں اور بلا مزامیر کے جو سماع ہو اس کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں۔ حضرت سلطان جیؒ اور حضرت شاہ

فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہما یہ دونوں تو بڑے عالم تھے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ امی تھے اور صاحب سماع تھے۔ ان کو بچپن ہی سے درجہ ولایت حاصل تھا۔ وہ مادر زاد ولی تھے۔ ان سے بچپن ہی سے کوئی فعل خلاف ورع صادر نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ علمائے دہلی نے حضرت قطب صاحب کے سماع پر نکیر کا ارادہ کیا تو پہلے باہم مشورہ کیا کہ وہاں جا کر کیا کہا جائے۔ اس پر سوال و جواب ہوتے رہے کہ اگر یہ کہا جائے گا تو وہ یہ جواب دیں گے یہ کہا جائے گا تو وہ یہ کہیں گے۔ غرض آپس ہی میں انہوں نے تمام دلائل کا جواب دیدیا پھر اس پر اتفاق ہوا کہ قطب صاحب بھی امرد ہیں اور سماع کے لئے یہ شرط ہے کہ مجلس میں امرد نہ ہو۔ بس یہی بات کہی جائے اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ چنانچہ اس امر کے طے ہونے کے بعد سب لوگ وہاں پہنچے اور یہی بات پیش کی۔ حضرت قطب صاحبؒ نے فرمایا۔ بس یہی وجہ انکار کی ہے۔ یہ فرما کر بسم اللہ کہہ کر چہرے پر ہاتھ پھیرا تو اس وقت اچھی خاصی لمبی داڑھی ظاہر ہو کر چہرے پر نمودار ہو گئی۔

یہ کرامت دیکھ کر سب علماء قدموں پر گر گئے اور خواستگار معافی ہوئے۔ دیکھئے اس زمانہ کے علماء بھی ایسے ہوتے تھے کہ فوراً ہی اپنی غلطی کا اقرار کر کے طالب معافی ہوئے۔

شاہ عبدالرحیمؒ کی حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی روحانیت سے گفتگو

حضرت قطب صاحب کا ایک واقعہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ قطب صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ وسوسہ ہوا کہ نا معلوم ان کو میرے آنے کی خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں فوراً ہی قبر سے آواز آئی۔

مرا زندہ پندار چون خویشتن   من آیم بجان گر تو آئی بہ تن

اس کے بعد ایک مرتبہ جب شاہ عبدالرحیم صاحب حاضر مزار شریف تھے۔ ان پر حضرت قطب صاحب کی روحانیت کا انکشاف ہوا۔ اس وقت شاہ صاحب نے عرض کیا کہ سماع کی نسبت آپ کی کیا تحقیق ہے۔ فرمایا شعر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ شاہ صاحب

نے عرض کیا کہ الشعر کلام موزون حسنه حسن و قبیحه قبیح . فرمایااورصوت حسن کی نسبت کیا کہتے ہوعرض کیا یزید فی الخلق مایشاء بعض علماء نے اس آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ اس زیادت سے مرادصوت حسن ہے فرمایااگر یہ دونوں جمع ہو جاویں اس وقت تم کیا کہو گے۔عرض کیا نور علی نور یهدی الله لنوره من یشآء فرمایابس ہمارا سماع یہی تھا اس کے بعد انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک تخت نازل ہوا جس پر ایک بزرگ رونق افروز ہیں۔ حضرت قطب صاحب ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تخت پھر آسمان پر اٹھ گیا تو شاہ صاحب نے حضرت قطب صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ تھے۔فرمایا یہ خواجہ بہاءالدین نقشبند تھے۔

شاہ صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو سماع کے منکر تھے آپ نے ان کے سامنے اپنی تحقیق کیوں نہ بیان فرمائی۔فرمایاادب کے خلاف تھا۔ یہ حضرات عالم برزخ میں بھی ایک دوسرے کا ادب کرتے ہیں۔

سماع غذا نہیں علاج ہے:

نواب جمشید علی خان صاحب نے عرض کیا کہ بعض لوگ مزامیر کی اجازت کے واسطے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لڑکیوں نے دف بجا کر گایا ہے۔فرمایا وہ کوئی باقاعدہ گانا نہ تھا۔نہ وہ لڑکیاں گانے والی تھیں۔یونہی بے قاعدہ گانا بجانا تھا۔پھر فرمایا کہ گو حدیث سے شادی وغیرہ کے موقع پر دف کی اجازت ہے۔اور سماع صوفیہ کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔مگر بعض دفعہ مصلحت انتظام کے لئے امر مباح سے بھی منع کیا جاتا ہے۔جیسا پہلے کہہ چکا ہوں اور راز اس میں وہی ہے کہ عوام کو اس میں گنجائش دینے سے کسی بڑے مفسدہ کا اندیشہ ہوجاتا ہے کیونکہ عوام تو عوام بعض دفعہ اہل سلوک بھی اس غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ہم شہوات سے بری ہیں اس لئے وہ اپنے کو سماع کا اہل سمجھنے لگتے ہیں۔اصل یہ ہے کہ سماع غذا نہیں دوا ہے۔ غذا تو ذکر اللہ اور تلاوت وصلوۃ وغیرہ اعمال شریعہ ہیں لیکن بعض دفعہ کوئی حال انسان پر ایسا غالب ہوتا ہے کہ اس کو سماع سے سکون ہوتا ہے۔بدون اس کے سکون نہیں ہوتا۔

ایک طالب علم کا سماع سے علاج:

ایک مرتبہ میں نے بھی ایک طالب علم کا علاج سماع سے کیا تھا۔ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں ایک طالب علم پر شورش باطنی کا غلبہ ہوا کسی طرح سکون نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اس کے لئے سماع تجویز کیا۔ میرے ایک ملنے والے صاحب سماع تھے میں نے ان سے کہا کہ ہم لوگ تو مولوی ہیں۔ ہم اپنے یہاں سماع کا انتظام نہیں کر سکتے تم اپنے یہاں ان کو لے جاؤ اور سماع سنوالاؤ۔ امید ہے ان کو سکون ہو جاوے گا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور خوشی خوشی ان کو اپنے یہاں لے گئے ان کی جماعت نے بھی اپنے لئے اس کو فخر سمجھا کہ ہم سے مولوی نے رجوع کیا۔ مگر جب وہاں ڈھولکی ستار کا انتظام ہوا تو وہ طالب علم بہت بگڑا اور ان کو دھمکایا کہ تم مجھے بدعت کا آلہ کار بنانا چاہتے ہو۔ یادرکھنا سب ڈھولکی ستار توڑ ڈالوں گا۔ خبردار جو میرے سامنے بدعت کا ارتکاب کیا۔ وہ لوگ بہت گھبرائے اور ان کو واپس کر دیا۔ میں خوش ہوا کہ الحمد للہ ان کی حالت سنت کے مطابق ہے۔ پھر میں نے ایک خوش الحان طالب علم سے کہا کہ ان کو کوئی غزل تنہائی میں سنا دو۔ اس طالب علم کا مقام نشست میرے سامنے ہی تھا اس نے امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غزل سنائی ۔

از ہجر تو دل کباب تاکے　　جان در طلبت خراب تاکے
در مصحف روئے او نظر کن　　خسرو غزل و کتاب تاکے

میرے کانوں میں بھی آواز آ رہی تھی جب تک غزل سنائی جاتی رہی ان پر حال کا غلبہ رہا۔ بار بار جوش میں کھڑے ہو جاتے اور تاکے تاکے پکارتے پھر بالکل سکون ہو گیا۔ تو یہ دراصل دوا ہے اور اس کو طبیب ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس مریض کو اس دوا کی ضرورت ہے۔ بغیر شیخ کی اجازت کے اگر کوئی سماع سنے گا غلطی میں مبتلا ہوگا۔ ممکن ہے اس کا حال ایسا نہ ہو جس کے لئے سماع کی ضرورت ہو ایسا شخص سماع سنے گا تو فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کے ہاں ذاکرین کی کیفیت

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بعض ذاکرین پر ایسی حالت طاری

ہوتی تھی کہ وہ ذکر میں تالیاں بجانے لگتے تھے اور تالیاں بجانا بھی سماع کے قریب قریب ہے کیونکہ لہو میں داخل ہے۔ مگر حضرت نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ مولانا محمد حسن صاحب مراد آبادی حضرت کے یہاں بہت کھلے ہوئے تھے حضرت ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ انہوں نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت اب تو آپ کے یہاں تالیاں بجنے لگی ہیں حضرت نے ان کو ڈانٹ دیا کہ تم کیا جانو خاموش رہو۔

ایک موقع تو یہ تھا اب اس کی ضد بھی سنئے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی مجلس میں جوش میں کسی نے یہ شعر پڑھ دیا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حضرت نے فرمایا کہ اگر اس کے بعد اس قسم کی کوئی بات کی تو کان پکڑ کے باہر نکلوا دوں گا خاموش بیٹھے رہو۔

حضرت نے فراست سے سمجھ لیا تھا کہ یہ شخص ایسا مغلوب نہیں تھا۔ اگر ضبط کرنا چاہتا ضبط کر سکتا تھا۔ اور تالیاں بجانے والوں کو حضرت معذور سمجھتے تھے کیونکہ وہ ضبط پر قادر نہ تھے۔

مزامیر کے ساتھ سماع سب کے ہاں حرام ہے

غرض مزامیر کے ساتھ سماع کو قریب قریب سب صوفیہ نے حرام کہا ہے البتہ بعض نے اس کی بھی اجازت دی ہے اور علامہ شامی نے ان پر سے اعتراض کو اس طرح رفع کیا ہے کہ فقہاء نے تین وقتوں میں طبل بجانے کی اجازت دی ہے جیسا کہ امرا کے یہاں تین مختلف اوقات میں نوبت بجتی ہے۔ اور یہ حکمت بیان کی گئی ہے کہ اس میں نفخات ثلثہ کی تذکیر ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں کہ جب تذکیر نفخات کے لئے طبل کی اجازت ہے تو جو حضرات صوفیہ اس قسم کے مصالح سے آلات کی اجازت دیتے ہیں ان پر بھی اعتراض نہ کرنا چاہیے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ اگر کسی صاحب سماع کی نظر سے یہ عبارت گزر جائے تو وہ تو آسمان سر پر اٹھالے۔ اور اس کو قوالی کی سند بنالے۔ مگر یہ علامہ شامی کی رائے ہے اور وہ

بھی عمل کے لئے نہیں۔ صرف دفع اعتراض کے لئے ہے اور اسی وجہ سے مولانا قاری عبدالرحمان صاحب پانی پتیؒ علامہ شامی کے معتقد نہ تھے وہ ان کو بدعتی کہتے تھے مگر حضرت مولانا گنگوہیؒ ان کے معتقد تھے۔ علامہ شامی کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ بات یہ ہے کہ قاری عبدالرحمان صاحب میں غالب علمی بزرگی تھی اور مولانا گنگوہیؒ میں علمی اور باطنی دونوں بزرگیاں تھیں۔ جو شخص ایسا ہوگا وہ علامہ شامی سے غیر معتقد نہ ہوگا کیونکہ علامہ شامی صرف علمی بزرگ ہی نہ تھے بلکہ صاحب باطن بھی تھے۔

مجالس بزرگوں کے تذکرہ سے خالی ہورہی ہیں

اس تقریر کو ختم فرما کر ارشاد ہوا کہ سماع کی یہ تحقیق ہے اور مجھے تو افسوس یہ ہے کہ اب ان باتوں کا تذکرہ بھی آج کل اٹھتا جاتا ہے۔ آئندہ یہ باتیں بیان کرنے والے بھی نہ ملیں گے۔ اب تو یہ حال ہے کہ ایک بڑے مدرسہ کے صدر مدرس کا ایک مرید ضلع سورت کی طرف سے تین چار ماہ کے لئے شیخ کی خدمت میں رہنے کا ارادہ کر کے آیا تھا۔ مگر ایک دو دفعہ کے بعد ہی وہ یہ کہہ کر واپس ہو گیا کہ میں نے تو ایسی گندی مجلس کسی کی نہیں دیکھی۔ جس میں نہ اللہ رسول کا ذکر نہ بزرگان دین کا تذکرہ بس ہر وقت کانگریس اور ہندوؤں ہی کے قصے بیان ہوتے رہتے ہیں۔ اب یہ حالت ہے مجالس شیوخ کی۔ ان کے یہاں اب یہ باتیں کہاں۔ مگر یہ بیعت کا تعلق ایسا تعلق ہے کہ اس کے بعد بھی اس مرید کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ پیر صاحب سے کہہ دیں کہ میرا اسلام لیجئے میں اس بیعت سے باز آیا۔ بات یہ ہے کہ بیعت کے بعد مرید کو پچ ہو جاتی ہے کہ جس طرح بھی ہو پیر سے نباہنا چاہیے اس لئے میں بیعت میں جلدی کو پسند نہیں کرتا۔ بہت سوچ سمجھ کر، خوب جانچ کر اور اچھی طرح دیکھ بھال کر بیعت ہونا چاہیے۔

سلسلۂ رومی کے ایک صاحب حاجی صاحب سے درخواست

اسی تقریر کے ضمن میں فرمایا کہ مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے جو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں تھے۔ ان کو گانے بجانے میں کمال حاصل تھا۔ مولانا رومی کے سلسلہ میں سماع میں نے (بانسری) سنتے ہیں۔

''بشنواز نے چون حکایت می کند'' کے ظاہر پر ان کا عمل ہے۔ انہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے عرض کیا کہ نے بجانے میں جو کمال میں نے حاصل کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ برکت کے واسطے حضرت کے سامنے اسے پیش کروں۔ اب حضرت اگر بالکل انکار فرماتے ہیں تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے اور اہل سماع صوفیہ پر انکار لازم آتا ہے اور سنتے ہیں تو اپنے طریقہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ آپ نے ان دونوں پہلوؤں کو کس طرح سنبھالا فرمایا بھائی مجھے تو اس فن سے ذرا بھی مناسبت نہیں۔ ایسے شخص کو سنا کر اپنے فن کی کیوں بے قدری کی کسی قدردان کو سنایئے جو اس فن سے واقف ہو اور کمال کی داد دے سکے۔

مولانا محمد حسین الٰہ آبادی اوران کا قوال

پھر ارشاد فرمایا ہاں ہمارے مولوی محمد حسین صاحب الٰہ آبادی ہوتے تو وہ آپ کے کمال کی قدر کرتے۔ حضرت کے ارشادات متون ہوتے تھے جو شرح کے محتاج تھے۔ چنانچہ اس ارشاد کو کسی نے تو مولانا محمد حسین صاحب کی تعریف اور عذر پر محمول کیا اور بعض نے یہ سمجھا کہ حضرت نے ان پر تعریض کی ہے کہ وہ ہمارے طریقہ سے جدا دوسرے طریقہ پر ہیں۔ اس بیان کے بعد ارشاد فرمایا کہ مولانا محمد حسین صاحب الٰہ آبادی کا قوال فرزند علی ایک مرتبہ مجھے ریل میں مل گیا۔ وہ صرف قوال ہی نہ تھا بلکہ نماز روزہ اور ذکر و شغل کا پابند تھا۔ جس وقت مجھ سے ریل میں ملا ہے تو بوڑھا ہو چکا تھا کہنے لگا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ حضور کو کچھ سناؤں۔ چونکہ وہ بوڑھا ہو چکا تھا مزامیر وغیرہ کچھ نہ تھے۔ صرف سماع ہی سماع تھا اور قوال بھی تھا کس کا مولانا کا۔ میں نے اجازت دے دی۔ اس نے ایک غزل سنائی گو ریل چل رہی تھی اور اس کی گھڑ گھڑ کی آواز کانون کو پریشان کر رہی تھی مگر اس کی آواز غالب تھی اور یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ ریل چل رہی ہے یا کھڑی ہے۔ ایک غزل کے بعد میں نے آگے اجازت نہیں دی۔

قدرت کے باوجود ضبط نہ کرنا ریا کاری ہے

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس توجہ میں کسی نے

بآواز بلند اللہ کہا۔ حضرت نے فرمایا کہ مجلس سے باہر کر دو۔ بات یہ تھی کہ حضرت کو فراست باطنی سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص ضبط پر قادر تھا باوجود قدرت کے جب ضبط نہ کیا تو ریا کا داخل ہوا اس لئے معتوب ہوا جو شخص اس حقیقت سے واقف نہیں وہ تو یہ کہے گا کہ بڑے سخت تھے کہ اللہ کہنے پر نکلوا دیا۔ اللہ ہی تو کہا تھا کوئی گناہ تو نہ کیا تھا مگر ان کو کیا خبر ہے کہ بعض دفعہ ایسی حالت میں انسان قرآن پڑھتا ہے کہ قرآن اس پر لعنت کرتا ہے رب قارئ للقرآن و القرآن یلعنه (بعض دفعہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ انسان قرآن پڑھتا ہے اور قرآن اس پر لعنت کرتا ہے) مولانا فرماتے ہیں۔ مصرع ہر چہ گیرد علتی علت شود

سماع کا کیا ذکر بیقاعدہ اللہ کہنے پر بزرگوں نے مواخذہ فرمایا یہ سماع کی حقیقت اہل سماع کا ذوق اور مانعین سماع کا حال۔ اب وہ زمانہ ہی نہیں رہا۔ کسی کو بتایا جائے کس سے بیان کیا جائے اور کس کو سمجھایا جاوے۔ بس خدا ہی سے دعا کرنا چاہیے کہ وہ اپنے راستہ پر چلائے۔ اپنے رسول کی پیروی سنت کی توفیق دے اور اسی پر خاتمہ کرے۔ والحمد للہ رب العلمین

ہمارے بزرگوں کا طریقہ فقر اختیاری کا تھا

(۵) فرمایا ہمارے بزرگوں کا طریقہ فقر اختیاری کا تھا۔ مال و دولت سے تنفر تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدتوں فقر و فاقہ سے گزاری۔ مطبع مجتبائی دہلی کے مالک منشی ممتاز علی صاحب نے چاہا کہ مولانا کی ماہانہ کچھ خدمت کیا کریں۔ حضرت نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ بلکہ ارشاد فرمایا کہ اگر مجھ سے کوئی کام لیا جائے اور اس کی بناء پر کچھ دیدیا جایا کرے تو مضائقہ نہیں۔ وہ بھی صرف تصحیح قرآن کی خدمت اگر مجھے دی جائے تو اتنا کام مجھے آتا ہے کر دیا کروں گا۔ اس سے زیادہ کا میں اہل نہیں۔ چونکہ مالک مطبع کی غرض و مقصود خدمت کرنا تھا۔ انہوں نے اس کو منظور کر لیا اور کچھ عرصہ تک آپ اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ اور اسطرح آپ کو دس روپیہ ماہوار ملا کئے۔

بھوپال کے نواب کی پیشکش جو ٹھکرا دی گئی

اسی زمانہ میں نواب صدیق حسن خان صاحب رئیس بھوپال نے ایک مدرسہ کھولا۔

مولانا محمد قاسم صاحب کو تین سو روپیہ ماہوار پر اور مولانا محمد یعقوب صاحب کو سو روپیہ ماہوار پر بلانا چاہا اور اس کے لئے درخواست بھی کی۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے جواب میں لکھا کہ مجھے دس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے جس میں سے پانچ روپیہ مجھے اور میری عیال کو کافی ہو جاتے ہیں۔ بقیہ پانچ روپیہ کے مصرف کا انتظام کرنا پڑتا ہے خدا بھلا کرے طلبہ کا کہ ان کی وجہ سے اس فکر سے سبکدوش ہو جاتا ہوں وہ پانچ روپیہ ان پر صرف ہو جاتے ہیں۔ اگر مجھ کو تین سو روپیہ ملنے لگیں تو مجھے تو وہی پانچ روپیہ کافی ہوں گے۔ باقی دو سو پچانوے کی فکر کون اپنے سر لے۔ مجھے اس سے معاف کیا جاوے۔ یہ جواب مولانا محمد یعقوب صاحب نے دیکھا فرمایا اصل جواب تو آپ نے لکھ دیا۔ میں کیا لکھوں۔ پھر فرمایا کہ میں دوسرا جواب لکھوں گا۔ چنانچہ یہ جواب لکھا کہ میں تین سو روپیہ ماہوار سے کم منظور نہیں کرتا۔ اس جواب کو دیکھ کر مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا کہ سوچ سمجھ کر لکھئے اگر انہوں نے تین سو روپیہ ماہوار منظور کر لئے اور ضرور منظور کر لیں گے تو آپ کو جانا پڑے گا اور تین سو روپیہ ماہوار آپ کی شان کے سامنے کیا چیز ہیں۔ فرمایا بہت اچھا میں اس کے آگے اور ایک شرط بڑھائے دیتا ہوں کہ جب تک میرا جی چاہے گا بھوپال رہوں گا اور جب تک جی چاہے گا اپنے گھر پر رہوں گا۔ یہ دونوں جواب نواب صاحب کے پاس پہنچے تو کہا ارے بھائی یہ کہیں جانے والے نہیں ان کو اپنا فقر و فاقہ ہی پسند ہے۔ یہ کسی کی ملازمت کرنا نہیں چاہتے واقعی ان بزرگوں کی حالت کو دیکھ کر کون ہمیں دیکھے تو ہم تو اس کو بادشاہ نظر آئیں گے۔ آج کل دس روپے کیا چیز ہیں۔ سو کی بھی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔

حضرت گنگوہی کی ملازمت

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کچھ دنوں تک سہارنپور میں قلعہ والوں کے یہاں ملازمت کی ہے۔ قلعہ والوں کے بچوں کو پڑھاتے تھے اور دس روپے ماہوار ملتے تھے۔ جب میں قلعہ میں گیا تھا تو نواب احمد علی خان کے چچا کو بھی میں نے دیکھا تھا جنہوں نے حضرت کا وہ زمانہ دیکھا تھا وہ بہت نیک تھے۔ سارے خاندان ہی پر نیکی کا اثر تھا یہ

برکت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے چند روزہ قیام کی تھی۔ میں نے اس مسجد میں نماز بھی پڑھی ہے جس میں حضرت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور وہ حجرہ بھی دیکھا ہے جس میں اس وقت حضرت کا قیام تھا۔ بعض لوگوں کو غالباً حضرت نے اس وقت قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھایا تھا۔ ان سب میں حضرت کی شان کا ایک خاص اثر موجود تھا۔ قلعہ کا تعلق چھوڑ کر حضرت نے پھر کسی جگہ ملازمت نہیں کی وطن ہی میں مقیم رہے اور ابتداء میں حضرت پر عسرت کا بھی دور گزرا ہے پھر فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور تمام تکلیفیں جاتی رہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہؒ کا قلبی غناء

ہمارے بزرگوں کی حالت ہمیشہ اسی طرح گزری ہے خود حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت دن فاقہ میں گزارے ہیں جب ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے کوئی حضرت کو جانتا بھی نہ تھا۔ نہ حضرت کے کمالات سے کوئی واقف تھا متواتر کئی کئی دن فاقہ پر فاقہ رہا۔ صرف زمزم کا پانی پیتے رہے اور قلبی غنا میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔ ایک دن ایک سیٹھ کو حضرت کے چہرہ پر آثار ضعف دیکھ کر احساس ہوا کہ شاید یہ حالت فاقہ کی وجہ سے ہے اس نے حضرت سے عرض کیا کہ مجھ کو اپنی لنگی عطا فرمادیں حضرت نے یہ خیال فرما کر کہ ضرورت ہوگی لنگی دیدی اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ وہ شخص لنگی میں دو سو ریال باندھ کر سامنے رکھ گیا۔ حضرت کو کچھ بھی خبر نہ ہوئی کہ اس میں کیا ہے نماز کے بعد ذکر میں مشغول ہو گئے لنگی اسی طرح رکھی ہوئی تھی نہ اس کو اٹھایا نہ سرکایا جب ذکر سے فارغ ہو کر چلتے وقت لنگی اٹھائی تو وزنی معلوم ہوئی دیکھا تو اس میں ریال تھے اب بھی وسوسہ نہ ہوا کہ یہ میرے واسطے ہدیہ ہے بلکہ یہ فرمایا کہ لوگ کیسے لاپرواہیں کہ امانت اس طرح سپرد کر کے چلے جاتے ہیں دوسرے کو خبر بھی نہیں کرتے۔ بھلا اگر کوئی اٹھا کرلے جاتا تو میں کیسا شرمندہ ہوتا ایک دو وقت اس میں فاقہ کے اور گزر گئے اس رقم کو ہاتھ نہ لگایا۔ دوسرے یا تیسرے وقت وہ سیٹھ صاحب پھر ملے تو حضرت نے شکایت کی کہ تم امانت رکھ گئے اور کہا بھی نہیں۔ تب اس نے عرض کیا کہ وہ تو حضرت کے لئے نذر ہے اس کو اپنے خرچ میں لائیں اس وقت فاقہ ٹوٹا اور

حضرت نے وہ رقم خرچ کی۔ غالبًا فاقہ کی نوبت تو اس کے بعد نہیں آئی مگر مکان کی تکلیف بہت روز تک رہی کیونکہ حضرت کا اپنا کوئی ذاتی مکان نہ تھا۔ ہندوستان کے رئیسوں نے جو وہاں رباطیں بنا رکھی ہیں ان میں سے کسی رباط میں قیام کر لیتے تھے۔

اس میں یہ تکلیف تھی کہ موسم حج کے موقع پر جب ان اطراف کے حاجی آتے جن کے وہ رباط تھے تو مہتمم رباط حضرت سے کہتا کہ اب ہم کو رباط کی ضرورت ہے۔ خالی کر دیجئے تو حضرت وہاں سے کسی اور رباط میں چلے جاتے۔ اس سے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ پھر حضرت نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور دعا میں بھی کوئی محل نہیں مانگا۔ صرف یہ درخواست کی کہ مجھے ایسی جگہ عطا فرما دیجئے جہاں سے کوئی مجھے اٹھائے نہیں۔ اسی زمانہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو واقعہ میں دیکھا کہ حضرت کو کچھ روپے اور کچھ پیسے عطا کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ ہم نے تمہارے ہاتھوں پر لاکھوں کا خرچ رکھا ہے حضرت کے قلب میں چونکہ فقر کی محبت اور باطن کی طلب مستحکم تھی اسی حالت میں عرض کیا کہ حضرت میں اس کو کیا کروں گا مجھ کو تو حضرت کچھ اپنے سینہ سے عطا فرمائیں میں دنیا نہیں چاہتا۔ فرمایا یہ بھی ہو گا اس کے چند ہی دن بعد ایک رئیس نے یہ مکان خرید کر جس میں حضرت کا قیام تھا حضرت کی نذر کر دیا اور قبالہ باقاعدہ لکھوا کر حضرت کے سپرد کر دیا اور حضرت نے فوراً اس کو وقف کر دیا اور یہ شرط کر لی کہ تا حیات میں خود منتفع ہوں گا پھر جب حضرت اس مکان میں تشریف لائے تو غالبًا کشف سے معلوم ہوا کہ جس جگہ حضرت بیٹھے تھے یہ جگہ حضرت شیخ اکبر کے بیٹھنے کی ہے۔

ہماری کمزوری اور اللہ تعالیٰ کا کرم

غرض ہمارے بزرگوں پر فقر و فاقہ غالب رہا ہے اور ہم تو آج کل بادشاہی کر رہے ہیں جتنی ہمارے اندر اس شان کی کمی ہے اتنی ہی برکات میں بھی کمی ہے۔ مگر چونکہ ہم ضعیف ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہماری ضعف پر نظر فرما کر ان امتحانات میں ہم کو مبتلا نہیں فرمایا بلکہ راحت و آرام ہی کی زندگی عطا فرمائی''۔

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند'' اس لئے ہمارے حضور نے فقر و فاقہ کر کے بھی

دکھلا دیا اور سال بھر کا نفقہ جمع کر کے بھی دکھلا دیا تا کہ ضعفاء دلگیر نہ ہوں وہ اپنی حالت کو خلاف سنت نہ سمجھیں البتہ انہماک فی الدنیا نہیں چاہیے قناعت اختیار کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من اصبح معافی فی جسده امنا فی سربه عنده قوت یومه فکانما حیزت له الدنیا بحذا فیرها یعنی جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ بدن میں کوئی مرض اور تکلیف نہ ہو دل میں اطمینان ہو کسی کا خوف نہ ہو اور دن بھر کی غذا اس کے پاس ہو تو گویا اس کے پاس تمام دنیا سمٹ کر آ گئی ہے کیونکہ تمام دنیا کا مالک ہونے کے بعد بھی ایک دن میں تو ایک ہی دن کی غذا کھائے گا اس سے زیادہ ایک دن میں اس سے بیکار ہے دنیا کے ساز و سامان کا حاصل بھی یہی ہے کہ آدمی کو چین اور آرام نصیب ہو۔ اب جس شخص کو عافیت حاصل ہے دل میں کسی سے خوف واندیشہ نہیں ہے دن بھر کی غذا اس کے پاس ہے اس کو وہ مقصود حاصل ہے جو تمام دنیا سے مقصود ہے اور فکر آئندہ کے متعلق بزرگوں کا فیصلہ ہے۔

مترس از بلائے کہ شب درمیان است' جس بلا کے درمیان رات کا فاصلہ ہے اس کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ دیکھا جائے گا کیا خبر ہے کہ صبح ہو گی بھی یا نہیں۔ شاید رات کو خود ہم ہی ختم ہو جائیں۔

مرتب کے تاثرات

یہ تقریر تھی' یہ بیان تھا' یہ مسلسل ارشادات تھے' جن کو خواہ ملفوظ کہیے یا اظہار احکام خداوندی یا آئینہ سنت نبوی قرار دیجئے۔ یا درس معرفت' یہ سب خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے فیوض و برکات کے نتائج تھے جو اس طرح نمایاں ہوئے۔ میخانہ شریعت اور خمخانہ طریقت کی شراب تھی جس کو ساقی نے تشنہ دہنوں کو پلایا اور محو بیخود بنا دیا۔ اس حالت کو مجلسیوں سے پوچھئے پینے والوں سے دریافت کیجئے ہر چیز میں کیف تھا در و دیوار میں کیف' دیکھنے والوں میں کیف بیان میں کیف ذکر میں کیف' سننے والوں میں کیف خیال میں کیف' تصور میں کیف' کیف میں کیف' خود ساقی میں کیف' تمام فضا میں کیف' غرض ہر طرف کیف ہی کیف کا ظہور

تھا۔ یہ وہ کیفیت تھی جو کسی طرح تحریر میں نہیں دکھائی جا سکتی۔ مجھے امید ہے کہ ان اوراق کے پڑھنے والے بھی ان شاء اللہ اس کیف سے محروم نہیں رہیں گے اور ان کو بھی اس سے کچھ کچھ حصہ مل جائے گا۔ میری تو تمنا ہے کہ جو کچھ حضرت والا کی زبان مبارک سے نکلے جو کچھ حضور ارشاد فرمائیں سب ضبط تحریر میں آ جائے اور تمام دنیا اس سے مستفید و مستفیض ہو سکے۔

ضمیمہ نمبر (۱)

نواب جمشید علی خان صاحب کے ذوق، ان کی صحیح عقیدت اور ان کے دلی جذبات کی بدولت یہ دور عرفان بھی دیکھ لیا چندوں نے جی بھر کر پی اور ساقی نے دل کھول کر چھکایا۔ ابھی نشہ نہیں اترا تھا پورا ہوش نہیں آیا تھا کہ یکم ربیع الاول ۱۳۵۸ھ کو ایک نیا منظر سامنے آ گیا۔

مولوی عمر احمد بن مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی ملازمت کے بارے مشورہ

مخدومی و مطاعی جناب مولانا مولوی حافظ حاجی ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی زاد مجدہم کے صاحبزادے مولوی عمر احمد صاحب سلمہ نے آ کر یہ مژدہ سنایا کہ پور بندر (کاٹھیاوار) کے ایک ہائی سکول کے مہتمم نے مجھے بلایا ہے۔ زبانی گفتگو کے بعد اگر شرائط طے ہو گئے تو ملازمت مل جائے گی۔ میری رائے ہوئی کہ حضرت والا کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حال بیان کیا جائے۔ جو حضرت والا کی زبان مبارک سے نکلے اس پر کاربند ہونا چاہیے۔ چنانچہ حضرت والا سے عرض کیا گیا۔ ارشاد ہوا خدا مبارک کرے اس میں کوئی وجہ انکار معلوم نہیں ہوتی۔ پھر عرض کیا گیا کہ مثنوی مولانا روم اور دیوان حافظ سے اس مقصد کے لئے فال بھی نکالی گئی تھی مثنوی یہ نکلا کہ۔

شاہ و لشکر حلقہ درگوشش شدہ	خروان ہوش بیہوشش شدہ
صد ہزاراں شاہ و مملوکش برق	صد ہزاراں بدررا دادہ بدق

اور دیوان حافظ میں یہ نکلا۔

رسید مژدہ کہ آمد بہار و سبزہ و مید	وظیفہ گر برسد مصرفش گل ست و نبید
صفیر مرغ برآمد بط شراب کجاست	فغاں فتاد بہ بلبل نقاب گل کہ درید

فرمایا ماشاء اللہ دونوں فال نیک ہیں۔ اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں۔ پھر جب مزید دعا کی درخواست کی گئی حضرت والا اور حاضرین نے ہاتھ اٹھا کر کچھ دیر تک دعا کی۔

کامیابی بزرگوں کی متابعت میں ہے

حضرت اقدس نے مولوی عمر احمد صاحب کو نصیحت و وصیت فرمائی۔ میں کہاں نواب جمشید علی خان صاحب کے استفسارات اور جوابات کا ذکر کر رہا تھا اور اپنے خیال میں اس دور کو ختم کر چکا تھا اور کہاں مولوی عمر احمد صاحب کی تقرری کا مژدہ سنانے لگا۔ اور اسی کے ساتھ پر کیف امور بھی ضبط تحریر میں آ رہے ہیں یہ کیوں؟ صرف اس وجہ سے کہ پہلے دور کا نشہ باقی تھا دوبارہ میخانہ تک گزر ہو گیا۔ ساقی پر نظر پڑ گئی۔ دوسرا دور شروع ہو گیا۔ پھر کیا تھا جام پر جام چلنے لگے۔ خم کے خم خالی ہونے لگے۔ ساقی کے فیوض و برکات کا دریا اُمڈا اور پھر بارش کرم ہونے لگی۔ نصیحت و وصیت کہئے یا جو چاہے نام رکھئے ارشادات کا بے کراں سمندر لہریں لینے لگا۔

مولوی عمر احمد صاحب مخاطب ہوئے اور الفاظ زبان مبارک سے نکل کر اس طرح کانوں میں آنے لگے۔

''تم جس جگہ جا رہے ہو وہاں تم اکیلے ہو گے، نہ تمہارے سر پر کوئی بڑا ہوگا جس کا تم کو خوف ہو، نہ کوئی ایسا چھوٹا ہوگا جس کا کچھ لحاظ ہو۔ انسان کی اصلاح کے دو ہی طریقے ہیں۔ یا سر پر کوئی بڑا ہو یا ایسے چھوٹے ہوں جن کا لحاظ ہو کہ اگر میں جادۂ اعتدال سے ہٹوں گا تو یہ لوگ مجھ پر نکیر کریں گے مجھے بدنام کریں گے اور جہاں یہ دونوں صورتیں نہ ہوں وہاں انسان کو بہت سنبھل کر رہنے کی ضرورت ہے وہاں ذرا سی بے فکری اور غفلت سے حالت میں بڑا انقلاب ہو جاتا ہے بس اسکی ضرورت ہے کہ جہاں رہو اپنے بزرگوں کے طریقہ پر رہو۔ اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ بزرگوں کا نمونہ تمہارے سامنے ہے بس ہر بات میں اس نمونے پر چلتے رہو۔ وضع قطع، رفتار، گفتار، سب ان کے طرز پر ہو۔ آج کل کے نئے طریقوں سے بالکل دور رہو۔ عزت اسی میں ہے کہ بزرگوں کے طریقہ پر رہو کیونکہ نئے طرز و طریق میں تم کامل نہیں ہو سکتے۔ ناقص ہی رہو گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ ادھر کے رہو گے نہ ادھر کے اور اپنے بزرگوں کے طریق کو اختیار کرنے سے بحمد اللہ تم کامل ہو گے۔ کیونکہ وہ ان کا

کامل نمونہ ابتداء سے اس وقت تمہارے سامنے ہے۔ اسی نمونے سے کامل ہو سکتے ہو۔

میں جس وقت تک کانپور نہیں گیا تھا میرے خاندانی سب بزرگ بڑے پائچوں کا پائجامہ پہنتے تھے۔ میں بھی اسی طرح کا پہنتا تھا۔ پھر جب میں کانپور چلا گیا وہاں بھی بڑے پائچوں کا پائجامہ پہنتا رہا۔ جب وہاں سے واپس آیا اتفاق سے ایک مرتبہ جو میں دیوبند گیا تو صرف ایک میں سب سے الگ بڑے پائچوں والا تھا۔ مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ اپنے بزرگوں کی وضع کے خلاف اپنی خاص وضع اختیار کروں چنانچہ میں نے اسی وقت ارادہ کرلیا کہ اب میں بھی چھوٹے پائچوں کا پائجامہ پہنا کروں گا اور اس کے لئے میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے انکا پائجامہ یہ عرض کر کے مانگا کہ میں حضرت کے پائجامہ کے مطابق اپنا پائجامہ قطع کراؤں گا۔ مولانا نے فرمایا کہ میں تو جیسا کوئی بھیج دیتا ہے پہن لیتا ہوں۔ کوئی خاص وضع معین نہیں۔ اس کے بعد میں نے ہر شخص کے پائجامہ کو غور سے دیکھنا شروع کیا کہ جس کی قطع اچھی ہوگی اس کے موافق قطع کراؤں گا۔ بالآخر ایک صاحب محلّہ خیل کے رہنے والے تھے۔ مجھے ان کے پائجامہ کی قطع پسند آئی۔ اس کے موافق اپنے پائجامے قطع کرائے۔ اسی کے موافق ایک پائجامہ پر دوسرا پائجامہ قطع ہو رہا ہے۔

بزرگوں کی متابعت کا اثر

پھر اسی سلسلہ میں بزرگوں کی متابعت کے برکات کا بیان ہونے لگا اس کے ضمن میں فرمایا کہ اس کا یہاں تک اثر ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ظاہری صورت ان بزرگوں کے مشابہ ہو جاتی ہے نواب قطب الدین خان صاحب کا واقعہ ہے جو حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے تلامذہ میں سے تھے ان کا چہرہ شاہ صاحب کے چہرے کے مطابق ہوگیا تھا یہ تو سنا ہوا واقعہ ہے جو استادی مولانا فتح محمد صاحبؒ سے سنا اور ایک واقعہ خود میرا دیکھا ہوا ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے شاگردوں میں ایک مولوی احمد الدین ولایتی تھے۔ وہ دیوبند سے فارغ ہو کر میرٹھ میں مدرس ہو گئے تھے اور وہیں شادی بھی کر لی تھی۔ مگر بیوی پر سختی بہت کرتے تھے جیسے ہمارے مولوی موسیٰ سرحدی اپنی بیویوں پر سختی بہت کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو یہ خبر پہنچی تو سیدھے میرٹھ پہنچے اور واقعات کی تحقیق کی اور بعد تحقیق مولانا نے جوتہ نکال کر بھرے مجمع میں ان کو مارنا شروع کیا اور وہ ایسے منقاد تھے کہ بھرے مجمع میں اپنے شاگردوں اور معتقدوں کے سامنے بلا چوں و چرا مار کھاتے رہے۔ ذرا بھی تو اظہار نا گواری نہ کیا۔ مولانا نے مارتے ہوئے بھی حدود سے تجاوز نہیں فرمایا۔ یہ نہیں کہا کہ ابھی طلاق دیدو بلکہ یہ فرمایا کہ مجھے طلاق کا وکیل بنادو یعنی تحقیق مزید کے بعد اگر طلاق کی ضرورت ہوگی تو میں طلاق دیدوں گا ورنہ نہیں۔ انہوں نے مولانا کو وکیل کر دیا۔ اس کے بعد مولانا نے مزید تحقیق کی اور جب محقق ہوگیا کہ نباہ کی امید نہیں تو حضرت نے طلاق واقع کردی یہ واقعہ تو گزر گیا ایک عرصہ طویل کے بعد نواب صاحب چھتاری نواب احمد سعید خان صاحب نے مجھے اپنے یہاں مدعو کیا۔ اس وقت نواب صاحب کو گورنمنٹ سے اپنی ریاست پر اختیارات کامل حاصل ہوئے تھے۔ بعض احباب نے ان کو اس خوشی میں جشن منانے کی رائے دی تھی مگر ایک دیندار کارندہ نے جو ان کے دادا صاحب کے زمانہ کے تھے۔

یہ کہا کہ جشن منانا آپ کے خاندان کے شان کے خلاف ہے۔ علماء کو مدعو کیجئے ان کے وعظ و بیان کا جلسہ کرائیے تا کہ لوگوں کو دین کا نفع پہنچے اور آپ داخل ثواب ہوں۔ نواب صاحب ہمیشہ سے نہایت نیک، سلیم الطبع اور دیندار واقع ہوئے ہیں اس وقت انہو ں نے اس رائے کو پسند کر کے علماء کو مدعو کیا۔ میں بھی گیا تھا اور دیوبند سے حافظ احمد صاحباور دیگر حضرات بھی شریک ہوئے تھے اس وقت مولوی احمد الدین ریاست دان پور میں تعلیم کے کام پر مامور تھے۔ دان پور کے رئیس نے ان کو علماء کے پاس یہ پیام دیکر بھیجا کہ چھتاری سے فارغ ہوکر یہاں بھی تشریف لائیں۔ جس وقت مولوی احمد الدین یہ پیام لے کر ہمارے سامنے آئے تو ان کو دیکھ کر بیساختہ میری زبان سے نکلا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب یہاں کہاں آ گئے۔ ان کی صورت اور چال ڈھال بالکل مولانا سے اس قدر مشابہ ہوگئی تھی کہ دیکھنے والوں کو بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف لے آئے۔ بعد تحقیق معلوم ہوا کہ مولوی احمد الدین ہیں۔ میں نے حافظ احمد صاحب سے کہا کہ مولوی احمد الدین مولانا محمد یعقوب صاحب سے اس قدر مشابہ کیسے ہو گئے انہوں نے یہ

واقعہ میرٹھ کا یاد دلایا کہ حضرت نے ان کو میرٹھ میں مارا تھا اور وکالت حاصل کر کے ان کی بیوی کو طلاق دی تھی اور یہ اس پر راضی رہے تھے یہ اس کی برکت ہے کیونکہ یہ واقعہ مولانا کے ساتھ ان کی غایت محبت کی دلیل ہے اور محبت کی یہ خاصیت ہے کہ

؎ من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

دین و دنیا کی کامیابی بزرگوں کی محبت و متابعت میں ہے:

پھر جب بزرگوں سے محبت ہوتی ہے تو ان کی ہر ادا سے محبت ہوتی ہے اول اول یہ شخص بہ تکلف ان کی اداؤں کو اختیار کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سچ مچ اس کو ان کے مشابہ کر دیتے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات صورت و شکل اور چہرہ مہرہ بھی انہیں کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ اپنے بزرگوں کے نمونہ پر چلنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ جہاں رہو انہیں کے طرز پر رہو اس سے ایک قدم بھی نہ ہٹو۔ اسی میں دین کی بھی حفاظت ہے اور دنیا کی بھی عزت ہے۔ تمہاری گفتار و رفتار نشست و برخاست چال ڈھال سب اپنے بزرگوں کے نمونہ پر ہو اس کا پورا اہتمام کرو۔ پھر جہاں بھی رہو کچھ اندیشہ نہیں''۔ یہ وہ نصائح اور اور وصایا تھے جن سے حضرت اقدس نے مولوی عمر احمد سلمہ کو اپنے خاندان کے نونہال اور اپنا بچہ سمجھ کر سرفراز فرمایا۔

مولوی عمر احمد کی طرف سے سند کی درخواست اور سند کیلئے حضرت کا خاص طریقہ

اس کے بعد مولوی عمر احمد صاحب نے اپنے والد صاحب کے ایماء سے درخواست کی کہ حضرت والا بھی اس احقر کو ایک سند عطا فرماویں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ہاں مجھے کیا انکار ہے جو سندیں تمہارے پاس ہیں وہ مجھے دکھا دو اور ایک مسودہ لکھ کر دیدو جس سے مجھے یہ معلوم ہو جاوے کہ اس قسم کی تصدیق و سند کی ضرورت ہے۔ پھر میں اس پر غور کر کے اپنے مذاق کے موافق سند لکھ دوں گا۔ میری عبارت ظاہر میں زوردار نہ ہوگی۔ مگر چونکہ تمام حدود کی

رعایت کی وجہ سے سچی بات ہوتی ہے اس لئے مبالغہ آمیز سندوں سے زیادہ موثر اور مفید ہوتی ہے چونکہ یہ ایک قسم کی شہادت ہے اس لئے مجھے اس کا اہتمام کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پکڑ نہ ہو اور مخلوق دھوکہ نہ کھائے اور صاحب درخواست سے مسودہ اس واسطے لکھوالیتا ہوں کہ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا مقصود کیا ہے۔ اس سے مجھے مدد ملتی ہے پھر میں اس کے اندر کمی بیشی کر کے اپنے طرز کے موافق سند لکھ دیتا ہوں اور ان حدود کی رعایت کی وجہ سے ایسی تحریر مستقل تصنیف کی مثل ہوتی ہے جو لوگ میرے طرز سے واقف ہیں ان پر مبالغہ آمیز سند کا اثر نہیں ہوتا وہ دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ اس کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بڑا تماشا ہوا۔ ایک صاحب نے بھائی اکبر علی کے پاس مجھ سے سفارش چاہی میں نے ان سے کہہ دیا کہ سفارش کا مسودہ لکھ کر لے آؤ۔ انہوں نے بڑا زوردار مسودہ لکھا۔ میں نے اس میں کمی بیشی کر کے اپنے طرز پر سفارش کا مضمون لکھ دیا۔ وہ اس کو دیکھ کر خوش نہ ہوئے کہ یہ تو پھیکا مضمون ہے میں نے کہا اچھا لائیے میں آپ ہی کا مضمون لکھ دوں۔ میں نے انہیں کے مسودہ کا مضمون اپنے قلم سے نقل کر دیا وہ اس کو لے کر بھائی کے پاس گئے تو خط پڑھتے ہی انہوں نے کہا کہ یہ مضمون ان کا نہیں وہ اس طرز کا مضمون نہیں لکھا کرتے معلوم ہوتا ہے تم نے ان کو پریشان کیا ہے۔ تمہاری خاطر سے انہوں نے یہ مضمون اپنی طبیعت کے خلاف لکھ دیا ہے تم تو میرے بڑے بھائی کو پریشان کرو اور میں تم کو راحت دوں یہ نہیں ہو سکتا۔ بس میری طرف سے آپ کو جواب ہے۔ میں نے یہ قصہ سنا تو کہا کہ لو اور زوردار سفارش لکھواؤ۔ آج کل کے طرز پر اردو لکھنا اور زوردار مضمون بنانا ہم کو بھی آتا ہے۔ ایک دفعہ میں نے ایک جنٹلمین کے ایک خط کے جواب میں نئی اردو میں مضمون لکھا جس کو دیکھ کر ان کو بڑی حیرت ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ علماء آج کل کے طرز پر اردو نہیں لکھ سکتے۔ میں جواب دیتا ہوں کہ یہ تو غلط ہے بحمد اللہ ہمیں اس پر بھی قدرت ہے مگر ہم کو تو اس سے نفرت ہے ہم اپنے بزرگوں کے طریقہ کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے اس لئے یہ طرز بھی اختیار نہیں کرتے۔ اسی طرح تصدیق و سفارش اور سند وغیرہ میں ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہی ہے کہ سچی بات ہو زوردار یا مبالغہ آمیز نہ ہو یہی طرز مجھے پسند ہے۔

مدرسہ دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کی تصدیق اور اس کا نواب صاحب پر اثر

جب میں ڈھاکہ گیا تھا تو مدرسہ دیوبند اور مدرسہ مظاہر العلوم کے حضرات نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر موقع ملے تو ان مدارس کی نسبت کلمہ خیر کہہ دیا جائے۔ میں نے دل سے عزم کر لیا تھا کہ خود میں کچھ نہ کہوں گا ہاں اگر کچھ ذکر آ گیا تو دریغ بھی نہ کروں گا ہاں اندر سے میرا دل ضرور یہ چاہتا تھا کہ نواب صاحب خود مجھ سے سوال کریں اور میں کچھ کہوں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے نواب صاحب کے دل میں سوال پیدا کیا۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ دیوبند اور سہارنپور کے مدرسوں کی روئیدادیں میرے پاس آتی ہیں۔ یہ مدرسے کیسے ہیں۔ میں نے اس کے جواب میں مبالغہ سے کام نہیں لیا صرف اتنا کہہ دیا کہ یہ مدرسے ایسے ہی ہیں جیسا مدارس اسلامیہ کو ہونا چاہیے۔ اس سے زیادہ ایک حرف نہیں کہا۔

مگر نواب صاحب پر اس کا وہ اثر ہوا جو زوردار الفاظ یا طویل تقریر کا ہرگز نہ ہوتا۔ چنانچہ انہوں نے ایک بڑی رقم دونوں مدرسوں کے واسطے یکمشت تجویز کی اور سالانہ چندہ بھی دونوں کے واسطے مقرر کر دیا۔ وہ یکشمت رقم مجھے دینا چاہی کہ میں اپنے ہاتھ سے دونوں مدرسوں میں دیدوں مجھے اس سے بھی غیرت آئی کہ اپنے مدرسوں کے واسطے ان کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں۔ میں نے بہانہ کر دیا کہ میرا سفر طویل ہے۔ راستے میں ریل میں ان کی حفاظت میں نیند بھی نہ آئے گی۔ اتنی بڑی رقم کی حفاظت کیونکر کروں گا۔ نواب صاحب سمجھ گئے ہنس کر کہنے لگے بہت اچھا۔ میں آپ کو رقم لے جانے کی زحمت دینا نہیں چاہتا مگر ان مدارس کے مہتمموں کے نام ایک ایک خط تو آپ لکھ دیں گے۔ میں نے اس کو منظور کیا اور دونوں جگہ خطوط لکھ دیئے جن کو بیمہ میں رکھ کر انہوں نے بھیج دیا۔

یہ طریقہ تھا ہمارے بزرگوں کا۔ اسی کو میں پسند کرتا ہوں اور جہاں تک ہو سکتا ہے اسی پر عمل کرتا ہوں اس کو چھوڑنا مجھے گوارا نہیں کہ اس کے خلاف میں خیر و برکت نہیں۔

اس کے بعد حضرت والا نے مولوی عمر احمد صاحب سے سندیں اور ان کے اساتذہ کی

تصدیقیں منگوا کر ملاحظہ فرمائیں اور وہ مسودہ بھی لکھوا کر لے لیا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

ان سب چیزوں کے ملاحظہ کے بعد اپنی طرف سے جو سند عطا فرمائی ہے وہ اس شان، اس پایہ اور اس مرتبہ کی ہے جو ہمیشہ ان کے لئے باعث فخر و مباہات اور موجب خیر و برکات رہے گی۔ اللہ تعالیٰ مولوی محمد عمر احمد صاحب کو حضرت اقدس کے منشاء کے موافق بنائیں اور گمان سے زیادہ اپنے بزرگوں کے اتباع کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں میں اس سند کی نقل درج کروں جو حضرت والا مدظلہم العالیٰ نے مولوی عمر احمد کو عطا فرمائی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ کس احتیاط کس صدق اور کس صحیح طریقہ سے کام لیا گیا ہے۔ یہ ہے ان بزرگان کرام کی شان مبارک اور طرز گرامی کا نمونہ جن کی نظیر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے وہ سند ملاحظہ ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سند[1] الاعزاز و الرضا

بعد الحمد والصلوٰۃ ۔ گزارش ہے کہ حامل قرطاس ہذا مولوی عمر احمد سلمہ کے علم وعمل کی حالت کے مفصل امتحان کا گو مجھ کو موقع نہیں ملا لیکن اسانید متعددہ مختلفہ کے معائنہ کے ساتھ ان کے مختصر علمی کارنامے مع انضمام مشاہدہ ذہانت وفطانت خداداد کی بناء پر بہ شہادت قلب مجھ کو یقین ہے کہ وہ ان شاء اللہ ہر علمی خدمت مثل درس وتدریس' تصنیف وتالیف' وتحشیہ' وشرح اعلیٰ پیمانے پر کر سکتے ہیں اور اس پر اول درجہ کا یقین حاصل ہے اور بزرگوں کی صحبت اور تربیت اور ان کی انقیاد واطاعت اور کسی معارض روایت کا انتفاء اس سے ان کے حسن عمل کے متعلق دوسرے درجہ کا یقین حاصل ہے۔ بہر حال اس پر بلا کسی تردد کے اطمینان ہے کہ میرے نزدیک وہ اپنے معاصرین میں بے نظیر ہیں اور اور امید ہے کہ مفصل مشاہدہ کرنے والوں کو اس سے زیادہ درجہ عین الیقین کا حاصل ہوگا اب اس دعاء پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو گمان سے زیادہ علماً وعملاً وخدمۃ للدین ونفعاً للمسلمین ثابت کرے۔ وذلک علی اللہ یسیر

قالہ بفمہ وامر برقمہ اشرف علی تھانوی
عفی عنہ ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ

نوٹ: حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی یہ اعزازی سند ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ کی لکھی ہوئی ہے لیکن بعد میں مولوی عمر احمد صاحب کا تعلق اہل حق سے نہیں رہا۔

---

[1] یہ سرخی مولوی عمر احمد کی لکھی ہوئی ہے ۱۲

مولوی محمد عمر احمد کو وعظ کرنے کی تاکید

مولوی محمد عمر احمد صاحب کے پاس مدرسہ مظاہر العلوم سے سند فراغ کے علاوہ ایک دوسری سند اعزاز بھی ملی تھی جو کاتب کو خوشخط لکھنے کو دے رکھی تھی جس کو کاتب سے لینے کے لئے سہارنپور چلے گئے۔

۳ ربیع الثانی کو یہ سند لے کر حضرت اقدس کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ یہ خادم ساتھ میں تھا اور جناب مولانا ظفر احمد صاحب بھی ہمراہ تشریف لے گئے تھے۔ حضرت والا اس کو ملاحظہ فرما کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں نے جو سند ان کو دی ہے اس میں مبالغہ نہیں ہے۔ سچی سچی باتیں ہیں۔ ایسی ہی چیزوں کا اثر لوگوں پر زیادہ ہوتا ہے۔ اس کو دیکھ کر اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس میں سچی باتیں لکھ دی ہیں۔ کسی رعایت سے کام نہیں لیا گیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ مولوی محمد عمر احمد کو میں تاکید کرتا ہوں کہ یہ وعظ کہنا شروع کریں جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ابتداء میں قرآن شریف یا حدیث کی کوئی کتاب ہاتھ میں لے کر بیان کیا کریں۔ ایک دو آیتیں یا کوئی حدیث پڑھی اس کا ترجمہ اور مطلب بیان کیا اور جو مضمون اس کے متعلق ذہن میں آیا بیان کر دیا پھر آگے چل پڑے۔ اس طرح ایک ہی ہفتہ میں ان شاء اللہ استعداد ہو جائے گی۔

وعظ کہنے کی اہمیت

اہل علم کا اصل کام وعظ ہی ہے۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف سب اس کے مقدمات ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے کوئی تصنیف نہیں کی اور اگر کوئی مختصر تصنیف کی ہو تو حضرت صدیق اکبرؓ نے کوئی تصنیف نہیں کی اور اگر ان سے بھی احکام صدقات کے متعلق کوئی مختصر یادداشت منقول ہو اور اس کو تصنیف کہا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تصنیف نہیں فرمائی۔ آپ کا اصل کام تبلیغ احکام تھا مگر افسوس ہے کہ آج کل بعض اہل علم وعظ کہنے کو ذلت سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم وعظ کہیں گے تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ ان کی علمی استعداد اچھی نہ ہوگی اس لئے انہوں نے وعظ کہنا شروع کیا ہے۔ مگر یہ ان کی کم فہمی ہے وہ علمی استعداد کس کام کی جس سے بندگان خدا تک احکام کی تبلیغ نہ ہو۔ بعض لوگوں کو یہ وہم

سوار ہوا ہے کہ بدون عمل کے وعظ کہنا منع ہے اور استدلال میں آیت اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم پیش کرتے ہیں حالانکہ یہاں محل انکار تنسون انفسکم ہے نہ کہ تامرون مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنی اصلاح کو نہ بھولنا چاہیے۔ یہ مطلب نہیں کہ جس بات پر خود عمل نہ کرو اس کو دوسروں تک بھی نہ پہنچاؤ۔ ترک عمل ایک گناہ ہے تو ترک تبلیغ دوسرا گناہ ہے۔ ایک گناہ کی وجہ سے دوسرے گناہ کا ارتکاب جائز نہیں ہو جاتا۔ بعض لوگوں کو لم تقولون مالاتفعلون. کبر مقتاعندالله ان تقولوا مالاتفعلون سے شبہ ہوا ہے۔ میں نے اس کا ایک جواب دیا تھا جس کو بعض اہل علم اذکیاء نے بہت پسند کیا کہ یہاں قول سے مراد دعوت نہیں۔ بلکہ دعویٰ ہے یعنی جو کام نہ کرسکو یا نہیں کرتے ہو اس کا دعویٰ نہ کرو۔ خود شان نزول اس کی مؤید ہے کیونکہ آیت دعوے ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بہر حال ان شبہات سے وعظ کو بند نہ کیا جائے بلکہ اس کا اہتمام کیا جائے۔ ایک فائدہ وعظ میں یہ بھی ہے کہ اس سے اپنی کوتاہیوں کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ واعظ میں کوتاہی ہوتی ہے مگر سامعین میں سے کسی کو اس سے نفع ہوتا ہے وہ اس کو دعا دیتا ہے۔
اس کی برکت سے واعظوں کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیعت اس نیت سے کرتے تھے کہ اگر ہم عنداللہ مقبول ہوئے تو ہم اس کو بچالیں گے یا وہ مقبول ہوا تو وہ ہم کو بچالے گا۔ سبحان اللہ کیسی اچھی نیت ہے۔ اس پر جناب مولوی ظفر احمد صاحب نے عرض کیا کہ ایک حدیث طویل میں جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اعمال کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ یہ بھی وارد ہے ورایت رجلا من امتی جاء ته زبانیة العذاب فجاء ہ امرہ بالمعروف و نهیه عن المنکر فاستنقذہ من ذلک (میں نے اپنی امت میں ایک شخص کو دیکھا جس کے پاس عذاب کے فرشتے آئے۔ اسی وقت اس کو اس کے پاس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پہنچا جس کا وہ عامل تھا۔ اس نے اس کو عذاب سے بچا لیا) حضرت والا نے فرمایا لیجئے حدیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوگئی۔ بس اپنی حالت کو نہ دیکھا جائے اللہ کا نام لے کر وعظ کہنا شروع کر دیا جائے۔ بعض لوگوں کو میرے مطبوعہ

مواعظ سے وعظ کہنا آ گیا ہے۔اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ مطبوعہ وعظوں میں سے کسی ایک وعظ کو ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو جائیں اس کی عبارت پڑھ کر اس کی شرح کر دیں۔ پھر آگے چلیں ان شاء اللہ ایک ہی ہفتہ میں آمد ہونے لگے گی۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا پہلا وعظ:

اس پر اس خادم نے دریافت کیا کہ حضرت والا نے پہلا وعظ کس طرح فرمایا تھا۔ ارشاد ہوا کہ اسی طرح کہا تھا کہ چند آیتوں کا ترجمہ کر کے مطلب بیان کیا تھا اور ختم کر دیا۔ سب سے پہلے وعظ میں نے جہاں تک مجھ کو یاد ہے والد صاحب کے حکم سے کہا تھا جبکہ میری شادی ہوئی تھی والد صاحب تو تقسیم طعام کے انتظام کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے انہو ں نے تو حوض والی مسجد میں جمعہ پڑھا۔ میں اور ماموں واجد علی صاحب جامع مسجد میں جمعہ کے لئے گئے۔ والد صاحب نے ماموں صاحب سے فرما دیا تھا کہ نماز کے بعد وعظ کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اعلان فرما دیا۔ میں بڑا گھبرایا کہ وعظ کیوں کر کہوں گا۔ میں نے ماموں صاحب سے عرض کیا کہ آپ نے اعلان کیا ہے تو آپ ہی وعظ فرمائیں۔ فرمایا تم کو کہنا ہوگا۔ بالآخر میں مجبور ہوا۔ منبر کے اوپر تو نہیں بیٹھا بلکہ نیچے کے حصے پر بیٹھ گیا۔ اور سر جھکا کر الٓمٓo ذلک الکتاب لا ریب فیہ چند آیتیں پڑھ کر ان کا ترجمہ کیا اور تھوڑی دیر مطلب بیان کر کے ختم کر دیا اس کے بعد جو مسجد سے باہر نکلا تو مجھے ماموں صاحب نے آگے چلنے کو فرمایا۔ میں نے عذر کیا کہ آپ سے آگے کیونکر چل سکتا ہوں۔ فرمایا اب تم مقتدا ہو گئے اور مقتدا کا احترام ضروری ہے۔ اگر ہم گھر کے آدمی ہی احترام نہ کریں گے تو دوسرے کیونکر احترام کریں گے۔ اس لئے میں حکم دیتا ہوں کہ تم آگے چلو۔ حکم سے مجبور ہو کر مجھے آگے چلنا پڑا۔ وہ میرے پیچھے چلے۔ اللہ اللہ پہلے بزرگوں کو مصالح پر کیسی نظر تھی۔ پھر رات کو مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کو خواب میں دیکھا۔ مولانا بڑے خوش تقریر تھے۔ مجھے مولانا سے بہت محبت تھی اور مولانا بھی مجھ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ مجھے مولانا کے انتقال کا بہت رنج تھا۔ میں نے خواب میں بھی یہی عرض کیا کہ مجھے آپ کے انتقال سے

بہت رنج ہے فرمایا میں تو اب بھی تمہاری طرف اسی طرح متوجہ ہوں جیسا زندگی میں متوجہ تھا۔اس کے بعد کبھی وعظ میں رکاوٹ نہیں ہوئی۔ پھر تو ہم سراج الواعظین مشہور ہو گئے۔

مقدمہ بازی کے باوجود شفقت وعقیدت:

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ مولانا شیخ محمد صاحبؒ سے زمینداری کے معاملات میں والد صاحب کی مقدمہ بازی رہتی تھی۔مگر مولانا نے اس کا اثر میرے متعلق کبھی نہیں لیا۔میرے ساتھ بہت محبت وشفقت فرماتے تھے۔اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے بعد یہ لڑکا ہوگا۔کبھی یہ خیال نہ فرمایا کہ یہ میرے مخالف کا لڑکا ہے۔میں اس کی تعریف کیوں کروں یا اس سے شفقت کیساتھ کیوں پیش آؤں۔اور والد صاحب کی بھی یہ حالت تھی کہ باوجود مقدمہ بازی کے ان کے دل میں بھی مولانا سے عقیدت تھی۔ایک دفعہ میرٹھ سے پان لائے تو ان کا دل چاہا کہ مولانا کی خدمت میں بھیجوں۔مگر خود بھیجنے میں یہ اندیشہ تھا کہ قبول نہ فرمائیں گے۔اس لئے مجھے واسطہ بنایا کہ تم یہ پان مولانا کی خدمت میں لے جاؤ چنانچہ میں لے گیا۔دوپہر کا وقت تھا دروازہ بند تھا میں نے جاکر پکارنا شروع کیا۔مولوی صاحب مولوی صاحب اس وقت مولانا صاحب وغیرہ جیسے تکلف کے الفاظ کا رواج ہماری جماعت میں نہ تھا۔نہ آپ اور جناب کا دستور تھا۔ بڑوں کو بزرگوں کو تم سے خطاب کرتے تھے۔ غرض دروازہ کھلا اور مولانا تشریف لائے چونکہ آرام کا وقت تھا اس لئے کرتہ بدن پر نہ تھا۔ رومال اوڑھے ہوئے تھے۔میں نے پان پیش کئے کہ والد صاحب نے یہ آپ کے لئے بھیجے ہیں۔مولانا کچھ دیر تو متامل رہے کہ اگر لیتا ہوں تو ایسے شخص کا ہدیہ ہے جس سے مقدمہ بازی ہے۔اس کو کیسے لوں اور اگر نہیں لیتا ہوں تو دل شکنی ایسے شخص کی ہے جس سے کوئی مقدمہ نہیں پھر آپ نے وہ پان لے لئے۔واپس نہیں فرمائے ادھر والد صاحب منتظر تھے کہ مولانا قبول فرماتے ہیں یا رد کردیتے ہیں۔جب میں نے آکر اطلاع دی کہ مولانا نے قبول فرمالئے تو بہت خوش ہوئے یہ تھا ہمارا پہلا وعظ جس کے بعد تو صدہا وعظ کہے۔

بزرگوں کی مشقت

حقیقت یہ ہے کہ مجھے تو میرے بزرگوں نے واعظ بنادیا۔حضرت مولانا محمود حسن

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کئی دفعہ میرا وعظ سنا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو بہت دفعہ سنا۔ ایک بار کچھ لوگ مجھ پر اعتراض کر رہے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس کی کتابوں پر کوئی اعتراض کر لے باقی وعظ میں تو انگلی رکھنے کی جگہ نہیں۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ ترغیب دیکر لوگوں کو میرے وعظ میں بھیجتے تھے۔ حالانکہ میں نے گنگوہ میں جب کبھی وعظ کہا اس کا اہتمام کیا کہ حضرت کو اطلاع نہ ہو۔ مگر حضرت کو اطلاع ہو جاتی تھی اور جب تک وعظ رہتا لوگوں کو اپنے پاس بیٹھنے سے منع فرماتے تھے۔ ارشاد ہوتا تھا کہ حقانی وعظ ہو رہا ہے وہاں جاؤ یہاں بیٹھے کیا کرتے ہو۔

یہ تھے بزرگوں کے طریقے، بزرگوں کی روش، بزرگوں کی شفقت اور بزرگوں کی محبت جس کی بدولت آج ہم کو ہر دولت اور ہر نعمت حاصل ہے جس نے اپنے بزرگوں کے طریقوں کو اختیار کیا ان کی روش پر چلا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ قعر ذلت میں گرا۔ اس تقریر اور اس بیان کا اثر جو مولوی عمر احمد صاحب پر ہوا اس کو کوئی ان کے دل سے پوچھے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مقصد میں کامیاب فرمائے اور حضرت والا کی ذات بابرکات کو ہم خدام و طالبین حق کے سروں پر تا مدت مدید قائم رکھے۔ حضور کے فیوض و برکات سے زمانہ کو مستفیض کرے اور سب کو اتباع سنت اور محبت اولیائے امت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ **و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد سیدالمرسلین و اٰلہ الطیبین و اصحابہٗ الطاھرین و اولیاء امتہ اجمعین**

احقر وصل بلگرامی یکشنبہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ مطابق ۴ جون ۱۹۳۹ء خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

نوٹ

یہ مجموعہ اور اس کا ضمیمہ نمبر ا ختم ہو چکا تھا اور اس کی اشاعت کے لئے امداد غیبی کا انتظار تھا۔ پس بحمد اللہ جبکہ آج ۸ رجب المرجب ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۹۳۹ء ہے۔ مکرمی جناب مولوی ظہور الحسن صاحب زاد مجدہم مالک کتب خانہ امداد الغرباء سہارنپور سے اس کی طباعت اور اشاعت کا ذکر ہو رہا ہے اور وہ اس کی طباعت و اشاعت بطیب خاطر منظور فرماتے ہیں۔ اسی دوران گفتگو میں دونوں کا خیال ہوتا ہے کہ اس کا حجم کم ہے اگر کچھ اور ملفوظات تیار شدہ اور حضرت اقدس مدظلہم کی نظر فیض اثر سے گزرے ہوئے ہوتے تو شامل کر دیئے جاتے۔ اتنے میں اس احقر کو فوراً خیال آیا کہ چند ایسے ملفوظات موجود ہیں ان کو تلاش کر کے نکالا گیا اور وہ حضرت اقدس مدظلہم العالی کی اجازت سراپا برکت کے بعد اس میں شامل کر کے بہ سلسلہ ضمیمہ نمبر ا (ضمیمہ نمبر ۲ کی صورت میں) شامل کر کے ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ خلق اللہ کے واسطے مفید ثابت ہوں۔ اور سب اس سے فائدہ اٹھائیں۔

احقر وصل بلگرامی

ضمیمہ نمبر ۲

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سہ شنبہ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۹۳۹ء بعد نماز ظہر

ایک جلسہ میں شرکت کی دعوت:

(۶) مجلس عام میں جناب مولوی منفعت علی صاحب وکیل سہارنپور جناب مولوی عبدالرحمان صاحب وکیل پٹنہ اور بہت سے حضرات حاضر تھے ایک خاص مقام سے ایک خاص اہم جلسے میں شرکت کی دعوت کا خط آیا تھا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر جناب والا شرکت نہ فرماسکیں تو اپنی طرف سے کسی کو بھیج دیں۔ اس سے پہلے اسی جلسے میں اشاعت کے واسطے ایک خاص مضمون بھیجنے کے لئے جناب مولانا ظفر احمد صاحب اور جناب مولوی شبیر علی صاحب نے اجازت طلب کی تھی۔ لیکن حضرت والا نے منظور نہیں فرمایا تھا اب یہ خط آیا تو حضرت والا نے جناب مولوی شبیر علی صاحب کے پاس بھیج دیا۔ جناب ممدوح نے اس کا جواب لکھ کر ملاحظۂ عالی کے لئے پیش کیا۔ حضرت والا نے مصالح بیان فرماتے ہوئے جواب بھیجنا نامناسب خیال فرمایا۔

جلسہ میں شرکت پر خدام کا اصرار

بعد عشاء جناب مولوی منفعت علی صاحب اور جناب مولوی عبدالرحمان صاحب کی رائے ہوئی کہ جواب جانا چاہیے اور اس کے لئے جناب مولوی شبیر علی صاحب کے ذریعہ سے حضرت اقدس کی گرامی خدمت میں عرض کیا جائے۔ چنانچہ دونوں حضرات اس خادم کو لے کر جناب مولوی شبیر علی صاحب کے پاس گئے وہاں جناب مولانا ظفر احمد صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ ان دونوں صاحبوں نے واقعات بیان کئے ضرورت ظاہر کی اور جواب بھیجنے کے

لئے رائے پیش کی۔ جناب مولانا ظفر احمد صاحب نے بھی جواب بھیجنے کی تائید فرمائی۔ لیکن جناب مولوی شبیر علی صاحب نے فرمایا کہ جب مضمون بھیجنا حضرت والا کے خلاف مزاج ہوا اور جواب بھیجنے کی اجازت نہیں دی تو پھر اصرار کرنا یا مکرر عرض کرنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت پر کیفیت جلال کا طاری ہونا اور خدام کو سمجھانا

دوسرے دن صبح کے وقت جب یہ خادم کسی ضرورت سے خدمت اقدس میں حاضر تھا تو کسی سلسلہ میں رات کے واقعہ کا ذکر آ گیا' اس ذکر سے حضرت والا پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں سمجھ کے کہتا ہوں۔ غور کرنے کے بعد کہتا ہوں۔ متعدد بار تجربہ ہو چکا ہے۔ وہی ہوا جو میں نے کہا تھا۔ پھر بھی نہیں سمجھتے۔ میں نے اپنے بزرگوں کی آنکھیں دیکھی ہیں ان کی صحبت اٹھائی ہے جو کچھ وہ فرماتے تھے خداوند کریم کے فضل سے پورا ہو کر رہتا تھا۔ ان کی نظر خدا کی مرضی پر تھی اور یہی وجہ تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے ہر کام میں برکت اور کامیابی عطا فرماتے تھے وہ جو کرتے' یا کہتے تھے۔

خدا کی رضا سے کہتے تھے۔ اسی سے وہ ہمیشہ غالب رہتے تھے۔ اب لہجے میں تیزی ہوگئی تھی۔ بیان میں کوئی دوسری قوت کارفرما تھی' آواز بلند تھی' چہرہ مبارک اور سر اقدس پسینہ سے تر تھا' یہاں تک کہ عمامہ عالی اتار کر رکھ دیا گیا تھا۔ اسی مضمون کی تحت میں عجیب جوش' عجیب کیفیت اور عجیب جذبہ کی حالت میں ایک ایسی تقریر فرما رہے تھے جو کسی طرح تحریر میں نہیں آ سکتی۔ جناب مولانا ظفر احمد صاحب بھی بے تاب ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کر آ گئے تھے عجب سماں تھا' عجب منظر تھا' عجیب کیفیت تھی' تمام فضا جوش سے بھری ہوئی تھی' معلوم ہوتا تھا در و دیوار کیا کل کائنات لرزاں ہے۔ یہاں تک کہ بے ساختہ زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے کہ جس طرح حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے نہیں پہچانا۔ خدا معاف کرے خدا معاف کرے مجھ کو بھی نہیں پہچانا۔ میں کس طرح ان بزرگوں کو سامنے لا کر دکھا دوں۔ میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے ان کی آنکھوں کے سامنے کس طرح کر دوں۔ یہ میرے سامنے کے بچے ہیں۔ انہوں نے ان بزرگوں کو نہیں دیکھا جن کو میں نے دیکھا

ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اپنے بزرگوں ہی کے طریقہ پر چلا جاؤں ان کے طریقہ سے ہٹنا مجھے سوہان روح ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا فضل و انعام ہے کہ جن بصیرت والوں نے میرے بزرگوں کو دیکھا ہے انہوں نے مجھے دیکھ کر شہادت دی ہے کہ میں اپنے بزرگوں کے طریقہ پر ہوں۔ الحمد للہ کہ یہ نعمت حق تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ میں اس کو کسی طرح ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میرے بزرگوں کا یہ خاص طرز تھا کہ خوامخواہ کسی سے الجھنا نہیں چاہتے تھے۔ کوئی ضرورت اور مجبوری ہی آ پڑے تو خیر۔ اسی طرز کے موافق میں نے یہ کہا تھا کہ اس خط کا جواب دینا مصلحت نہیں ہے۔ ان کو کس طرح بتاؤں کہ میرے بزرگوں کا کیا ارشاد ہے؟ وہ کیا فرما رہے ہیں۔ ان کے فرمانے کا منشاء کیا ہے؟ میں جو کچھ کہتا ہوں اپنے بزرگوں کے ایماء کے مطابق۔ ان کے طریق پر نظر کرتے ہوئے اور نہ جانے کیا کیا ارشاد فرماتے رہے۔ جناب مولانا ظفر احمد صاحب پر خوف کا غلبہ تھا۔ میری حالت غیر تھی وحشت سے کانپ رہا تھا۔ یہاں تک کہ رونا آ گیا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ وقت رونے کا نہیں ہے خوش ہونے کا ہے۔ اس کے بعد پھر اسی جوش کی حالت میں تقریر فرماتے رہے۔ مگر یہاں کس کو ہوش تھا جو وہ سب الفاظ یاد رکھتا۔ کس کے حواس تھے جو پوری تقریر سمجھ سکتا۔ الفاظ نکل رہے تھے اور کانوں میں پڑ رہے تھے مگر پتہ نہیں چلتا تھا کیا تھے۔ دماغ سمجھنے سے قاصر تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اگر کچھ دیر اور تقریر جاری رہتی یہی عالم رہتا تو نہ معلوم کیا حال ہو جاتا۔ نہ یہ حالت کبھی دیکھی نہ یہ منظر کبھی سامنے آیا۔ یہ وہ ساعتیں تھیں جو کبھی بھول نہیں سکتیں۔ یہ وہ گھڑیاں تھیں جو کبھی فراموش نہیں ہو سکتیں۔ یہ اسرار الٰہی تھے ان کو ان کے جاننے والے ہی جان سکتے ہیں۔ میں نے تو صرف اس قدر سنا اور سمجھا ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

بعد کے حالات نے حضرت کی رائے کی تصدیق کر دی

اور بس (نوٹ) پھر اس جلسہ مذکورہ کے بعد جس میں حضرت والا کو دعوت شرکت دی گئی تھی قریب ہی ایک سخت ناگوار واقعہ پیش آیا جس کو عام نظروں میں اس جلسہ کی

تقریروں کا اثر سمجھا گیا۔ اس وقت عین الیقین کے درجہ میں سب کی سمجھ میں آیا کہ جواب کا نہ جانا اور مضمون نہ بھیجنا عین مصلحت تھا۔ ورنہ بعض نگاہوں میں ان تقریروں کو اس مضمون کا اثر سمجھا جاتا کہ اس مضمون کی مخالفت ان تقریروں کا سبب ہوئی۔

چہارشنبہ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ
مطابق ۱۰ مئی ۱۹۳۹ء بعد نماز ظہر مجلس عام

اکابرین دیوبند میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کا مقام:

(۷) فرمایا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قطب الارشاد کے درجے کیساتھ کچھ عرصہ کے لئے قطب التکوین کا مرتبہ بھی عطا فرمایا تھا۔ کچھ دنوں کے لئے تکوینی خدمت بھی مولانا کے سپرد ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں کوئی مجذوب بدون حضرت کی اجازت کے وہاں نہیں آ سکتا تھا۔ جو آتا تھا اجازت لے کر آتا تھا۔ یہ خاص شان مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی میں نہ تھی۔ اور ہمارے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ قطب الارشاد تھے۔ اس پر اس خادم نے عرض کیا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ تھا۔ فرمایا نہیں۔ ہمارے بزرگوں کی تو یہ رائے تھی کہ اس جماعت میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ سب سے بلند تھا۔ رہ گیا قطب التکوین ہونا یہ اور امر ہے۔ اور مراتب کمال میں خاص شان رکھنا اور ہے جیسا حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ ہے۔ حضرت خضر قطب التکوین تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قطب الارشاد۔ اور یقیناً موسیٰ علیہ السلام ان سے افضل تھے۔ خضر علیہ السلام کی تو نبوت تک میں اختلاف ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت قطعی ہے اور نبوت کے ساتھ وہ انبیائے اولوالعزم میں سے ہیں۔ انبیاء میں ان کا بہت بڑا درجہ ہے مگر وہ قطب التکوین نہ تھے۔ اسی لئے جناب خضر کے معاملات کو نہ سمجھے۔ اور ان کے ہر فعل پر اعتراض کرتے رہے۔ غرض بعض علوم تکوینیہ اللہ تعالیٰ نے

حضرت خضر علیہ السلام کو ایسے عطا فرمائے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہ تھے۔ اور اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام سے ایک خاص بناء پر استفادہ کرنا پڑا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت خضر علیہ السلام کا مرتبہ بلند ہو گیا۔ حسن میمندی عہدہ دار وزیر تھا اور ایاز غیر عہدہ دار محبوب تھا۔ فرمایا ہمارے اور بزرگ تو اپنے خاص حالات اور معاملات کو پوشیدہ رکھتے تھے مگر مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہر چیز ظاہر ہو جاتی تھی کبھی کبھی جذب کی حالت بھی طاری ہو جاتی تھی۔ اور اس وقت جو الفاظ زبان سے نکل جاتے تھے وہ پورے ہو کر رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ غلبہ کی حالت میں فرمانے لگے ایک سخت وبا آنے والی ہے جو رمضان کی وجہ سے رک رہی ہے۔ ہر شخص کو ہر چیز میں سے خیرات کرنا چاہیے خواہ نقد ہو یا غلہ یا اور کوئی مال۔ معتقدین نے تو یہ کلمات سنتے ہی خیرات کرنا شروع کر دیا۔ مخالفین نے کہنا شروع کیا معلوم ہوتا ہے مدرسہ کو ضرورت ہے۔ اسی لئے یہ ڈھونگ نکالا ہے۔ کسی طرح حضرت کے کان میں بھی یہ بات پہنچ گئی۔ پھر کیا تھا غصہ آ گیا۔ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر جوش میں کہنا شروع کیا۔ یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیو بند۔ جب سکون ہوا اور لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کلمات کیا فرما دیئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا۔ کیا میری زبان سے یہ الفاظ نکلے ہیں۔ عرض کیا گیا ہاں۔ فرمایا اب تو یوں ہی ہو کر رہے گا۔ چنانچہ یہی ہوا اور دیو بند میں ایسی سخت وبا آئی کہ تمام قصبہ پریشان اور تباہ ہو گیا۔ ایک ایک دن میں معلوم نہیں کتنی لاشیں نکلتی تھیں یہاں تک کہ خود حضرت کے یہاں چودہ اموات ہوئیں۔ خود آپ بھی اس میں مبتلا ہوئے۔ مگر صحت یاب ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد پھر ایک جوش پیدا ہوا اور اسی طرح آسمان کی طرف نظر اٹھا کر فرمانے لگے میں تو سمجھا تھا کہ میرا وقت آ گیا مگر یہ کیا ہوا۔ اس کے بعد ہی حضرت پر دوبارہ وبا کا حملہ ہوا اور اسی میں آپ کی وفات ہوئی۔ یہ شان تھی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی۔

پنجشنبہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ

مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۹ء بعد نماز فجر دوران مشی

علماء وطلبہ کے لئے تہجد کا پابندی امام احمد کا واقعہ

(۸) آج کل کے علماء ومشائخ کی عبادت وریاضت اور اتباع سنت کی طرف توجہ نہ کرنے پر فرمایا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے ایک طالب علم آپ کا مہمان ہوا۔ رات کو سونے کے وقت آپ نے اس کے پاس لوٹے میں پانی بھر کر رکھ دیا۔ صبح کو جب آپ وہاں تشریف لائے تو دیکھا لوٹے میں پانی اسی طرح رکھا ہے تب آپ نے اس مہمان طالب علم سے فرمایا کہ میں نے لوٹے میں پانی بھر کر اس لئے رکھ دیا تھا کہ تم تہجد کے لئے اٹھو گے تم کو وضو کے لئے پانی تلاش کرنے کی دقت نہ ہو۔ مگر میں نے دیکھا کہ پانی اسی طرح رکھا ہے معلوم ہوتا ہے تم تہجد کے پابند نہیں۔ بہت افسوس کی بات ہے۔ طالب علموں کو اس کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ اگر طلبہ اور علماء ہی پابند نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا۔

بعد نماز ظہر

بہر حال فضیلت اتباع سنت میں ہے

(۹) فرمایا آج کل لوگ بزرگی اور درویشی اس کو سمجھتے ہیں کہ جو کچھ فتوحات ہوں صرف کر دی جائیں کل کے لئے کچھ نہیں رکھا جائے گو یہ بھی ایک حالت ہے جو فی نفسہ محمود ہے مذموم نہیں۔ لیکن جو فضیلت اور برکت اتباع سنت میں ہے وہ اس حالت میں نہیں۔ اگر یہ حالت افضل ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے لئے سال بھر کے خرچہ کے لئے غلہ نہ فراہم فرماتے۔

۲۱ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق
۱۲ مئی ۱۹۳۹ء بعد نماز جمعہ مجلس عام

حضرت شاہ محمد شیر پیلی بھیت والے اور ان کے دو ملفوظ

(۱۰) فرمایا۔شاہ محمد شیر صاحب پیلی بھیت میں مشہور بزرگ گزرے ہیں تھے تو وہ امی۔کنگھیاں بناتے تھے۔مگر ریاضت ومجاہدہ کی برکت سے ان کی وہ حالت ہوگئی تھی جو اہل باطن کی ہوتی ہے۔وہ ایسی باتیں کہہ جاتے تھے جن کو اہل علم ہی کہہ سکتے ہیں۔مجھے بھی دو مرتبہ ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔جب میں کانپور میں تھا تو ایک نکاح کی تقریب میں ایک دوست اپنے ہمراہ پیلی بھیت لے گئے۔وہاں بھی حاضر ہوا۔میں نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی محبت عطا فرماویں۔فرمانے لگے کہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو رگڑو۔میں نے رگڑا۔پوچھا کچھ گرمی پیدا ہوئی۔عرض کیا جی ہاں۔فرمایا بس اسی طرح رگڑتے رہو۔محبت ہو جائے گی۔دوسری مرتبہ جہاں میں تھا یعنی مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تشریف لائے۔مدرسہ کو ملاحظہ کیا۔میں نے مدرسہ کی حالت عرض کی کہ دوسرے مدارس کی طرح کسی خاص قوم کی اعانت اس کو حاصل نہیں اور کسی بنیاد پر قائم نہیں اور ترقی کی دعا کے لئے عرض کیا۔فرمایا سارے عالم کی بنیاد معلوم ہے کیا ہے۔عرض کیا مشہور ہے کہ زمین کے نیچے گائے ہے جو اپنے سینگوں پر تمام بنیاد کو سنبھالے ہوئے ہے۔پوچھا اس کو سنبھالنے والا کون ہے۔عرض کیا قدرت۔فرمایا جب قدرت تمام کائنات کو سنبھال سکتی ہے تو کیا مدرسہ کو نہیں سنبھال سکے گی۔

ملامتیہ کا اصل مطلب اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

(۱۱) فرمایا بعض لوگ ملامتیہ کے معنے یہ سمجھتے ہیں کہ جو بظاہر خلاف شرع اعمال کرتے ہیں۔ان سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ انکو بڑا نہ سمجھیں بلکہ ذلیل خیال کریں مگر یہ اصطلاح مخترع ہے۔اہل فن کی اصطلاح میں فرقہ ملامتیہ وہ ہے جو اپنے اعمال کو مخفی

رکھتے ہیں۔بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم کے عمل سے بھی یہ طریق ماخوذ ہے۔حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے یہاں ایک مہمان آئے حضرت نے بی بی سے دریافت کیا کچھ کھانا ہے۔ معلوم ہوا کہ بچوں کے لئے کچھ رکھا ہے۔فرمایا کچھ حرج نہیں مہمان کو کھلا دینا چاہیے مگر چونکہ مہمان کے ساتھ ہم کو خود بھی بیٹھنا اور کھانا پڑے گا۔اس لئے یہ کرنا کہ کھانا شروع کرنے کے وقت چراغ گل کر دینا اور مہمان کے ساتھ ہم خالی منہ چلاتے رہیں گے۔ مہمان کو یہ سمجھ رہا تھا کہ ساتھ کھانا کھا رہے ہیں چنانچہ ان کا یہ عمل مقبول ہوا اور ان کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی۔**ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ** اس حدیث کے اس جزو پر کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں کو بھوکا رکھا یہ طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے کہ بچوں کو بھوکا رکھنا شرع کے خلاف ہے مگر شراح حدیث نے یہ جواب دیا ہے کہ بچے بھوکے نہیں تھے جس طرح بعض بچے باوجود بھوک نہ ہونے کے کسی چیز کے لئے ضد کیا کرتے ہیں۔بہلانے سے بہل جاتے ہیں ان کا بہلانا بھی اسی طرح کا تھا۔

فرقہ قلندریہ

(۱۲) اسی سلسلہ میں فرمایا کہ فرقہ قلندریہ متقدمین کی اصطلاح میں وہ ہیں جو اپنے اعمال ظاہری میں تقلیل کرتے ہیں اور اعمال باطنی میں زیادتی کا اہتمام کرتے ہیں۔طریق قلندریہ کے متعلق میں نے پانی پت میں حضرت قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ایک وعظ بھی کہا تھا۔اس میں اس طریق کو واضح طور سے بیان کیا گیا ہے۔

فقیہ کون ہے:

(۱۳) فرمایا آج کل فقیہ ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کو جزئیات زیادہ یاد ہوں حالانکہ فقیہ وہ ہے جس کو دین کی اعلیٰ درجہ کی سمجھ ہو۔

کامل کون ہے

(۱۴) فرمایا کامل وہ ہوتا ہے جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پورا متبع ہو۔طریق سنت میں اعتدال ہوتا ہے افراط وتفریط نہیں ہوتی۔

شنبہ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۳ مئی ۱۹۳۹ء

''خیر القرون قرنی'' سے خلفاء راشدین کی خلافت کا اثبات

(۱۵) فرمایا ایک شخص نے خیر القرون قرنی کے آخری لفظ قرنی سے بطور لطیفہ کے چاروں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اثبات خلافت کا نکتہ اس طرح بیان کیا تھا کہ لفظ صدیقؓ کا آخر حرف قؔ عمرؓ کا آخری حرف رؔ عثمانؓ کا آخر حرف نؔ اور علیؓ کا آخری حرف یؔ لے لیا۔ اور یہی چاروں حرف لفظ قرنی میں بترتیب موجود ہیں۔ اسی ترتیب کو کسی نے دوسرے عنوان سے اس طرح نظم کیا ہے۔

ابوبکرؓ یکسو علیؓ ایک جانب ۔۔۔ الف اور بے کی طرح ان کو جانو
یہ تشبیہ ہے واقعی تو جگہ بھی ۔۔۔ وہ اول خلیفہ کے اول میں آیا
خلافت کو گھیرے ہیں باصد صفائی ۔۔۔ کہ محضور ہے جن میں ساری خدائی
الف اور بے نے بترتیب پائی ۔۔۔ یہ آخر خلیفہ کے آخر میں آئی

حضرت کا اپنے سر میں تیل لگوانے پر حدیث شریف سے استدلال

(۱۶) قاری شاہ محمد صاحب حضرت والا کے سر مبارک میں تیل لگا رہے تھے۔ اس پر فرمایا کہ اس حدیث شریف کے لحاظ سے کہ لنفسک علیک حقا جب میں سر میں تیل ملواتا ہوں یہ خیال کر لیتا ہوں کہ یہ بھی ایک سرکاری مشین ہے جس طرح مشین کے لئے تیل کی ضرورت ہے اس کے لئے بھی تیل کی ضرورت ہے اور سرکاری مشین اس لئے کہا کہ مسئلہ ہے کہ جب کوئی چیز غلام کی ملک میں اضطراراً بھی آ جاتی ہے وہ اس کی ملک میں نہیں ہوتی بلکہ وہ مولا ہی کی ملک ہوتی ہے۔

شیخ تک اپنے باطنی اسرار پہنچانے میں اخفاء ضروری ہے

(۱۷) مولوی عبد الرحمان صاحب وکیل پٹنہ نے اپنے حالات لکھ کر حضرت اقدس کے پاس بھیجے تھے اور جواب کے لئے لفافہ رکھ دیا تھا۔ جواب تحریر فرما کر مولوی فقیر محمد صاحب جو کچھ عرصہ سے مولوی عبد الرحمان صاحب کے پاس ہی رہتے ہیں اور اس وقت

تھانہ بھون آئے ہوئے تھے اور حاضر مجلس تھے۔ ان سے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کچھ وکیل صاحب کو لکھنا چاہیں لکھ کر دیدیں تا کہ ان کے خط میں رکھ دیا جائے۔ اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر مولوی فقیر محمد صاحب پٹنہ جا کر اپنے حالات لکھ کر مولوی عبدالرحمان صاحب کے خط میں رکھ دیا کریں تو مناسب ہے یا نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ یہ مناسب نہیں ہے۔ ہر شخص کو اپنے حالات علیحدہ لکھنا چاہیں۔ ایک شخص کا باطنی حال اور علاج دوسرے کو معلوم ہونا مضر ہے۔ جس طرح طبیب بعض حالتوں میں کسی مریض کو ہدایت کرتا ہے کہ اپنا نسخہ دوسرے مریض کو نہ بتائے کیونکہ اس سے دوسرا مریض جس کو کڑوی دوادی گئی ہے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ طبیب پہلے شخص پر زیادہ مہربان ہے اور مجھ پر اس قدر مہربان نہیں۔ اسی طرح طالب کو اپنے شیخ سے بدگمانی ہوتی ہے۔ اور اس پر اعتماد نہیں رہتا۔ جو طریق کے لئے ضروری بلکہ شرط ہے اس طریق میں اسرار بھی ہوتے ہیں کیونکہ ہر شخص کا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ جداگانہ ہوتا ہے جس کا اظہار طریق کی بے ادبی ہے۔ اسی واسطے اس طریق میں اپنے حالات کو مخفی رکھنے کی تعلیم کی جاتی ہے۔

مبتدی کیلئے وعظ کہنا مضر ہے ایک واقعہ سے اس کی تفہیم

(۱۸) فرمایا میرے پردادا صاحب جن کا زبانوں پر مشہور نام فرید تھا اور بعض پرانے کاغذات میں غلام فرید دیکھا گیا ایک بارات کے ساتھ کیرانہ جارہے تھے راستہ میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ پردادا صاحب بہت اچھے تیرانداز تھے۔ بہلی میں بیٹھے بیٹھے تیر چلاتے رہے۔ کسی نے ان کو دیکھ لیا اور شہید کر دیا۔ رات کو میری پردادی صاحبہ کے پاس جس وقت وہ جاگ رہی تھیں تشریف لائے اور باتیں کیں اور جاتے وقت کچھ مٹھائی اور پھل دے گئے کہ بچوں کو دیدیں بھوکے نہ رہیں۔ اور فرمایا کہ اس واقعہ کی کسی کو اطلاع نہ کریں۔ چونکہ اس زمانہ کے لحاظ سے ایک بیوہ کے پاس مٹھائی کا آنا عرفاً برا تھا اس لئے پردادی صاحبہ نے اس کو ظاہر کر دیا اور اس کے بعد پردادا صاحب پھر کبھی تشریف نہیں لائے۔ بات تو تھی چھوٹی سی مگر مضرت کا خطرہ کس قدر تھا جو اس طرح بند ہو گیا۔ اسی طرح اس طریق میں مبتدی کو

عظ کہنا مضر ہے کیونکہ مبتدی پر جو کچھ حالات طاری ہوتے ہیں وہ ان کو جوش میں ضبط نہ کر سکے گا۔ وعظ میں بیان کر دے گا اور اس کے اسرار سب کو معلوم ہو جائیں گے۔

جس سے لوگوں میں اس کے ساتھ عقیدت پیدا ہوگی۔ اور چونکہ مبتدی کے اخلاق ہنوز پختہ نہیں ہوتے اس لئے اس میں عوام کی عقیدت سے عجب پیدا ہو جائے گا۔ جس کا مضر ہونا ظاہر ہے۔

دماغ دیہاتیوں کے اچھے ہوتے ہیں اور زبان شہریوں کی

(۱۹) فرمایا اکثر علماء و فضلاء و مشائخ قصباتی ہوئے ہیں۔ قصباتی لوگوں میں سادگی ہوتی ہے جس کو فطرت سے قرب ہوتا ہے۔ اور شہریت میں تنعمات ہیں جو فطری نہیں ہوتے اس لئے قصباتیوں کے دماغ شہریوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ گو زبان شہریوں کی اچھی ہوتی ہے۔

تعویذ دینے میں حضرت کا طریقہ کار اور احتیاط

(۲۰) ایک طالب علم مقیم حیدر آباد حضرت والا کی زیارت کو آئے اور کسی اپنے رشتہ دار کے لئے آسیب کے تعویذ کی درخواست کی۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ میں اس فن کو نہیں جانتا۔ البتہ توکلاً علی اللہ جو میری سمجھ میں آتا ہے لکھ دیتا ہوں۔ اگر فائدہ نہ ہو تو کسی عامل سے رجوع کریں۔ اور اگر آپ کہیں تو میں کسی عامل کا پتہ بھی بتا دوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے صرف حضرت والا کے تعویذ کی ضرورت ہے کسی عامل کا نہ پتہ مقصود ہے نہ ضرورت۔ حضرت والا نے ان کے اصرار پر ایک تعویذ اور تین فتیلے لکھ دئے۔ اور فرمایا کہ اس فتیلہ میں ایک جملہ سوختہ شود بھی لکھا جاتا ہے چونکہ کسی جاندار کو جلانا فی نفسہ خلاف شریعت ہے اس لئے میں نے اس میں ایک ترمیم کر دی ہے۔ میں یہ بھی لکھ دیا کرتا ہوں کہ اگر نہ گریزند سوختہ شوند' یہ ایک فقہی مسئلہ ہے کہ اگر دشمن کا محاصرہ کیا جائے تو اس کے ارد گرد آگ جلا دینا جائز ہے۔ مگر اس میں ایک طرف راستہ بھی رکھنا چاہیے تا کہ وہ بھاگ سکے اگر اس پر بھی نہ بھاگے تو اپنی خوشی جلے گا۔ شریعت میں کوئی تنگی نہیں ہے تنگی ہے تو ہماری معاشرت میں۔ میں نے الہ آباد میں ماجعل علیکم فی الدین من حرج پر

ایک وعظ بیان کیا تھا اس میں اس مسئلہ کی کافی وضاحت کر دی گئی ہے۔ یہ بات ایک مثال سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی طبیب کسی مریض کو کوئی نسخہ لکھ دے اور پرہیز بھی بتائے۔ مریض دریافت کرے کہ کیا کیا چیزیں کھائی جائیں۔ طبیب کہے۔ بکری کا گوشت' مریض جواب دے میرے یہاں نہیں ملتا۔ طبیب کہے لوکی کھاؤ۔ مریض جواب دے لوکی بھی ہمارے یہاں نہیں ملتی۔ طبیب کہے اچھا پالک کھاؤ۔ مریض پھر وہی جواب دے پالک ہمارے یہاں نہیں ملتی۔ غرض طبیب جو چیز بتائے اُسکے جواب مین مریض یہی کہتا جائے کہ یہ چیز میرے یہاں نہیں ملتی اس پر طبیب کہے اچھا تمہارے یہاں کون کون سی چیزیں ملتی ہیں وہ کہے بھینس کا گوشت' آلو' چنے کی دال' بینگن تو ایسی صورت میں طبیب یہی کہے گا کہ ان چیزوں کی تو اجازت نہیں ہو سکتی اگر اس حالت میں مریض کہے کہ حکیم صاحب کے مطب میں تو بڑی تنگی ہے۔ تو اس کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ ہر عاقل یہی کہے گا کہ حکیم صاحب کے مطب میں تو تنگی نہیں انہوں نے دس چیزیں کھانے کی اجازت دی مگر خود تمہارے یہاں تنگی ہے کہ کوئی مفید چیز نہیں ملتی۔ تم ہی اس بستی کو چھوڑ دو۔ اسی طرح شریعت میں تنگی نہیں ہے تمہارے گاؤں میں تنگی ہے۔

آخر میں فرمایا کہ لفظ فلیتہ غلط مشہور ہو گیا ہے۔ اصل میں فتیلہ ہے جو فتل سے مشتق ہے جس کے معنی باٹنے کے ہیں چونکہ فتیلہ بھی باٹا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو فتیلہ کہتے ہیں۔ اسی تعویذ کے سلسلہ میں فرمایا کہ تفریق کا تعویذ دینا میں نے احتیاط اور خطرات کے خیال سے ترک کر دیا ہے۔ بعض دفعہ اس سے یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ محب نے اپنے محبوب کے قتل کی کوشش کی ہے۔

اُمراء کی اصلاح کا طریقہ

(۲۱) فرمایا کہ میں امراء کو اور ایسے لوگوں کو بیعت نہیں کرتا جن کو ان کی کسی غلطی پر نالائق یا کم از کم ان کی حرکت کو بھی نالائق نہ کہہ سکوں۔ بعض لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ پھر ایسے لوگوں کی اصلاح کس طرح ہو۔ تو میں کہتا ہوں کہ یہ ان کے اختیار میں ہے وہ مجھ سے ایسے تعلقات پیدا کریں جس کی وجہ سے بے تکلفی ہو جائے پھر اس کے بعد مضائقہ نہیں۔

یکشنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۳۹ء

صحیح قرآن نہ پڑھنے والے کے پیچھے صحیح قاری کی نماز کا مسئلہ

(۲۲) فرمایا کہ میں آج کل حوض والی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھا کرتا ہوں۔ وہاں کوئی امام مقرر نہیں ہے۔ کل ایک صاحب نے نماز پڑھائی۔ ثم کلا سوف تعلمون میں ثم کو ثما اور لترون الجحیم ثم لترونها عین الیقین میں بھی ثما پڑھا۔ مگر خیر آخر میں ثم لتسئلن میں ثم صحیح پڑھا۔ نماز تو صحیح ہوگئی۔ کیونکہ امام فضلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس شخص کو غلط لفظ پڑھتے پڑھتے اس کی عادت ہوگئی ہو تو وہ اس کا لغت ہو جائے گا۔ لہذا ایسے شخص کے پیچھے صحیح قرآن پڑھنے والے کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ ایک طالب علم نے بھی مجھے لکھا ہے کہ وہ ایک ایسی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں جہاں کا امام قرآن صحیح نہیں پڑھتا۔ اور وہ تجوید جانتے ہیں۔ عالمگیری میں لکھا ہے کہ قرآن صحیح پڑھنے والے کی نماز قرآن صحیح نہ پڑھنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی۔ بلکہ اس جماعت میں جتنے لوگ ہیں ان صحیح خوان کے ہونے سے ان سب کی بھی نماز صحیح نہ ہوگی۔ اس لئے میں کیا کروں۔ میں نے امام فضلیؒ کا قول نقل کر کے لکھ دیا ہے کہ میرا عمل بھی اسی پر ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی معمول تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں ایک ترکی امام کے پیچھے مولانا نے اور کئی علماء نے نماز پڑھی ترکی ک کی جگہ چ پڑھتے ہیں امام نے بھی ایاک کی جگہ ایاچ نعبد پڑھا۔ سب لوگوں نے نماز لوٹائی مگر مولانا نے نہیں لوٹائی اور یہی ارشاد فرمایا۔

مولانا نذیر حسین دہلوی کا واقعہ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ شان صوفیت

(۲۳) فرمایا ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی شخص نے مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی کا واقعہ بطور اعتراض کے بیان کیا کہ ان کے پاس ایک حنفی

اور ایک غیر مقلد قراءت فاتحہ خلف الامام مین جھگڑے ہوئے آئے۔ حنفی نے اپنا قول ممانعت کا بیان کیا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ٹھیک کہتا ہے۔ غیر مقلد نے اپنا قول وجوب کا بیان کیا اس کو بھی یہی کہا کہ ٹھیک کہتا ہے۔ اعتراض یہ کیا کہ دونوں باتیں کیسے صحیح ہوسکتی ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ دونوں کے لئے دلائل موجود ہیں اس لئے کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم اس اختلاف کو کیا لئے پھرتے ہو ایک دن ایسا ہوگا یعنی قیامت کہ اس میں بہت لوگ ایسے بخشے جائیں گے جن کو تم دنیا میں کافر سمجھا کرتے تھے اور واقع میں کافر نہ تھے۔ مگر تم کو ان کے ایمان کا ادراک نہ تھا۔ یہ تو مولانا کی صوفیت کی شان تھی پھر علم کی شان بھی ظاہر ہوئی کہ فرمانے لگے کو کبھی کبھی کسی کو دھمکانے کے لئے کافر بھی کہہ دیا کرو۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ پر تہمت

(۲۴) فرمایا کہ ایک زمانہ میں مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بعض لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ لاالہ الا اللہ کیساتھ محمد رسول اللہ کہنے کو بدعت بتاتے ہیں۔ اس کے متعلق امیر شاہ خان صاحب نے مولانا سے دریافت کیا۔ فرمایا بالکل بہتان ہے۔ پھر تامل کے بعد فرمایا کہ ہاں جب موذن اذان کے اخیر میں لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو اس وقت سامع کو جواب میں صرف لاالہ الا اللہ کہنا چاہیے محمد رسول اللہ نہیں کہنا چاہیے میں نے اسی کو منع کیا تھا۔ لوگوں نے اس سے بدنام کیا ہے۔

یکشنبہ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۹۳۹ء علی الصباح بوقت مشی

اہل عرب کی وضعداری:

(۲۵) فرمایا عرب میں وضعداری اور خلق اس قدر تھا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے اور اب بھی اس کا اثر وہاں موجود ہے خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے جس کا اشارہ

سورہ الفرقان کی آیت ویوم یعض الظالم علیٰ یدیه یقول یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا کی شان نزول میں کیا گیا ہے اور در منثور میں بالفاظ مختلفہ اس طرح مروی ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے ایک بار ایک مجلس دعوت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا آپ نے فرمایا کہ جب تک تو اسلام نہ لائے گا میں دعوت نہ مانوں گا۔ اس نے کلمہ پڑھا آپ دعوت میں شریک ہو گئے۔ یہ خبر ابی بن خلف کو جو اس کا دوست تھا پہنچی۔ اس نے ملامت کی۔ عقبہ نے جواب دیا کہ میں نے بمصلحت ان کی خاطر سے ظاہراً کلمہ پڑھ لیا تھا دل سے اسلام نہیں لایا تھا۔ یہ تھی عرب کی تواضع اور مہمانداری کی مثال۔ اسی ضمن میں فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک عرب میرے مہمان ہوئے۔ اور ایک سفارشی خط کی فرمائش کی۔ میں نے اپنے معمول کے مطابق صحیح عذر کر دیا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ میں سمجھا کہ معاملہ رفت گذشت ہو گیا۔ جب کھانے کا وقت آیا اور کھانا دسترخوان پر چنا گیا تو عرب صاحب سے کہا گیا کہ ہاتھ دھوئیں۔ انہوں نے قطعاً انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک مجھے سفارشی خط نہ مل جائے گا میں کھانا نہیں کھا سکتا۔ میں نے بھی ان کی حالت دیکھ کر اور مہمان سمجھ کر وعدہ کر لیا انہوں نے کھانا کھالیا اور میں نے بھی خط لکھ دیا۔

بدویوں کی سادگی اور حُر کی اُلٹی سوچ

(۲۶) بدویوں کی سادگی، خوش عقیدگی اور خلوص کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں نے مولوی محمد سعید مہتمم مدرسہ صولتیہ سے سنا ہے کہ ایک ترکی شیخ جو کسی باطنی مشکل میں الجھ گیا تھا روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر اپنی مشکلات کو بیان کر کے جو مانگنا تھا مانگتا رہا کئی روز تک التجا کی مگر وہ مشکل حل نہ ہوئی۔ ایک روز ایک بدوی کو دیکھا کہ وہ حاضر ہے اور والہانہ انداز میں زور زور سے کہہ رہا ہے میں نے سنا ہے آپ نبی ہیں۔ رسول ہیں۔ بڑے رحیم و کریم ہیں۔ اپنی امت پر آپ کی بڑی شفقت ہے۔ میں بھی آپ کی امت میں ہوں۔ میرا گاؤں قحط سالی کی وجہ سے پریشان ہے۔ پانی نہ برسنے کی وجہ سے تباہی آ گئی ہے۔ آپ توجہ کیجئے پانی برسے اور قحط سالی رفع ہو۔ جس وقت پانی برسے گا ایک مشکیزہ گھی کا حضور کے نذر کروں گا۔

خدام روضہ اقدس یہ سن کر لکڑی لئے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے وہ بھاگا۔ اسی حالت میں اس کی نظر آسمان کی طرف اٹھ گئی۔ دیکھا کہ اس کے گاؤں کی طرف ایک ابر کا ٹکڑا جم رہا ہے جس کی ہیئت سے پہچانا کہ برس رہا ہے۔ بہت خوش ہوا اسی وقت کسی ملنے والے سے کچھ قرض لے کر ایک مشکیزہ گھی کا خریدا اور لے کر روضہ مبارک پر حاضر ہوا۔ وہ سمجھتا تھا کہ حضور جالی کے اندر تشریف رکھتے ہیں باہر تشریف نہیں لاتے تمام ضروریات وہیں پوری فرماتے ہیں اس نے یہ دیکھ کر کہ کوئی دیکھ نہیں رہا ہے مشکیزہ کا منہ جالی کے اندر کر کے گھی انڈیلنا شروع کر دیا۔ خدام پھر اس کے پیچھے دوڑے وہ اسی حالت میں چلتا ہوا تر کی یہ معلوم کر کے کہ بدوی کا کام ہو گیا ہے کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں بھی معاذ اللہ قومی عصبیت موجود ہے۔ اور یہ کہہ کر چل دیا۔ مگر یہ اثر اس بدوی کی خوش عقیدگی کا تھا۔ اس میں قومی ہمدردی کیا تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور کو خاص شفقت نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ عرب قوم ہی سے نہیں تھے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی میں دو تعلق ایک ساتھ جمع ہو جائیں قومی بھی اور دینی بھی اور مزید توجہ کا سبب ہو جاوے مگر یہ نہیں کہ جہاں صرف قومی ہی تعلق ہو اور دینی نہ ہو وہاں بھی توجہ ہو۔ اصل مدار حضور کی توجہ کا صرف دین تھا۔ چنانچہ تمام صحابہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفقت تھی کہ ہر ایک کے ساتھ برادرانہ اور مساویانہ برتاؤ تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور نے ایک صحابی کی کوکھ میں مزاحاً انگلی چبھو دی۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں تو بدلہ لوں گا۔ حضور نے ارشاد فرمایا اچھا بدلہ لے لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے بدن پر تو اس وقت کرتہ نہ تھا۔ حضور نے کرتہ ہٹا دیا بس انہوں نے بوسہ لے لیا اور عرض کیا کہ میری غرض تو صرف اس شرف کے حاصل کرنے کی تھی ورنہ بدلہ لینے کی کیا مجال۔ دوسری طرف حضور کے ہیبت و جلال کا یہ عالم تھا کہ کسی نے ایک صحابی سے حضور کا حلیہ مبارک دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ جس نے کبھی حضور کو آنکھ بھر کر دیکھا ہو اس سے پوچھو۔ میری تو ہیبت و جلال کی وجہ سے کبھی چہرہ مبارک کی طرف آنکھ ہی نہ اٹھ سکی۔ یہ تھی شان مبارک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کی حضرت عارف شیرازی نے خوب فرمایا ہے ؎

بخدا کہ رشکم آید زد و چشم روشن خود ... کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے

بدویوں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

اور اب بدویوں میں وہ رنگ محبت کا کچھ کچھ جھلکتا ہے ان کا یہ حال ہے کہ جب کبھی دو بدویوں میں لڑائی ہوتی ہے یہاں تک کہ دونوں تلواریں لے کر سامنے مقابلہ کے لئے آ جاتے ہیں اور کوئی تیسرا بیچ میں آ کر صل علی النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیتا ہے دونوں تلواریں نیام میں کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح خاموش ہو جاتے ہیں گویا کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔ بدویوں میں جب پنچایت ہوتی ہے تو ایک فریق واقعات بیان کرنے سے پہلے الفاتحة علی النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر روح اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصال ثواب کرتا ہے پھر کچھ گفتگو کرتا ہے اور جب دوسرے کی باری آتی ہے تو وہ بھی یہی کہتا اور یہی عمل کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں کا جوش اور جذبہ کم وہ جاتا ہے اور غیظ و غضب جاتا رہتا ہے۔ یہ سب اثر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کا ہے۔

کوئی واصل ہو کر راجع نہیں ہو سکتا

(۲۷) اس تذکرہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہمارے حضرات رحمۃ اللہ علیہم فرماتے تھے کہ واصل ہونے کے بعد کوئی راجع نہیں ہو سکتا۔ جس طرح پختہ پھل خام نہیں ہو سکتا اور کوئی بالغ شخص نابالغ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح واصل کی حالت ہے کہ وہ واپس نہیں ہوتا۔ شیطان واصل ہی نہیں تھا ورنہ اس کی یہ حالت نہ ہوتی۔

مولانا ابوالخیر دھلوی سے حضرت حکیم الامت رحؒ کی ملاقات

(۲۸) فرمایا کہ میں موتمر الانصار کے جلسہ کی شرکت کے لئے میرٹھ گیا ہوا تھا جلسہ گاہ کے قریب حاجی وجیہ الدین حاجی فصیح الدین کے یہاں قیام تھا۔ ایک شب کو میں شیخ وجیہ الدین شیخ بشیر الدین سے ملنے کے لئے ان کی کوٹھی پر گیا جو آبادی سے باہر ہے تھوڑی دیر میں کچھ آوازیں سنائی دیں اور شیخ وحید الدین اور شیخ بشیر الدین کو دیکھا کہ وہ یہ کہتے ہوئے دوڑے جا رہے ہیں کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مولانا ابوالخیر صاحب دہلوی ہیں۔ ایک لالٹین آگے آگے ہے وہاں ایک آرام دہ کرسی خالی پڑی تھی کہ اس پر

میزبان تو میری وجہ سے اور میں میزبان کی وجہ سے نہیں بیٹھتے تھے۔ مولانا آتے ہی اس کے برابر کھڑے ہو گئے اور آواز بلند فرمایا یہاں کون کون ہیں۔ چنانچہ جو لوگ یہاں موجود تھے ان کے نام بتائے گئے ان میں میرا نام بھی لیا گیا۔ فرمانے لگے مجھے تو ان کے دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا اچھا لالٹین لاؤ میں ان کی صورت تو دیکھوں۔ میں نے دیکھا کہ ان کو میرے پاس آنے میں تکلف ہوگا چلو میں ہی ان کے پاس چلا چلوں چنانچہ میں ان کے پاس گیا۔ انہوں نے لالٹین کی روشنی میں خوب غور سے میرے چہرہ پر نظر دوڑائی پھر اسی آرام دہ کرسی پر بیٹھ گئے اور میں اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور مختلف موضوع پر گفتگو ہونے لگی۔ اسی دوران میں ان کی زبان سے نکلا کہ مولوی خلیل احمد (صاحب) مولود شریف کے یہاں تک مخالف ہیں کہ ایسے لوگوں کو مرید نہیں کرتے جو مولود شریف کے حامی ہیں اور اس روایت کو اعتراض کے طریقہ سے بیان کیا۔ اور اس سے پیشتر بھی وہ بڑی بڑی ہستیوں کا ذکر حقارت کے ساتھ کر چکے تھے۔ مثلاً مولوی محمد قاسم اور فلاں فلاں میرے یہاں خانقاہ میں پابرہنہ حاضر ہوتے تھے۔ اب جب مولانا خلیل احمد صاحب کی نسبت اس طرح کہا تو مجھے بہت ناگوار ہوا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ روایت آپ نے کس سے سنی ہے۔

اس کا راوی کون ہے۔ وہاں ایک اور مولوی صاحب تھے۔ ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا بھائی جواب دو۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ ان کے پاس کیا جواب تھا جو دیتے یا کیا شہادت تھی جو پیش کرتے۔ میں نے کہا یہ آپ کے راویوں کی حالت ہے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ جناب مولانا خلیل احمد صاحب جس مولود کو منع کرتے ہیں اس کو آپ بھی منع کرتے ہیں۔ اس گفتگو اور لہجے سے میزبان سمجھے کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ مکالمہ دوسری صورت اختیار کر لے وہ بیچارے ہم دونوں کی خوشامد کرتے تھے اتنے میں مولانا دہلوی کوٹھی ہی پر نماز عشاء کی تیاری کرنے لگے کسی مسجد میں نہیں اس وقت میرے ساتھ (جناب شمس العلماء) حافظ احمد صاحب (ابن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ) بھی وہاں تشریف رکھتے تھے۔ وہ بھی شرکت جماعت کے لئے تیار ہو گئے۔ میں نے حافظ صاحب سے کہا کہ میں آپ کو اس جماعت میں شریک نہ ہونے دوں گا وہ میرے کہنے سے رک گئے۔ خدا کی قدرت

دیکھئے یہ معلوم ہوا کہ مولانا ابوالخیر صاحب نے مصلیٰ پر جاتے ہی فرمایا کہ میری جماعت والوں کے سوا جو اور لوگ ہوں وہ علیحدہ ہو جائیں۔ یہ سن کر میں نے اس وقت حافظ صاحب سے کہا کہ دیکھئے ایسے ہی احتمالات سے میں نے آپ کو روکا تھا۔ اگر آپ جاتے تو یہی الفاظ آپ کو بھی سننا پڑتے۔ اس واقعہ کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ محقق اور کامل نہ ہونے کی علامت تھی۔ مگر پھر بھی مولانا بہت غنیمت تھے اب تو ایسے لوگ بھی نہیں۔ ان کے معتقدین و مریدین زیادہ تر کابلی تھے جو بڑے خوش عقیدہ اور راسخ تھے یہاں تک کہ مولانا ان کو سخت سخت سزائیں دیتے تھے اور وہ دم نہیں مارتے تھے۔ مولانا کا طریقہ مخدومانہ تھا۔

مولانا ابوالخیر دھلوی اور ہمارے اکابر میں فرق:

اسی جلسہ میں اپنی جماعت کے لئے یہ بھی فرمایا تھا کہ جن خادموں کو وضو نہ ہو وضو کر لیں اور ہمارے بزرگوں کی دوسری شان تھی وہاں عجز تھا انکسار تھا۔ بھلا ممکن تھا کہ وہ اپنے معتقدین یا متوسلین کو خادم کہہ کر پکارتے وہ تو اپنے خادموں کو مخدوم سمجھتے تھے۔ وہ اتباع رسول میں فناء تھے ان کا اخلاق وہ تھا جو ہمارے رسول کا تھا۔ وہ محقق تھے وہ کامل تھے ان کی شان کمال یہ تھی کہ کسی کو حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ غیر کامل کی مثال ایک دھندلے چراغ کی سی ہے جہاں دھواں ہوا اس کا نور چھپ گیا۔ اور ہمارے بزرگ محقق و کامل تھے ان کے انوار مثل تیز روشنی کی قندیل کے تھے۔ کہ اگر ہزاروں ظلمات ان کے سامنے جمع ہوں ان سب پر وہی غالب رہے ایسے کامل کو حق ہے اصلاح کا جس کے صفات کی نسبت حضرت محی الدین ابن عربی کا ارشاد ہے کہ عربی وہ ہے جس میں یہ تین صفتیں موجود ہوں۔ دین انبیاء کا سا ہو۔ تدبیر اطباء کی سی ہو۔ اور سیاست بادشاہوں کی سی۔ یہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی عبدالمجید نے مجھ سے پوچھا تھا کہ انبیاء کا سا دین کس کا ہو سکتا ہے میں نے جواب دیا تھا کہ مراد یہ ہے کہ انبیاء کا دین جس طرح دنیوی اغراض سے پاک ہوتا ہے اور یہ مراد نہیں کہ ایسا کامل ہو۔

(۲۹) ۶ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۹ جنوری ۱۹۳۸ء

اعلان حقیقت

کہاں ہیں کہاں مقتدایان دہر؟ کہاں ہیں کہاں، پیشوایان دہر؟
کہاں ہیں کہاں، سروبستان علم؟ کہاں ہیں کہا، مظہر شان علم؟
کہاں ہیں کہاں، عارفان جہان؟ کہاں ہیں کہاں، نکتہ دان جہان؟
مشائخ کہاں ہیں ؟اکابر کہاں؟ محدث کہاں ہیں؟ مفسر کہاں؟
کہاں ہیں کہاں، وہ سراپا وقار؟ شریعت کا جن پر ہے دارومدار
کہاں ہیں کہا، صوفیان کرام؟ طریقت میں جن کا ہے اعلیٰ مقام
کہاں جان نثاران اسلام ہیں؟ کہاں میکساران اسلام ہیں؟
کدھر ہیں کدھر، مرشدان طریق؟ کدھر ہیں کدھر، روح و جان طریق؟
پرستار وحدت، کدھر ہیں کدھر؟ طلبگار رحمت کدھر ہیں کدھر؟
ہیں اصحاب صدق و صفا کس طرف؟ زمانے کے ہیں رہنما کس طرف؟
کہاں مخزن خلق و ایثار ہیں؟ کہاں قوم کے ناز بردار ہیں؟
غنیمت ہے وہ اب بھی آئیں یہاں محبت سے تشریف لائیں یہاں
نمونہ صحابہ کا موجود ہے یہاں سامنے راہ مقصود ہے
یہاں نور عرفان ہے جلوہ فگن یہ تھانہ بھون ہے یہ تھانہ بھون
شریعت یہاں ہے طریقت یہاں ہے اصلاح و رشد و ہدایت یہاں
نہیں ہے یہاں رحمتوں کا شمار سدا رہتی ہے اس چمن میں بہار
یہاں نائب مصطفیٰؐ کا ہے راج نہیں ہے یہاں ذکر رسم و رواج
یہاں شرک و بدعت ہو ممکن نہیں خلاف شریعت ہو ممکن نہیں
نہ کوئی مقرب، نہ کوئی مشیر یہاں شاد ہیں سب غریب و امیر
یہاں کس کا پندار کس کا غرور ہے اک اتباع شریعت ضرور

اگر باز پرس آپ دیکھیں یہاں تو ہو تربیت کی حقیقت عیاں
یہاں تربیت میں محبت بھی ہے محبت میں اک خاص
ابھی کل کا ہے واقعہ سامنے ہیں جلوے آنکھوں میں پھر رہے
کھلا میکدہ تھا' اجازت تھی عام چھلکتا تھا رشد و ہدایت کا جام
نگاہوں سے ساقی پلاتا تھا مے ہر اک رند بے مانگے پاتا تھا مے
کہ اتنے میں دی یہ کسی نے خبر کھڑی ایک عورت ہے بیرون در
اسے آرزو باریابی کی ہے تمنا بہت کامیابی کی ہے
یہ سنتے ہی فوراً ہوا یہ اثر تغیر ہوا چہرہ پاک پر
یہ فرمایا' وہ کون ہے؟ پوچھنا یہاں اسکے آنے کا منشا ہے کیا؟
کسی نے کہا' تازہ ایمان ہے وہ تھی پارسی' اب مسلمان ہے
یہ پوچھا' کہ اس کا ہے کیسا لباس؟ کچھ اسباب وساماں بھی ہے اس کے پاس
کیا عرض' پردے سے کیا کام اسے کھلا سر ہے' ساڑھی ہے پہنے ہوئے
یہ فرمایا' انداز کیسے ہیں یہ نہیں پردہ اور ساز کیسے ہیں یہ
زمانے کی حالت ہے کیسی خراب مسلمان عورت ہو یوں بے حجاب
یہ سنکر کہ اس کو ہے کچھ مجھ سے کام جگہ چاہتی ہے برائے قیام
ہوا حکم' ٹھہرے یہاں' یہ محال مگر ہے یہ مہمان' یہ ہے خیال
یہ کہدو' سرا میں ٹھہر جائے وہ وہاں رکھ کے اسباب پھر آئے وہ
میرے پاس آئی ہے کس کام سے جو منشاء ہو آنے کا ظاہر کرے
نہیں ہے اگر خرچ' دیدوں گا میں کسی خادمہ کو بھی بھیجوں گا میں
سرا میں ٹھہرنا تھا اس کے خلاف عیاں سب پہ اس نے کیا صاف صاف
سنی جب شکایت یہ مہمان کی جگہ دوسری پھر عنایت ہوئی
کہوں کیا' سنی التجا کس طرح عیاں ہوگیا مدعا کس طرح
گئے آپ حجرے میں خادم کے ساتھ وہاں ٹھہرے بھی تو ملازم کے ساتھ

وہ پردے کے باہر، خدا کی پناہ   رہا پردے میں، یہ شریعت کا ماہ
شریعت کا اللہ اتنا اثر   پڑے غیر عورت پہ کیونکر نظر
تنہائی میں ایک یہی بات کی   بظاہر تواضع، مدارات کی
جو کہنا تھا اس کو وہ اس نے کہا   جواب اس کو ملنا تھا جو مل گیا
غرض دوسرے دن وہ واپس گئی   شریعت کی جو شان تھی دیکھ لی
اسے نظر آئی حفاظت دین کی   یہ پابندیاں دیکھیں آئین کی
خدایا، مجھے بھی یہ توفیق دے   تصدق میں انکے یہ عزت ملے
گناہوں سے اپنے ہوں میں شرمسار   تری رحمتوں کا ہوں امیدوار
سوا دین کے ہو نہ دنیا کا غم   شریعت کی منزل پہ ہو ہر قدم

خدا کا شکر ہے کہ یہ مجموعہ اور اس کے دونوں ضمیمے بحسن وخوبی ختم ہو گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو مقبول فرمائیں۔ لوگ ان کو پڑھیں ان سے مستفید و مستفیض ہوں اور صاحب ملفوظات ادامہم اللہ فیوضہم و برکاتہم نیز جامع و ناشر کو دعائے خیر و برکت سے یاد کرتے رہیں۔ الحمد الله الذی بنعمته و عزته و جلاله تتم الصلحت

چہار شنبہ ۲۰ رجب المرجب ۱۳۵۸ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۹۳۹ء

احقر وصل بلگرامی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

ملفوظات ہفت اختر

حضرت گنگوہیؒ کی شان

(۱) ۵ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ اثناء درس تکشف میں فرمایا (پہلے سے اہل حال کا تذکرہ ہو رہا تھا) کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے یہاں ایک شخص اثناء ذکر میں نہایت موزوں اور با قاعدہ تالیاں بجایا کرتے تھے۔ ایک مولوی صاحب بہت دلیر تھے اور حضرتؒ ان سے محبت فرماتے تھے۔ انہوں نے ان ذاکر پر اعتراض کیا۔ حضرت ناراض ہوئے اور فرمایا تم کیا جانو۔ خواہ مخواہ دخل در معقولات دیتے ہو۔ ایسے ہی ایک اور صاحب تھے جواب خلیفہ ہیں ان پر ضحک کا غلبہ تھا۔ ہر وقت ہر ساعت نماز میں وضو میں انہیں بس ضحک ہی سے سروکار تھا ایک صاحب نے انہیں بھی ڈانٹ دیا اور روکنا چاہا حضرت کو خبر ہوئی از حد خفا ہوئے اور دریافت کیا تم نے کیوں منع کیا تم کون ہوتے تھے تم سے کس نے کہا تھا۔ کہ نماز میں بھی ہنستے تھے۔ فرمایا ان کو نماز ضحک آمیز تمہاری اشک ریز نماز سے بدرجہا بہتر و اولیٰ ہے۔ اھ اس کے بعد فرمایا یہ سب علامات ضعف قلت ضبط ہیں۔ کمال نہیں البتہ ایک حالت محمودہ ہے عوام الناس اس کو کمال سمجھتے ہیں اور ظاہری ہو حق کو مقصود و تصور کر کے اس کے درپے اور اس کی تحصیل میں مشغول ہوتے ہیں حضرت گنگوہیؒ نہایت ضابط تھے آپ سے ایام ارشاد میں تو ایسے حرکات کیسے صادر ہوتے آپ نے تو زمانہ ارادت بھی اس متانت و وقار سے بسر کیا کہ باید و شاید۔ ایک مرتبہ یہیں تھانہ بھون میں ایک شخص حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس بیٹھے ہوئے شب کو ذکر میں مشغول تھے اثناء ذکر میں ایک ذوقی حالت کے غلبہ سے ان کی زبان سے ایک شعر نکلا عرصہ قلیل کے بعد دوسرا شعر اور ایسے ہی تیسرا۔ مولانا نے دور ہی سے فرمایا سیدھی طرح ذکر میں مشغول ہو۔ یہ ذکر اللہ ہے یا مشاعرہ۔ فرماتے تھے کہ میں پھر پچھتایا بھی کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے سامنے میں نے دخل دیا۔ یہ شان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی کہ بارگاہ نبوی میں رائے دیدیا کرتے تھے پھر افسوس کرتے تھے اور پچھتاتے تھے کہ مجھ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وعلیٰ

آلہ واصحابہ وبارک وسلم کے روبرو یہ گستاخی کیوں سرزد ہوئی۔(گویاعلیکم بسنتی و سنة خلفاء الراشدین المهدیین پر بالاضطرار عمل ہوتا تھا۔جامع ۱۲)

ایک شعر کی عجیب غلط تشریح

(۲)۵رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ نیز درس تکشف میں

درکوے نیکنامی مارا گذر ندا دند   گرتونمی پسندی تغییر کن قضارا

کی تحقیق میں فرمایا کہ ایسا ہی ایک اور شعر ہے۔

گناہ گرچہ نبود اختیار ماحافظ   تو درطریق ادب کوش گیں گناہ من است

اوراس پر ایک لطیفہ فرمایا کہ میں ایک مرتبہ لکھنو میں ظہر کی نماز کے واسطے ایک مسجد میں گیا جب نماز سے فراغت ہوئی ایک شاہ صاحب نے اپنے پاس بلالیا میں جا بیٹھا کہنے لگے کہ بزرگوں کا کلام سمجھنا بہت دشوار ہے۔بعض عبارات ایسی ہیں کہ جن کا مطلب سینہ بسینہ ہی چلا آتا ہے۔کتب وحواشی وشروح میں پتہ ونشان نہیں۔دیکھئے حافظ شیرازیؒ کا یہ شعر ہے۔گناہ گرچہ الخ ہمارے مرشد کامل نے اس کی بابت عجیب وغریب تحقیق کی ہے۔ فرماتے ہیں۔گناہ گر منادیٰ ہے اور حرف ندا محذوف۔یعنی اے گناہ گر۔اور گر اسم فاعل ترکیبی کے واسطے ہے جیسے آہن گر اور زرگر اور کوزہ گر۔یعنی اے گناہ کے صانع۔وہ کون ہے۔خدا تعالیٰ تو گویا خدا تعالیٰ کو مخاطب کیا۔ادھر سے جواب آیا۔چہ کیا ہے اے بندے۔ انہوں نے عرض کیا نبود اختیار۔یعنی ہم وقوع فی الاثم میں مضطر ہیں۔اور ہماری طاقت سے احتراز عن الاثم باہر ہے۔فرمایا ماحافظ ہم حافظ اور ذمہ دار ہیں۔کوئی رنج وفکر کی بات نہیں۔ میں ایک ہی مصرعہ کی تحقیق سن کر اٹھ کھڑا ہوا کہ نامعلوم دوسرے مصرعہ میں کیا گلفشانی فرماویں گے۔بھلے آدمی نے مرشد کو بھی بدنام کیا۔یا مرشد بھی ایسے ہی ہوں گے۔میں سمجھتا تھا کوئی لطیفہ کوئی نکتہ سنائیں گے۔

جاہل درویش کی تفسیر

فرمایا ایسے ہی یہاں ایک جاہل درویش تھا۔کمبخت کہا کرتا تھا والضحیٰ واللیل

اذا سجیٰ اے نفس تیری یہی سجا (سزا) نعوذ باللہ۔

حضرت کے نانا جی کا شعبدہ باز پیر سے معاملہ

میرے منجھلے ماموں صاحب فرماتے تھے کہ نانا صاحب تھے طالب حق۔ گو اشغال دنیا میں پھنسے رہتے تھے۔ اور یہ اشغال اتنی مہلت وفرصت نہ دیتے تھے کہ شیخ کامل کی تلاش کرتے اور اس کی جستجو میں سرگرم رہتے لہذا ہر وقت بیتاب و بے قرار رہتے تھے۔ طلب عجب چیز ہے اس سے ہر روز نیا کرشمہ نظر آتا ہے۔ اسی سے انہیں ایک غلطی ہوئی یعنی ایک جاہل مدعی نے دعویٰ کیا کہ میں خدا کی تجلی دکھاتا ہوں انہیں طلب تھی غنیمت سمجھے اور نعمت عظمیٰ تصور کیا۔ اس زمانہ میں دیا سلائی کے بکس نئے نئے چلے تھے۔ یعنی دیہات وقصبات میں ابھی تک نہیں آئے تھے۔ صرف بڑے بڑے شہروں میں تھے۔ کہیں سے ایک بکس اسے مل گیا تھا۔ یہاں سے تخمیناً تین میل پر ایک مقام ہے غوث گڑھ وہاں ان کو لے گیا نوافل پڑھوائے اذکار کی تعلیم کی اور کہا آنکھیں بند کر کے قبلہ رو ہو کر مراقبہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ جب میں ہوں کہوں تو آنکھ کھول دینا یہ بیٹھے رہے۔ اس نے پشت کی طرف کھڑے ہو کر دیا سلائی کو روشن کیا اور سر پر لا کر کہا ہوں۔ آنکھ جو کھولی تو تمام مسجد روشن ہے حیران ہوئے مگر تھے خواندہ۔ اسی میں اپنا سایہ دیکھ کر سوچے کہ تجلی خدا کی تو یہ شان نہ ہونا چاہیے کہ اس کے ساتھ ظلمت جمع ہو۔ اس کی کیفیت وحالت تو یہ ہونا چاہیے۔

چو سلطان عزت علم برکشد جہاں سر بجیب عدم درکشد

سمجھے کہ یہ حیلہ سازی (شعبدہ بازی ہے سر اٹھا کر جو دیکھا دیا سلائی ہاتھ میں ہے غصہ سے بھڑک گئے۔ نکال کے جوتہ خوب ہی اچھی طرح زدوکوب کی اور خوب مرمت کر دی۔ آدمی شوق طلب میں بہت دھوکے کھاتا ہے مسجد وخانقاہ میں تو دھوکا کھاتا ہی ہے بعض احوال میں مندر دیر کنشت ناقوس میں گرفتاری کا خوف ہوتا ہے وہم ہوتا ہے کہ شاید مطلوب اسی میں مل جائے اور یہ اکثر نتیجہ خود رائی کا ہوتا ہے خدا کا ہزار ہزار احسان ہے اگر کسی شخص کو کوئی رہبر کامل ومعلم مل جاوے ورنہ ہزار ہا گھاٹیاں پیش آتی ہیں جن سے بجز شیخ کے کوئی

نہیں نکال سکتا اور جس کو یہ پیش آتی ہیں اسی کو شیخ کی پوری قدر بھی ہوتی ہے۔

بعض کم علموں کا وطیرہ

(۳) ۵ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ بعض اہل علم کو یہ مرض ہوتا ہے کہ ان کو کہیں سے کوئی عمدہ تحقیق یا کسی سوال و جواب کی تقریر یا کچھ اعتراضات معلوم ہو جاویں تو بیان نہیں کرتے اور اظہار کو گوارا نہیں کرتے اور اپنے کو اہل کمال تصور کرتے ہیں۔ اور اسی حرکت سے معلوم ہوا کہ صاحب کمال نہیں ان کی نظر کوتاہ اسی معلوم پر مقصود ہے باقی صاحب کمال کو تو ان چند معلومات پر کوئی ناز نہیں ہوتا۔ اس کی ہمت کے پرند اس سے بہت بلندی پر پرواز کرتے ہیں اور مدعی کمال اظہار سے اس لئے اندیشہ کرتے ہیں کہ مبادا دوسرا ہمارے برابر ہو جائے اور ہمارے کمال میں فرق آ جائے۔

قرآن کریم یاد نہ کرنے پر شیعوں کا مضحکہ خیز استدلال

اس پر ایک لطیفہ یاد آ گیا کہ ان لوگوں کو تو یہ اندیشہ ہوا کہ کوئی ہمارے برابر نہ ہو جاوے۔ بعضے وہ ہیں جو کمال حاصل نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم دوسرے کی برابر نہ ہو جاویں کہ خلاف ادب ہو جاوے چنانچہ ایک شخص نے ایک شیعی کا قول مجھ سے کانپور میں نقل کیا تھا کہ ہم لوگ کلام مجید حفظ کر سکتے ہیں مگر خود قصداً حفظ نہیں کرتے تا کہ مساواۃ باللہ تعالیٰ لازم نہ آوے کہ ان کو بھی قرآن حفظ ہے میں نے کہا ہاں بھائی تمہارا خدا ایسا ہی ہوگا کہ ہر سنی اس کے برابر ہو سکتا ہے پھر اسی سلسلہ میں فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ شیعہ حافظ نہیں ہو سکتے غلط ہے پانی پت میں چونکہ قرآن شریف کا چرچا زیادہ ہے وہاں بعضے شیعہ بھی حافظ ہو جاتے ہیں لیکن حافظ رہتے نہیں کیونکہ دور و تکرار وغیرہ کچھ کرتے نہیں اور اس کے بقاء کی یہی صورتیں ہیں۔

ایک شیعہ حافظ لڑکا جسے سنی ہونا پڑا

پانی پت میں ایک لڑکا ہے پہلے شیعی تھا اس نے قرآن مجید حفظ کیا رمضان میں اپنے لوگوں سے کہا آؤ قرآن شریف سنو جماعت کرو۔ انہوں نے انکار کیا۔ اول تو ان کے یہاں جماعت ہی نہیں پھر اتنی تکلیف کون برداشت کرتا۔ اس نے کہا میری محنت بیکار جائے

گی اس طرح تو میں بھول جاؤں گا۔اس کے علاوہ بقاء کی دوسری کون سی صورت ہے کسی نے التفات نہ کیا بس وہ سنی ہو گیا۔اب رمضان میں سنا تا ہےایک مولوی صاحب کہتے تھے کہ یہاں پانی پت میں شیعہ بھی حافظ ہو جاتے ہیں پھر فرمایا اس کا کسی دلیل شرعی و برہان قطعی سے ثبوت نہیں محض استقرائی امر ہے۔جس کا تخلف مذکور ہوا۔البتہ چونکہ ان میں اہتمام و انتظام یاد کا نہیں اس واسطے فراموش کر دیتے ہیں۔تو اس میں اہل تشیع کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ سنی ہو یا شیعی جو غفلت و بے التفاتی کرے گا بھول جائے گا۔

شیعہ اپنے حق ہونے پر حفظ قرآن کی دلیل پیش نہیں کر سکتے

البتہ غالب یہ ہے کہ اگر کہیں مدار احقاق حق اس پر ٹھہر جاوے تو اس وقت ان کو یاد نہ نکلے گا چنانچہ یہاں اہل تشیع کے ایک عالم تھے حافظ بھی تھے ایک لڑکا سنی گیا۔اور سننا چاہا۔ بیچارے مبہوت رہ گئے اور نہ سنا سکے اسی طرح اور بھی بعض واقعات ایسے پیش آئے ہیں جس میں مقابل خاموش و ساکت رہ گیا تو یہ از قبیل **لو اقسم باللہ لابرہ** ہے اور قاعدہ بھی ہے کہ حق و باطل کے مقابلہ میں غلبہ حق کو ہوتا ہے۔**الحق یعلو ولا یعلی** اور **فبھت الذی کفر** کا ساقصہ ہو جاتا ہے چنانچہ نمرود بھی یہ جواب دے سکتا تھا کہ طریقہ جاریہ تو میرا فعل ہے اپنے خدا سے کہو کہ اس کے خلاف کرے لیکن چونکہ وہ صاحب باطل تھا مبہوت رہ گیا۔

مجاہدہ ہلاکت نہیں ترک مجاہدہ ہلاکت ہے

(۴) ۵ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ نیز درس تکشف ہی میں

ے آں تلخوش کہ صوفی ام الخبائثش خواند **اشھیٰ لنا واحلیٰ لمن قبلۃ العذارا**

کی تحقیق میں جو کہ تکشف میں لکھی بھی ہے حضرت حاجی صاحب کا قول نقل فرمایا کہ لوگ **ولا تلقوا بایدیکم الیٰ التھلکۃ** کو ممانعت مجاہدات و ریاضات کا متمسک بہا بناتے ہیں۔اور ہم اسی سے ترغیب مجاہدہ پر استدلال کرتے ہیں کیونکہ ممانعت ہے ہلاکت میں پڑنے سے پس ان کے نزدیک تو مجاہدہ ہلاکت ہے اس لئے اس سے منع کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک ترک مجاہدہ ہلاکت ہے ہم اس لئے ترک سے ممانعت کرتے ہیں۔اس کی

مثال ایسی ہے کہ ایک شخص عاشق ہو اور دو روز کا جاگا ہوا ہو اور محبوب کی صحبت میسر ہو جاوے۔ اب باوجودیکہ اس پر نیند کا غلبہ تھا مگر دیکھ لو کہ اس وقت اس کو تکلیف سونے میں ہے یا جاگنے میں۔ ظاہر ہے کہ وہ اس بیداری کو ہزار ہا درجہ افضل واولیٰ سمجھے گا۔ اور جو غیر عاشق ہو اس کو ایک گھڑی بیٹھنا بھی قیامت کا سا لگتا ہے۔ بس جس کو جس سے کلفت ہو وہ اس سے احتراز واجتناب کرے اور آرام دہ کو اختیار کرے

مجاہدہ کی دو قسمیں

اور اسی سلسلہ میں یہ فرمایا کہ مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں ترک حقوق نفس، یہ تو حرام ہے اور دوسرا ترک حظوظ یعنی تکثیر طاعات وعبادات وتقلیل شہوات ولذات، وہ محبوب ومرغوب ہے۔

حضرت حافظؒ سے بعض لوگوں کی بدگمانی کا سبب

(۵) ۵ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا کہ حافظؒ کی اصطلاح ہے کہ خوباں سے مراد تجلیات ہوتی ہیں ایک مقام پر فرماتے ہیں

ایسے ہی اس شعر میں خوباں سے مراد تجلیات ہیں۔ خوباں یار۔ گو بخشندگان عمر ند لخ

بعض لوگ اس سے مراد محبوبان مجازی بتاتے ہیں ان کی اس حرکت سے لوگ حافظؒ سے بدگمان ہو گئے۔

واردات محمود ہیں جب تک شریعت کے خلاف نہ ہوں

(۶) ایضاً بتاریخ مذکورہ فرمایا واردات مستحسن ومحمود ہیں جب تک سنت وکتاب کے خلاف نہ ہو۔ اور جب شریعت مقدسہ کے خلاف ہو تو وساوس وجہل ہے جیسے آج کل ایک مدعی نبوت کو یہی امر پیش آیا سنا ہے کہ یہ شخص کثیر المجاہدہ والریاضۃ تھا اس کی وجہ سے یکسوئی اور انکشاف ہونے لگا۔ حدیث النفس کو وحی وکلام اللہ تصور کیا پھر معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس کو اپنی غلطی منکشف ہو گئی تھی لیکن پچ پڑ گئی تھی اور ضد ہو گئی تھی لہٰذا ہٹ دھرمی پر اڑا رہا۔

واللہ اعلم بالصواب

تہمت کے مواقع سے بچنے والی حدیث کی تشریح

(۷) ایضاً بتاریخ مذکور ذکر آیا کہ بعض سالکین حالت تذلل وانکسار وملامت میں رہے ہیں ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ اتقوا مواضع التهم کے خلاف ہے فرمایا وہ مقتداء ومشائخ کے واسطے ہے حدیث خاص ہے عام نہیں۔ جیسے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ مسجد میں حضرت صفیہ آپ کے پاس تھیں مکان تشریف لے جا رہی تھیں۔ سامنے سے دو شخص آرہے تھے آپ نے فرمایا علیٰ رسلکما جب وہ چلی گئیں تو آپ نے فرمایا کہ انها صفية انہوں نے کہا نعوذ باللہ آپ پر کوئی شبہ وگمان ہو سکتا ہے۔ فرمایا نہیں شیطان مثل خون کے ہر شخص کے رگ وریشہ میں سرایت کرتا ہے مجھ کو اندیشہ ہوا کہ تمہارے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے۔ پس یہ حدیث بڑے مشائخ اور ایسے مقتداؤں کے واسطے ہے ورنہ بعض مشائخ نے اپنے سلسلہ کے غیر مقتداء لوگوں کے لئے تذلل وملامت کو پسند کیا ہے۔ اور کبر وعجب وغیرہ کا اس کو معالجہ قرار دیا ہے یہ لوگ احادیث متعلقہ باطن کو اپنے ذوق خداداد سے سمجھتے ہیں جیسے فقہاء واحادیث متعلقہ اعمال ظاہر کو سمجھتے ہیں۔ اس پر مولوی صاحب موصوف نے سوال کیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ طریقہ ملامت ثابت نہیں۔ فرمایا بعض سے ہے مگر بکثرت نہیں۔ دیکھو مسلم میں حدیث ہے کہ ایک صحابی مسجد نبوی میں دور سے نماز پڑھنے آیا کرتے تھے کسی نے ان سے کہا کہ مکان مسجد کے قریب لے لو۔ کہا میں پسند نہیں کرتا کہ میرا مکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے قریب ہو۔ سو اس صحابی نے ایسی بات کہی جو موہم خلاف شرع ہے چنانچہ مخاطب کو بے حد گراں گزرا اور اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بات پہنچائی۔ آپ نے پوچھا انہوں نے عرض کیا کہ مطلب یہ تھا کہ دور سے آؤں گا تو زیادتی اقدام سے ثواب میں زیادتی ہوگی۔ چنانچہ آپ نے اس کو قبول فرمایا۔ اس حدیث سے اس کا صدور عن الصحابہ معلوم ہوا۔ اس وقت مجھ کو یاد نہیں حقیقت طریقت میں اور ایسے واقعات نکلیں گے۔

حیات بعد الممات کی وضاحت

(۸) ایضاً بتاریخ مذکور ع ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق۔ کی تحقیق مذکور فی التکشف کے بارے میں فرمایا کہ مطلق حیات بعد الموت کا رہنا تو سب میں مشترک ہے مگر

مراتب وآثار اس کے مختلف ہیں۔ انبیاء میں وہ اقوی اور اشد درجہ میں پائی جاتی ہے حتیٰ کہ بعض فروع احکام میں اس کا اعتبار بھی کیا گیا ہے چنانچہ زوجہ نبی سے نکاح ناجائز وحرام ہے۔ پھر ان سے کم شہداء میں ہے اور اس کا اثر یہ ہے کہ ان کی شان میں وارد ہے۔ ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات اور ان کا بدن بھی نہیں گلتا۔ پھر ان سے کم عامہ مومنین ہیں۔ پس ماہیت وحقیقت حیات کی ایک ہے آثار مختلف ہیں اور جسم انبیاء و شہداء تو گلنے سے پاک ہے ہی مگر قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے بہت احادیث سے ثابت کیا ہے کہ بعض دوسرے مومنین کا بھی نہیں گلتا۔ اور صاحب روح المعانی نے جو کہ فلسفی تو کیا مقابل فلاسفہ ہیں ان احادیث کی تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ مضمون خلاف مشاہدہ ہے اور صاحب روح کی تقریر پر احسن یہ ہے کہ اس کو کلیہ نہ مانا جائے بلکہ عوارض کا اعتبار کیا جائے کہیں گلنے کے عوارض وآثار کا غلبہ ہوا بدن گل گیا کہیں مقتضی حفظ کوئی سبب پایا گیا نہیں گلا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ شخص جس کا بدن گل گیا شہید ہی نہ ہو کیونکہ شہادت میں بعض شرائط مبطن بھی تو ہیں جن کو بجز خدا کے دوسرا نہیں جانتا۔ ہاں البتہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک گلی ہوئی دکھادیں تو ہم بلاشبہ مان لیں گے کہ احادیث ماؤل ہیں کیونکہ وہ شہید بالنص ہیں بلکہ اگر ان کی نعش بھی گلی ثابت ہوئی کر دی جاوے یا فرضاً کسی نبی کی نعش اس وقت بھی احادیث کو ماؤل کہنے سے بہتر یہ ہے کہ کہا جاوے کہ مقتضائے اصل تو یہی تھا کہ سالم رہے اور اسی اقتضائے اصل کو احادیث ظاہر کر رہی ہیں لیکن کسی عارض سے اس اصل سے تخلف ہو گیا جیسا احادیث خواص اعمال میں یہی کہا جاتا ہے۔

ایک ولایتی طالب علم کی نعش

اس کے بعد ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ رامپور میں ایک ولایتی طالب علم مر گئے تھے ایک مدت کے بعد ان کے بھائی آئے اور قبر کو کھولا بغیر تغیر وتبدل بالکل صحیح وسالم تھے ان کی نعش کو اٹھانا چاہا نہ اٹھی۔ فرمایا ملا لوگ سخن پرور تو ہوتے ہی ہیں وہ بدن پرور بھی تھے چپک گئے اور فرمایا کہ طالب علم تو شہید ہی ہوتے ہیں علماء بھی اکثر شہید ہی مرتے ہیں۔

نبی کی زوجہ سے نکاح کی حرمت عام ہے

اس کے بعد ایک مولوی صاحب نے پوچھا کہ حرمت نکاح زوجہ نبی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے یا جملہ انبیاء اس حکم میں مشترک ہیں فرمایا ظاہر تو یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے جیسے لانورث سب میں مشترک ہے اور خاصہ نبوت ہے کیونکہ ظاہری سبب حرمت مذکورہ کا احترام ہے اور وہ سب میں مشترک ہے پس ایسے ہی جو حکم اس پر مبنی ہے وہ بھی جمیع انبیاء کو شامل ہوگا۔

انبیاء کی فضیلت کے بارے میں اصول

آج کل بعض اہل علم دوسرے انبیاء میں فضائل کی نفی ثابت کیا کرتے ہیں اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت گمان کرتے ہیں میں کہتا ہوں کہ جتنے فضائل وفواضل ممکن الوقوع ہوں وہ سب انبیاء علیہم السلام میں ثابت کر دیئے جاویں اور پھر آپ کو سب میں افضل قرار دیا جائے فضیلت تو یہ ہے کہ نہ یہ کہ ناقصوں سے بڑھاویں۔ کمال یہ ہے کہ کاملین سے رتبہ بڑھاویں اور بدرجہ اکملیت پہنچاویں۔ علاوہ اس کے اس میں دوسرے انبیاء کی بے ادبی بھی ہے۔ ہمارے شیخ کے پاس دو شخص ایک چشتی ایک قادری آئے اور پوچھا کہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ افضل ہیں یا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ ان میں مباحثہ ہوا تھا۔ فرمایا بھائی اگر غوث اعظمؒ قادریوں کے والد ہیں تو معین الدینؒ اور چشتیوں کے بالعکس تو کونسا باپ گوارا کریگا کہ اس کا بیٹا اپنے چچا کی تنقیص کرے۔ مناسب یہ ہے کہ کوئی ایک دوسرے کی تنقیص نہ کرے تم اپنا کام کرو اس سے کیا فائدہ۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام اور جملہ انبیاء سب آپ سے تعلق اخوت رکھتے ہیں اگر وہ حضرات اپنی اس تنقیص کو گوارا بھی کر لیں مگر آپ تو ضرور ناراض ہوں گے کیونکہ کون شخص گوارا کرتا ہے کہ اس نے بھائی کی تنقیص کی جائے تو کیا تو جاتا ہے یہ سب آپ کی رضا کے واسطے اور وہ الٹا آپ کی ناراضی وسخط کا سبب ہو جاتا ہے۔ سنا ہے کہ مولوی عبدالحیٔ صاحب ومولوی عبدالحق صاحب میں منازعت ومشاجرہ تھا اور ایک دوسرے کے مغلوب کرنے کے لئے آمادہ۔ کسی بات پر ایک طالب علم

نے مولوی عبدالحق صاحب کے سامنے مولوی عبدالحیٔ صاحب کی شان میں کچھ کہا۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اس طالب علم کو ڈانٹا کہ وہ تیرے تو باپ سے بھی اچھے ہیں جب اہل معقول میں یہ بات تھی تو خادمان دین میں تو کیوں نہ ہوگی۔

حنفیہ وشافعیہ کا باہم احترام

بھوپال میں ایک حنفی مدرس صاحب نے کسی مسئلہ فقیہ کی بابت بقصد انصاف فرمایا کہ یہ حدیث امام شافعی صاحبؒ کے موافق ہے اور احناف کی مخالف اور سچ یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ اس جماعت میں ایک شافعی مذہب طالب علم تھے انہوں نے کھانا چھوڑ دیا اور غم میں مبتلا ہو گئے۔ دوسرے روز امام صاحب کے موافق ایک حدیث آئی اور استاد نے کہا کہ یہ بیشک امام صاحب کی دلیل ہو سکتی ہے اس پر وہ طالب علم بہت شگفتہ ہوئے اور ظاہر کیا کہ مجھ کو ایسا غم ہوا تھا کہ کیا نعوذ باللہ امام صاحب نے حدیث کی مخالفت کی سو آج وہ غم رفع ہوا۔ دیکھئے امام صاحب سے باوجود اختلاف مذہب کے کتنی عقیدت تھی۔ مکہ شریف میں تو آج تک درس میں شوافع کہتے ہیں۔ قالت ساداتنا الحنفیة اور احناف کہتے ہیں قالت ساداتنا الشافعیة الحاصل انبیاء کو گھٹانا بہت برا ہے طالب علموں میں تقریر فضائل نبویہ کے موقع پر یہ مرض بہت زیادہ ہے اس وجہ سے میں اس کو مکرر سہ کرر بیان کرتا ہوں اور اس تنقیص وتفصیل کی بابت ایک موٹی سی بات سمجھنے کی قابل ہے وہ یہ کہ جس مضمون کو بیان کرنا چاہو اس کو دیکھ لو کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو بیان کر سکتے ہو۔ اگر یہ ہے تو اس کو اب بھی بیان کرو ورنہ نہیں۔ اکثر طالب علم بہت دلیر ہو جاتے ہیں اور مدرسین ان کی اصلاح کی کچھ پروا نہیں کرتے بلکہ خود وہ اپنی تقریریں صاف کرتے ہیں اسی لئے طالب علموں میں اور امراض بھی پیدا ہو جاتے ہیں چنانچہ درس کے وقت خواہ مخواہ کے اعتراضات گڑھ گڑھ کر استاد سے پیش کرتے ہیں اور وقت ضائع کرتے ہیں۔ میرے درس میں تو اگر کوئی کتاب پر اعتراض کرتا میں کہتا ہاں تمہارا اعتراض واقعی ہے یہ اعتراض ہوتا ہے پوچھتے جواب میں کہتا ہم ذمہ دار نہیں ہم ناقل ہیں تصحیح نقل ہمارے ذمہ ہے۔ مدعی نہیں دلائل وبراہین کے ذمہ دار نہیں۔

شادی کرنے کی صحیح عمر:

(۹) ایضاً بتاریخ مذکور فرمایا میرے نزدیک شادی کا وقت تیس سال کی عمر ہے۔ اس وقت میں تمام اعضاء اور جملہ قویٰ پختہ اور قوی ہو جاتے ہیں پہلے زمانہ میں اسی طرح ہوتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہشتاد سالہ ونود سالہ بوڑھے کے اولاد ہوتی تھی۔ اب تو نکاح کیا اور حکیم صاحب کے پاس گئے۔ قوی دماغیہ بالکل خراب ہو گئے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ مجرد رہنے میں اندیشہ وقوع فی الاثم ہے لیکن تجرد میں صحت خوب ہوتی ہے اور کم سنی میں نکاح سے صحت بگڑ جاتی ہے خصوص اس وجہ سے کہ اعتدال ہوتا نہیں زیادتی سے دماغ جگر قوی حواس سب بیکار ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے اولاد بھی ضعیف ولاغر وکوتاہ قد پیدا ہوتی ہے اور اس اولاد کی اولاد اس سے کم وہکیں مسلسل حتیٰ کہ شاید قرب قیامت میں بالشتے رہ جائیں اور اگر بعض کے قد وقامت ہوتا ہے تو جسم وجثہ نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے کا مطلب

(۱۰) ایضاً بتاریخ مذکور۔ فرمایا عوام الناس حق تعالیٰ کے غنی ہونے کے معنی سمجھتے ہیں۔ مخلوق کے حال سے بے پروا بے توجہ مصالح کی رعایت نہ کرنے والا اور اس معنی سمجھنے کا پتہ ان کے محاورہ سے چلتا ہے مثلاً جب کوئی مرجاتا ہے یا کسی آفت میں مبتلا ہوتا ہے یا جسمانی روحانی مالی نقصان اٹھاتا ہے۔ تو اولاً اس پر کڑھتے ہیں پھر اسکا موجب مضار ہونا بتلاتے ہیں پھر اس کے سبب کی تقریر میں کہتے ہیں وہ بے پرواذات ہے وہ غنی ہے یعنی اسے کسی کے نقصان سے کیا مطلب وہ کسی کی مصلحت کی رعایت نہیں فرماتا نعوذ باللہ۔ حالانکہ قرآن مجید میں دو جگہ غنی کے معنی بیان کر دیئے ہیں۔

ایک جگہ فرماتے ہیں من جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العلمین دوسری جگہ ارشاد ہے ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم معنی یہ ہیں کہ وہ ذات کسی کی محتاج نہیں من کل الوجوہ محتاج الیہ اور مفتقر الیہ ہے اس لئے وہ کسی کی طاعت و معصیت سے متضرر و منتفع نہیں ہوتا۔ تیسری جگہ ارشاد ہے۔ فکفروا وتولوا استغنی

الله و الله غنی حمید یعنی خدا تعالیٰ کو کسی کا کفر مضر نہیں کیونکہ اسے کسی کی احتیاج نہیں۔ بس یہ معنی ہیں نہ کہ بے پروا بمعنی بے توجہ و بے التفات کیونکہ شفقت اور رحمت تو یہی ہے کہ والدین کو بھی نہیں حتیٰ کہ تم کو بھی اپنی نفوس سے نہیں بس ایسے رحیم شفیق کو کوئی بالضد ذکر کرے تو اس کی حماقت جہالت میں کون شبہ و شک کریگا۔

ذات وصفات الٰہی کے تناظر میں توحید کا مفہوم

(۱۱) ایضاً بتاریخ مذکور صفات باری تعالیٰ کے بارے میں ایک مولوی صاحب نے کہا کہ جب متکلمین ان کو زائد علی الذات مانتے ہیں تو آیا ان کو مخلوق مانا جائے گا یا غیر مخلوق۔ فرمایا غیر مخلوق ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے کہا کہ اس تقدیر پر توحید کا ابطال لازم آئے گا فرمایا۔ شریعت میں توحید کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ذات بحت واحد ہے بلکہ ذات مع الصفات کے لئے وحدت ثابت کی جاتی ہے اور ذات مع الصفات کی وحدت کے معنی شریعت میں صرف اس قدر ہیں کہ اس ذات موصوف کا وجود واجب ہے اور اس کے سوا کسی دوسری چیز کا وجود واجب نہیں دوسرے یہ کہ قدیم بالزمان بھی اس کے سوا کوئی نہیں۔ اس کے سوا تمام باتیں متکلمین وفلاسفہ کی تدقیقات ہیں نصوص سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے اور اس میں کوئی اشکال عقلی بھی نہیں کیونکہ اگر صفات واجب بھی ہیں تو وہ موجود مستقل ومبائن تو نہیں ذات کے تابع ہو کر پائی جاتی ہیں تو ایسے وجوب میں کیا محذور ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لَنْ تَرَانِیْ فرمانے کی حکمت:

(۱۲) ۶ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے لن ترانی فرمایا لم ار نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ موانع عن الرویۃ موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے تھے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی مانع نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ قصور ونقصان رائی میں ہے مرئی میں نہیں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

شد ہفت پردہ برچشم ایں ہفت پردہ چشم
بے پردہ ورنہ ماہے چوں آفتاب دارم

اطباء کے نزدیک چشم میں سات پردے ہیں۔ ملتحمہ، قرنیہ، عنبیہ، عنکبوتیہ، شبکیہ، مشیمیہ، صلبیہ چونکہ ان پردوں سے ادراک محسوسات میں اعانت ہوتی ہے لہذا کہتے ہیں کہ ادراک محسوسات نے محبوب حقیقی کے جمال باکمال سے روک دیا ورنہ وہ تو صاف شفاف مثل آفتاب ہے پس حواجب وموانع چشم کی جانب سے ہوئے اور آلات بینائی آلات نابینائی بن گئے۔

"لَا یُحَدُّ" کا مطلب

(۱۳) بتاریخ مذکور۔ فرمایا حق تعالیٰ اظہر من کل شئے ہے اور غایت ظہور ہی کی وجہ سے معرض خفاو بطون میں ہے اور یہیں سے **لایحد** کی دلیل معلوم ہوئی کہ حد ہوتی ہے معرف سے اور معرف کے لئے لازم ہے۔ معرف سے اظہر واعرف ہونا۔ جب باری تعالیٰ سے کوئی شئے اظہر نہیں ہے لہذا اس کے لئے حد بھی نہ ہوگی۔ بس **لایحد** صادق ہے اور صدق **لایحد** کا نفی ترکیب سے تو ظاہر ہی ہے یہ سبب اس کے کہ جنس وفصل خواص ممکنات سے ہے اور اگر حد بالبسیط ہو تب بھی ممکن نہیں کیونکہ اس کو اجلیٰ واظہر ہونا چاہیے اور غیر اجلیٰ سے اجلیٰ مدرک نہیں ہوسکتا۔ الحاصل حد بالمرکب وبالبسیط دونوں نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جنت میں دیدار ہوگا۔ اور انکشاف کنہ حقیقت واجب تعالیٰ نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے **لاتدرکہ الابصار**۔ **لاتراہ الابصار** نہیں فرمایا کیونکہ رویت تو ہوگی البتہ ادراک کنہ محال ہے وہ میسر نہ ہوگا۔

صاحب دل حضرات کی شگفتہ مزاجی

(۱۴) بتاریخ مذکور۔ جب یہ شعر پڑھا گیا۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

فرمایا مشہور ہے کہ امیر تیمور شیراز گئے تو ایک مسجد میں حافظ صاحبؒ کو دیکھا لنگی باندھے سردی سے کانپ رہے ہیں۔ کہا آپ ہی کا تو ہے یہ شعر اگر آں ترک الخ۔ اس برتے پر سمرقند و بخارا کی بخشش ہوتی تھی۔ فرمایا بخشش ہی نے تو یہ حال کر دیا ہے۔ فقراء و مشائخ ودرویش منش صاحب دل اصحاب حاضر جواب شگفتہ دل ہوتے ہیں ان کو ہر وقت

ایک تازگی اور انشراح کی سی حالت رہتی ہے۔ فرمایا کہ اتنا مزاح و مطائبہ و فکاہت جس سے تکلیف نہ ہو جائز بلکہ مستحسن و محمود ہے۔ حکمت یہ ہے کہ ماتحت لوگ کشادہ رو اور دل خوش و بے تکلف ہو جائیں۔ اداے مافی الضمیر میں حجاب نہ ہو البتہ وہ ہنسی مذاق جو سبب اذیت ہو تمسخر ہے جو منہی عنہ بالنص ہے لا یسخر قوم من قوم

ہمارے اکابر کی شان

(۱۵) بتاریخ مذکور فرمایا امت میں ایسا اتفاق کم ہوا ہے کہ بہت سے کاملین ایک زمانہ میں مجتمع ہوئے ہوں ابتداء کے بعد وسط میں ایسا زمانہ ایک تو شیخ عبدالقادر صاحب جیلانیؒ کا تھا۔ اس کے بعد اخیر میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا بھی ایسا ہی زمانہ ہوا۔ پھر ہمارے حضرات کا زمانہ ہے کہ ایک دوسرے کے انوار سے ہر ایک مغلوب ہے اور ادب کی وجہ سے اپنے انوار ظاہر نہیں کرتا۔ جب نظر اٹھتی ہے مجموعہ پر پڑتی ہے اگر ہر ایک ان حضرات سے فرداً فرداً ہوتا تو امام وقت و شیخ زمان سمجھا جاتا۔

فوت شدہ بزرگوں کا بھی احترام:

فرمایا کہ جیسا ادب احیاء میں ہوتا ہے۔ اموات میں بھی ہوتا ہے چنانچہ جھنجانہ میں ایک صاحب کشف آئے تھے انہوں نے میاں جی صاحبؒ کے مزار کی زیارت کی تو کہا افسوس کس ظالم نے ان کو یہاں حضرت امام سید محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے دفن کر دیا یہ یہاں ادب کی وجہ سے اپنے انوار روکے ہوئے ہیں۔ اگر کسی ویرانے میں ہوتے تو دنیا ان کے انوار سے جگمگاتی اور اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی ہڈیاں نکال کر کہیں علیحدہ دفن کرتا پھر ان کے انوار و فیوض و برکات مشاہد ہوتے ایسے ہی ادب کی میں نے کہیں یہ حکایت دیکھی ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے والد مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کبھی کبھی حضرت شاہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور آپ کا مزار باانوار نئی دہلی سے سات کوس ہے ایک روز مراقب ہو کر بیٹھے کہ قطب صاحبؒ کی روح منکشف ہوئی۔ انہوں نے سماع کی بابت دریافت کیا۔ فرمایا تمہارا شعر کے بارے

میں کیا قول ہے انہوں نے یہ حدیث پڑھ دی۔ الشعر کلام موزون حسنه حسن و قبیحه قبیح او کمال قال فرمایا اور صوت حسن کے بارے میں کیا خیال ہے کہا نعمت خداوندی ہے اور بعض کی تفسیر پر مصداق اس آیت کا یزید فی الخلق مایشآء فرمایا اگر دونوں مجتمع ہوں۔ کہا نور علیٰ نور یهدی الله لنوره من یشاء اسی اثناء میں حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کا تخت آسمان سے اترا قطب صاحب مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔ جب آپ تشریف لے گئے تو مولانا نے کہا کہ آپ نے ان کے سامنے یہ تقریر کیوں نہیں فرمائی وہ بھی تو اہل سماع میں سے نہیں فرمایا ادب مانع تھا۔

مولانا جامی کے ایک شعر کی تشریح

(۱۶) بتاریخ مذکور فرمایا مولانا جامی نے اس شعر میں ؎

نکورو تاب مستوری ندارد چو در بندی سراز روزن برآرد

ذرا تیزی کی ہے یعنی یہ عنوان موہم اضطرار ہے لیکن ماول ہے یعنی تاب ندارد سے استطاعت مع الفعل مراد ہے گویا تاب مستوری ندارد کے معنی مستوری ندارد ہیں جیسے قرآن شریف میں ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃً من السمآء میں استطاعت مع الفعل مراد ہے۔ ورنہ یہ سوال عن الاستطاعۃ تو موہم کفر کو ہے گویا قدرت کا انکار ہے۔ حالانکہ مقولہ مومنین کا ہے تو ھل یستطیع ربک کے ھل ینزل ہیں فرمایا اور میں نے یہ معنی اس نئی زبان سے سمجھے ہیں۔ ''کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں'' مراد ہوتا ہے کیا آپ ایسا کر دیں گے۔

اہل زبان کے ماحاوروں کی طاقت

اور اسی سلسلہ میں فرمایا کہ جو بات اہل زبان اپنے محاوروں سے سمجھتے ہیں وہ کسی فلسفے و منطق کے زور سے نہیں سمجھ سکتے۔ آج کل لوگ بلاغت و فصاحت کلام مجید کے اثبات کے لئے قرآن کو قواعد علم معانی پر منطبق کر کے دکھلانا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بڑی دلیل اہل لسان کا عاجز ہونا ہے باوجود ان کو عار دلانے کے اور طعن و تشنیع کرنے کے چنانچہ کہا گیا۔ فاتوا بسورۃ من مثله وادعوا شهدآءکم من دون الله ان کنتم صادقین

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارة اعدت للکافرین اس کو سن کر ایسی اجہل قوم کہ ایک ادنیٰ سے واقعہ پر سینکڑوں برس خون ریزی سے نہ ہٹیں ہجوؤں کے طومار باندھ دیں۔ کیا کچھ جوش میں نہ آئے ہونگے۔ کیا کیا کوششیں نہ کی ہوں گی کس بات کو اٹھا رکھا ہوگا اور پھر نا کام رہے پس اس زمانہ کے اہل کمال کا جن کی شان ان من البیان لسحراً تھی بالکل ساکت وصامت رہ جانا اور دعوی تک نہ کرنا اس سے بڑھ کر قرآن مجید کے بلیغ وفصیح ومعجز ہونے کی کونسی دلیل ہوسکتی ہے دوسری زبان میں کوئی کتنی ہی مہارت پیدا کرلے اور کتنا ہی ملکہ حاصل کرے اہل زبان کا مقابلہ من کل الوجوہ نہیں کرسکتا گو خاص خاص جزئیات میں ان سے سبقت لے جائے۔

اہل زبان اور غیر اہل زبان کا فرق

ایک دہلی کے نواب صاحب ایران سے فارسی سیکھ کر آئے اور خوب استعداد بہم پہنچائی ایک ایرانی زاد نے سنا کہا کیا سیکھ کے گیا ہوگا میں جاتا ہوں اور ٹھیک کر کے آتا ہوں آئے اور کہا اچھا کوئی اپنا شعر سنایئے انہوں نے فی البدیہہ یہ شعر کہا اور اچھا کہا

سیہ چوری (چوڑی) بدست آں نگارے نازنیں دیدم
بشاخ صندلیں پیچدہ مارے آتشیں دیدم

تف تف کرنے لگا اور کہا اتنا طویل اس قدر درازی۔ بس کافی تھا

؎ سیہ چوری بدست آں نگارے بشاخ صندلیں پیچیدہ مارے

نازنیں دیدم اور آتشیں دیدم کی کیا حاجت کیا یہ مشابہت آپ کے دیکھنے پر منحصر ہے آپ نہ دیکھیں تو مشابہت ہی نہ ہو۔ فرمایا بے شک اب فضول معلوم ہوتا ہے کہ اس طول کی کچھ حاجت نہیں ایسے ہی ایک ولائتی شخص ہندوستان میں مدت سے رہتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم اردو خوب سمجھتے ہیں۔ کسی نے کہا صاحب آپ اردو نہیں سمجھتے بلکہ ہم ہی آپ سے سہل کر کے بولتے ہیں۔ اور اگر ہم خاص محاورے بولنے لگیں تو آپ کے باپ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ کہا بولو انہوں نے کہا۔ چھبیلی رنگیلی رسیلی۔ اور پوچھا فہمیدی' ولائتی صاحب بولے فہمیدم۔ پوچھا چہ فہمیدی ولائتی صاحب فرماتے ہیں شش گر بہائے رنگین رسن گرفت۔ آپ

سمجھے۔ چھبیلی یعنی چھ بلی، رنگیلی رنگین، رسیلی رس لی۔ حاصل یہ ہے کہ غیر اہل زبان کا اہل لسان کی طرح کلام کو سمجھنا امکان عادی سے خارج ہے۔ ایک ایرانی مخلص تھا وہ شیخ سعدی کے اس کلام کو در عنفوان جوانی چنانکہ افتد دودانی نظر داشتم برروئے وگزرداشتم درکوے۔ سنکر رقص کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ ممتنع النظیر ہے۔ اب اس میں قواعد سے کیا دھرا ہے لیکن ایک ذوق ہے جو اس کو مجبور کرتا تھا وہ کسی اور دوسرے کو حاصل نہیں۔

علوم مکاشفہ کی تحقیقات کی حیثیت:

(۱۷) بتاریخ مذکور۔ فرمایا کہ تحقیق مسائل تصوف متعلقہ علوم مکاشفہ میں وقت نہ کھونا چاہیے اس سے معتد بہ نفع نہیں اس کا ایک قاعدہ بتلاتا ہوں کہ ان مسائل کی تحقیق کے بعد سوچ کر دیکھنا چاہیے کہ وجدان سے کچھ قرب الٰہی بڑھا ہوا معلوم ہوا یا نہیں بلکہ تعجب نہیں کہ بعض اوقات قرب میں کمی ہوگئی ہو بخلاف الحمدللہ سبحان اللہ وغیرہ کے ایک بار کہنے کے بھی کہ اس سے فوراً ترقی محسوس ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ یہ تحقیقات ذکر لسانی سے بھی کم ہیں لیکن اس زمانہ میں اس کو اختیار اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ اس میں ایک شان امتیازی ظاہر ہوتی ہے کہ ان صاحب کو ایسے مسائل معلوم ہیں جن کو اور لوگ نہیں جانتے۔ اگر چہ یہ تحقیق بعد میں اس نیت امتیاز سے عذاب جان وآفت ہو جائے۔ البتہ علوم معاملہ سے ضرور فائدہ متصور ہے مگر مبالغہ اس میں بھی پسند نہیں۔

قرآن کریم کا انداز مشفقانہ ہے مخاصمانہ نہیں

(۱۸) بتاریخ مذکور فرمایا جو شفیق ہوتا ہے وہ محض ضابطہ کے دلائل واستدلال سے کام نہیں لیتا۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ سمجھ میں آجائے۔ البتہ جہاں پر ساکت ہی کرنا مقصود ہوتا ہے وہاں محض دلائل وبراہین قائم کئے جاتے ہیں اسی سے قرآن مجید کی شفقت معلوم ہوتی ہے کہ ایک مضمون کو مکرر سہ کرر کئی کئی جگہ بیان کیا اور ان میں سے اکثر مقامات پر دلائل چھوڑ دئے کیونکہ تفہیم مقصود ہے اسکات مطلوب نہیں۔

حالت قبض کے واردات

(۱۹) بتاریخ مذکور فرمایا حالت قبض میں واردات بند ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایسے اصوات سنائی دیتے ہیں جن سے مردودیت ثابت ہوتی ہے حالانکہ وہ محض امتحان و آزمائش ہے۔ ایک شخص عبادت کیا کرتے تھے قبض وارد ہوا ایک آواز سنی کہ تو کچھ ہی کر مگر جائیگا دوزخ میں ایک روز لاحول سے دفع کر دیا دوسرے روز تیسرے روز بیچارہ کو روز کی مصیبت آ گئی۔ شیخ سے کہا شیخ نے فرمایا یہ دشنام محبت ہے۔ ایسے ہی بوستان میں حکایت لکھی ہے کہ ہر روز ایک شیخ کو یہ آواز آتی کہ تو مقبول نہیں۔ ایک مرید نے کہا جب مقبول ہی نہیں چھوڑ بھی دیجئے اس محنت سے کیا فائدہ۔ پیر نے کہا

؎ توانی ازاں دل بپرداختن ۔۔۔ کہ دانی کہ بے اوتواں ساختن

دوسرے روز یہ آواز سنائی دی

؎ قبول است گرچہ ہنر نیستت ۔۔۔ کہ جز ما پناہے دگر نیستت

اللہ تعالیٰ کا نور حجاب ہے

(۲۰) ۷ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا کل میں نے بیان کیا تھا کہ حق تعالیٰ کا غایت ظہور وجہ بطون وخفا کی ہے آج اس مضمون کی حدیث ذہن میں آئی اگرچہ ایسے مضامین کا احادیث میں سکوت عنہا ہونا بھی کافی ہے لیکن اگر دلالت بھی میسر ہو جاوے نور علی نور ہے وہ حدیث یہ ہے حجابہ النور حجاب مرادف ہے بطون کا اور نور مرادف ہے ظہور کا۔ پس دلالت بالکل ظاہر وصاف ہے اس کو مسلم نے حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت کیا ہے۔

حصول مقصود کے لئے اشیائے ثلثہ

(۲۱) ۷ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے خواب میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو دیکھا دریافت کیا کہ سلاسل اربعہ میں سے کونسا آپ کے موافق ہے۔ فرمایا کوئی بھی نہیں۔ پوچھا کیوں فرمایا ہم لوگ سلوک اشیاء ثلثہ سے حاصل کیا کرتے تھے۔ تلاوت قرآن، صلوٰۃ یعنی کثرت صلوۃ۔ ذکر اللہ، اور آج کل محض ذکر ہی سے

قطع طریق کرتے ہیں۔اس کے بعد فرمایا کہ سوچنے سے میں نے ایک آیت میں ان تینوں کو مجتمع پایا۔اتل مااوحی الیک من الکتاب و اقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآء والمنکر ولذکر اللہ اکبر.

ایک شیخ سے بیعت کا تعلق ختم کرنے کے اسباب وآداب

(۲۲) بتاریخ مذکور نقض بیعت کے تذکرہ پر فرمایا اگر شیخ سے کوئی امراس کی وضع کے خلاف سرزد ہو مگر رہے حدود شرعیہ میں تو اس سے بدگمانی کرنا اور سوء عقیدت کو راہ دینا نہ چاہیے۔اول درجہ یہ ہے کہ تبدل احوال پر محمول کرنا چاہیے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بشریت پر محمول کرے۔سمجھے کہ بشر ہے ایسا ہوگیا الانسان مرکب من الخطاء والنسیان اس پر ایک صاحب نے سوال کیا یا شیخ دریافت کرلے فرمایا نہیں البتہ اگر افعال واقوال خلاف شرع سرزد ہوں تو تحقیق کا مضائقہ نہیں اور اس صورت میں بھی جبکہ بکثرت خلاف شرع کا مرتکب ہو اور اگر احیاناً ایسا اتفاق ہو تب بھی سکوت اور سہو ونسیاں پر محمول کرنا لازم ہے اور اگر بار بار ایسا ہو اور پوچھنے پر اس کے جواب سے تسلی تشفی نہ ہو تو پھر شیخ کو لطافت سے چھوڑ دے گستاخی نہ کرے اور زیادہ محاجہ مکالمہ مناظرہ نہ کرے اور اگر نقض بیعت بوجہ عدم مناسبت ہو تو اس سے تعلیم وتلقین کے لئے رجوع کرنے کو چھوڑ دے سوء اعتقاد نہ ہونے پائے اور کلمات گستاخانہ سے ہر شخص کو اجتناب لازم ہے میں تو جھوٹے پیروں کے مریدوں کو بھی جو بیعت توڑ توڑ کر آتے ہیں گستاخی سے منع کرتا ہوں ہاں سوء عقیدت کو منع نہیں کرتا کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ محبت باطل کی قلب میں جاگزیں رہے اور گستاخی سے منع اس وجہ سے کرتا ہوں کہ ابتداء تو اسی نے کی اگرچہ انتہاء کو نہ پہنچا سکا۔

روحانی اور نفسانی جوش کی شناخت

(۲۳) بتاریخ مذکور۔ایک صاحب حال کا ذکر ہو رہا تھا کہ اپنے پیر کو دیکھتے ہی بیہوش مدہوش ہو جاتے تھے بغیر سلام و پیام کے شیخ کے قدموں پر گر پڑتے تھے۔فرمایا روحانی اور نفسانی جوش کی شناخت یہ ہے کہ اگر وہ جوش اعتدال افعال وتہذیب اخلاق و

تزکیہ نفس وتقویٰ وورع واجتناب عن المحرمات کی ساتھ ہوتب تو جوش اورلذت روحانی ہے اوراس کے خلاف نفسانی جوشباب کے رخصت ہوتے ہی رخصت ہوجاتا ہےنفس بہیمی کا خاصہ ہے کہ ایام شباب میں محرکات نفسانیہ سے متلذذ ہوتا ہےاسی واسطےنری لذت معتبر نہیں اعمال کی ضرورت ہےبس اعمال معیار ہیں اگراعمال ہیں توسب کچھ ہےورنہ کچھ بھی نہیں۔ایک بزرگ روتے تھے پوچھا کیوں روتے ہو کہا ایام شباب میں مجھے صلوٰۃ میں لذت آتی تھی اب نہیں رہی میں اسے لذت صلوٰۃ سمجھتا تھا اب معلوم ہوا کہ شباب اور حرارت عزیزیہ کی لذت تھی۔افسوس اب تک جہل مرکب میں گرفتاررہا۔اسی طرح تہذیب اخلاق مقصود ہےاحوال ہوں یا نہوں۔لذات نفسانیہ شیخوختہ سے کم ہوتے جاتے ہیں اور لذات روحانیہ روز بروز ترقی کرتے رہتے ہیں۔

خاصہ آن خمرے کہ باشد من لدن　　　　خود قوی ترمیشود خمر کہن

حسن صورت اور حسن صوت سے پرہیز ضروری ہے

(۲۴) ۷ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا شاہ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگرکوئی شخص بڑھاپے میں آلودگی وبرکت چاہے(یہی الفاظ ہیں) تو حسن صورت و حسن صوت سے احتراز رکھنے میں بہت اہتمام کرےان کا اتباع نہ کرے صبر کرےاوران دوچیزوں سے خصوصیت سے بچے کیونکہ ان میں شہوات نفسانیہ ولذات روحانیہ کا خلط ہو جاتا ہے۔ذاکرین اکثران دونوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔میں توامردوں سےقرآن سننے میں بھی اندیشہ کرتا ہوں البتہ جہاں ضرورت ہی ہووہاں مجبوری ہے جیسے پڑھانے میں۔ ورنہ محض تفریح کے واسطے قاری امرد سے قرآن شریف نہ سننا چاہیے۔بعض تو یہ غضب کرتے ہیں کہ امردوں سے غزلیات نعتیہ کو سنتے ہیں اورجائز بلکہ وجہ قربت تصور کرتے ہیں

امیرزادوں کا فتنہ:

صوفیہ کا یہ مقولہ ہے کہ ابناء الملوک کا فتنہ عورتوں سے زیادہ ہے۔ابناء الملوک سے مطلق امیرزادے جولغومت ولطافت میں ان کے مثال ہوں مراد ہیں۔وجہ یہ ہے کہ نساء

میں مرغوبیت کے ساتھ ممنوعیت بھی ہے اس وجہ سے حجاب مانع عرض مدعا رہتا ہے اور صبیاں میں مرغوبیت اور محبوبیت ہی ہے۔ ممنوعیت نہیں جوان سے محبت و رغبت کرتا ہے یہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ سم فی العسل ہے البتہ گو حسن صوت و حسن صورت سے علی وجہ الحلال منتفع ہو تو مضائقہ نہیں گو وہ انتفاع متانت کے خلاف کیوں نہ ہو مگر شرع کی خلاف نہ ہو۔ اس کی مثال میں ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک مولوی صاحب سے ایک شخص نے سوال کیا کہ ناچ جائز ہے؟ فرمایا نہیں کہا کسی طرح بھی جائز ہے کہا کسی طرح نہیں۔ کہا کسی طرح بھی۔ فرمایا ہاں ایک صورت سے جائز ہے کہ تمہاری بی بی ناچیں اور بہت بڑے مکان کے صحن میں کھڑے ہو کر کہ غیر محرم آواز نہ سنیں۔

اہل باطن کے لئے ہوشیاری ضروری ہے

(۲۵) بتاریخ مذکور فرمایا چونکہ اہل باطن پر کیفیت کا ورود ہوتا ہے اور ان کی دو قسمیں ہیں نفسانی و روحانی اس لئے یہ بہت دھوکہ کھاتے ہیں کیونکہ قبیح و حسن اکثر مقامات پر ایک طرح کے اور ایک صورت کے ہیں۔

؎ در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است ہش دار و گوش را بہ پیام سروش دار

اور اہل ظاہر کو کیفیات پیش نہیں آتیں۔ اس لئے یہ حضرات بہت کم دھوکہ کھاتے ہیں۔

مبتدی کیلئے وعظ مضر ہے:

(۲۶) بتاریخ مذکور۔ فرمایا مبتدی مغلوب الحال کو وعظ نہ کہنا چاہیے کیونکہ وہ جو مضمون بیان کرے گا وہ اپنا ہی حال ہوگا اگرچہ وہ اس کا قصد نہ کرے اور چونکہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ اس لئے لوگ اس کے عقیدت مند ہو جائیں گے۔ اور اس عقیدت سے کبر و عجب پیدا ہوگا وہ اس کو مضر ہوگا اور منتہی کو مضر نہیں اگرچہ وہ دعوٰی بھی کرے اس کا دعوٰی نہ عجب ہے نہ کبر بلکہ واما بنعمۃ ربک فحدث کا مامور بہ ہوگا اور بلکہ یہ فیض رسانی کا ایک بڑا طریقہ ہے پس اگر اس قصد سے امراء یا فقراء و اولیاء صلحاء اس طریقہ کو اختیار کریں تو کیا حرج ہے۔ مثلاً امراء کا یہ مقصود ہو کہ لوگوں کو ہمارا دولت مند ہونا معلوم ہو جائے تو غرباء ہم سے اپنی حاجات

میں سوال کریں گے۔ یا علماء و فقراء کا یہ مقصود ہو کہ ہمارے علوم و کمالات معلوم ہو نگے تو لوگ ہم سے مستفید ہوں گے۔ یہ سب محمود ہے جیسے حدیث شریف میں ہے۔ **انا سید ولد ادم یوم القیامة ولا فخرو آدم و من سواہ تحت لوائی یوم القیامة ولا فخر** مطلب لافخر کا یہ ہے کہ یہ از راہ تحدث بالنعمۃ ہے تکبر و فخر سے نہیں دراصل یہ دعویٰ نہیں۔ دعوت ہے سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بہت بڑے بڑے دعاوی کئے ہیں۔

صوفیائے کرام کے دعوے

شیخ عبدالحق صاحب محدث علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ جتنے دعوے صوفیہ کے کلام میں پائے گئے ہیں کسی طائفہ کے کلام میں نہیں۔ اسی وجہ سے بعض مرتبہ مشائخ بیعت کی خود اصلاح دیتے ہیں لیکن بطور ندرت و شذوذ ایک شخص بیان کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب نے مجھ سے فرمایا ہم سے بیعت ہو جاؤ میں نے کہا دو شرطوں سے ایک ناچ دیکھنا نہ چھوڑوں گا دوسرے نماز نہیں پڑھوں گا۔ فرمایا ہاں یہ شرطیں قبول ہیں۔ بشرطیکہ تم ہماری ایک شرط قبول کرلو۔ میں نے کہا فرمایئے کہا

تھوڑا سا ذکر اللہ کر لیا کرو میں نے منظور کرلیا۔ نماز کا وقت آیا بدن میں خارش ہوئی کھجلانے اور علاج سے اور زیادہ ہو کہتے تھے بطور الہام کے میرے دل میں آیا وضو کرلوں۔ وضو کرتے ہی آدھی خارش رہ گئی اس کے بعد میں نے کہا نماز بھی پڑھ لوں بالکل جاتی رہی۔ اب جب نماز کا وقت آتا یہی حالت پیش آتی۔ میں سمجھ گیا کہ بے شک شیخ کامل ہیں یہ نہ نماز چھوڑنے دیں گے اور نہ ناچ دیکھنے دیں گے اسی وقت توبہ کر لی۔ فرمایا کہ مجھ کو بھی حاجی صاحب نے خود ہی بیعت کیا تھا۔ قصہ یہ ہوا تھا کہ میں دیوبند میں طالب علمی کرتا تھا۔ حضرت مولانا گنگوہی تشریف لائے میں نے بیعت کو عرض کیا فرمایا طالب علمی کے بعد کرنا اور ایام طالب علمی میں اس کو خیال شیطانی سمجھو۔ حالانکہ ایک طالب علم صاحب کو کسی مصلحت سے بیعت کر چکے تھے۔ اس وجہ سے مجھے اور حرص بڑھی۔ میں نے حاجی صاحب کو خط لکھا کہ حضرت نے مجھے بیعت نہیں کیا آپ سفارش فرمادیں اس سال مولانا حج کو تشریف لے گئے

تھے۔ حاجی صاحبؒ نے جواب لکھوا کر مولانا ہی کو دیا کہ بندہ نے آپ کی بیعت قبول کی اور جواب بھی حضرت مولانا ہی کے قلم کا لکھا ہوا تھا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا نے بھی اس خط کو دیکھا ہوگا مجھے بہت شرم آئی کہ حضرت مولانا کیا کہتے ہوں گے مجھے مولانا کو اول دیکھتے ہی محبت زیادہ ہوگئی تھی اور وہ سب پر غالب رہی۔ ماالحب الا للحبیب الاول

باوجود محبت کے حضرت گنگوہی سے بیعت نہ ہونے کی حکمت

باقی باوجود اس قدر محبت کے حاجی صاحبؒ کے وصال کے بعد جو میں مولانا گنگوہیؒ سے بیعت نہیں ہوا اس میں کچھ تو حکمت تھی اور کچھ نفس کی آمیزش تھی کیونکہ درصورت عدم بیعت تھوڑی اطاعت بھی موجب مسرت ہوتی ہے اور بیعت میں تھوڑی سی کوتاہی بھی موجب کدورت ہوتی ہے کیونکہ حقوق زیادہ ہوجاتے ہیں اور استیفاء کماحقہ ممکن نہیں۔ اور بزرگوں کا مسرور رکھنا مکدر کرنے سے بہتر ہے لہذا میں بیعت نہیں ہوا اور یہی وجہ مرکب ہے حکمت وشائبہ نفس سے۔

اعمال وہی مقبول ہیں جو سنت کے مطابق ہوں

(۲۷) بتاریخ مذکور۔ فرمایا اعمال وہ مقبول ہیں جو نصوص شرعیہ پر منطبق ہوں۔ لیکن ہم کتنی ہی کوشش کریں کماحقہ انطباق ممکن نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمادیا ہے سددوا وقاربوا ولن تحصوا یعنی حاق ووسط راہ مستقیم پر چلنا امکان عادی سے خارج ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ کے خلفاء میں سے ایک صاحب نے چاہا کہ دو رکعتیں بالکل موافق سنت ادا کریں۔ اسباغ وضو کیا اور ادعیہ ماثورہ بھی پڑھیں اور اپنے نزدیک کوئی کمی کوتاہی نہیں کی لیکن پھر بھی ایک تو ایسی کوتاہی ہوئی جس کو وہ خود بھی جانتے تھے اور جن کی خبر نہیں ہوئی ایسی تو خدا معلوم کتنی کوتاہیاں ہوئی ہوں گی۔ ہمارے تو اعمال سراپا کوتاہی ہیں اسی واسطے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے یہ اعمال وطاعات فی الواقع سیئات ہیں مگر اس کے دربار میں مبدل بہ حسنات ہوجاتے ہیں۔ اور وہ کوتاہی یہ تھی کہ نماز پڑھنے جو کھڑے ہوئے تو خطرات آنا شروع ہوئے اور یہ جزئیہ فقہاء نے لکھا ہے کہ خطرات کے خوف سے اگر آنکھیں بند کرلے جائز ہے۔ خیر نماز سے فارغ

ہوئے۔ تھے صاحب کشف۔ صلوٰۃ کی صورت مثالیہ کی طرف متوجہ ہوئے تو مراقبہ میں صلوٰۃ کو ایک حسین شکیل جمیل شکل میں دیکھا کہ لباس فاخرہ زیب تن کئے ہوئے اور کوئی آرائش ظاہری چھوٹی نہ تھی لیکن اندھی تھی۔ یہ نہیں سمجھے کہ کیا وجہ ہے۔ حاجی صاحب سے مجملاً عرض کیا کہ میں نے سب رعایتیں کیں مگر اندھا دیکھا۔ حاجی صاحب نے فی البدایہ فرمایا شاید تم نے آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی ہوگی۔ چونکہ یہ سنت کے خلاف تھا اس لئے یہ شکل پیدا ہوئی۔ سنت کے موافق آنکھیں کھول کر نماز پڑھنا باوجود تکثیر خطرات کے بہتر ہے آنکھیں بند کر کے تقلیل خطرات کے ساتھ نماز پڑھنے سے۔ کیونکہ اس میں عمل علی السنۃ ہے (اور حضور کا ارشاد ہے علیکم بسنتی ۱۲ جامع) پس وہ کوتاہی یہ آنکھیں بند کرنا تھا۔ تو دیکھئے ایک یہی کوتاہی ہوگئی۔ اور صلوٰۃ ہی پر کیا منحصر ہے کوئی عمل معاشرت اخلاق پورا درست بغیر کسی نقص و کوتاہی کے عادۃً ممکن نہیں حتیٰ کہ عقائد میں ہی ممکن نہیں اس سے زیادہ کیا ہوگا توحید و ذات و صفات میں بھی شبہ ہے کہ جو کچھ خصوصیات کلامیہ اس میں ہم سمجھے ہیں بالکل یہی ہے یا کچھ اور لیکن چونکہ ان کے بطلان کی بھی کوئی دلیل نہیں اس لئے امید ہے کہ اس کے ساتھ معاملہ حق ہی کا سا ہوگا۔

حضرت بایزیدؒ کا واقعہ

پھر اس نقص عمل کے سلسلہ مضمون میں یہ حکایت بیان کی کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک مرتبہ سورۃ طٰہٰ پڑھی۔ خواب میں دیکھا کہ تمام سورۃ نامہ اعمال میں ہے مگر ایک آیۃ موجود نہیں دریافت کیا کہ یہ آیت بھی میں نے پڑھی تھی مجھے خوب یاد ہے پھر کس وجہ سے اس کو نامہ اعمال میں نہیں لکھا گیا۔ جواب ملا کہ جب تم نے یہ آیت پڑھی تو ایک شخص سامنے سے گزرا تم نے آواز بلند کر کے پڑھا تھا۔ اس میں ریا و شرک خفی پایا گیا لہذا مقبول نہیں ہوئی۔

زیادہ تحقیق میں نہ پڑو محبوب کے جمال کے مشاہدہ میں مشغول رہو

فرمایا ہم لوگ جو قرآن پڑھتے اور سناتے ہیں نہیں معلوم خالق کیلئے ہے یا مخلوق کے واسطے اور پھر مخلوق کے واسطے آیا اس لئے ہے کہ مومن کا دل خوش کرنا باعث خوشنودی باری

تعالیٰ ہے یا ریاءً وتکبراً۔لیکن زیادہ دقائق میں نہ پھنسے نیت تو درست کر لے اور خود خطرات نہ لاوے اور اگر خود خطرات آویں تو ان کے پیچھے نہ پڑے۔اور اپنے عمل میں مشغول ہو ورنہ تمام عمر اسی قصہ میں گزر جائے گی۔تو محبوب حقیقی کے مطالعہ میں کب مصروف ہوگا ہم کو تو خود شرع نے عدم تدقیق کی اشارۃً تعلیم کی ہے چنانچہ استغفار میں فرماتے ہیں **ما اعلنت و ما اسرت و ماقدمت و ما اخرت و ما علمت و مالم اعلم و ما انت اعلم به منی** یہ شرع شریف کی سہولت اور باری تعالیٰ کا رحم وکرم ہے ورنہ اگر استغفار میں ایک ایک خطاء کے نام لینے کا حکم ہوتا ایک مصیبت اور آفت ہوتی خصوص اس لئے کہ بہت سے جرائم کا جرائم ہونا بھی نہیں معلوم ہوتا غرض تدقیق وغیرہ کے سب قصوں کو ترک کر کے مشاہدہ جمال محبوب میں مشغول ہو۔

در مصحف روئے او نظر کن　　　خسرو غزل و کتاب تا کے

پھر فرمایا ہمارے اعمال تو بدایاہیں بگڑے ہوئے اور دربار میں پیش کرنے کا وقت قلیل ہے۔اگر سنبھالنے ہی میں رہا وہ تو سنبھلیں گے نہیں اور وقت ختم ہو جائے گا۔پس اگر پیش کرنا ہے تو بگڑے ہی ہوے لے جاؤ اور معافی چاہو ان شاء اللہ مقبول ہو جائیں گے۔ ورنہ انہیں کی مصروفیت میں وقت ختم ہو جاوے گا حضرت منصورؒ نے کسی درویش سے پوچھا کیا شغل ہے کہا توکل کی تصحیح کر رہا ہوں۔فرمایا افسوس ہمیشہ پیٹ ہی کے دھندے میں پھنسے رہے۔مشاہدہ محبوب کا وقت کب آوے گا حالانکہ منصور خود ناقص تھے اسی وجہ سے انا الحق کہا انا الحق اگرچہ ان کے مقام میں تاویل سے حق تھا مگر ایک حرف گستاخانہ تھا۔ سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ منصور کی کسی نے دستگیری نہ کی۔اگر میرے زمانہ میں ہوتا تو میں دستگیری کرتا جب ناقصین کے نزدیک مقام منزل قصہ دنیا ہے تو کاملین کے نزدیک تو کیا ہوگا۔**فاعتبروا یا اولی الابصار** ۱۲ جامع)

محبوب کی ہر ادا محبوب ہے

(۲۸) بتاریخ مذکور فرمایا صفات جلال متجلی ہوں یا جمال۔کشادہ روخندہ پیشانی منبسط رہنا چاہیے صفات حق کی مثال مثل وجہ وخال وشعر محبوب کی ہے چہرہ سپید ہے وہ بھی محبوب

بال اور تل سیاہ وہ بھی مرغوب بلکہ بعض احوال میں سپیدی سے زیادہ سیاہی محبوب ہوتی ہے۔ پس اسم باسط مثل وجہ محبوب کے ہے اور قابض مثل خال۔ ہر اسم کا خاص شان سے ظہور ہوتا ہے مگر صرف اسماء ہی میں حجاب ہے افعال سے اسماء کی طرف۔ پھر اسماء سے صفات کی طرف پھر صفات سے ذات کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ افعال سے مافوق پر استدلال کرنا اس آیت میں ارشاد ہوا ہے ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر الیٰ قولہ لاٰیات لقوم یعقلون

شاہ ابوالمعالی کی مجلس میں گریہ وزاری

(۲۹) بتاریخ مذکور فرمایا حضرت شاہ ابوالمعالی ؒ کے شیخ کی مجلس میں گریہ وزاری دیکھ کر بعض عوام الناس نے اعتراضاً کہا کہ ان لوگوں کی عمر گریہ وبکاء ہی میں گزر جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمیشہ محروم ومہجور ہی رہتے ہیں۔ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ نے جواب لکھا ہے خلاصہ یہ کہ یہ گرم بازاری عشق کا رونا ہے حرماں کا رونا نہیں فصل وہجر وجدائی وفراق کا گریہ و بکاء نہیں۔ اس رسالہ کا نام ہفت گریہ ہے۔ اور اس بکاء کا ماخذ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب سے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں تم کو سورہ لم یکن سناؤں۔ حضرت ابن کعب نے عرض کیا اللہ سمانی یعنی کیا خدا نے میرا نام لیا تھا آپ نے فرمایا ہاں خدا تعالیٰ نے تمہارا نام لیا۔ بس وہ رونے لگے تو کیا یہ رنج وزحمت کا رونا تھا نعوذ باللہ (بل ھٰذا البکاء الذی یفدی بالف الف ضحک ۱۲ جامع)

رمضان میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے

(۳۰) بتاریخ مذکور ایک صاحب نے سوال کیا کہ عادی تہجد کو وتر جماعت سے ادا کرنا چاہیں۔ یا تہجد کے وقت پڑھنا چاہیے۔ (یعنی رمضان المبارک میں ۱۲ جامع) فرمایا جماعت ترک نہ کرے۔ فضیلت جماعت کی فضیلت وقت سے افضل وازید ہے۔

آدھی قنوت پڑھ لی ہو تو امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے

صاحب موصوف اگر دعاء قنوت امام کی ختم ہو جائے اور مقتدی نے پوری نہ پڑھی ہو تو

ختم کرنا چاہیے یا ہمراہ امام رکوع میں شامل ہوجائے فرمایا امام کے ساتھ شامل ہوجانا چاہیے۔ اگر نصف پڑھ چکا ہو کیونکہ واجب ادا ہوگیا (لان بعض القنوت قنوت ۱۲ جامع)

مقتدی تشہد مکمل کئے بغیر آگے نہ بڑھے

صاحب موصوف اگر امام قعدہ اخیرہ میں قبل از فراغ مقتدی سلام پھیر دے تو مقتدی کو بعد فراغت درود ودعا سلام پھیرنا چاہیے یا ہمراہ امام ۔فرمایا ہمراہ امام جبکہ تشہد پڑھ چکا ہو اس پر ایک طالب علم نے سوال کیا اگر قعدۂ اولیٰ میں امام قبل از فراغ مقتدی قائم الی الثالثہ ہوجائے فرمایا تشہد ختم کر کے کھڑا ہونا چاہیے۔سائل نے کہا کہ اگر وہ اتنی دیر میں تیسری رکعت ختم کر دے تو فرمایا کچھ حرج نہیں پیچھے پیچھے چلا جائے اقتداء کی حقیقت عدم تقدم ہے اب وہ عام ہے تاخیر و معیت کو خاص معیت لازم وضروری نہیں ۔

تراویح کا مسبوق وتر کیسے پڑھے

صاحب موصوف جو شخص اثناء تراویح میں شامل ہو وہ وتر مع الامام بالجماعۃ قبل از اتمام تراویح پڑھ سکتا ہے یا نہیں ۔فرمایا ہاں ایسا ہی چاہیے کیونکہ تراویح کا بعد الفرض ہونا ضروری ہے قبل از وتر ہونا ضروری نہیں چاہے بعد الوتر ہو یا قبل الوتر

مبتدی کو پڑھانے کا طریقہ

(۳۱) بتاریخ مذکور۔ایک مبتدی منطقی متعلم سے کچھ سوال کیا معلوم ہوا کہ سمجھے نہیں ہیں۔ فرمایا مبتدی نو آموز کو اصطلاحی الفاظ چھوڑ کر کے سہل الفاظ میں سمجھانا چاہیے اور پھر اصطلاحی الفاظ کو ان پر منطبق کر دیں اول معنونات ذہن نشین ہوجائیں پھر عنوانات بسہولت سمجھ میں آجائیں گے لیکن اس کے واسطے زیادہ قدرت کی ضرورت ہے نو آموز مدرس ایسا نہیں کر سکتے۔

قدرت الٰہی بہر حال غالب ہے

(۳۲) بتاریخ مذکور فرمایا اس مرتبہ اہل سائنس نے دعویٰ کیا تھا کہ بارش نہ ہوگی اور علت یہ ہے کہ میدان جنگ تین سو میل کا ہے ہوا میں بارود کا اثر آ گیا ہے اور چونکہ میدان

وسیع ہے لہذا اس ہوا کا اثر تمام عالم میں ہو گیا ہے اور اس سے ہوا کی رطوبات سب خشک ہو گئیں۔ خدا کی شان خود میدان جنگ ہی میں بارش ہوئی اور پورب میں بنگال میں بکثرت بارش ہوئی۔ حتیٰ کہ بعض مقامات بالکل غرق ہو گئے۔ حق تعالیٰ نے ظاہر کر دیا کہ ہم کسی قاعدہ کے پابند نہیں۔ کوئی ضابطہ ہمارا دستور العمل نہیں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ نفعل ما نرید و ما نشاء (ان اللہ علی کل شیء قدیر ۱۲ جامع)

مفاد پرستی کا اتحاد قائم نہیں رہتا

(۳۳) بتاریخ مذکور فرمایا جو اتفاق اغراض نفسانیہ کے واسطے ہو وہ مرض زوال میں ہے جب اغراض دوسری جانب مخالف میں یعنی نا اتفاقی میں متوقع ہوں گے وہ زائل ہو جائے گا اور جو اتفاق خالص بوجہ اللہ تعالیٰ ہو وہ کبھی زائل نہیں ہوتا دائم قائم رہتا ہے کیونکہ اس میں کسی غرض دنیاوی کا شائبہ نہیں ہے جس میں تدبل ہوتا رہتا ہے۔

سب سے اچھا مناظرہ

(۳۴) ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا آج کل مناظرہ میں آفت یہ ہے کہ حکم یعنی فیصل کنندہ اس کے اجہل و احمق ہوتے ہیں کیونکہ اگر عالم فاضل ہو تو ایک جانب ضرور ہوگا اور جب اجہل ہوئے تو وہ نہ معلوم کیا سمجھیں اور کیا فیصلہ لکھیں سب میں اچھا مناظرہ معاند کے مقابلہ میں قرآن شریف کا ہے ندع ابنآء نا و ابنائکم و نسآ نا و نسائکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتھل فجعل لعنت اللہ علی الکاذبین

غلبہ کیفیات کا دوام مطلوب نہیں ہے

(۳۵) بتاریخ مذکور فرمایا غلبہ کیفیات کا دوام غیر مطلوب ہے بلکہ کبھی غلبہ اور کبھی مداجت تا کہ حالت غلبہ کا لطف بھی حاصل ہو۔

؎ از دست ہجر یار شکایت نمی کنم گر نیست غیبتے ندہد لذتے حضور

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا حالت ہے فرمایا نافق حنظلۃ کہ میں تو منافق ہو گیا انہوں نے کہا کیسے

کیوں۔ عرض کیا کہ جب ہم حضور پر نور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں تو گویا جہنم جنت عذاب وثواب قیامت محشر پل صراط رای العین ہوتے ہیں۔ اور جب اس دربار پر انوار سے علیحدہ ہوں گھر بار وہی زن وفرزند وگاؤ خر کا مشغلہ موجود۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا یہ حال تو میرا بھی ہے پھر حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ نے فرمایا یا حنظلہ ساعة و ساعة اور فرمایا کہ اگر ہمیشہ ویسا ہی حال رہے تو کم ہنسو زیادہ روؤ اور صحراء میں نکل جاؤ تلذذ بالنساء ترک کردو۔ پھر اس کے بعد کیفیات کے لذیذ ہونے میں گاہ گاہ ہونے کی شرط پر ایک حکایت مثال کے طور پر بیان فرمائی کہ ایک شخص امیر تھا قریب قریب کل سامان عیش واسباب اکرام اس کے پاس مہیا تھے مگر بیمار ولاغر اور ایک غریب تھا بیچارے کو کھانا بھی مشکل سے ملتا تھا لیکن تندرست وچست وچالاک موٹا تازہ۔ امیر صاحب نے دریافت کیا تو اتنا موٹا تازہ کیوں ہے جواب دیا کہ میں تم سے زیادہ لذیذ کھانے کھاتا ہوں اور ہر ماہ ایک نئی شادی کا لطف اٹھاتا ہوں۔ کہا نکاح کے لطف کی تو میں آزمائش نہیں کرسکتا۔ ہاں ایک وقت کھانا ہم کو بھی کھلاؤ۔ کہا بہت اچھا آج ہی شام کو اور دوپہر کو طعام نوش جان نہ فرمایئے یا کم کھایئے تاکہ وہ لذیذ کھانا زیادہ کھایا جائے۔ غرض آپ اس کے مکان پر گئے اس نے کہا آرام کیجئے کھانا تیار ہوا چاہتا ہے کچھ کسر ہے بیچارے دن بھر کے بھوکے تھے تھوڑی دیر بعد پھر تقاضا کیا وہی جواب پایا جب سوال کرتے کہتا تھوڑی سی دیر ہے۔ گھبرا کر کہا خدا کے واسطے جو موجود ہو لے آؤ۔ کہا موجود تو باسی روٹی اور ساگ ہے کہا لاؤ لاؤ۔ وہ انکار کرتا رہا اور یہ اصرار کرتے رہے۔ غرض وہ لایا تو سب کھا گئے۔ اس غریب نے کہا یہ ہے وہ لذیذ کھانا یعنی بھوک میں کھانا۔ چونکہ تم ہر وقت سیر رہتے ہو لذت سے محروم ہو۔ میں حالت گرسنگی میں کھاتا ہوں لذات لاتحصیٰ سے محظوظ ومتلذذ ہوتا ہوں اور سب کھایا ہوا جان کو لگتا ہے۔ اور نکاح کا قصہ یہ ہے کہ ہمیشہ باہر آرام کرتا ہوں ہر ماہ جب عورت غسل کرتی ہے اس روز ایک مرتبہ جاتا ہوں۔ عروس نو کا لطف اٹھاتا ہوں۔ فرمایا مولانا فضل الرحمان صاحبؒ سے کسی نے کہا کہ ذکر میں پہلا سا لطف نہیں آتا۔ فرمایا پرانی جورو اما ہو جاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ دوام کیفیت سے انس تو پیدا ہو جاتا ہے مگر شوق نہیں رہتا۔ انس دوسری چیز ہے

اور شوق دوسری چیز اور ہیں سب الوان محبت اور مقصود خصوصیت الوان کی نہیں

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب   کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

پس مقصود اصلی رضاء ہے جس کا طریق عمل ہے جس کے مقابلہ میں احوال کوئی بڑی چیز نہیں بلکہ اگر کوئی حال مخل اعمال ہو تو وہ خود ناقص ہے۔ ایک مولوی صاحب یہاں ذاکر تھے میرے سفر کی حالت میں ان پر ایک بہت قوی حالت طاری ہوئی اس میں عصر کی نماز جماعت سے بھی انہوں نے نہیں پڑھی اس خوف سے کہ تمام میں مشغول ہونے سے شاید یہ حالت جاتی رہے۔ مجھے اگر معلوم ہوا میں نے بہت ڈانٹا کہ جماعت سنت موکدہ ہے اس پر ہزاروں ایسی حالتیں قربان ہیں۔ نیز احوال پر دوام نہیں ہوتا دوام اعمال ہی پر ہوتا ہے۔

(۳۶) بتاریخ مذکور۔ فرمایا بعض کتب میں جو لکھ دیا ہے کہ نسبت زمانہ شباب کے ساتھ مختص ہے پیری میں حاصل نہیں ہوتی یہ علی الاطلاق غلط ہے بلکہ جوش وخروش وشوق وذوق تو البتہ مختص بہ شباب ہے باقی مطلق نسبت باطنی ہر وقت ہر مومن کو حاصل ہو سکتی ہے پیر نود سالہ و جوان بست سالہ دونوں برابر ہیں۔ صوفیہ کرام کی تحریر وتقریر اکثر مجمل ہوتی ہے گویائی و بیان کا حق حق تعالٰی نے مولویوں ہی کو عطا فرمایا ہے ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء ۱۲ جامع)

زبان کا زخم ایک دلچسپ حکایت

(۳۷) بتاریخ مذکور فرمایا بعض مرتبہ تمسخر سے بہت سخت اذیت ہوتی ہے (اسی وجہ سے سے ممانعت ہے لایسخر قوم من قوم ۱۲ جامع)

جراحات السنان لها التيام   ولا يلتام ماجرح اللسان

فرمایا اس کی بابت مجھ سے ایک مولوی صاحب نے جو کہ وکیل بھی تھے عجیب وغریب حکایت سنائی کہ میں مع اہل وعیال سفر میں تھا ان میں سے کوئی بیمار ہو گیا ایک حکیم صاحب کے یہاں گیا وہ اپنے لڑکے کو اس وقت شرح جامی پڑھا رہے تھے سبق میں یہی شعر تھا اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اور جھگڑ رہا تھا کہ زبان کی ایسی کونسی جراحت ہے جو ملتئم نہیں ہوتی۔ جب لڑکے نے نہ سمجھا آخر کو وہ حکیم صاحب ناراض ہو کر مکان میں چلے گئے۔ میں بہت گھبرایا کہ اب یہ کیا

حال سنیں گے اور کیا نبض دیکھیں گے خیر میں نے لڑکے سے پوچھا کہ یہ کیا مضمون ہے۔اس نے کہا یہ مطلب بتاتے ہیں میں نے کہا صحیح تو ہے اس نے وہی تقریر کی میں نے ایک بہت سخت سڑی سی گالی دی اور کہا ابے یہی ہے وہ بہت قہر وغضب میں آیا۔ میں نے ہاتھ جوڑے پیر پکڑے اور معافی چاہی کہنے لگا کہ ایسی بات معاف نہیں ہوسکتی۔ میں نے کہا شعر کا یہی مطلب ہے بہت خوش ہوا بڑا احسان مند ہوا دوڑا باپ کے پاس گیا کہ مطلب سمجھ میں آ گیا ایک مسافر نے سمجھا دیا۔ حکیم صاحب باہر آ گئے شکر یہ میں نبض دیکھی حالت سنی۔

تمام عقلاء وعرفاء کی درماندگی

(۳۸) بتاریخ مذکور۔ فرمایا غایت الغایت معلوم نہ ہونے سے اللہ تعالیٰ نے تمام عقلاء وعرفاء کا عجز ظاہر کر دیا کہ تم اپنی تخلیق ہی کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتے تو کنہ واجب کا علم تو در کنا ہے۔

صحبت کا اثر وضرورت

(۳۹) بتاریخ مذکور فرمایا صحبت نیک اکسیر کا حکم رکھتی ہے اور ہر انسان میں قبول اثر صحبت کا مادہ ہے خواہ نیک ہو یا بد۔ انسانی طبیعت میں خاصہ سارقہ کا ہے اس لئے صحبت کی بہت ضرورت ہے۔ محض ذکر وشغل اور نرا علم کافی نہیں

؎ یک زمانہ صحبت با اولیاء   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اس پر ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک عالم اہل ظاہر خوش عیش خوش عشرت شوقین طبع تھے بڑی بڑی تعمیریں تیار کرائی تھیں۔ ایک صاحب حال بزرگ تشریف لائے اور فرمایا مجھے وضو سکھا دو۔ آفتابہ سلفچی وغیرہ منگایا ان سے کہا بسم اللہ پڑھئے۔ بسم اللہ پڑھی پھر کہا تین مرتبہ ہاتھ دھوئیے وہ چوتھی مرتبہ بھی دھونے لگے انہوں نے کہا یہ ناجائز وممنوع ہے۔ دریافت فرمایا کیوں۔ کہا اسراف ہے۔ فرمایا عبادات میں تو اسراف ہے اور ان عمارات میں نہیں۔ سنتے ہی ایک حالت طاری ہوئی اور سب ترک کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا چونکہ حق پرست تھے اور طلب حق کا مادہ ان میں ودیعت رکھا تھا اس وجہ سے بے چون وچرا قبول کیا ورنہ کہہ سکتے تھے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ عمارات تو فی نفسہ مباح ہیں اور چوتھی

مرتبہ دھونا غیر مباح۔ گو اسی تقریر میں اس کا جواب بھی تھا کہ فی نفسہ جائز ہونے سے عمارات موجودہ کا جائز ہونا لازم نہیں آتا۔

دنیا سے محبت و تعلق کے درجات

(۴۰) بتاریخ مذکور فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کنور کسریٰ مفتوح ہو کر آئے۔ حضرت عمرؓ نے یہ آیۃ پڑھی۔ زین للناس حب الشھوات الآیۃ اور عرض کیا اے اللہ آپ نے ان اشیاء کی حب کو ہمارے قلوب میں پیدا کیا ہے ہم اسے تو زائل کر نہیں سکتے لیکن آپ سے درخواست ہے کہ ان کی محبت کو آپ اپنی محبت میں صرف کریں۔ اس مضمون سے آپ نے یہ ظاہر فرمادیا کہ ہم کو دنیا سے محبت طبعی اور اس کے عدم تجاوز عن الحد کا سوال ہے۔ پھر فرمایا دنیا کے چار درجہ ہیں۔ ضرورت اور یہ درجہ واجب ہے۔ آسائش اور یہ مباح ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں کیونکہ راحت و آرام مقصود ہے وہ ممنوع نہیں۔ آرائش اس میں تفصیل ہے اگر اس سے مقصود محض اپنا سرور یا تحدث بالنعمۃ یا دفع تذلل ہو جائز ہے اور اگر دوسرے کی نظر میں بڑا بننا ہے تو ناجائز ہے۔ نمائش یہ مطلقاً حرام ہے غرض لابس ثوب کی نیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ میری طبیعت آرام سے رہے خوش ہو یہ جائز ہے اسی طرح بعض طبائع لطیف ہوتی ہیں وہاں کچھ بھی مقصود نہیں ہوتا محض اقتضاء طبع ہوتا ہے یہ بھی جائز ہے اور اگر دوسروں کو دکھانے کے واسطے ہو وہ حرام ہے اور اس کی آزمائش یہ ہے کہ دیکھنا چاہیے کہ آیا تنہائی میں بھی یہ ایسا ہی لباس پہنتا ہے جیسا بازار اور محفل وانجمن و جلسہ میں۔ یہ علامت قصد امر جائز کی ہے یا لنگی ہی باندھتا ہے یہ علامت قصد ناجائز کی ہے۔ البتہ اگر گھر اور باہر کے لباس میں تھوڑا تفاوت ہو تو مضائقہ نہیں اور راز اس میں اکرام مزور کا یا تجمل ہے پھر فرمایا کہ ہر طبقہ کی نمائش جدا ہے چنانچہ علماء کی نمائش بہت شان و شوکت و تکلف و عبا و قبا و جبہ سے آراستہ پیراستہ رہنا ہے۔ فقراء کی نمائش خرقہ دلق کمبل کا لپیٹنا ہے۔

نمائش مقصود نہ ہونے کے متعلق ایک حکایت

پھر ایک حکایت نمائش کے مقصود نہ ہونے کے متعلق بیان کی کہ مولانا محمد یعقوب

صاحبؒ کے والد ماجد کے پاس ایک شخص دھوتر کا کرتہ لائے اور کہا اس کو جمعہ میں پہنیں۔ مولانا بہت خوش پوشاک نازک طبع تھے لیکن جمعہ کے روز بڑے قیمتی عمامہ پاجامہ کے ساتھ دھوتر کا کرتہ پہن کر صلوٰۃ جمعہ میں تشریف لے گئے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں آپ کے کسی شاگرد نے ایک سڑیل کہنہ دریدہ عبا بھیجا دیکھ کر نہ ہنسے نہ تحقیر کی بلکہ رفو کرا کر اسی سے صلوٰۃ جمعہ کا خطبہ پڑھا۔ حالانکہ اکثر نفیس پوشاک کے عادی تھے۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص عجیب وغریب ٹوپی لایا چھینٹ کی ٹوپی شالباف کی گوٹھ، گوٹہ ٹکا ہوا اور کہاں فلاں شخص نے آپ کے لئے بھیجی ہے آپ نے اپنی ٹوپی اتاری اور اسی وقت اسے اوڑھ لیا۔ جب وہ چلا گیا تو کسی بچہ کو دیدی فرمایا اس واسطے اوڑھی تھی تا کہ مرسل کا دل خوش ہو وہ پوچھتا کیا کیا تھا اب یہ کہے گا اسی وقت پہن لی تھی تو وہ خوش ہوگا اور قلب مؤمن کا خوش کرنا خود طاعت ہے اور پھر فرمایا کہ آرائش ونمائش میں فرق طرز وطریقہ استعمال لباس سے بھی معلوم ہو جاتا ہے گو قیمتی ہی ہو کہ نمائش مقصود ہے یا آرائش اور ترک آرائش میں اتنا مبالغہ بھی نہیں چاہیے کہ ہم تو شال نہیں اوڑھتے ہم حقیر فقیر ہیں ہماری وضع کے خلاف ہے۔ کیا تم اور تمہاری وضع سرکار سے جو وردی ملے پہن لو اسی طرح فقیرانہ لباس سے حقارت پر بھی استدلال مت کرو

ے خاکساران جہاں را بحقارت منگر　　　　تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اس پر حکایت بیان فرمائی کہ جشن دربار دہلی میں میرے ایک عزیز سب انسپکٹر خفیہ پولیس میں تھے اور فقیروں کی شکل میں سڑک پر پڑے تھے لباس سے تو فقیر معلوم ہوتے تھے یہ کون سمجھتا تھا کہ یہ سب انسپکٹر ہیں اسی طرح عزت دین کا بھی لباس پر مدار نہیں۔

اختلاف مطالع معتبر نہ ہونے کی دلیل

(۴۱) بتاریخ مذکور بتائید مذہب حنفی عدم اعتبار اختلاف مطالع کی وجہ یہ فرمائی کہ ہم کو شرع نے علم ہیئت وریاضی کا مکلف نہیں کیا اور علم اختلاف مطالع اسی پر موقوف ہے لہذا دنیا بھر میں اگر کہیں بھی رویت ہو عمل واجب ہوگا۔

شعراء کا غصب

(۴۲) بتاریخ مذکور۔ فرمایا فی زماننا عوام وخواص خدا تعالیٰ کی شان میں بہت گستاخی کرتے ہیں خصوصاً شعراء تو غصب کرتے ہیں اور بعضے بزعم خود نعت کہتے ہیں اور حضرات انبیاء کی تنقیص کرتے ہیں فرمایا ایک شاعر کا قصیدہ ہے اس میں لکھتے ہیں کہ طوبی کا قلم ہو اور سیاہی چشم حور کی اور دیدہ یعقوب کھرل ہو ایک مولوی صاحب نے جو کہ بڑے شاعر بھی تھے اس کا جواب بھی دیا ہے

ابھی اس آنکھ کو ڈالے کوئی پتھر سے کچل — نظر آتا ہے جسے دیدہ یعقوب کھرل

توبہ ہے یوں ہو کہیں عین نبی مستعمل — کوئی تشبیہ نہ تھی اور نصیب اجہل

بعض کہتے ہیں۔

برآسمان چہارم مسیح بیمار است — تبسم تو برائے علاج درکار است

اور حضرت عیسیٰ وموسیٰ و یوسف علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم تو شعراء کے تختہ مشق ہیں۔ حالانکہ یہ حضرات حضور کے اخوان ہیں۔ تنقیص واہانت اخوان سے کون اخ راضی ہو گا۔ سب واجب التعظیم ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی شان میں ہے وجیھاً فی الدنیا والاٰخرۃ حضرت موسیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کان عنداللہ وجیھاً مگر باوجود اس کے جرات شاعر کی دیکھئے کہ کہا ہے

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات — تو عین ذات می نگری در تبسمی

بعضے تو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تک کو چھوڑتے نہیں۔ شور عجم اور فتنہ عرب اور صنم اور آوردہ رسم کافری کے الفاظ لکھ ڈالتے ہیں۔ اور خسرو کی ایک غزل میں جو آوردہ رسم کافری آیا ہے وہ غزل نعت میں نہیں ہے اس لئے خسرو پر اعتراض نہیں لیکن تضمین کرنے والوں نے اس میں نعت کی تضمین کر دی ان پر اعتراض ہے۔ بدعتی اس پر مرتے ہیں۔

تکبر وعُجب

(۴۳) ۹ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا کبر وعجب حماقت وجہالت سے پیدا ہوتا

ہے عاقل کبھی متکبر نہیں ہوتا تواضع عقل کی علامت ہے، عاقل ہمیشہ متواضع ہوتا ہے اور میرا تعلق مواضعین ہی سے ہے متکبرین سے میرا دل نہیں ملتا گو وضعداری سے ملوں۔

حضرت کی صاف دلی

(۴۴) بتاریخ مذکور فرمایا گو مجھ کو غصہ کی آمد بڑے جوش سے ہوتی ہے لیکن الحمدللہ کہ اس کو بقاء نہیں ہوتا بات کے ختم ہوتے ہی دل صاف ہوجاتا ہے تکدر نہیں رہتا۔

خاص وقت کی دعاؤں میں یاد رکھنا

(۴۵) ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا بعض لوگ کہتے ہیں کہ خاص وقت میں دعا کرنا تو بعضے جواب دیتے ہیں کہ جس وقت میں تمہاری یاد ہوگی تو وہ خاص کہاں سے ہوگا اور اس کو عجیب نکتہ ولطیفہ سمجھتے ہیں مگر یہ حال ناقصین کا ہے کاملین کو قرب حق تعالیٰ مانع توجہ الی الخلق نہیں ہوتا بلکہ توجہ الی الخلق للحق عین توجہ الی الحق ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کوئی زیادہ نہیں ہوسکتا۔ آپ سے زیادہ تو کسی کو قرب حاصل نہیں ہوسکتا آپ نے معراج کے وقت میں امت کو یاد رکھا اور **التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی** کے بعد امت کو یاد کر کے **السلام علینا و علیٰ عباد الله الصالحین** فرمایا آج کل توجہ الی الحق استغراق کا نام ہے۔ حالانکہ فی نفسہ استغراق کمال مقصود نہیں اور فی نفسہ کی قید اس لئے لگائی کہ کبھی استغراق بھی لغیرہ کمال مقصود ہوتا ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول وحی کے وقت استغراق ہوجاتا تھا کہ وہ شرط تھی تلقی خاص کی۔

دنیا سے محبت کا عجیب اظہار

(۴۶) بتاریخ مذکور فرمایا کہ ایک صاحب مجھے کہتے تھے کہ دنیا تو ملتی نہیں ایسی ہی چیز بتادیجئے جس سے دنیا کا خیال ہی نہ رہے۔ میں نے جواب دیا کہ یہ بھی ایک قسم کی طلب دنیا ہے گویا دنیا تو اصل ہوئی اور مجبوری کو ترک دنیا اس کا بدل ہوا پس اصل مقصود راحت نفس ہے نہ کہ رضائے حق اور اس کے لئے ذریعہ بنایا گیا عبادت اور طاعت فی نفسہا مقصود نہیں ہے اور اسی وجہ سے تمنائے موت ضرر دنیا سے بچنے کی نیت سے ممنوع ہے۔

حضرت ضامن شہیدؒ کی کرامات

(۴۷) بتاریخ مذکور فرمایا حضرت حافظ ضامن صاحبؒ اپنے مرشد حضرت میانجی صاحبؒ کے ہمراہ جوتہ بغل میں لے کے اور گردن میں توبرہ ڈال کے جھنجانہ جاتے تھے اوران کے لڑکے کی سسرال بھی وہیں تھی لوگوں نے منع کیا کہ آپ اس حالت میں نہ جایا کیجئے وہ لوگ ذلیل حقیر سمجھیں گے۔ فرمایا وہ اپنی ایسی تیسی میں جاویں اور اپنے رشتہ کو چھڑوالیں میں اپنی سعادت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اور وہ لوگ کہا کرتے ہائے تقدیر کیسا ذلیل سمدھی ملا۔ یہ تو حافظ صاحبؒ کی کرامت معنویہ کا بیان تھا پھر ایک کرامت حسیہ کا بیان کیا کہ پہلے اشراف ارذال عوام خاص سب دلہن کے ڈولہ پر بکھیر کیا کرتے تھے چنانچہ حافظ صاحبؒ بھی بکھیر کررہے تھے ایک جھنجانوی شخص کے سر میں منصوری پیسہ لگا بیچارہ بیٹھ گیا سر خون آلودہ ہو گیا۔ جب وہ شخص صلوٰۃ مغرب سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلا حافظ صاحب کو دیکھا کہ آپ نے اس سے معافی چاہی اس نے معذرت کی ذرا آنکھ او جھل ہوا اس سے غائب ہو گئے وہ سمجھا کہ حافظ صاحب سامنے کی بیٹھک میں چلے گئے ہونگے بیٹھک میں جا کر دریافت کیا سب نے اسے پاگل و دیوانہ بنایا سمجھنے والے سمجھ گئے کہ حافظ صاحب کی کرامت ہے۔ اس کے بعد بیان فرمایا کہ حافظ صاحب تو اس طرح سے جھنجانہ ہی جاتے تھے جہاں وطن نہ تھا اور خود عالم بھی نہ تھے۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ اپنے شہر میں بڑے جید عالم سب لوگ جاننے والے مگر سید صاحبؒ کا جوتہ بغل میں دبائے سب سے سلام علیک کرتے پالکی کے ساتھ دوڑا کرتے تھے۔ مجلس میں بھی جوتوں کے پاس سید صاحب کا جوتہ لئے بیٹھے رہتے تھے اور اگر کسلمندی سے لیٹتے تو جوتہ سر کے نیچے رکھ لیتے۔ کبھی سید صاحبؒ کو جوتہ تلاش کرنے کی نوبت نہیں آئی جس طرف چاہتے بے تکلف آزادانہ چلے جاتے تھے وہیں جوتہ موجود پاتے تھے۔ کسی نے مولانا شہیدؒ سے دریافت کیا کہ آپ کو سید صاحب سے اعتقاد کیسے ہوا۔ فرمایا ایک مرتبہ بارش ہوئی سب لوگ مسجد میں مجتمع تھے مسجد بیچ میں سے ٹپکتی تھی جماعت کے وقت سب

نمازی ادھر ادھر ہو گئے وہ جگہ بیچ میں خالی رہی سید صاحب وہاں آ کر کھڑے ہوئے اور سب پانی ان پر پڑا لیکن نہایت خشوع وخضوع سے نماز ادا کی کہتے تھے کہ میں سمجھا یہ بہت بڑا شخص ہے متبع السنۃ ہے ظاہر میں تو معمولی بات ہے لیکن چشم غور سے حقیقت منکشف ہوتی ہے اور سید صاحب اس وقت میں طالب علمی کرتے تھے اور کافیہ تک پڑھا تھا۔ ایک روز مطالعہ دیکھتے تھے کہ کافیہ کے حروف غائب ہو گئے بہت پریشان کہ صبح کو سبق کیسے پڑھوں گا شاہ صاحب سے ذکر کیا فرمایا تم اور کام کے انجام دینے کے واسطے پیدا ہوئے ہو حق تعالیٰ کو تمہیں عالم متعارف بنانا منظور نہیں۔ مولانا شہیدؒ نے سید صاحبؒ کا بیعت ہوتے وقت بھی امتحان لیا تھا کہا کہ دو رکعتیں موافق حدیث **لایحدث فیھما نفسہ** پڑھا دو فرمایا وضو کر لو نماز پڑھائی۔ کوئی خطرہ ماسواء کا نہیں آیا۔ مولانا شہیدؒ نے سید صاحبؒ کی بہت خدمت اور بڑا مجاہدہ ریاضت نفس کشی کی تھی حالانکہ بڑے طبائع تیز شوخ ذہین ذکی تھے۔ ایک صاحب شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے ذکر شغل پوچھا کرتے تھے مولانا نے ان سے فرمایا تم نے شیخ شغال بیابانی کا ذکر بھی پوچھا ہے اس نے شاہ صاحب سے پوچھا فرمایا اسماعیل کی شوخی معلوم ہوتی ہے شغال تو گیدڑ کو کہتے ہیں ایک نیتیں بہت پوچھا کرتے تھے ان سے کہا تمہیں بیت الخلاء جانے کی نیت معلوم ہے میں بتاؤں۔ **یاایھا النفر ک لوٹا ادھر ک فی مقام الجمر ک والتر ک** شاہ صاحب چاہتے تھے کہ وعظ میں آیا کریں اور تاکید فرماتے تھے یہ بھاگتے تھے ایک روز لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے آئے شاہ صاحب مسقف بیت الخلاء میں تھے۔ کہا میں وعظ کہتا ہوں سنو۔ اور درخت کی سب میں اونچی ٹہنی پر چڑھ گئے شاہ صاحب کے وعظ کی بعینہ نقل کی۔ اور کہیں اپنی طرف سے بعض بعض لطیف مضامین ونفیس افادات زیادہ کرتے تھے شاہ صاحب نکل آئے سب کود کود کے بھاگ گئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا اب تم کو وعظ میں آنے کی حاجت نہیں۔ ایک مرتبہ وعظ ہو رہا تھا سب کی جوتیاں جمع کر کے سقاوہ میں ڈال دیں۔ وعظ کے ختم کی بعد تلاش ہوئی شاہ صاحب کو خبر ہوئی اس زمانہ میں شاہ صاحب کی بینائی جاتی رہی تھی۔ فرمایا اسماعیل کی شوخی ہو گی کہیں سقاوہ میں نہ ڈال دی ہوں۔ دیکھا تو ابل رہی ہیں بعضی ٹوٹ بھی گئی ہیں یہ ابتداء کی حکایتیں ہیں بعد میں

بھی یہ تیزی گئی نہیں لیکن اور طریقہ سے اس کا ظہور ہوتا تھا۔ایک شہزادہ لکھنو میں آیا اور اس نے زمین دوز سلام کیا آپ نے اس کو انگوٹھا دکھا دیا۔اس نے اشرفیاں پیش کیں انہوں نے منہ چڑا دیا وہ خفا ہو کر چلا گیا۔فرمایا کہ یہ کہتا تھا میری قسمت پھوٹ گئی میں نے کہا میرے ٹھینگے سے اور منہ اس واسطے چڑایا تا کہ بداعتقاد ہو کر بھاگ جائے۔

علماء وفضلاء کے لئے احتیاط

(۴۸) بتاریخ مذکور فرمایا علماء وفضلاء کو امور موہمہ خلاف شرع قصداً کرنا من کل الوجوہ ممنوع وحرام ہے (لقوله عليه السلام اتقوا مواضع التهم . خاصاً بهم كما علم ۱۲ جامع) البتہ غیر مقتداء کو کسی مصلحت کی وجہ سے جیسے دفع شہرت ازالہ کبر نفی عجب جائز ہے۔

صحبت کا اثر

(۴۹) بتاریخ مذکور فرمایا انسان جن لوگوں میں بیٹھتا ہے ویسا ہی رنگ ڈھنگ اختیار کر لیتا ہے۔ایک مولوی صاحب اپنے انگریزی طالب علم کے زمانہ میں الہ آباد میں میرا وعظ سنا کرتے تھے اثر ہونا شروع ہو گیا پہلے اور انگریزی طلباء بھی ان کے ہمراہ سننے آیا کرتے تھے جب ان طالب علموں نے ان کی حالت دیکھی تو انہوں نے آنا چھوڑ دیا اور کہا بھائی ہمیں تو انگریزی پڑھنا ہے ملازمت کرنا ہے اگر ہم وعظ میں جاویں گے تو ہم بھی ان کی طرح ہو جائیں گے۔ بیچارے اس ڈر سے نہ آئے ایسے ہی ایک نوجوان حافظ ضامن صاحبؒ کی خدمت میں آیا کرتا تھا اس کی حالت بدلنے لگی اس کے والد نے حافظ صاحبؒ سے کہا کہ جب سے لڑکا آپ کے پاس آنے لگا بگڑ گیا۔حافظ صاحب کو جوش آیا فرمایا سنو! ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے ہم بھی اپنے ماں باپ کے اکلوتے تھے ہم کو بھی کسی نے بگاڑا ہے بس جیسے ہم بگڑ گئے ایسے ہی اب دوسروں کو بگاڑ رہے ہیں ہم نے کسی کو بلایا نہیں ہم نے خوشامد نہیں کی جسے سنورنا ہو ہمارے پاس نہ آوے۔آوَ گے تو بگڑو ہی گے ہم کو تو یہی آتا ہے۔

طبیعت کا اقتضاء مذموم نہیں اس پر عمل مذموم ہے

(۵۰) بتاریخ مذکور فرمایا غیر محل کی طرف اقتضاء طبیعت ونفس میلان مذموم وممنوع

نہیں ہاں اس مقتضاء پر عمل کرنا ممنوع ہے اس کی دلیل حدیث مروی فی المسلم ہے **اعجبته امرأة** بس آپ حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا جس شخص کو ایسا سانحہ پیش آوے وہ اپنی اہل کی جانب رجوع کرے **فان الذی معها مثل الذی معها** یہ استحسان تو لطافت ہے کہ انبیاء وفقراء وصلحاء میں ادراک زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ترقی باطن کے ساتھ لطافت ادراک بھی ترقی پذیر ہوتا ہے چنانچہ مرزا مظہر جانجاناں علیہ الرحمۃ حالت شیر خوارگی میں بدصورت آدمی کی گود میں نہ جایا کرتے تھے اب اس وقت شہوت کا گمان بھی نہ تھا۔ ایک صاحب نے میر دردؒ کی مرزا صاحبؒ سے شکایت کی کہ سماع سنتے ہیں فرمایا بھائی کوئی آنکھ کا بیمار کوئی کان کا مریض۔ مریض کی مریض سے کیا شکایت۔ اپنے کو سقیم مریض فرمایا حالانکہ وہاں اس کا وہم وشبہ بھی نہ تھا۔

امردوں اور عورتوں کے بارے میں احتیاط

(۵۱) بتاریخ مذکور۔ فرمایا ملاطفۃ بالنساء والصبیان اعظم حجاب ہے۔ اس سے وہ بھی ملاطفت کرتے ہیں اور وہ سخت مضر ہے۔ **قال تعالیٰ فیطمع الذی فی قبله مرض** خصوص صاحب نسبت کو زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ صاحب نسبت میں ایک شان محبوبیت کی ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کی جانب دوسروں کے محبوبوں کا بھی میلان ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے افتتان کا زیادہ خوف ہے۔

شیطان کی فریب کاریاں

(۵۲) بتاریخ مذکور فرمایا ابلیس بعض اوقات ریاء وسمعہ سے خوف دلا کر بڑے بڑے اعمال سے روکتا ہے۔ مگر محققین بوجہ اس کے کہ اس ترک کا سبب بھی خلق ہے۔ اس کو بھی ریاء کہتے ہیں۔ چنانچہ صوفیہ نے کہا ہے **ترک العمل للقوم ریاء** اور اہل ظاہر کہتے ہیں کہ **العمل للقوم ریاء** ایک شخص کو مولانا گنگوہیؒ نے ذکر جہر کی تلقین کی۔ اس نے عرض کیا کہ اس میں تو ریاء کا خوف ہے۔ فرمایا یہ شیطان کا دھوکہ ہے کیا یہ ریاء نہ ہوگا کہ گردن جھکائے ذکر کر رہے ہیں دیکھنے والے سمجھ رہے ہیں کہ خدا جانے یہ عرش کی سیر کر رہے ہیں یا کرسی کی گو

آواز نہ سنی۔ اور میرے نزدیک اس کے علاوہ نفس کا ایک اور کید بھی ہے وہ یہ کہ خفی میں اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر کسی روز نہ اٹھے تب بھی کسی کو شبہ نہ ہو کیونکہ ذکر خفی کیا کرتے ہیں اور جہر میں پردہ فاش ہوتا ہے کہ ہوحق ختم ہوگئی اس لئے بھی خفی کو ترجیح دیتے ہیں۔

روزہ دار کس وقت غسل

(۵۳) بتاریخ مذکور ایک صاحب کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ صائم کو ظہیرہ میں غسل نہایت مضر ہے۔ تشنگی وگرمی کی شدت وحدت ہوتی ہے اور دن پورا کرنا مشکل ہوتا ہے البتہ قبیل ازغروب آرام دہ وراحت رساں ہوتا ہے اور طبیعت کو شگفتہ وتازہ کردیتا ہے میرا ذاتی تجربہ ہے خط کو پڑھ کر فرمایا کہ میں اس سے پہلے بھی منع کیا کرتا تھا اب یہ بھی اپنا تجربہ لکھ رہے ہیں۔

عبادات محض رہنمائے حق کیلئے مشروع ہیں

(۵۴) بتاریخ مذکور فرمایا بعض مدعیان تحقیق صلوٰۃ وصوم کی حکمتیں حفظ صحت جسم وسلامت بدن وبقاء تندرستی بیان کرتے ہیں مجھے ایسی حکمتوں اور مصلحتوں کے بیان سے شرم آتی ہے اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ گویا طاعات مصالح دنیویہ کے لئے مقرر ہیں۔ نعوذ باللہ طاعات محض رضائے حق کے لئے موضوع ہیں اور عامل کے لئے بھی طاعت خالصہ وہی ہے جس میں کوئی دنیوی غرض نہ ہو اور جب طاعت میں مصلحت دنیویہ کی آمیزش ہوگی طاعات خالصہ نہیں رہے گی۔

گم شدہ آدمی کا مسئلہ

(۵۵) بتاریخ مذکور۔ ایک مسئلہ آیا تھا کہ ایک شخص مفقود ہے اس کا کیا حکم ہے۔ فرمایا کہ میں نے جواب میں لکھ دیا کہ ہمارے نزدیک مفقود کی عمر جب نوے سال کو پہنچ جائے تب اس کو میت کا حکم دیا جاتا ہے اور امام شافعی ومالک صاحب کے نزدیک چار سال کے بعد۔ اور بسبب ضرورت علماء سے احناف اس پر فتویٰ بھی دیتے ہیں لیکن اس کے واسطے قضا قاضی مسلم شرط ہے۔ خود رائے سے جائز نہیں۔ اور یہ مسئلہ بھی ہے کہ سلطنت غیر مسلم میں حاکم مسلم بااختیار بمنزلہ قاضی ہے بس تم لوگ گورنمنٹ سے درخواست کرو کہ وہ اس مسئلہ کی

سماعت کا حکم کسی عالم کو دیدے اس کے بعد اس شخص کا خط آیا کہ صاحب کلکٹر نے ہماری درخواست کے جواب میں صاف کہہ دیا کہ ہم مذہبی امور میں دخیل ہونا نہیں چاہتے اور مذہب میں دست اندازی نہیں کرتے پھر میں نے لکھا کہ کسی اسلامی ریاست مثل بھوپال۔ ٹونک جا کر قاضی سے استغاثہ کرو وہ حکم دیدے تو جائز ہے۔ بعض مسائل ایسے ہیں جن میں قضا قاضی مشروط ہے جیسے فسخ نکاح طلاق۔

مسلمان حاکموں کے تقرر کی تجویز

میں نے ایک زمانہ میں رؤسا و نامہ نگاران اخبار سے کہا تھا کہ سب لوگ مل کر اور عوام مسلمین سے دستخط کرا کر گورنمنٹ سے یہ درخواست کریں کہ ہر ضلع میں ایک مسلمان حاکم بطور نائب بااختیار مقرر کر دیا جائے جو ایسے مذہبی امور کو فیصل کر دیا کرے اور وہ شخص بانتخاب علماء مقرر ہو اور اس کی تنخواہ کا بار بھی گورنمنٹ کے ذمہ نہ ہوگا بلکہ مالگزاریوں میں اگر فی صدی ایک پیسہ بھی اس کے نام کا اضافہ کر دیا جاوے تب بھی بہت ہو جاوے اور وہ شخص منتخب گروہ علماء ہوتا کہ فریب و دغل کے ناجائز طریقوں سے منافع حاصل نہ کرے اور خداترس متقی پرہیزگار ہو حسبۃ للہ کام کرے تنخواہ مقصود نہ ہو اگر کوشش کی جائے تو ان شاء اللہ ضرور منظور ہو جائے بلکہ خوشی سے قبول کر لیں۔

ایک مولوی صاحب کا واقعہ

(۵۶) بتاریخ مذکور ایک مولوی صاحب ریل میں سفر کر رہے تھے کسی اسٹیشن پر کسی ضرورت سے اترے اور چند طلبہ انگریزی خوان سوار ہوئے اور ان کے اسباب کو منتشر کر دیا۔ انہوں نے آ کر کہا کیا آپ لوگوں کی یہی تہذیب ہے خیر وہ شرمائے اور انہوں نے اسباب بدستور رکھ لیا لیکن اپنی شرمندگی کے انتقام میں انہیں بنانا چاہا۔ موقع کے منتظر رہے۔ مولوی صاحب نے اتفاق سے نماز پڑھی بعد الفراغ ان طلبہ نے کہا ہم کچھ پوچھ سکتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا ہاں۔ پوچھا نماز فرض ہے! اتنا تجاہل ظاہر کیا کہ گویا ہم کچھ جانتے ہی نہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا ہاں فرض ہے۔ پوچھا پنجگانہ نماز فرض ہے اور ہر جگہ فرض ہے۔ کہاں ہاں پنجوقتہ اور ہر مقام پر فرض ہے انہوں نے سوال کیا کہ جہاں چھ ماہ کا روز چھ ماہ

کی شب ہوتی ہے جس کو عرض تسعین کہتے ہیں وہاں کس طرح نماز ادا کریں گے۔ کیا سال بھر میں پانچ ہی نماز پڑھیں گے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تم وہاں سے آرہے ہو کہا نہیں کہا تم وہاں جارہے ہو کہا نہیں۔ فرمایا بس ہم فضول باتیں نہیں بتاتے اس پر طلبہ نے قہقہہ لگایا اس سے مولوی صاحب کو خفیف ہونا پڑا۔ مولانا احمد حسن صاحب امروہی بھی اس گاڑی کے متصل گاڑی میں بیٹھے تھے۔ اور سب واقعہ دیکھ رہے تھے۔ انہیں ان میانہ عمر صاحب کے ہنسنے پر غصہ آیا اسٹیشن پر پہنچ کر ان کی گاڑی میں تشریف لے گئے اور موقع کے منتظر رہے اتنے میں وہی میانہ عمر صاحب نماز کے واسطے اٹھے اور طلبہ اتر گئے مولانا امروہی خوش ہوئے کہ یہ تو نمازی آدمی ہیں ان کا سمجھانا سہل و آسان ہوگا۔ جب نماز پڑھ چکے مولوی صاحب موصوف نے پوچھا کہ میں کچھ دریافت کرسکتا ہوں۔ نہایت بدماغی سے جواب دیا ہاں۔ کیونکہ مولوی صاحب سادہ وضع تھے گو طبقہ علماء میں رنگین طبع و شوقین شمار کئے جاتے تھے۔ دریافت فرمایا آپ کا دولت خانہ کہاں ہے اس کا بھی جواب دیدیا۔ پوچھا آپ کس عہدہ پر ممتاز ہیں بتادیا۔ دریافت کیا کس وقت سے کس وقت تک روزانہ کام کرنا پڑتا ہے۔ وہ مقدار وقت بھی بتائی۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے سوال کیا کہ اگر گورنمنٹ کی حکومت عرض تسعین میں ہوجاوے اور وہاں آپ کو بھیج دے تو وہاں یہ وقت کس طرح ملے گا یہ سن کے سنبھلے اور ملتفت ہوئے۔ فرمایا وہاں انداز کرلیا جائے گا۔ مولوی صاحب نے فرمایا بہت حسرت و افسوس کا مقام ہے کہ ایک حاکم مجازی کے قانون کی تو یہ عظمت کہ اس پر جو اشکال واقع ہو اس کی تو آپ اس طرح سے توجیہ کرلیں اور حاکم حقیقی کے قواعد و ضوابط پر تمسخر کریں مضحکہ اڑائیں۔ جاہل اعتراض کریں اور آپ ہنسنے میں ان کا ساتھ دیں اور اس کے جواب میں ایسے چست و چالاک ہوں وہاں آپ سے یہی جواب نہ سمجھا گیا۔ خیر وہ تو بچے تھے افسوس آپ پر ہے۔ بیچاروں نے بنچ سے اتر کو مولوی صاحب کے قدم پر سر رکھ دیا اور خوب روئے اور کہا مجھے انہیں دیکھ کے ہنسی آگئی تھی۔ مولوی صاحب نے فرمایا عذر گناہ بدتر از گناہ۔ اگر آپ کی والدہ ماجدہ سے کوئی گستاخی کرنے لگے تو آپ کو اسے دیکھ کر ہنسی آئے گی یا قہر و غضب سے آپ تھرا جائیں

گے۔ تو افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت ماں کے برابر بھی آپ کی نگاہ میں نہ ہوئی۔

عاشق احسانی:

(۵۷) ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ۔ فرمایا حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہم اول تو عاشق نہیں اور اگر ہیں تو عاشق احسانی ہیں۔ عاشق ذات و صفات نہیں جب تک احسان رہے محبت و الفت ہے ذرا توقف ہوا گھبراہٹ بے چینی شکایت شروع ہوئی۔ **فاما الانسان اذا ما ابتلٰه ربه فاکرمه و نعمه فیقول ربی اکرمن و امآ اذاما ابتلٰه فقدر علیه رزقه فیقول ربی اهانن** اور یہی راز ہے کہ زادراہ سفر حج میں شرط ہے تاکہ کلفت و مشقت سے مشوش و پریشان نہ ہو اور محبت و الفت ضعیف نہ جاتی رہے اور موضع مدح میں جو وارد ہے **یاتوک رجالاً و علیٰ کل ضامر** جس سے راجل کو اجازت اور اس کی مدح معلوم ہوتی ہے سو یہ مطلق نہیں بلکہ عشاق کے واسطے ہے۔ ان کو یہ جائز ہے اور وہ تنگ نہیں ہوتے۔ چنانچہ کسی فقیر شخص کو سفر حج میں تکلف اٹھاتے ہوئے دیکھ کر ایک رئیس نے کہا ہمیں تکلیف نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ غرباء فقراء تو ناخواندہ مہمان ہیں اس واسطے مصائب نوائب جھیلتے ہیں اور ان کی بے قدری ہوتی ہے اور رؤسا امراء خواندہ مہمان ہیں اس واسطے راحت و آرام سے رہتے ہیں اور ان کی خاطر ہوتی ہے اس نے کہا یہ بات نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ تو گھر کے آدمی ہیں اور آپ لوگ غیر ہیں اور قاعدہ ہے کہ تقریبات میں اجنبی مہمانوں کی پوچھ ہوتی ہے اور گھر والوں کی نہیں ہوتی۔

تعزیت کا صحیح طریقہ

(۵۸) بتاریخ مذکور۔ فرمایا میں ظاہری لفظی تعزیت نہیں کیا کرتا اور نہ گریہ و بکاء۔ بلکہ صرف طبعی رنج قلب ہوتا ہے اور زبان سے یوں کہتا ہوں کہ کیوں اتنا غم کیا۔ غم کی کیا بات ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دردمند کے سامنے اگر روؤ یا نوحہ کرو وہ بیتاب ہو کر اور روئے گا اور اگر استقلال و ضبط سے کام لو اس کو راحت ملے گی۔ عورتوں میں رونے کا بڑا مرض ہے اور ایسے پرتاثیر الفاظ کہتی ہیں کہ نشتر کا کام کرتے ہیں۔ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' مگر یہ اثر جب ہی ہے جب بناوٹ سے نہ روویں۔ میرے ایک عزیز چرتھاول کے رہنے والے ضلع میں نالش کرنے

کے لئے گئے تھے۔ مدعی علیہ نے سرائے میں قتل کر دیا۔ نعش آئی سب علیحدہ رہے میں نے ہی غسل دیا کفن پہنایا دفن کر کے واپس آئے اب تک میرا ایک آنسو نہ نکلا ویسے رنج تھا۔ مکان آ کر عورتوں کے الفاظ دردناک و بیان حسرت نشان و تذکرہ رقت آمیز نے وہ اثر کیا کہ کبھی تمام عمر مجھ پر ایسی حالت نہیں ہوئی اختلاج قلب ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ کیفیت باطنی قبض کی شامل ہو گئی یہاں تک نوبت پہنچی کہ ایک طبیب نے قارورہ دیکھ کر یہ کہا تھا کہ حرارت غریزیہ سب ختم ہو گئی زندگی سے تعجب ہے۔ بہت معالجہ کیا تب نفع ہوا۔ جب سے عہد کر لیا کہ عورتوں کے رونے کی مجلس کے پاس بھی نہ پھٹکوں گا ان کے لب و لہجہ کو اثر عظیم ہے۔

طلبہ کے لئے نصاب کا انتخاب

(۵۹) بتاریخ مذکور فرمایا میرے پاس اکثر طلبہ کے خطوط آتے ہیں کہ منطق سمجھ میں نہیں آتی کوئی دعا لکھ دیجئے میں لکھ دیتا ہوں کہ منطق پڑھنا چھوڑ دو یہی دعا ہے۔

اذالم تستطع شیئاً فدعه + آج کل بعض طبائع کو معقول سے مناسبت نہیں سو ایسوں کو معقول نہ پڑھاویں اور صرف دینیات کے بعد تکمیل کی سند دے دیں۔ کانپور میں بعض طلبہ محض دینیات پڑھتے تھے معقولات نہیں پڑھتے تھے تو ان کو پہلے سند نہیں ملتی تھی میں نے کہا افسوس عالم دینیات کو سند نہ ملے اور معقولات نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ناقص سمجھا جاوے۔ اسی وجہ سے میں نے دو قسم کی سندیں تیار کرائی تھیں اور ایک میں لکھ دیا تھا فارغ عن الدرسیات دوسری میں فارغ عن الدینیات اور جس کو منطق سے مناسبت نہ ہو اس کو ایسی بعض کتب دینیہ جیسے توضیح تلویح مسلم الثبوت جن میں منطقی اصطلاحیں استعمال کی ہیں ان کا پڑھنا بھی ضروری نہیں۔

فنائے معنوی کا اظہار

(۶۰) بتاریخ مذکور۔ فناء معنوی کبھی فناء ظاہری و حسی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے چنانچہ بایزید بسطامیؒ کبھی محراب میں کنجشک کی برابر نظر آتے تھے۔ بعض لوگ لا الٰہ کے ساتھ غائب ہو جاتے تھے اور الا اللہ پر نظر آنے لگتے تھے۔ یہ غایت محویت و نہایت اضمحلال کا اثر ہے اسی وجہ سے بعض بزرگوں کے اعضا مقطوع پائے گئے حالانکہ فی الواقع صحیح و سالم ہیں یہ اثر ان کے

اعضاء میں باطنی ارتباط کے نہ رہنے کا ہوتا ہے۔ ہمارے اکثر حضرات پر اکثر ایسے احوال وارد نہیں ہوتے کیونکہ ان کی شان اس سے ارفع ہے وہ ابوالحال تھے اور یہ لوگ ابن الحال۔

حکماء کی حکمت کا درجہ

(۶۱) بتاریخ مذکور۔ فرمایا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حکماء حیوان کو جنس کہتے ہیں اور انسان کو نوع۔ میں کہتا ہوں انسان جنس ہے اور زید بکر خالد وغیرہ افراد یہ نوع منحصر فی فرد واحد ہیں۔ مطلب یہ جیسا کہ نوعین میں جتنا اختلاف ہوتا ہے ویسا اختلاف دو انسانوں میں پایا جاتا ہے مثلاً جو فرق ابل وشاۃ میں ہے وہی فرق زید وعمرو میں ہے کیونکہ ہر شخص کی استعداد بالکل علیحدہ ہے دوسرے کی استعداد سے تماثل تو کہاں تشابہ بھی ندارد۔ حکماء نے اتحاد افعال حیوانیہ کے سبب انسان کو جنس نہیں کہا اور نوع سے تعبیر کیا اور حقائق استعداد کو نہ دیکھا جو مدار ہے انسانیت کا جس میں ایسا ہی اختلاف ہے جیسا ایک نوع کو دوسری نوع سے۔ اور یہیں سے حکمت حکماء کا درجہ معلوم ہو گیا۔

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کا مقام

(۶۲) بتاریخ مذکور شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی علیہ الرحمۃ اہل سماع میں سے تھے مگر نہ تو بالاہتمام مجلس کرتے تھے اور نہ منع کرتے تھے شعر سے برانگیختہ ہو جاتے تھے دہلی میں بادشاہ وقت کے یہاں مولوی حسام الدین ولایت سے آ کر حسب طلب عہدہ محتسب پر مقرر ہوئے سفر کنان گرد ونواح گنگوہ میں آئے سنا ایک درویش سماع سنتے ہیں۔ انہوں نے باقاعدہ رقعہ لکھا "میں تم کو دعوۃ الی الحق کرتا ہوں سماع سے توبہ کرو۔" انہوں نے لکھا توبہ کرتا ہوں اجتناب کروں گا اس کے بعد اہتمام کیا ایک روز شب کو تین بجے کے وقت لونڈی پنہاری نے کوئی ہندی دوہڑا پڑھا۔ کئی دن کے رکے ہوئے تھے ابل پڑے چیخے چلائے اسی وقت دوات قلم منگا کر مولانا حسام الدین کو لکھا کہ آگ لگ گئی ہے اگر ہو سکے بجھا دو وہ تازیانہ لے کر چلے کہ آج اس مبتدع کی آگ بجھاؤں گا مگر ہیبت سے خانقاہ کے اندر نہ جا سکے اطلاع ہوئی نہایت اکرام و احترام سے پیش آئے۔ انہوں نے شیخ کو دیکھتے ہی قدم بوسی کی اور بیعت ہو گئے ہمراہیوں کو

دہلی بھیج دیا مال واسباب مساکین کولوٹا دیا۔خانقاہ ہی میں مدفون ہیں۔

تعویذ اور روزگار

(۶۳) بتاریخ مذکور ایک صاحب نے روزگار کے واسطے تعویذ کی درخواست فرمایا تعویذوں سے روزگار نہیں چلتا کیونکہ تعویذ تو ہر شخص لے سکتا ہے اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے کہ دنیا میں کوئی بے روزگار ہی نہ رہے۔ میں حاجی صاحبؒ کی وصیت کی وجہ سے تعویذ سے انکار نہیں کرتا لیکن ساتھ میں حقیقت حال بھی کہہ دیتا ہوں کہ یہ کام تعویذ کا نہیں ہے تا کہ اگر کام نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے نام سے بدظنی وسوء عقیدت نہ ہو جاوے کہ لیجئے صاحب خدا کے نام میں بھی تاثر نہیں حالانکہ وہ رضاء حق کے واسطے موضوع ہے۔ اغراض دنیویہ کے واسطے موضوع نہیں۔ اس میں استعمال کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی حریر و دیبا سے طعام پکائے۔

امراء کے زیادہ بیمار رہنے کی حکمت

(۶۴) بتاریخ مذکور۔ ایک صاحب نے ایک رئیسہ کی جانب سے سوال کیا کہ ان کو صوم سے اختلاج قلب ہو جاتا ہے ہوش وحواس مختل ہو جاتے ہیں۔ فرمایا فدیہ دیں لیکن اگر کبھی صحت ہو جاوے تو قضا کریں اس کے بعد فرمایا بہ نسبت فقراء وغربا کے رؤسا وامراء زیادہ مریض وسقیم رہتے ہیں اس میں بھی مصلحت خداوندی ہے کہ اسی طرح غرباء کو ان سے نفع پہنچ جاتا ہے۔

شیخ عبدالقدوسؒ کی ایک بات کا اثر

(۶۵) ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا شیخ عبدالقدوس صاحبؒ تہانیسر تشریف لے گئے تو ان کے ایک مرید سے مولانا جلال الدین نے کہا کہ تمہارے پیر ناچتے ہیں اس نے شیخ سے ذکر کیا۔ فرمایا کہ اب کے ذکر آوے تو کہنا نچاتے بھی ہیں۔ چنانچہ پھر جو مولانا نے وہی بات کہی تو مرید نے جواب میں یہی کہہ دیا۔ سنتے ہی رقص کرنے لگے اور شیخ کی خدمت میں آئے اور بیعت ہوئے اور خلیفہ بھی ہوئے ان کے عجیب عجیب واردات اقتباس الانوار میں لکھے ہیں۔ شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کا سلسلہ انہیں سے ہے۔

جنت کا صحیح لطف ہم اٹھائیں گے

(۶۶) بتاریخ مذکور۔ فرمایا میں نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے کہا حدیث شریف میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ قیامت میں ایک مخلوق پیدا کرے گا اور اس کو جنت میں بلا عمل داخل کرے گا تو یہ لوگ بڑی مزے میں رہیں گے۔ فرمایا انہیں کیا مزہ ہوگا اور وہ راحت کا لطف کیا اٹھائیں گے۔ جو راحت بعد کلفت کے ہو اسی میں لذت ہوتی ہے جنت میں آرام وچین ہم کو ہوگا جو دنیوی مصائب برداشت کئے ہوئے ہیں۔ مختلف شدائد بھگتے ہوئے ہیں طرح طرح کے نوائب جھیلے ہوئے ہیں۔ قدر عافیت بعد مصیبت معلوم ہوتی ہے۔

ولائتی مصنوعات

(۶۷) بتاریخ مذکور۔ ایک صاحب نے کہا کہ مصالحہ کی تسبیحیں بنتی ہیں اور ان میں اسپریٹ ملتی ہے اور سنا ہے کہ لپٹن چاء میں بھی اس کا میل ہوتا ہے۔ نیز جو وارنش' صندوقچہ قلمندان چھڑی وغیرہ پر ہوتی ہے وہ بھی بغیر اس کے نہیں ہوسکتی۔ اور قریب قریب ولائتی اشیاء سب میں اس کی حاجت ہے۔ شاذ و نادر کوئی خالی ہے۔ فرمایا آج کل اس کا وقت ہے کہ عموم بلوی کی وجہ سے شیخین کے مذہب پر فتویٰ دیا جاوے کیونکہ ان کے نزدیک یہ طاہر ہے جبکہ اشربہ اربعہ سے حاصل نہ ہو اور امام محمدؒ کے مذہب پر نجس ہے اور گو فتویٰ انہیں کے مذہب پر ہے ابتلاء عام کی وجہ سے فتویٰ علی مذہب الشیخین ہوگا۔

ہندوستان تو ہندوستان جو دارالامان و دارالایمان یعنی مکہ مطہرہ حرسہا اللہ تعالیٰ وہاں یہاں سے زیادہ اشیاء ولائتی مستعمل ہوتی ہیں۔

علم تعبیر ذوقی ہے

(۶۸) بتاریخ مذکور۔ فرمایا تعبیر کا ایک وہبی اور ذوقی امر ہے کسب واستدلال کو اس میں دخل نہیں گو استدلال پر پھر منطبق ہو جاوے۔ ایک صاحب ملازمت کے بارے میں متردد تھے۔ ایک روز دیکھا کہ بریلی سے بطین آ رہی ہیں مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے عرض کیا فرمایا مٹھائی کھلواؤ تو بیس کے ملازم ہو جاؤ ورنہ گیارہ کے۔ انہوں نے کہا مٹھائی کھلاؤں

گا آپ نے فرمایا جاؤ تم بیس کے ملازم ہو گئے۔ چنانچہ بریلی میں بیس روپیہ کے ملازم ہو گئے۔ کسی نے مولانا سے پوچھا فرمایا بط عربی کا لفظ ہے اہل عرب مشدد بولتے ہیں۔ اہل فارس مخفف استعمال کرتے ہیں۔ صورت تخفیف میں با کے دو عدد وطا کے نو گیارہ ہوئے اور صورت تشدید میں ایک طا کے نو اور زیادہ ہو گئے تو بیس ہو گئے اور معبر کو اختیار ہے کہ خود تخفیف کے اعتبار سے تعبیر دے یا تشدید کے اعتبار سے۔

ریاء لغوی اور ریاء اصطلاحی

(۶۹) ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید یعنی اگر شیخ کو ریاء لغوی سے نفع غیر کا مقصود ہو مثلاً پہلے سے اقتصار نوافل واختصار تطوعات کا قصد تھا مرید کو دیکھ کر اقتصار نہ کیا تا کہ مرید تقلیل نہ کرنے لگے۔ ریاء اس کا نام ہی ہے ورنہ دراصل یہ ریاء نہیں اگر ہے تو لغوی جو غیر مذموم بلکہ ممدوح ہے۔ پس ریاء منقسیم بقسمین ہے اول لغوی دوم اصطلاحی' لغوی کے معنی نمائش کردن گو برائے مصلحت دیں باشد اور اصطلاحی کے معنی نمائش کردن برائے مصلحت دنیا تو وجہ خیریت نفع عام وترغیب وتشویق غیر ہوئی اور کبھی شیخ کی نظر اس سے بالا ہوتی ہے یعنی اس کا مطمح نظر تحدث بالنعمۃ ہوتا ہے۔ واما بنعمۃ ربک فحدث لیکن یہ اکابر کا کام ہے اصاغر کو اس میں اور آمیزش نفس میں فرق نہیں ہوتا یہ مزلۃ الاقدام ہے لہذا اقدام مناسب نہیں۔ اور بعض کا محط بصر اس سے بھی بلند ہوتا ہے اور اس کے واسطے میں ایک حکایت بیان کرتا ہوں۔ مکہ میں ایک شخص ایک شیخ کی مجلس میں ان کی تعریف کر رہے تھے اور وہ خوش ہو رہے تھے راوی کو شبہ ہوا کہ شیخ ہو کر اپنی تعریف سے خوش ہوتے ہیں انہیں مکشوف ہوا فی البدیہ فرمایا بھائی اپنے صانع کی تعریف سے خوش ہو رہا ہوں۔ یہ تعریف بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی حرف کی مدح کرے گو ظاہر میں وہ حرف کی مدح کر رہا ہے لیکن فی الحقیقۃ وہ کاتب کی مدح ہے کہ کیا عمدہ کاتب ہے جس نے ایسا حرف بنایا ایسا ہی یہ شخص صانع حقیقی کی تعریف کر رہا ہے کہ کیا ہی جامع کمالات ذات ہے جس نے ایسے شخص کو پیدا کیا کیونکہ خود کوئی چیز تھوڑا

ہی ہو جاتی ہے سب ادھر ہی سے ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھ کو پھر شبہ ہوا کہ جب خالق ہر شئے کا خدا تعالیٰ ہے تو میرے دل میں جو یہ وسوسہ واعتراض پیدا ہوا تھا اس وسوسہ کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے پھر یہ اس کو کیوں دفع کر رہے ہیں ان کو یہ بھی منکشف ہو گیا فرمایا شرور کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بے ادبی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ گویا ہم بالکل بری الذمہ ہیں ہم سے کچھ ہوتا ہی نہیں مضطر ہیں فاعل مختار نہیں۔ شرور کو اپنے نفس کی جانب منسوب کرنا چاہئے۔

حضرات شیخین رضؓ کی شجاعت

(۷۰) بتاریخ مذکور۔ فرمایا حضرت محمد بن حنفیہ حضرت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے صاحبزادہ ہیں۔ ان سے کسی شخص نے کہا کہ حضرت علیؓ تم کو ہمیشہ محاربہ پر بھیجتے ہیں اور امام حسنین علیہما السلام کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ فرمایا میں تو ہاتھ پیر ہوں اور وہ آنکھیں ہیں اور ہاتھ پیر ہمیشہ آنکھ کا وقایہ ہوتا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں فرمایا کہ اہل تشیع کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ شیخین سے شجاعت میں زیادہ تھے۔ سو اول تو اس فضیلت جزئی سے ان کی فضیلت کلی میں کوئی قدح نہیں ہو سکتا۔ دوسرے شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنی ایک تصنیف میں ثابت کر دیا ہے کہ شیخین زیادہ شجاع تھے اور اس کی ایک عجیب وغریب تقریر لکھی ہے میں نے آج تک کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ لکھتے ہیں شجاعت کہتے ہیں قوت قلب کو اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک شجاعت ملوک وسلاطین کی دوسری شجاعت فتیان ومقاتلین کی۔ فوج کی شجاعت تو یہ ہے کہ جان کو جان نہ سمجھیں ہر معرکہ میں ہر میدان جنگ میں ہر خندق میں بلا وسواس گھس جائیں سر ہتھیلی پر رکھ کر جان پر کھیل جائیں۔ اور امراء کی شجاعت یہ ہے کہ گو ایک مقام پر مستقر رہیں لیکن مستقل رہیں کسی حادثہ اور کسی واقعہ سے حیران وپریشان نہ ہوں۔ حوادث سے امور انتظامیہ میں بدنظمی نہ ہونے دیں بدستور سابق تدابیر میں مشغول ہوں اور یہ شجاعت پہلی شجاعت سے اکمل واقوی ہے اس میں تو صرف ایک ہی امر کے لئے آمادہ ہو جانا ہے اور اس میں بہت سنبھلنا پڑتا ہے۔ پس حضرت علیؓ میں شجاعت قسم اول تھی اور شیخین میں قسم ثانی کہ وہ کبھی کسی وقت کسی مقام پر کسی حادثہ واقعہ سے

نہیں گھبرائے۔ کبھی صلوۃ وصوم میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا ایک ہم ہیں کہ ادنیٰ سے سفر سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ معمولات میں انتظام نہیں رہتا۔ غرض شیخینؓ میں شجاعت رؤسا کی تھی اور حضرت علیؓ میں شجاعت فتیان کی۔ اور شجاعت رؤسا زیادہ ہے شجاعت فتیان سے لہذا شیخینؓ اقوی تھے حضرت علیؓ سے۔ پھر شجاعت عمریہ کا ایک واقعہ بیان کیا کہ یرموک میں دس لاکھ لشکر تھا اور ایک روایت چھ لاکھ کی بھی ہے اور جبلہ ابن ایہم غسانی نصرانی مرتد کا لشکر ساٹھ ہزار نصاری عرب کا اس کے علاوہ تھا اور مسلمان اس وقت کل چالیس ہی ہزار تھے۔ حضرت عمرؓ کو اتنے بڑے واقعہ سے صرف اتنا تغیر ہوا تھا کہ روزانہ علی الصباح مدینہ سے باہر شام کے راستہ پر قاصد کے انتظار میں جایا کرتے تھے کہ شاید کچھ خبر آوے۔ چنانچہ ایک روز حسب دستور باہر جو گئے دیکھا کہ ایک سانڈنی سوار آ رہا ہے۔ دریافت فرمایا کہاں سے آ رہے ہو اس نے بوجہ عجلت مختصر جواب دیا کہ شام سے۔ انہوں نے اس سے پوچھا کیا حال ہے اس نے مختصراً کہا خیر ہے اور وہ دوڑا چلا جاتا ہے بات بھی نہیں سنتا کیونکہ آپ کو پہچانتا نہ تھا اور حضرت عمرؓ اس کے ساتھ ساتھ مدینہ تک دوڑتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں جب شہر میں پہنچے تو ہر طرف سے السلام علیکم یا امیر المومنین کی صدا بلند ہونے لگی تب سوار سمجھا کہ بادشاہ یہ ہیں۔ اترا خط دیا معافی چاہی۔ پھر آپ نے منادی کرائی کہ سب لوگ مسجد میں مجتمع ہو جاویں۔ پھر آپ نے خط سنا دیا۔ ایک مورخ انگریز لکھتا ہے کہ تعجب ہے فارس و روم کی سلطنتوں کو چند غرباء شکستہ بوریوں پر بیٹھ کر تقسیم کر رہے ہیں۔

غیبت زنا سے اشد ہے

(۷۱) بتاریخ مذکور۔ فرمایا حدیث شریف میں جو آیا ہے **الغیبۃ اشد من الزنا** حاجی صاحب اشدیت کی وجہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ غیبت گناہ جاہی ہے اور زنا گناہ باہی ہے کیونکہ منشاء غیبت کا تکبر ہے جو بعد غیبت بھی باقی رہتا ہے پس یہ شخص گناہ کر کے بھی اپنے کو ذلیل نہیں سمجھتا اور زانی بعد الزنا تمام عالم سے اپنے نفس کو بدتر سمجھتا ہے اس وقت اس کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی ذلیل وخوار نہیں ہوتا اور حدیث شریف میں وجہ اشدیت

یہ ہے کہ غیبت حقوق العباد میں سے ہے وہ بغیر عفو صاحب حق توبہ سے معاف نہیں ہوتا اور زنا حقوق اللہ میں سے ہے وہ محض توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی تعارض نہیں دونوں وجہ ہو سکتی ہیں ایک سے دوسرے کی نفی نہیں ہوتی۔

سماع کے جواز و عدم جواز کی حدود

(۷۲) بتاریخ مذکور۔ فرمایا سماع بحالت عدم اضطرار حالاً تو لایعنی ہے (**وقال علیه السلام من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه** ۱۲ جامع) اور مالاً مضر ہے اور وہ ضرر یہ ہے کہ خاصیت سماع کی باوجود اجتماع شرائط مع قطع النظر عن الشہوۃ یہ ہے کہ چونکہ سماع میں لذت طبعی ہے جب نفس اس لذت کا عادی ہو جاتا ہے پھر طاعات مقصودہ و عبادات محضہ و سنن خالصہ میں اس کا دل نہیں لگتا۔ بار بار اسی کی طرف کشش ہوتی ہے پس اس کے عدم جواز کی ایک وجہ یہ بھی ہے البتہ اشد ضرورت کے موقع پر جہاں اس کے سوا کوئی دوسرا علاج نہ ہو وہاں شیخ نظر بصیرت سے اس کو تجویز کر سکتا ہے تمام عمر میں میں نے ایک طالب علم کے واسطے جس پر ایک قوی حال طاری ہو گیا تھا ایک بنگالی خوش آواز سے تنہائی میں کچھ اشعار سنوانے تجویز کئے تھے۔ وہ حال نہ کسی کے تصرف سے جاتا تھا نہ عمل سے اترتا تھا۔ بہت سخت حال تھا۔ ہلاکت کے خوف سے سادہ سماع تجویز کیا تھا۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ محض انشاد ممنوع ہے یا جبکہ قواعد موسیقی پر منطبق ہو۔ فرمایا محض انشاد تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور مسجد میں ثابت ہے اور انشاد میں اگر فتنہ ہوتا ہے تو مضمون سے ہوتا ہے اس میں لحن کو دخل نہیں اس لئے اگر مضمون برا نہ ہو کچھ حرج نہیں۔ بخلاف موسیقی کے کہ اس سے تو جاہل امی محض بھی بیہوش و مدہوش ہو کر جوش و خروش کرنے لگتا ہے۔ سائل مذکور نے کہا اگر انشاد بغیر قصد کے منطبق علی قواعد الموسیقی ہو جائے۔ فرمایا یہ انطباق کہیں ہوگا کہیں نہیں ہوگا اس لئے اس سے وہ فتنہ پیدا نہ ہوگا اس لئے کچھ حرج نہیں پس لحن کا علیحدہ حکم ہے اور مضمون کا علیحدہ۔ پھر سماع کے متعلق ایک قصہ بیان کیا کہ میں نے ایک مبتدع صوفی سے کہا تھا کہ صوفی تم نہیں ہو بلکہ ہم ہیں کیونکہ تصوف کا پہلا قدم مجاہدہ ہے اور مجاہدہ نام ہے مخالفت نفس

کا۔ جب تمہارا نفس سماع سے محظوظ ہوتا ہے تو اس کا ترک مجاہدہ ہوگا نہ کہ نفس کی پیروی۔
ساکت رہ گیا۔ ایک شخص سماع کے شوقین حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔ آپ
نے فرمایا تمہاری رغبت مبدل بہ نفرت ہو جائے گی انہوں نے بہت تعجب کیا کہ مجھے تو اس
کے بغیر چین نہیں ہر وقت اسی کا دھیان ہے اور حاجی صاحب یہ فرماتے ہیں غرض یہ کہ سفر
میں ایک ایسے مقام پر ٹھہرے کہ وہاں سماع ہو رہا تھا۔ کہتے تھے اتنی نفرت ہوئی کہ قلب چاہتا
تھا اس تمام جھگڑے کو درہم برہم کر دوں یہ حضرت کی صحبت کا اثر و کرامت[1] تھی۔

صحبت کا اصل نفع

پھر مضمون صحبت کی تقریب سے فرمایا کہ صحبت کا اصل نفع جذب ہے پس اصل نافع
تو جذب ہے کبھی وہ صورت صحبت میں حاصل ہوتا ہے اور جذب وہ چیز ہے کہ شیطان کی
گمراہی کا سبب عدم جذب ہی ہے اور یہی معنی ہیں مولانا کے اس شعر کے

؎ یک زمانہ صحبتے با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی جس ساعت میں صحبت سے جذب میسر ہو جاوے تو وہ صد سالہ طاعت بے ریا
سے بہتر ہے ورنہ ہر صحبت نہیں۔ اور یہ جذب کبھی حاصل ہو جاتا ہے ذکر و شغل سے بغیر کسی
کی صحبت کے اور کبھی محض قدرت خداوندی سے بغیر ذکر و شغل و صحبت و اسباب ظاہرہ کے یہ
جذب حاصل ہو جاتا ہے جیسے حضرت مریمؑ کے لڑکا ہو گیا تھا بغیر مرد کے اور حضرت آدم علیہ
السلام کے لڑکی بغیر عورت کے اور حضرت آدم علیہ السلام خود بغیر والد و والدہ دونوں کے۔
خدا تعالیٰ نے کل احتمالات عقلی کے موافق تخلیق کر دی کیونکہ با احتمال عقلی اولاد یا تو دونوں
سے ہوگی جیسے معتاد ہے یا بدون دونوں کے ہوگی جیسے آدم علیہ السلام پیدا ہوئے یا فقط
مرد سے جیسے حواء علیہا السلام یا فقط عورت سے جیسے عیسیٰ علیہ السلام (اور جیسا کہ صورت تخلیق
میں احتمالات عقلی کی گنجائش نہیں رہی اسی طرح مخلوق میں بھی۔ یعنی یا تو ذکور و اناث دونوں
پیدا ہوں گے یا فقط ذکور یا محض اناث اور یا دونوں نہ ہوں گے۔ جیسا عقیمہ میں اور یہ سب

---

[1] جاننا چاہئے کہ کرامت میں عموم ضروری نہیں فلا نقض ببعض المواد ۱۲ منہ

مشاہد ہیں۔وقد ذکرہ تعالیٰ فی قولہ یھب لمن یشاء اناثا و یھب لمن یشآء الذکور اویزوجھم ذکراناً و اناثا و یجعل من یشآء عقیماً اور خنثیٰ مشکل فی الحقیقت کوئی چیز نہیں۔۱۲ جامع) اور گو جذب محض قدرت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے لیکن محض اسی پر تکیہ کر کے بیٹھ جانا جہالت ہے کیونکہ یہ امر عادۃ اللہ کے اکثر خلاف ہے کہ بغیر ریاضات ومجاہدات مخالفت نفس واذکار واشغال جذب حاصل ہو جاوے یہ تو ایسی بات ہے جیسے کوئی نکاح تو کرے نہیں اور کسی بزرگ سے کہے کہ دعا کیجئے میرے لڑکا ہو جائے کیونکہ ممکن الوقوع ہے سب اس کو الو بنائیں گے۔

بعض بزرگوں کو وعدۂ الست یاد ہے

(۳۰۷) بتاریخ مذکور۔فرمایا بعض اکابرامت نے دعویٰ کیا ہے کہ جس وقت الست بربکم کہا گیا ہمیں یاد ہے اور بعض نے فرمایا ہے کہ ہم کو یہ یاد ہے کہ پہلے روح نے جسد میں داخل ہونے سے بوجہ عدم مناسبت پس وپیش کیا تب پوربی لہجہ میں کہا گیا اس کی مستی سے داخل ہو گئی اور وجہ محبوبیۃ سماع یہ بھی ہے۔

وعدۂ الست یاد رہنے کی صورتیں

پھر فرمایا کہ اس یاد ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو تکلم منقضی ہو گیا مگر وہ کلام یاد ہے یا یہ کہ تکلم ہی باقی ہے جیسا کہ ظاہر کلام سعدیؒ کا اسی پر دال ہے۔

الست ازازل ہمچناں شان بگوش   بفریاد قالوا بلیٰ درخروش

اور یہ بقاء کلام حنابلہ کے مذہب پر تو صریح ہے کیونکہ وہ قدم کلام لفظی کے قائل ہیں اور ماثبت قدمہ امتنع عدمہ پس بقاء لازم ہے البتہ ماتریدیہ واشاعرہ کے مذہب پر تجدد امثال کے ساتھ یا بقاء اثر کے ساتھ ماوّل ہوگا باقی کلام نفسی کے قدم میں شبہ ہی نہیں لیکن وہ غیر مسموع ہے۔اور اشاعرہ نے قول بحدوث الکلام اللفظی میں معقول سے کام لیا ہے کہ اگر کلام لفظی قدیم ہوگا تو قدیم کا ایک وقت میں متصف بالعدم ہونا لازم آئے گا کیونکہ تمام الفاظ کلمات کا ایک دم سے تکلم محال ہے لامحالہ تکلم بالترتیب ہوگا اور ترتیب میں تقدم وتاخر امر لابدی

ہے۔ پس وقت تکلم بالمتقدم متاخر کا عدم صادق ہوگا وبالعکس اور قدیم کا عدم ناجائز ہے پس اس کا قدم باطل ہوا۔ لیکن حنابلہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ قیاس الغائب علی الشاہد ہے تکلم بالجمیع مع الترتیب محال فی المخلوق ہے ویمکن فی الخالق۔ ولا اعتبار للقیاس مع الفارق۔ ثم قال مولائی صاحب الملفوظات کہ ایک مولوی صاحب تکلم بالجمیع مع الترتیب کی مثال بیان فرماتے تھے جس سے فعل خالق ومخلوق میں یوں بین ظاہر ہوتا ہے وہ مثال یہ ہے کہ کاتب جب کاپی لکھتا ہے اس میں تو کتابت بالجمیع معاً ممتنع ہے اور جس وقت کاپی پتھر پر جما کر طبع ہونے لگتی ہے اس وقت باوجود بقاء ترتیب وتقدم وتاخر حروف کے صفحہ کا صفحہ معاً چھپ جاتا ہے پس اسی مثال کی طرح اگر حق تعالیٰ کے کلام لفظی میں باوجود ترتیب کے تکلم معاً ہو جاوے تو کیا محال ہے۔ اس مثال کو سن کر میں اس مسئلہ میں توقف مناسب سمجھتا ہوں۔ مسئلہ نازک ہے اور یہیں سے مسئلہ قدرت علی الاخبار عن غیر الواقع کا بھی جس کا لقب امکان کذب مشہور ہے جو لفظاً نامناسب ہے فیصلہ معلوم ہوگیا وہ یہ کلام نفسی میں توجہ قدم کے یہ ممتنع بالذات ہے البتہ کلام لفظی میں اس کے امکان وامتناع میں بحث ہے سو اگر وہ بھی قدیم ہے تب تو اسی علت سے اس میں بھی امتناع بالذات کا حکم صحیح ہے اور اگر وہ حادث ومخلوق ہے جیسا عامہ کا مذہب ہے تو اس میں امکان کا حکم صحیح ہے گو وقوع کا کبھی احتمال نہیں للدلائل المستقانہ۔ اور وجہ صحت حکم امکان کا ی یہ ہے کہ اس صورت میں حقیقت اس تکلم بخلاف الواقع کی یہ ہوگی کہ خلق القضیۃ الغیر المطابقۃ۔ اور خلق الفاظ خاصہ کا مقدور ہونا ظاہر ہے۔

ایک مولوی صاحب کا لاجواب ہونا

ثم قال مولائی الممدوح بعد ہذا القول کہ میں الٰہ آباد میں ایک مولوی صاحب سے محض ملاقات کے واسطے گیا انہوں نے بیٹھتے ہی اس مسئلہ کے متعلق عامیانہ مطاعن شروع کئے۔ میں نے کہا عامیانہ باتیں چھوڑ کر کوئی علمی برہان امتناع بالذات کی بیان کیجئے فرمایا آپ امکان کی دلیل فرمایئے میں نے کہا امکان امر اصلی ہے والامر الاصلی لاحاجۃ لہ الیٰ الدلیل۔ اور امتناع امر زائد ہے والزیادۃ توجب اقامۃ الدلیل تھوڑی دیر تو

اسی میں گزری کہ مدعی کون ہے غرض بعد میں میں نے کہا میں ہی مدعی سہی میں امکان کذب فی الکلام النفسی میں تو کلام ہی نہیں کہ منفی ہے صرف کلام کلام لفظی میں علی تقدیر حدوثہ ہے۔ تو امکان کذب فی الکلام اللفظی کی حقیقت صرف یہ ہوئی کہ قضیہ زید قائم کا پیدا کردینا بحالت عدم قیام زید۔ کہئے یہی حقیقت ہے یا کچھ اور۔ مولوی صاحب معقولی جی ہاں صرف یہی ہے۔ میں تو قضیہ زید قائم کا پیدا کرنا بحالت عدم قیام زید ممتنع بالذات ہے یا ممکن۔ مولوی صاحب موصوف ممتنع بالذات (غضب ہی ڈھایا) میں۔ اچھا تو اگر زید کھڑا ہو جاوے تو اس وقت میں خدا تعالیٰ قضیہ زید قائم کے خلق پر قادر ہے یا نہیں۔ مولوی صاحب جی ہاں۔ میں ممتنع بالذات کا وقوع کیسے ہوگیا۔ مولوی صاحب بالکل ساکت و مبہوت رہ گئے کسی قسم کی کوئی الٹی سیدھی بات نہ کر سکے۔ (الحق یعلو ولا یعلیٰ ۱۲ جامع) پھر فرمایا مجھے نہ تو مناظرہ کا خیال تھا اور نہ کبھی یہ دلیل سمجھ میں آئی تھی اسی وقت منجانب اللہ سمجھ میں آئی۔ اس دلیل کا بہت شور ہوا اکثر طلبہ نے مجھ سے بذریعہ خطوط منگوائی اب مولوی صاحب کی معقول تو ختم ہوگئی منقول کی جانب دوڑے۔ مولوی صاحب قرآن شریف میں ہے مایبدل القول لدی میں قال تعالیٰ ما یبدل ولم یقل ما نقدر علیٰ ان نبدل القول مولوی صاحب جواب سے عاجز رہے۔ (اس وقت مولوی صاحب کی جو حالت ہوگی اور مزہ یہ کہ جم غفیر کا مجمع تھا جس میں زیادہ ان ہی کے تلامذہ و معتقدین تھے وہ بیان کی محتاج نہیں ۱۲ جامع)

کلام لفظی کے قدم میں ایک غلط فہمی

اس کے بعد فرمایا کہ بعض کلام لفظی کے قدم کے مسئلہ میں بہت سخت غلطی کرتے ہیں اور ایک جماعت کی جماعت اس غلطی میں مبتلا ہے۔ میاں میر لاہوری کے بعض اہل خاندان کا یہ خیال ہے کہ کان بند کر کے جو شغل کیا جاتا ہے اور اس میں صوت سنائی دیتی ہے کہتے ہیں کہ یہ صوت حق اور قدیم ہے۔ حالانکہ یہ صوت تو ملکوتی بھی نہیں بلکہ ناسوتی ہے قدیم ہونا تو کہاں۔ کیونکہ قدیم لحن و آواز سے پاک ہے خواہ نفسی ہو یا لفظی۔ فرید الدین عطارؒ مسلم الکل فرماتے

ہیں قول اور الحن نے آواز نے + اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ موسیٰ علیہ السلام سے جو باری تعالیٰ نے کلام کیا تھا انا ربک فاخلع نعلیک اور وما تلک بیمینک یا موسیٰ اس کی حقیقت کیا تھی۔ وہ تو صوت مسموع تھی۔ فرمایا وہ آواز شجرہ کی تھی جو خدا تعالیٰ نے اس میں پیدا کردی تھی۔ (للہ در صاحب الملفوظات+ اللهم ابقه على رؤسنا بالفيوض والبركات + آمين ثم آمين+ برحمتک یاارحم الراحمین ۱۲ جامع)

(۴۷) ۱۴ ارمضان المبارک ۱۳۳۳ھ۔ فرمایا کہ متقی مشائخ واساتذہ کی توجہ وتمنی سے طالب بہت ترقی وعروج کرتا ہے لیکن توجہ کے واسطے قابلیت اور مادہ کا تاثر واستعداد بھی ضروری ہے اور اس استعداد کے بعد اکثر متقیوں کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے اعتراض کیا کہ شیخ تو یہ چاہتا ہے اور اُسکی یہ تمنا ہوتی ہے کہ یہ اس دم مراتب طے کر مقامات پر پہنچ جائے تو ایک وقت میں اس کو یہ ترقی کیوں نہیں ہوتی۔ فرمایا یہ تو توجہ شیخ کی خاصیت فی نفسہا کا بیان تھا لیکن ظاہر ہے کہ خواص جب ہی مرتب ہوتے ہیں جبکہ اجتماع شرائط وارتفاع موانع بھی ہو۔ سو اگر بوجہ عوارض کے کسی شئے کی خاصیت اور اثر مرتب نہ ہو تو اُس اثر کے صحت حکم میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ باقی جب محل ہی اُسکے قابل نہ ہو تو فاعل کی قوت کیا کرے گی۔ مثلاً حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص دو رکعتیں اس اس طرح پڑھے لایحدث فیہا نفسہ تو اس کے سب گناہ معاف ہو جاویں گے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ مغفرت جب ہوگی جبکہ ارتفاع موانع ہو والا فلا۔ مثلاً کبائر کا ارتکاب کیا اور توبہ نہ کی تو یہ مانع ہے غفران جمیع ذنوب سے اور باوجود اس کے حکم غفران کا صحیح ہے۔ اور جس طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مؤثر تھے اور ابوجہل متاثر نہ تھا اس وجہ سے آپ کی تمنا اُسکی ہدایت کے متعلق پوری نہ ہوئی (حضرت عمرؓ میں استعداد وقابلیت تھی مشرف باسلام ہوئے ۱۲ جامع)

متقی شیخ واستاذ کی توجہ کا اثر

پس ہر شخص کو بحیثیت اس کی استعداد کے اثر ہوتا ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی استعداد چونکہ اکمل واتم ہوتی ہے اور القاء ملک کے ساتھ ان کو مناسبت اور عالم غیب سے

تعلق ہوتا ہے اس لئے وہ وحی کا محل بنتے ہیں اور اسی مناسبت کی تقویت وظہور کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ سینہ سے لگایا۔ بعض بزرگ اب بھی الزاق صدر سے توجہ کرتے ہیں جو لوگ محض اہل ظاہر ہیں وہ حضرت جبرئیلؑ کے سینہ سے لگانے کی حکمت نہیں بتا سکتے۔ اہل تصوف فرماتے ہیں کہ یہ توجہ تھی پھر فرمایا بعض مرتبہ غیر متقی مشاق کی توجہ سے بھی نفع ہوتا ہے۔ وہ متخیلہ میں تصرف کرتا ہے مشاق کی وجہ سے لیکن بہ نسبت اثر تقویٰ کے اثر مشاق اقل ہے اور دونوں توجہوں میں فرق عظیم ہے توجہ متقی کی بغیر استعمال قوت متصرفہ کے بھی موصل الی المطلوب ہوتی ہے اور توجہ مشاق بدوں اس کے موثر نہیں ہوتی۔ توجہ مشاق سے غباوت اپاہج پنا تکاسل سستی وغیرہ دور ہو جاتی ہے اور عزم افعال حمیدہ واخلاق شریفہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اعمال وخصائل مہذبہ کی جانب رغبت ہو جاتی ہے پھر ان افعال واقوال حسنہ سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے توجہ محضہ کو ایجاد نسبت میں کچھ اثر نہیں۔ بخلاف توجہ متقی کے کہ اس میں خود یہ برکت ہوتی ہے کہ جس امر کے ساتھ متقی کی تمنا متعلق ہوتی ہے خدا تعالیٰ اس میں کامیابی دیتے ہیں۔ نیز کبھی نسبت بلا واسطہ توجہ کے کسی مقبول کی صحبت وتعلق صحبت سے بھی بواسطہ اس کے افعال واقوال کے اتباع واقتداء کے بھی حاصل ہوتی ہے غرض نسبت مختلف طرق سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح بعض مرتبہ محض دعائے صلحاء ومشائخ سے بھی حصول نسبت میسر ہوتا ہے اور بعض اوقات محض رضاء واستحسان ہی سے مراد پوری ہو جاتی ہے۔ جیسا قرآن شریف میں ہے **فلنولینک قبلة ترضٰها** کہ بغیر دعا واظہار مدعا کے محض میلان واستحسان کی وجہ سے تحویل قبلہ ہوا۔ اور حدیث شریف میں بھی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں **ماارى ربك الايسارع فى هواك** بس اولیاء اللہ نے چاہا ہو گیا لیکن یہ حضرات مقاصد تشریعیہ میں مراد پوری ہونے سے تو خوش ہوتے ہیں کہ نسبت ہدایت ہے اور مقاصد تکوینیہ کے پورے ہونے سے خائف ہوتے ہیں کہ استدراج نہ ہو جیسے کہ کفار کو آرام وراحت ہے ممکن ہے کہ عصیاں کی وجہ سے یہ مرادیں پوری ہوتی ہوں۔ بعضے لوگ خوارق عادت وکرامات والہام وکشف وواردات وحالات کو کمال سمجھتے ہیں اور محققین اس سے

ترساں رہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ معاصی کے سبب سے ان میں التباس ہو گیا ہو۔

حدوثِ علم کا شبہ اور اس کا جواب

(۷۵) بتاریخ مذکور۔فرمایا **لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علیٰ عقبیه** اس آیت میں حدوث علم کا اشکال ہے مفسرین نے مختلف جواب اور بعض جواب لاجواب دیئے ہیں۔ بعض معقولیوں نے بھی جواب دیا اور اپنے نزدیک بڑا کمال اور لطیف جواب سمجھا ہو گا لیکن محض پوچ ولچر۔ تقریر اشکال یہ ہے کہ علم غایت ہے تحویل قبلہ کی اور تحویل قبلہ حادث ہے اور غایت وجود خارجی میں موخر ہوتی ہے ذی غایت سے پس جب مقدم حادث ہے تو موخر بدرجہ اولیٰ حادث ہو گا۔ وہذا مستلزم لحدوث علمہ تعالیٰ۔ وہو محال فی شانہ تعالیٰ۔ معقولی صاحب جواب میں لکھتے ہیں کہ اس میں علم تفصیلی مراد ہے یہ نہ سمجھے کہ علم تفصیلی اصطلاحی لفظ ہے جس کا مفہوم کے مصداق خود معلومات ہیں یعنی خود معلومات کو علم تفصیلی کہتے ہیں۔ ان کے علم کو نہیں کہتے پس وہ نہ مصدر ہے نہ حاصل بالمصدر اس سے اشتقاق کیسے جائز ہے اور اگر بفرض محال اس سے نعلم کو مشتق کریں گے تو اس کے معنی تو یہ ہونگے کہ **لنکون متصفین بزیدو عمر و وبکر** اور اس کا اہمال ظاہر ہے کہ اس میں اتصاف باری تعالیٰ کا جواہر واعراض حادثہ کے ساتھ لازم آوے گا تو اصل اشکال حدوث صفات کا اب بھی رہا اور دوسرے مفاسد اس کے علاوہ۔ معقول انسان کو کبھی نامعقول بھی بنا دیتی ہے جس کی وجہ سے وہ نامعقول باتیں کرنے لگتا ہے۔ اچھا جواب یہ ہے کہ **لنعلم ما کنا نعلمه انه سیقع انه قد وقع** اور مفسرین کا علم ظہور کہنا اس کی طرف راجع ہو سکتا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہؒ کے ایک کلام کی تشریح

(۷۶) بتاریخ مذکور۔ ایک صاحب نے حاجی صاحب کی جانب یہ مضمون منسوب کیا کہ جبرئیل علیہ السلام خود آئینہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آئینہ میں حضور نے اپنے کو دیکھا تو آپ خود اپنے سے مستفیض ہوئے اور جبرئیل علیہ السلام سے آپ کیا فیض لیتے چونکہ بدون آئینہ کے اپنی صورت نظر نہیں آتی اس لئے اس واسطہ جبرئیلیہ کی ضرورت ہوئی۔

فرمایا حضرت کا کلام مجمل ہوگا راوی نے تفصیل میں غلطی کی۔ مقصود انکار استفاضہ عن جبرئیل نہ تھا ورنہ نصوص کا انکار یا تاویل بلا دلیل کرنا پڑے گی۔ مقصود اس استفاضہ کی حقیقۃ الحقیقۃ بیان فرمانا تھا۔ یعنی جبرئیل علیہ السلام کا یہ افاضہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ان کے آنجناب ہی سے استفاضہ روحانیہ سے مسبب تھا کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تمام مخلوقات اور ان کے کمالات حضور کی بدولت ہیں جیسے حضرت عمرؓ کا حضور نے بعض اوقات مشورہ قبول کیا اور وہ مشورہ حضرت عمرؓ ہی کا تھا لیکن ان کا یہ مشورہ دینا خود حضور ہی کے فیوض و برکات کا نتیجہ تھا۔ اور اسی وقت اس کی ایک مثال سمجھ میں آئی کہ مصلی کو اگر خارج عن الصلوۃ لقمہ دے اگر مصلی کو اس کے لقمہ سے تنبیہ ہو جائے اور یاد آ جائے تب تو نماز درست ہوگی اور اگر محض اس کی اقتداء کرے اور اسے یاد نہ آوے تب نماز صحیح نہیں ہوگی۔ تو یہاں حالانکہ اتباع غیر مصلی کی رائے کا کیا لیکن لا من حیث انہ رایہ بل من حیث انہ موافق الرائے نفسہ اسی طرح فیض جبرئیلؑ سے لیا لاکن لا من حیث انہ فیضہ بل من حیث انہ فیض فیضہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کتاب ''تحذیر الناس'' میں حضرت مصنف کی مخصوص اصطلاح کی وضاحت

(۷۷) بتاریخ مذکور۔ فرمایا تحذیر الناس میں کئی مقامات پر مولاناؒ نے انبیاء کے اتصاف بالکمالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ فی العروض کہا ہے تو یہ مولاناؒ کی اصطلاح ہے اس سے مراد واسطہ فی الثبوت ہے کیونکہ واسطہ فی العروض کے معنی تو یہ ہیں کہ ذی واسطہ حقیقۃ موصوف ہی نہ ہو بلکہ موصوف محض واسطہ ہی ہو۔ جیسے سفینہ و جالس سفینہ میں کہ متحرک محض واسطہ یعنی سفینہ ہی ہے اور ذی واسطہ یعنی جالس حقیقۃ متصف بالحرکۃ ہی نہیں تو کمالات انبیاء میں بھی واسطہ فی العروض کے معنی یہ ہوں گے کہ ما کانوا متصفین بالنبوۃ و کمالاتھا حقیقۃ حالانکہ خود حق تعالیٰ نے جابجا قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے لقد ارسلنا نوحاً و مثلہ اور انہ کان صدیقا نبیا وغیر ذلک پس واسطہ فی الثبوت مراد ہے جیسے حرکت ید مفتاح کے لئے کہ واسطہ اور ذی واسطہ دونوں بالذات متحرک ہیں محض

تقدم ذاتی کا فرق ہے۔ اور اس واسطہ فی الثبوت کے قائل ہونے میں کسی نص کا خلاف لازم نہیں آتا گو اس پر کوئی دلیل قطعی بھی قائم نہیں مگر اس پر دلیل کی حاجت بھی نہیں یہی کافی ہے کہ کسی دلیل شرعی سے مردود نہیں۔ اسی واسطے علامہ برزنجی مدنی نے واسطہ فی العروض ہونے پر انکار کیا ہے اور اس پر مولوی ظفر احمد صاحب نے کہا کہ مولانا خلیل احمد صاحب سلمہ سہارنپوری نے فرمایا تھا کہ اس کا خلجان میرے دل میں بھی ہوا کرتا تھا اس کی تاویل کرنا ہو گی۔ باقی اصطلاح کا علیحدہ ہونا یہ امر کابراً عن کابر موروث ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی بھی خاص اصطلاحات ہیں اس کے بعد ایک صاحب نے کہا کہ اس واسطہ فی العروض کی مولاناؒ نے یہ امثلہ لکھی ہیں جیسے دیوار کا منور ہونا آفتاب سے یا پانی کا آگ سے گرم ہونا۔ فرمایا بس اس سے اس تاویل کی تصریح تائید ہو گئی کیونکہ یہ اشیاء فی الحقیقۃ بھی موصوف ہوتی ہیں اب صاف معلوم ہو گیا کہ واسطہ فی العروض سے مراد واسطہ فی الثبوت ہی ہے پھر فرمایا کہ مولانا کے علوم کشفی تھے ان کو واقف ہی سمجھ سکتا ہے۔

دو تفسیری نکات

(۷۸) بتاریخ مذکور فرمایا **و من اوفیٰ بما عاهد علیه الله** کی بابت ایک صاحب کشف فرماتے تھے کہ میں نے عالم قدس میں اس کے متعلق دریافت کیا معلوم ہوا کہ یہ اصل میں تھا **عاهد علیه هو الله** اس طرح سے کہ **هو** تاکید ہو گی ضمیر مستتر مرفوع کی **علیه** کی **ها** اور **ها** اور **هو** کا واؤ حذف کر دیا گیا لہذا ضمہ ضمیر غائب ہو کا بدستور رہا ہ۔ اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح مولانا محمد یعقوب صاحب علیہ الرحمۃ آیت **قال لاعاصم الیوم من امر الله الا من رحم** کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے کہ اس کی اصل یہ تھی **لاعاصم الیوم من امر الله الا الله ولا معصوم الیوم من امر الله الا من رحم** جملہ اول کا عجز اور ثانی کا صدر حذف کر دیا ورنہ بظاہر مرحوم کا عاصم ہونا لازم آتا ہے حالانکہ مرحوم معصوم ہو گا اسی واسطے بعض نے عاصم بمعنی معصوم لیا ہے اور اس کی نظیر میں فرماتے تھے کہ شیخ سعدیؒ کا شعر ہے "طبع ترا تا ہوس نحو کرد الخ" طبع ترا کے بعد ہوس نحو شد ہونا چاہیے تھا پس اس کی اصل یہ تھی۔ طبع ترا تا ہوس نحو شد و طبع تو تا ہوس نحو کرد۔ اس میں بھی صدور عجز، صدر و عجز ہوا۔

حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کا علم تفسیر میں کمال

اس کے بعد فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ تفسیر میں خاص کمال رکھتے تھے چنانچہ آپ کی ایک تحقیق اس آیت میں ہے اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃً ولا یستقدمون اس میں اشکال یہ ہے کہ مقصود اس کلام سے بدلالت سیاق نفی ہے مخلص عن الہلاک کی پس نفی اسی کی ہونا چاہیے جس میں مخلص ہونے کا احتمال ہو اور ظاہر ہے کہ استیخار تو اگر واقع ہو مخلص فی وقت مجی الاجل بن سکتا ہے اور استقدام تو اور بھی مضر ہے۔ اس کی نفی عبث معلوم ہوتی ہے پس مولانا فرمایا کرتے تھے کہ ہاں استقدام میں بھی نفع اور مخلص ہو سکتا تھا یعنی فرماتے ہیں اس طرح سے کہ مثلاً ۱۵ رمضان المبارک کو اجل مقدر ہے اب بچنے کی عقلاً دونوں صورتیں ہیں ایک تو ظاہری ہے یہ کہ ۱۶ تاریخ تک تاخیر ہو جائے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ یہ شخص ۱۵ تاریخ سے حرکت کر کے کسی صورت سے ۱۴ تاریخ میں چلا جائے۔ چونکہ اس کی اجل ۱۵ کو ہے اور یہ شخص چودھویں میں ہے لہذا اس سے بھی نفع ہوا کہ چودھویں میں چلے جانے سے بچ گیا پس اللہ تعالیٰ نے دونوں کی نفی فرما دی بعض نے اس میں اور تاویلیں کی ہیں مثلاً کہتے ہیں لا یستقدمون کا عطف مجموعہ پر ہے تو وہ اذا کے ساتھ مقید ہی نہیں اور مقصود نفی مخلص بعد مجی الاجل نہیں بعض نے کہا لا یستقدمون استطراداً کہا گیا وغیرہما۔

ہر وقت موت کے لئے تیار رہنا چاہئے

(۷۹) ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا دنیائے دوں میں ہر وقت ایسے طور پر مستعد رہنا چاہیے کہ وقت مرگ وصیت کی بھی ضرورت نہ ہو۔ فی الحدیث کن فی الدنیا کانک غریب اوعابر سبیل ۱۲ جامع) خصوص فکر جاہ میں رہنا تو نہایت ہی فضول ہے کیونکہ انسان کا ممدوح الالسنۃ کلہا ہونا غیر ممکن ومحال ہے پس ایسے امور میں وقت عزیز کو صرف کرنا چاہیے جس میں فلاح آخرت ونجاح عاقبت میسر ہو۔

دو پیروں کے مرید کی حالت

(۸۰) بتاریخ مذکور۔ فرمایا بعض طالبین دو شخصوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ہر شخص کی

تعلیم کے موافق عملدرآمد کرتے ہیں یہ مناسب نہیں اور اگر دوسرے کی جانب متوجہ ہونے کی ضرورت واقع ہو تو اس وقت سابق سے تعلیم و تلقین وغیرہ کا تعلق نہ رکھے اس کی مثال بالکل طبیب کی سی ہے کہ طبیب اول سے گو وہ کامل ہی ہو ترک معالجہ کے وقت کوئی تعلق نہ رہتا نہ وہ پرہیز نہ وہ نسخہ نہ وہ تدبیر۔ البتہ اس کو طبیب کامل جانتے ہیں مگر علاقہ علاج کا صرف ثانی سے پیدا کرتے ہیں اور اسی کی تدبیر پر عمل کرتے ہیں اسی میں فرمایا کہ بعض طالبین تو یہ غضب کرتے ہیں کہ ایک دوسرے سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ **المرید بین الشیخین کالزوجۃ بین الزوجین** اور اس کے مفصلاً سمجھنے کے واسطے ایک حکایت بیان کی کہ کسی مقام پر ایک کمبخت دیوث نے اپنی لڑکی کا نکاح دو مقام پر کیا تھا اور دونوں سے یہ شرط کر لی تھی کہ چھ ماہ میکہ میں رہے اور چھ ماہ سسرال میں بس اس فریب سے چھ مہینہ ایک شوہر کے رہتی اور دوسری چھ ماہی دوسرے زوج کے گزارتی ہر ایک شوہر جبکہ وہ اس کے پاس نہ ہوتی یہ سمجھتا کہ اب میکہ میں ہے ایک مرتبہ ایک شوہر نے بہت عمدہ رزائی اس کو بنا کر دی وہ اسے لے کر دوسرے شوہر کے آئی شوہر نے دریافت کیا کہ کہاں سے ملی کہا میکہ سے لائی ہوں اسے وہ پسند آئی اور اس سے مانگ لی اتفاقاً اسے اوڑھ کر ایک محفل میں گیا اور خدا کی شان اس میں وہ شوہر بھی تھا جس نے رزائی بنائی تھی دور سے دیکھ کر وہ کھٹکا کہ یہ تو وہ رزائی معلوم ہوتی ہے جو میں نے زوجہ کو بنا کر دی تھی پھر کہا کیا ایک سا کپڑا نہیں ہوتا اس نے بھی اسی تھان میں سے بنالی ہوگی۔ غرض اس سوچ بچار کے بعد وہ قریب آیا اور بغور دیکھا سلائی وغیرہ پر غور کیا اسے بالیقین معلوم ہو گیا کہ یہ وہی رزائی ہے اور کچھ دال میں کالا ہے۔ اس سے پوچھا کہ جناب آپ نے اس کا کپڑا کہاں سے خریدا ہے مجھ کو بہت پسند آیا مجھے بتا دیجئے میں بنانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں یہ میری سسرال سے ملی ہے اب اس کو اپنے شبہ کا پورا یقین ہو گیا اس نے کہا آپ کے خسر صاحب کا کیا نام ہے اس نے وہی نام بتایا جوان کے خسر کا تھا کہنے لگا میں ایک ضرورت سے ان کا بہت مشتاق ہوں مجھے آپ ان سے ملوا دیجئے کہا بہت اچھا۔ غرض دونوں گئے اور خسر صاحب کے مکان پر لے جا کر ان کو کھڑا کر دیا۔ مکان بھی وہی اب اس شوہر نے آواز

دی کہ باہر تشریف لائیے۔ خسر صاحب نے جو دونوں دامادوں کو کھڑا دیکھا رنگ فق ہو گیا۔ متحیر و مبہوت رہ گئے۔ شوہر ثانی نے ان کی گردن پکڑ کر دے جوت دے جوت۔ خوب مرمت کی۔ شوہر اول بولے ہائیں ہائیں صاحب یہ کیا۔ کہا آپ کھڑے رہئے تھوڑی دیر میں آپ بھی یہی کرنے لگیں گے چنانچہ قصہ معلوم ہونے کے بعد انہوں نے بھی کسر نکالی اور دونوں نے اس عورت کو نکالا اور دونوں باہم مثل بھائیوں کے رہے۔ اس سے **المرید بین الشیخین** کی حالت دریافت کر سکتے ہیں۔

اصل راحت طالبِ حق کو حاصل رہتی ہے

(۸۱) بتاریخ مذکور۔ فرمایا طالب حق کو پریشانی نہیں ہوتی ہر حالت میں جمعیت و قرار و امداد غیبی میسر رہتی ہے اسی کا نام راحت و آرام ہے ورنہ دنیاوی آسائش کا سامان کوئی شخص کتنا ہی مہیا کر لے لیکن راحت قلبی باطنی میسر نہیں ہوتی گو بظاہر عیش و آرام میں معلوم ہوں وجہ یہ ہے کہ اہل دنیا کے مختلف محبوب ہوتے ہیں اور ہر ایک سے رنج غم تکلیف والم مصیبت پہنچتی ہے اور طالب حق کا محبوب فقط ایک ہوتا ہے اور وہ بھی ایسا کہ فوراً راضی ہو جائے اس لئے اس کو کسی قسم کی کدورت نہیں پہنچتی ہے۔

بھول جانا بڑی رحمت ہے

(۸۲) ۷ ارمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا خدا تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے اور نہایت شفقت ہے اور غایت عنایت ہے کہ انسان میں نسیان پیدا فرما دیا جس سے کبر و عجب وغیرہ کا علاج ہوتا رہتا ہے ورنہ نہ معلوم اپنی ذکاوت ذہانت و حافظہ کو کیا سمجھتا اور اس سے کیسے کیسے دعوے کرتا۔ پھر نسیان پر ایک حکایت عجیب بیان کی کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک خط لکھا جب دستخط کرنے کا ارادہ کیا تو اپنا نام بھول گیا۔ اس پر فرمایا اگر یہ روایت مجھ تک بواسطہ پہنچتی تو میں کبھی تسلیم نہ کرتا اور اس کو افتراء محض سمجھتا لیکن مولانا نے خود مجھ سے ذکر فرمایا۔ بہت تعجب خیز و حیرت انگیز قصہ ہے۔

بعض دفعہ جسے ہم تقویٰ سمجھتے ہیں وہ تقویٰ نہیں ہوتا

(۸۳) بتاریخ مذکور۔ فرمایا ایک دفعہ ایک بہت بڑے عالم کسی مرض میں مبتلا ہوئے اور باوجود جواز تیمم واضرار وضو کے وضو کرتے تھے۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ تشریف لائے اور فرمایا مولانا آپ اسکو بڑا تقویٰ سمجھتے ہونگے ذرا خیال تو کیجئے اس کے معنی کیا ہوئے اس کے معنی تو یہ ہیں کہ تیمم طہارت ناقصہ ہے اور وضو کاملہ۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے اس کو بھی کامل قرار دیا ہے پس جس کو آپ اپنا کمال سمجھتے ہیں وہ نقص ہے۔ ایک صاحب نے کہا بعض طبائع اس وجہ سے ایسے امور میں مذہب میں احتیاط کرتے ہیں تاکہ مثلاً مذہب شافعی کے بھی خلاف نہ ہو۔ مثلاً کسی مسئلہ میں احناف کے مذہب میں سہولت ہے اور شوافع کے مشرب میں شدت۔ وہاں احتیاط پر عمل کیا جاوے فرمایا اس میں امام ابوحنیفہؒ کی تنقیص لازم آتی ہے جس کو بالفاظ دیگر خود رائی سے تعبیر کیا جائے گا۔

جو کام خود کر سکے دوسرے کو نہ کہے

(۸۴) بتاریخ مذکور فرمایا تہذیب کی بات یہ ہے کہ جو کام خود کر سکے اس کی فرمائش دوسرے سے نہ کرے۔ پس ایسے کام کو دوسرے سے کہے جو بغیر اس کے ممکن ہی نہ ہو اور وہ بھی بشرطا اپنی ضرورت اور اس کی سہولت کے۔

دنیا کی کمائی کی صحیح نیت

(۸۵) بتاریخ مذکور فرمایا اگر کسب دنیا سے محض جلب مال و منافع مقصود ہو تو مذموم ہے اور اگر دفع حاجت مطلوب ہو تو محمود ہے۔

سماع کے بارے میں تین موقف

(۸۶) ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا سماع کے بارے میں تین مذہب ہیں۔ اول فقہاء کا وہ علی الاطلاق عدم جواز کے قائل ہیں۔ ثانی صوفیہ کا جس میں بہت سے بعض آلات کے ساتھ بھی جواز کے قائل ہیں جس کی تفصیل احیاء میں ہے اور صوفیہ میں حضرت

خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کا قول ہے۔ ''نہ انکار میکنم و نہ ایں کار میکنم''۔ ثالث محدثین کا کہ نفس سماع کو جائز اور آلات کو ناجائز کہتے ہیں۔

واصل اِلی اللہ کبھی مردود نہیں ہوتا

(۸۷) ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا جس کو وصول الی اللہ میسر ہو جاوے وہ راجع و مردود نہیں ہوتا اسی وجہ سے کان من الکافرین کے معنی بعض مفسرین نے صار کے نہیں لئے بلکہ استمرار و استقرار کے معنی لئے ہیں۔ اور اگر مقبول ہوتا تو کبھی مردود نہ ہوتا اور جنہوں نے صار سے تفسیر کی ہے وہ باعتبار ظاہر کے ہے۔

زوال خوف کفر ہے

(۸۸) بتاریخ مذکور۔ فرمایا ایک مرتبہ میں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ خوف سے بہت پریشان ہوں کچھ ایسی بات بتلایئے کہ اندیشہ جاتا رہے۔ فرمایا ہائیں کفر کی درخواست کرتے ہو ایمان کا دارومدار تو خوف اور رجاء دونوں پر ہے جب خوف زائل ہو جائے تو ایمان کہاں رہے گا۔ ولا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون.

بعض مخصوص کشف

(۸۹) بتاریخ مذکور۔ فرمایا بہت سے کشفیات قواعد عقلیہ پر منطبق نہیں ہوتے براہین و دلائل سے ان کا اثبات نہیں ہوتا۔ ضوابط و قوانین حکمیہ سے ان کا تعلق نہیں ہوتا۔ محض توفیق حقانی و توقیف ربانی پر مبنی ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسماء کے آثار کے اظہار پر مجبور نہیں

(۹۰) بتاریخ مذکور۔ فرمایا حق تعالیٰ شانہ اظہار آثار اسماء پر مجبور و مضطر نہیں بلکہ جب چاہیں آثار اسماء کا ظہور ہو اور جب چاہیں نہ ہو۔ والقول بالاضطرار بظهور الاسماء مستلزم لقدم العالم و هو محال كما ثبت فی محله

اہل عقل کی بے بسی:

(۹۱) بتاریخ مذکور۔ فرمایا تعلق علم الواجب بالممکنات میں حکماء کا اختلاف مشعر ہے۔ کہ حقیقت حال تک اکثر کی رسائی نہیں ہوئی اور یہ مباحث قیاس الغائب علی الشاہد ہیں یعنی مخلوق کو خالق پر قیاس کرتے ہیں اور حادث کو احکام قدیم کا مقیس علیہ ٹھہراتے ہیں۔ شرف لاندری سے محروم ہیں۔ جہل مرکب میں مبتلا۔ حمق محض گرفتار۔ جہالت و نادانی میں پھنسے ہوئے اور جن کو اپنے علم کے تعلق کی کیفیت نہ معلوم ہو وہ حق تعالیٰ شانہ کے علم پر زبان درازی کریں۔ (نعوذ باللہ) **ان ھٰذا العجب عجاب**

حنفیہ کی فضیلت ایک علمی لطیفہ

(۹۲) بتاریخ مذکور۔ فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بطور لطیفہ فرمایا کرتے تھے کہ حنفیت کلام مجید سے ثابت ہے **قال اللہ تعالیٰ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم** اولی الامر سے مراد مسلمان سلاطین وملوک ہیں۔ اور سلاطین وملوک اکثر حنفی ہوئے ہیں چنانچہ اب بھی مدت سے سلاطین روم حنفی ہوتے آ رہے ہیں اور حنفی کا مطیع فروع میں عامل بالحنفیت ہوگا۔

نواب صدیق حسن کی عبارت پر ایک صاحب سے مکالمہ

(۹۳) بتاریخ مذکور۔ فرمایا کہ قنوج میں بعضے غیر مقلدوں نے میری دعوت کی اسی جلسہ میں ایک شخص نے نواب صدیق حسن خان کی ایک کتاب کی عبارت جس میں تقلید کی مذمت لکھی تھی دکھلا کر رائے پوچھنے لگے جس سے مقصود مجھ پر محاجہ تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ آیا اس مضمون میں خطا کا احتمال بھی ہے یا نہیں۔ سائل نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا بس سمجھ گئے اب جواب کی حاجت نہیں نامعلوم وہ کیا سمجھے۔ میرا مقصود اس سوال سے یہ تھا کہ اگر یہ کہیں گے کہ محتمل الخطاء ہے تب تو میں کہوں گا کہ پھر یہ قابل استدلال نہیں۔ (**لانہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ۱۲ جامع**) اور اگر کہیں گے کہ خطا کا احتمال نہیں تب کہوں گا تم کو جواب دینے سے کیا حاصل جبکہ تم ایک شق کا یقین کر چکے ہو جواب ہمیشہ متردد کو نافع ہوتا ہے۔ پھر

میں نے کہا چونکہ میں آپ کا نمک خوار ہوں اس وجہ سے مجھ پر حق ہے کہ آپ کی خیرخواہی کروں لہذا میں حق ادا کرتا ہوں وہ یہ کہ آپ لوگوں میں دو مرض متجاوز عن الحد ہیں۔ایک بدگمانی دوسرے بدزبانی وہ لوگ اس کے مقر ہوئے اور توبہ کی۔بعض نے مجھ سے کہا کہ میں نے آپ کی شان میں بہت گستاخیاں کی ہیں۔میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔میں نے کہا اول تو مجھے امید ہے کہ آپ کو اس غیبت سے بھی ثواب ملا ہوگا کیونکہ آپ مجھے گمراہ سمجھ کر فرماتے ہوں گے انہوں نے پھر معافی کی درخواست کی میں نے کہا خیر آپ کا یہ خیال ہے تو معاف ہے بلکہ آئندہ بھی جو کچھ آپ مجھے کہیں معاف ہے کہتے تھے میں بغرض معافی کانپور آؤں گا میں نے منع کر دیا اور کہا معافی کی نیت سے نہ آیئے ویسے آپ کا مکان ہے۔

رویت ہلال کی خبر کا دور دراز ارسال کرنا

(۹۴) ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا میں اس کا مخالف ہوں کہ ایک مقام کی خبر رویت ہلال دوسرے مواضع پر اس طرح اشاعت کی جاوے کہ اس میں غلو و مبالغہ ہو اور اس میں غلطاں پیچاں رہیں جس سے اکثر تشویش و مخالفت بڑھ جاتی ہے۔نہ معلوم کیا وحشت سوار ہوتی ہے کہیں آدمی دوڑائے ہیں کہیں خطوط جاتے ہیں خصوصاً تاروں سے اشاعت کا بہت ہی واہیات خرافات قاعدہ ہے ایک صاحب لطیفہ بیان کرتے تھے کہ پہلے مدار صوم و فطر کا چاند پر تھا اب تاروں پر رہ گیا۔

غلبۂ حال کے اظہار و اخفاء کی تفصیل

(۹۵) بتاریخ مذکور۔فرمایا اگر کوئی حال غالب ہو اس کے اظہار و اخفاء میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اظہار میں غالب اندیشہ ریا ہو تب تو ان کیفیات و واردات کا ضبط کرنا مناسب ہے اور اگر ریاء کا اندیشہ نہ ہو محض اس کا وہم ہی وہم ہو تب وہ لاشی محض ہے۔اس کا کوئی اعتبار نہیں اس وقت ان کیفیات کا اظہار کرے ضبط سے نقصان ہوگا اور اگر اس قدر غلبہ ہو کہ ضبط سے مرض یا ہلاک کا اندیشہ ہو تب باوجود تیقن ریاء و نمود و سمعہ و شہرت بھی اظہار ضروری ہے کیونکہ ایسی صورت میں ضبط کرنے میں امراض و اسقام پیدا ہو کر ہلاک کرتے ہیں لہذا واجب ہے کہ ضبط نہ کرے اور حتی الامکان ریاء کو دفع کرے۔

اہل علم کی ایک غلطی

(۹۶) بتاریخ مذکور۔ فرمایا اہل علم میں یہ غلطی مثل وباء عام کے سرایت کئے ہوئے ہے کہ اپنی غلطی کے مقر اور خطا کے معترف نہیں ہوتے۔ **لاادری و لا اعلم** کا نام نہیں جانتے جو منہ سے نکل گیا وہ کالحجر ہو گیا۔ زمین ہٹ جائے آسمان پھٹ جائے مگر مولوی صاحب اپنے قول سے رجوع نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ محفوظ رکھے سخن پروری سے (بلکہ یہ تو سخن پرستی ہے ۱۲ جامع) ایک صاحب نے کہا شاید اسی وجہ سے کہا گیا ہے **العلم هو الحجاب الاکبر** فرمایا ایک تو معنی اس کے یہ ہیں اور بعض نے اور معنی بیان کئے ہیں۔ زمن سابق میں دستور تھا کہ سلاطین بے حجاب عوام وخواص سے گفتگو نہیں کرتے تھے متعدد رواق سامنے پڑے رہتے تھے خواص الناس کی خصوصیت کا اثر یہ تھا کہ درمیان میں صرف ایک پردہ حائل ہوتا تھا اس قریب کے پردہ کا نام حجاب اکبر ہوتا تھا۔ پس اسی اعتبار سے **العلم هو الحجاب الاکبر** کہا گیا۔ گویا اس کے معنی ہیں کہ علم سے ممکن الوصول قرب تک رسائی ہوتی ہے۔ **وهذا علی عکس السابق** اور حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ **العلم بالاشياء الممكنة هو الحجاب الاكبر عن التوجه الى الواجب' نعم العلم الاشياء الممكنة اذا كان للحق هو عين العلم بالحق و هو ليس بالحجاب الاكبر** علم اغیار ہی حجاب اکبر ہے خواہ وہ غیر یہ خود ہی ہو۔ اس کی تو یہ شان ہونا چاہیے۔

میاں عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست   تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

اللہ والوں کی کیفیت

(۹۷) بتاریخ مذکور۔ فرمایا اہل اللہ کبھی دنیاوی مصائب وشدائد سے متغیر نہیں ہوتے ہمیشہ توجہ الی الحق میں مشغول رہتے ہیں۔ کسی کا خلاف وشقاق ان کو برانگیختہ نہیں کرتا۔

دریائے فراوان نشود تیرہ بسنگ   عارف کہ برنجد تنک آبست ہنوز

ریاء سب کے بعد جاتا ہے

(۹۸) بتاریخ مذکور۔ فرمایا محققین نے تصریح کی ہے کہ اخلاق ذمیمہ میں سے ریاء

سب کے بعد جاتا ہے اور اخلاص سب اخلاق حمیدہ کے بعد میسر ہوتا ہے۔ ریاء ایک ایسا مرض ہے کہ مرائی مخلوق سے تو کیا خالق سے بھی نہیں چوکتا۔ مثلاً خلوت میں اتفاقاً اس سے نماز کی تطویل میں ریاء ہوئی پھر خلوت میں اس عیب پر تنبیہ ہوا تو اب آپ نے کیا کیا کہ خلوت میں بھی خالق کے سامنے اس لئے تطویل کی کہ اگر پھر جلوت میں تطویل کروں تو اللہ تعالیٰ اس وقت کی تطویل صلوٰۃ پر الزام نہ دیں۔ (**نعوذ باللہ من الریاء الخفی و الجلی ۱۲ جامع**)

مریض کی نہیں طبیب کی تسلی معتبر ہے

(۹۹) بتاریخ مذکور۔ فرمایا ایک صاحب نے اپنے احوال آشفتگی و پریشانی کے نظم کر کے میرے پاس لکھے میرا جی چاہا کہ جواب بھی نظم میں لکھوں پس یک بیک مولانا رومیؒ کا یہ شعر خیال میں آ گیا جو تمام نظم کا جواب تھا۔ بعد السلام علیکم کے یہ شعر لکھ دیا۔

دوست دارد دوست ایں آشفتگی — کوشش بے ہودہ بہ از خفتگی

اسی سلسلہ میں یہ حکایت بیان کی کہ ایسے ہی ایک دوست نے کچھ واقعات و واردات پریشانی کے لکھے میں نے ان کو جواب لکھا انہوں نے پھر لکھا کہ باتیں تو سب درست ہیں مگر تسلی نہیں ہوتی آخر کئی بار کے بعد میں نے لکھا کہ ہم کو تمہاری تسلی مطلوب نہیں اپنی تسلی مطلوب ہے۔ سو ہم کو تسلی ہوگئی کہ تمہاری حالت اچھی ہے اگر مریض کو اپنی حالت پر تسلی نہ ہو لیکن طبیب کو اطمینان ہو جاوے کہ میرا نسخہ کارگر ہوا اب مریض روبصحت ہے بس اسی کا اطمینان کافی ہے۔ مریض کے توہمات باطلہ کا کچھ اعتبار نہیں جب قوت ظاہر ہونے لگے گی اس وقت اس کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ میرا مرض جاتا رہا (بس اس تحریر سے ان کی تسلی ہوگئی۔ **کماقالہ صاحب الملفوظات مدظلہ فی مقام اٰخر ۱۲ ناقل**)

کیفیات کی طلب نہ ہونی چاہیے

(۱۰۰) بتاریخ مذکور۔ فرمایا طالب کو کیفیات کی طلب نہیں چاہیے اس کا مقصود محض رضاء حق ہونا چاہیے اور کیفیات کی نسبت اس کی یہ شان ہونا چاہیے۔

یابم اورا یا نیابم جستجوے میکنم — حاصل آید یا نیاید آرزوے میکنم

دوسرے کیفیات باطنیہ کا مدار یکسوئی ہے یعنی ثمرات اکثر یکسوئی پر موقوف ہیں۔ جب یکسوئی شرط ہے ثمرات کے واسطے اور اس فکر میں پڑنے سے یکسوئی فوت ہوگئی تو اس لئے بھی ایسے شخص کو ثمرات میسر نہ ہوں گے غرض اعمال کے وقت ثمرات سے قطع نظر ہونا چاہیے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے ارشادات کے معنی اب سمجھ میں آتے ہیں۔ اس وقت قدر نہیں ہوتی تھی فرمایا کرتے تھے وصول مقصود نہیں طلب مقصود ہے یہاں مقصود کے معنی ہیں ماقصد اور قصد ایسی شئے کا ہوتا ہے جو اپنے اختیار وقدرت میں ہو اور ہمارے اختیار میں صرف طلب ہے نہ کہ وصول۔ یہ محبوب کے اختیار میں ہے اگر میسر ہوز ہے قسمت ورنہ شکایت کیا۔ ع کار خود کن کار بیگانہ مکن + اگرچہ ان کا وعدہ ہے اور دعاء کے طور پر اس موعود کا مانگنا بھی مضائقہ نہیں لیکن اس کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ پس زمانہ طلب میں اس کے ظاہر نہ ہونے سے پریشان ہونا محض نادانی ہے۔ **ولنعم ما قیل** ملنے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے۔ تجھ کو تو چاہیے کہ تگ ودو لگی رہے ۱۲ ناقل)

حضرت عمرؓ کی کرامت

(۱۰۱) بتاریخ مذکور۔ فرمایا کہ قاعدہ ہے کہ حج کے بعد حجاج کو اپنا وطن یاد آتا ہے اور وہاں کا قیام قلیل بھی دوبھر ہوتا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ یہ تصرف عمری ہے کیونکہ وہ حج کے بعد فرمایا کرتے تھے **یااھل الیمن یمنکم و یااھل العراق عراقکم**

منجمین اہل حکمت نہیں ہیں

(۱۰۲) ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا منجمین حکماء نہیں کسی شخص نے ان کو زمرۂ حکماء میں نہیں شمار کیا۔ حکماء وہ لوگ ہیں جنہوں نے حقائق واصول اشیاء معلوم کر کے دلائل عقلی و براہین قطعی سے ثبوت دیا اور اہل نجوم محض تخمینیات وتوہمات وجزافات سے کام لیتے ہیں کسی دعویٰ پر دلیل نہیں قائم کر سکتے۔ محض واہیات خرافات' دلائل تو دلائل دعاوی بھی نور علیٰ نور ہیں اور ہمارے بعض مفسرین نے غضب ہی کیا ہے کہ بعض آیات کی تفسیر ان کے اقوال پر مبنی کر دی۔ بعض اصطلاحات ایسے مشہور ومعروف ہو جاتے ہیں کہ ان سے اصاغر

27 واکابرکوئی نہیں بچتاالاماشاء اللہ چنانچہ بعض مفسرین نے تو قرآن شریف میں بروج سے بارہ بروج اہل ریاضی کے مراد لئے ہیں حالانکہ وہ خود اجزاء تحلیلیہ ہیں موجود حقیقی نہیں اور متبادر قرآن سے ان کا وجود حقیقی ہے۔پس بحیثیت تحلیل تفسیر صحیح نہیں سیدھی تفسیر حضرت ابن عباسؓ کی ہے۔فرماتے ہیں کہ بروج سے مراد کواکب عظام ہیں۔نہ معلوم کیا وجہ ہوئی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کو چھوڑ کر اہل ریاضی کی تقلید قرآن مجید میں کی۔خود قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے **ولو کنتم فی بروج مشیدة** اس سے صریح تائید تفسیر ابن عباسؓ کی ہوتی ہے اور بعض نے ہیئت ونجوم دونوں کو مخلوط کر دیا ہے۔یعنی ان بروج کی ساتھ خاص خاص کواکب کو مختص بھی کر دیا ہے جس کی بناء محض خرافات نجومیہ ہیں ورنہ اہل ہیئت بعض کواکب کو بعض بروج سے مختص نہیں سمجھتے بلکہ ہرکوکب ہر برج میں گردش کرتا ہے البتہ اہل نجوم کہتے ہیں کہ بعض کواکب بعض بروج کے ساتھ مختص ہیں۔اور دلیل وہ لچر پوچ کی ناگفتہ بہ کہتے ہیں مثلاً ایک برج ہے جس میں کچھ کواکب ثابتہ جمع ہو کر بشکل اسد موہوم ہو گئے اس وجہ سے کہ اپنے خیال میں سوچا اس کا نام اصطلاحاً اسد رکھ دیا تھا ان عقل کے دشمنوں نے یہ گھڑا کہ اسد حارالمزاج ہوتا ہے اس واسطے کواکب حار کو کہ شمس ہے اس سے مناسبت ہے بھلا کیا محض نام سے اس برج میں حرارت آ گئی ان کی عقل کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ اس دلیل سے اسد کے ساتھ شمس کو مختص کہدیا۔

فیثاغورث کے ایک قول کی وضاحت

(۱۰۳) بتاریخ مذکور۔فرمایا بعض نو تعلیم یافتہ حکیم فیثاغورث کے کلام سے استدلال کرتے ہیں کہ آسمان کوئی چیز نہیں حالانکہ اس کا کوئی صریح قول اس بارے میں نہیں اس کا مطلب تو یہ ہے کہ نظام طلوع وغروب میں آسمان کی حرکت کو کوئی دخل نہیں اگر آسمان ساکن اور زمین متحرک ہو تب بھی نظام درست ہوسکتا ہے چنانچہ وہ زمین کو متحرک کہتا ہے اور بطلیموس آسمان کو متحرک اور زمین کو ساکن۔اور اس پر بھی کوئی دلیل نہیں پس اس قول سے آسمان کے نہ ہونے پر کیسے استدلال ہوسکتا ہے محض غلط فہمی ہے۔

علوم مکاشفہ وعلوم معاملہ

(۱۰۴) بتاریخ مذکور۔ فرمایا علوم مکاشفہ کی تحقیق سے کوئی معتد بہ نفع نہیں ہوتا البتہ علوم معاملہ سے مختلف فوائد حاصل ہوتے ہیں لیکن غلو ومبالغہ ان میں بھی ناپسند ہے۔

(۱۰۵) بتاریخ مذکور فرمایا علماء اسلام کے کلام میں جو بعض نصوص متعلقہ کو ان کی قواعد ہئیت پر تطبیق پائی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعضے اقوال مشہورہ ذہن نشین ہوجاتے ہیں اور ان الفاظ کے سنتے ہی تبادر ذہن کا ان معانی مصطلحہ کی جانب ہوتا ہے گو وہ لغۃً مراد نہ ہو اس سے عامہ قلوب میں ان امور غیر ثابتہ بالدلیل کی وقعت ہوجاتی ہے۔ پس نصوص کو بھی ان پر منطبق کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان کے دعاوی کی خود ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی چنانچہ کتب ہیئت میں مصرح ہے کہ شمس کو سماء رابع پر مانا جاتا ہے لیکن خود ہمارے پاس اس کی کوئی حجت نہیں اسی طرح بعض نے ثوابت کو ہر ایک کو ایک ایک آسمان میں مانا ہے ان احتمالات کے ہوتے ہوئے ان پر تفسیر قرآن کو مبنی کرنا محض غیر موجہ ہے بلکہ ان سب کے خلاف ان نصوص کی تفسیر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سب کواکب وثوابت وسیارہ وشمس وقمر سماء دنیا میں ہیں۔ اور سب متحرک بالذات ہیں اور ہر ایک کی حرکت علیحدہ ہے اور ثوابت کی حرکت خواہ ذاتیہ اور متشابہ ہو یا آسماں دنیا کے اندر کوئی جزو ایسا ہو جو ان سب کو لے کر حرکت کرتا ہو اور سماء خواہ متحرک ہو یا نہ ہو البتہ جن کواکب کی چند حرکتیں محسوس ہوتی ہیں ان میں سے کسی ایک حرکت کو بالعرض کہدیں گے۔ قرآن شریف سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کواکب سماء دنیا پر ہیں اور یہ متحرک بالذات نہیں۔ **ولقد زینا السمآء الدنیا بمصابیح و قولہ تعالیٰ و ھو الذی خلق اللیل و النھار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون** اور **کل فی فلک** سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ ہر کوکب جدا آسمان میں ہے کیونکہ فلک اور سماء مترادف نہیں ہیں فلک کہتے ہیں دائرہ کو اور حساً بھی معلوم ہوتا ہے کہ کواکب کی حرکت سے دائرہ ضرور پیدا ہوتا ہے خواہ تحقیقی یا تقریبی اور شریعت سے حرکت سماء ثابت نہیں بلکہ آسمان میں کواکب کی حرکت مثل مچھلیوں کی حرکت کے پانی میں ہے۔ اور حکما نے جو فلک کو بہت سخت وصلب مان کر امتناع خرق والتیام کا

حکم کیا ہے محض اپنے خیال سے گھڑ گھڑا کر باوجود عدم ثبوت مقدمات کے پھر حکم جازم کر دیا۔ چنانچہ متکلمین نے کتب کلامیہ میں ان مقدمات کا جواب دیا ہے۔

بزرگوں کی شان میں گستاخی سے پرہیز ضروری ہے

(۱۰۶) بتاریخ مذکور۔ فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ جوش وخروش کے وقت عالم بے ہوشی و مدہوشی میں **سبحانی ما اعظم شانی** فرمایا کرتے تھے معتقدین نے کہا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں اپنے تعجب وحیرت سے پوچھا؟ کیا میں نے یہ کلمات کہے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا اگر اب کی بار مجھ سے ایسے الفاظ کا تلفظ ہو تو تم مجھ کو چھریوں سے مارو۔ بعض چھریاں لے کر آمادہ ہو گئے انہوں نے حالت مذکورہ میں بدستور **سبحانی ما اعظم شانی** کہا اور انہوں نے چھریاں مارنی شروع کیں لیکن وہ الٹی ضاربین کے لگنے لگیں جو شخص جہاں مارنے کا ارادہ کرتا تھا اس کے اسی مقام پر لگتی تھی سینہ میں۔ تو سینہ میں، سر میں تو سر میں، سب مجروح وزخمی ہو گئے جب حضرت کو ہوش آیا کیفیت واقعہ سے آگاہی ہوئی فرمایا **الحمد لله** اب معلوم ہو گیا کہ میں قائل نہ تھا۔ بلکہ یہ اسی ذات کامل الصفات کے کلام کا ویسا ہی ظہور تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ندا آئی تھی شجرہ سے **انی انا الله** بزرگوں کی شان میں ان کے بعض احوال کو دیکھ کر گستاخی نہیں کرنا چاہیے اور سوادی و بداعتقادی سے اجتناب واحتراز لازم ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کو جو معتقد ہو۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو اس کی بزرگی میں احتمال بھی ہو اس کو بھی گستاخی از حد مضر ہے ہاں البتہ جس شخص کو بزرگی کا شبہ بھی نہ ہو اور انکار میں اس کی نیت محض للّٰہیت ہو اس کو مضرت نہیں پہنچتی اور علماء وعقلاء کو یہ چاہیے کہ خود تو سوء ادب وغیرہ نہ کریں لیکن عوام کے سامنے انکار ہی کرتے رہیں تا کہ وہ چاہ ضلالت میں نہ گریں۔ کسی نے حضرت شیخ ابن العربی کی بابت حضرت ابوالنجیب سہروردی سے پوچھا کہ کیسے ہیں فرمایا زندیق ہے جب مر گئے خبر ملی فرمایا ایک صدیق دوست حق تعالیٰ کا انتقال کر گیا۔ پوچھا گیا کون؟ فرمایا ابن العربی۔ سائل نے کہا جب تو آپ نے زندیق فرمایا اب صدیق کہا۔ فرمایا تمہاری وجہ سے تا کہ تم زندقہ میں نہ گرفتار ہو

جاؤ۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے یہاں ایک طالب علم اس کی کوشش کر رہے تھے کہ بعض فرق مبتدعہ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جاوے حضرت نے ان کو خاموش کر دیا اور پھر فرمایا کہ خیر دھمکانے کے واسطے کبھی کہہ دو تو کچھ حرج نہیں۔ اس کے بعد صاحب ملفوظات نے فرمایا انکار للمخالفہ اور انکار للمصلحۃ میں لب ولہجہ وانداز وطریقہ اداء ہی سے فرق بین معلوم ہو جاتا ہے مصلحت میں الفاظ سخت وخشن استعمال نہیں کرتے بلکہ نرم کلمات اور عبارات سے سمجھاتے ہیں بخلاف اعتراض ومخالفت کے پھر فرمایا کہ صاحب حال پر انکار کرنے سے ضرر گناہ کا تو نہیں پہنچتا لیکن اس کے فیوض و برکات سے محرومی ہوتی ہے چنانچہ میانجی صاحب قدس سرہ کے پاس ایک عالم شخص نے آ کر بیعت کی جو پہلے کسی وقت میں میاں جی صاحب کی شان میں گستاخی کرتے رہے تھے مگر ان کو کچھ نفع نہیں ہوا۔ میاں جی صاحب نے ایک بار ان سے فرمایا کہ ہر چند میں تمہاری طرف متوجہ ہو کر نفع پہنچانا چاہتا ہوں لیکن وہ تمہارے پرانے کلمات درمیان میں آ کر حجاب ہو جاتے ہیں اس لئے میں مجبور ہوں تم کو مجھ سے نفع نہ ہوگا لہذا تم کو کسی دوسرے مقام سے نفع حاصل کرنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح جو شخص اپنے زمانہ کے قطب الارشاد کی مخالفت کرے گا اس کو دوسرے شیخ سے بھی کبھی فائدہ نہ ہوگا۔

استاد شاگرد اور پیر و مرید کے تعلق میں فرق

(۱۰۷) بتاریخ مذکور۔ فرمایا کہ تلامذہ واساتذہ میں اگر طبیعت میں سلامت ہو محبت زیادہ ہوتی ہے۔ بہ نسبت مشائخ ومریدین کے۔ تلامذہ بالکل مثل اولاد کے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے استاد کی محبت کسی حال میں تلمیذ کے قلب سے نہیں جاتی۔ بخلاف مرید کے کہ اس کی ارادت کا تعلق محض بزرگی کے خیال پر ہے۔ اگر کبھی حقیقت منکشف ہو جاوے کہ یہ بزرگ نہیں یا خیال ہی بدل جاوے سب محبت ہوا ہو جائے اور شاگرد کی محبت کی بناء نفع علمی ہے اور وہ ہر حال میں باقی ہے اس لئے اس کے تعلق کا ازالہ ممکن نہیں پھر فرمایا کہ میں اپنے معائب کا مریدین پر ظاہر ہونے کو گوارا نہیں کرتا اور شاگردوں سے پوشیدہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ مریدین سے تو گاہ گاہ ریاء بھی کرنے کا اتفاق ہو جاتا ہے گو وہ ان کے حق میں بھی بہتر ہو (کما قال حاجی

صاحبؒ ریاء الشیخ خیرمن اخلاص المرید وقد مر تفصیله ۱۲ جامع)

۱۰۸ ابتاریخ مذکور فرمایا یہ شعر مشہور ہے

نقصاں زقابل است وگرنہ علی الدوام فیض معادتش ہمہ کس رابرابراست

یہ فرقۂ حکماء کے مذہب پر ہے جوحق تعالیٰ کو مضطر مانتے ہیں اور اہل حق جو کہ خدا تعالیٰ کو مختار مانتے ہیں ان کے نزدیک اس کی شان تو یہ ہے کہ یعطی من یشاء (ولا یعطی من یشاء) خود اعطاء علی السواء ہی سب کے لئے ثابت نہیں پس یہ حکم بھی ان کے نزدیک صحیح نہیں۔

انبیاء کا متحابین فی اللہ پر غبطہ

(۱۰۹) بتاریخ مذکور فرمایا حدیث شریف میں متحابین فی اللہ کے باب میں ہے یغبطہم النبیون الخ یہ لوگ موافق قول بعض محققین وہ ہیں جن کا سلسلہ نہیں چلا۔ چونکہ ان لوگوں سے ان کے تابعین کے متعلق کوئی باز پرس نہ ہوگی جیسا کہ متبوعین سے اس حدیث کے موافق ہوگی کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ کیونکہ ان کے متعلق تعلیم وتلقین وارشاد وتذکیر کچھ بھی نہیں اس لئے ان کو جواب دہی کا کچھ خوف وخطر بھی نہیں ہوگا۔ کما قیل۔

احمد تو عاشقی بمشیخت تراچہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

بخلاف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کہ وہ اپنی امت کی فکر میں ہونگے اس لئے اس خاص اعتبار سے وہ لوگ مغبوط ہوں گے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ تحصیل میں معائنہ کے واسطے کلکٹر آئے اس وقت تحصیلدار بہ نسبت چپڑاسی کے زیادہ حیران و پریشان ہوگا کہ نامعلوم کیا سوال ہو۔ کس بات پر مواخذہ اور کیا باز پرس کرے۔ چپراسی بے فکر ہے کیونکہ اسے تمام جھگڑوں سے کچھ واسطہ ہی نہیں تو ایسے وقت میں تحصیلدار محض راحت وتقیہ کی وجہ سے چپراسی ہونے کی تمنا کرسکتا ہے۔ پس یہ غبطہ فاضل کا مفضول پر ہے۔

باطن کی صفائی لطافت ونظافت پیدا کرتی ہے

(۱۱۰) ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا لطافت ونظافت کی زیادتی کا سبب کبھی صفاء باطن بھی ہوتا ہے ایک صاحب صفاء دہلی میں نہایت نازک مزاج تھے۔ مسجد کے آمد و

رفت میں ایک بقال کی دوکان پر ایک چارپائی دیکھا کرتے تھے جس میں اتفاق سے کان آ گئی تھی اسے ایک دو مرتبہ درست کرانے کو کہا اس نے ٹال دیا انہوں نے ایک روز اس کو اپنے پاس سے پیسے دیئے کہ برائے خدا تم ان داموں سے (اس کو درست کرالو اس کے دیکھنے سے میرے سر میں درد ہوتا ہے اور جو لوگ معاصی میں مبتلا ہوتے ہیں وہ بے حس ہو جاتے ہیں اس وجہ سے ان کو ایسے امور سے کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی اور اگر ان لوگوں کو لطافت میسر ہوتی تو معاصی ہی میں کیوں مبتلا ہوتے ان کی برائی بھی مدرک ہوتی کیونکہ گناہ کے ارتکاب کے بعد بے حد ذلت محسوس ہوتی ہے غایت شرمساری اور حیاء سے حیات سے بے زار ہو جاتا ہے البتہ رفتہ رفتہ پھر قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور حواس خمسہ باطنہ مختل ہو جاتے ہیں حس و عقل سے واسطہ نہیں رہتا۔ ذہانت و ذکاوت کا پتہ و نشان نہیں ملتا حماقت و جہالت میں گرفتار ہو جاتا ہے نادانی بیوقوفی شعار ہو جاتا ہے اور حرمان و خسران اس کے علاوہ پس وہ نہ امور دنیوی میں کامیاب ہوتا ہے نہ اخروی امور سے بہرہ یاب۔

کسی کو ذلیل سمجھنے کا نقصان

(۱۱۱) بتاریخ مذکور۔ فرمایا کسی کو حقیر و ذلیل سمجھنا انسان کو چاہ ضلالت میں پھنسا دیتا ہے صراط مستقیم و راہ ہدایت سے دور کرتا ہے عجب و کبر و خود بینی استفاضہ و استفادہ سے محروم رکھتی ہے۔ بعض اوقات اس کی سزا میں کفر تک نوبت پہنچ گئی ہے چنانچہ ایک شیخ جن کا نام ابو عبداللہ لکھا ہے جو معاصر ہیں شبلیؒ کے مع متعلقین بغداد سے کہیں جا رہے تھے راستہ میں ایک گاؤں میں بعض نصاریٰ صلیب پرستی میں مشغول نظر سے گزرے انہوں نے ان کے افعال و اقوال کے سبب ان کو نظر استحقار دیکھا اور اپنے ایمان پر نازاں ہوئے۔ اسی وقت الہام ہوا کہ یہ سب ہماری عنایت ہے ورنہ ابھی تمہارے ایمان کی حقیقت دکھلا دی جاوے اور اس کے ساتھ ہی ان کو اپنے قلب سے ایک نور نکلتا ہوا معلوم ہوا اور ظاہری واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک عیسائی عورت کنویں پر پانی بھر رہی تھی یہ اس پر عاشق ہو گئے۔ بس وہیں زانو پر سر رکھ کر بیٹھ گئے۔ نماز کا وقت آ گیا تھا۔ وضو کے واسطے پانی لائے فرمایا بھائی اب تم جاؤ

میں تمہارے کام کا نہیں رہا۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ لوگ سخت پریشان ہوئے اور جب مایوس ہو گئے بغداد واپس آ گئے۔ اور اس خبر سے اہل بغداد اس قدر متوحش ہوئے کہ بعض تو مر گئے کہ جب ایسے مقبولین بارگاہ کا یہ حال ہے تو ہم کس شمار میں ہیں۔ پھر ایک زمانہ کے بعد وہی لوگ اتفاق سے ادھر کو گزرے ان سے بھی ملنے گئے دیکھا عیسائی ہو گئے ہیں۔ خنزیر چرا رہے ہیں کیونکہ اس عورت کے والد نے ازدواج کی یہی شرط کی تھی۔ اور یہ شخص حافظ قرآن بھی تھا اور تیس ہزار احادیث برزبان تھیں ان لوگوں نے ان سے پوچھا کہ قرآن شریف بھی یاد ہے کہا ہاں ایک آیت یاد ہے۔ ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سواء السبیل دریافت کیا احادیث حفظ ہیں کہا حدیث بھی ایک ہی یاد ہے من بدل دینہ فاقتلوہ غرض وہ لوگ ان سے پھر رخصت ہو کر چل دیئے آگے چل کر کیا دیکھتے ہیں کہ وہ شیخ ایک صاحب چادر اور ایک لنگی باندھے کسی نہر کے اس طرف سے چلے آ رہے ہیں اور بآواز بلند کلمہ شہادت پڑھ رہے ہیں۔ لوگوں کو بے حد خوشی ہوئی اور انہوں نے بیان کیا کہ تمہارے آنے کے بعد میں نے جناب حق میں معذرت کی کہ بس اب تو معاف کر دیجئے اللہ کا فضل ہو گیا پھر سب مل کر بغداد چلے۔ خلیفہ سن کر استقبال کو آیا اس کے بعد وہ عورت نصرانیہ جس پر یہ شیدا ہوئے تھے آئی انہوں نے اس کو مسلمان کیا اور کچھ ذکر بتلا کر ایک حجرہ دیدیا ایک زمانہ کے بعد دونوں مر گئے کسی شخص نے خواب میں دیکھا پوچھا کیا معاملہ ہوا۔ کہا خداوند تعالیٰ نے بخش دیا اور ہمارا دونوں کا نکاح کر دیا۔ دیکھئے تذلیل کا کیا انجام ہوا اور پھر تذلل سے کیسا کام ہوا۔ پس اپنے سب اعمال وافعال کو فضل الٰہی سمجھے اپنی ہمت ومحنت کا نتیجہ اور اپنا کمال نہ جانے۔

شیخ سعدیؒ کے علوم

(۱۱۲) بتاریخ مذکور۔ فرمایا ایک صاحب نے کسی اعتراض کی تقریر میں استدلالاً شیخ سعدیؒ کے شعر کا مطلب دریافت کیا۔ فرمایا مطلب کے متعلق تو بعد میں کہوں گا کیا کہوں میں تو شیخ سعدیؒ کے علوم مکاشفہ کا اپنے قلب کو زیادہ اعتقاد ہی کا قائل نہیں پاتا۔ یہ علوم معاملہ میں تو البتہ کامل معلوم ہوتے ہیں گو یہ کہنا چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق ہے لیکن مجھے

یہ اس طرح معلوم ہوا کہ مجھ سے بعض احباب نے بوستان کے دیباچہ کے بعض اشعار کی شرح کی فرمائش کی میں نے شرح لکھی لیکن قواعد فن پر منطبق کرنے میں بہت ہی تکلف ہوا گو طالب علمی کی کھینچ تان سے منطبق کر دیا لیکن یہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ دیدہ ہے اور کچھ شنیدہ بالا بالا بیان کرتے ہیں۔ البتہ علوم معاملہ میں امام مسلم ہیں۔ علوم مکاشفہ میں اول نمبر شیخ فرید الدین عطارؒ اور محی الدین ابن العربیؒ ہیں اور دوم درجہ میں مولانا رومیؒ اور سوم مرتبہ میں امام غزالیؒ واللہ اعلم

اللہ کا عرش پر مستوی ہونے کا مطلب

(۱۱۳) بتاریخ مذکور فرمایا تمام اہل حق قائل ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ متحیز متمکن نہیں پس فوق العرش ہونے کے جو مدلول ہے **الرحمٰن علی العرش استویٰ** کا ایک قریب معنی یہ ہیں کہ وہ کسی مکان میں متمکن نہیں کیونکہ عرش منتہیٰ ہے امکنہ کا اور اس پر حکماء کا یہ قول بھی منطبق ہو سکتا ہے کہ فلک الافلاک محدد الجہات ہے پس جو شئے اس منتہی الامکنہ سے فوق ہو گی وہ ہر مکان سے خارج یعنی لامکانی اور غیر متحیز ہو گی اور یہ بھی ایک لطیف معنی ہیں۔ **الرحمٰن علی العرش استویٰ** کے یعنی وہ غیر محدد ہے اور مکان وغیرہ سے اس کی شان ارفع ہے نہ یہ کہ عرش اس کا مکان ہے اور عرش کے محدد مکان ہونے کے مضمون کے سلسلہ میں حکماء کے فلک الافلاک کو محدد زمان ماننے کے مضمون کی نسبت فرمایا کہ خود زمان کے وجود حقیقی کا قائل ہونا ہی لغو اور اتباع وہم ہے جس کی کوئی بھی دلیل نہیں متکلمین نے اس مسئلہ کو خوب صاف کر دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ زمانہ ایک امتداد موہوم کا نام ہے۔ جو فرض فارض پر موقوف ہے باقی اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ جب زمانہ محض امر فرضی ہے تو جن چیزوں میں تقدم و تاخر زمانی ہے چاہیے یہ کہ اگر ہم زمانہ کا وجود فرض نہ کریں تو ان میں تقدم و تاخر بھی واقعی نہ ہو اس کا جواب یہ ہے کہ تقدم و تاخر واقعی کو اصطلاح میں تقدم و تاخر زمانی کہتے ہیں۔ **(ولا مشاحۃ فی الاصطلاح ۱۲ جامع)** اور حقیقت اس تقدم و تاخر کی یہ ہے کہ متقدم متاخر کے ساتھ مجتمع نہ ہو سکے خواہ زمانہ ہو یا نہ ہو جیسا خود اجزاء زمانہ میں تقدم و تاخر اس معنی کر ہے ورنہ لازم آوے گا کہ زمانہ کے لئے ایک زمانہ ہو۔ ھف

لطائف کے بارے میں چشتیہ ونقشبندیہ کا موقف

(۱۱۴) بتاریخ مذکور۔ اثناء درس تکشف میں لفظ قلب صنوبری آیا۔ فرمایا قلب صنوبری تو خاص قطعہ لحم کا نام ہے اور اس کے مقابلہ میں قلب حقیقی ہے وہ ایک لطیفہ ہے اس کے انوار سے یہ صنوبری منور ہوتا ہے اسی طرح دوسرے لطائف کو خاص خاص مقامات سے ایک خصوصیت ہوتی ہے۔ جیسے سر کو سینہ سے اور خفی کو مابین الحاجبین سے اور اخفی کو دماغ سے اور وہ تعلق یہی ہے کہ مذکورہ اعضاء پر ان کے انوار و برکات ظاہر ہوتے ہیں۔ اور لطائف کی تعلیم کا نقشبندیوں کے یہاں خاص اہتمام ہے اور چشتی اس کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب حجاب ہیں ذکر کے وقت ان کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیے بلکہ توجہ اولاً بجانب مذکور مصروف کرنا چاہیے اگر اس میں تکلیف ہو تو ثانیاً ذکر کی جانب ملتفت ہوں اگر وہ بھی نہ جمے تو ثالثاً صرف قلب کی طرف توجہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں **الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسدالجسد کله الا وھی القلب** اس میں صاف مضغہ قلب کی تصریح ہے گو اس کے ضمن میں تبعاً لطیفہ قلب کی طرف بھی توجہ آ گئی پھر دوسرے لطائف کی کیا حاجت رہی کہ پہلے یہ کرو پھر وہ کرو پھر مجموعہ کو ملاؤ اور مسلم ہے کہ **النفس لا تتوجه الی شیئین فی ان واحد** پس نہ اس ہی لطیفہ میں کمال توجہ ہوتی ہے نہ دوسرے لطیفہ میں ہوتی ہے اور مشق شدہ لطیفہ میں جب کم توجہی محسوس کرتے ہیں پھر نئے لطیفہ کو چھوڑ کر اس پہلے میں لگتے ہیں غرض یہی شغل قصاری المقصود ہو جاتا ہے اس لئے اس کو حجاب کہا گیا اور ایک اصطلاح دوائر ہے۔ یہ مقامات کا نام دوائر رکھا ہے کیفیات باطنیہ کو دوائر سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً دائرہ محبت وغیرہ اور ان دوائر کے مراقبہ کی تعلیم کرتے ہیں اور ایک اصطلاح حقائق ہے جیسے حقیقت صلوٰۃ اور حقیقت کعبہ وغیرہ اس کا تصور کرایا جاتا ہے۔ ہمارے حضرتؒ ان سب کو حجابات فرماتے تھے اور اس اختلاف مسالک نقشبندیہ و چشتیہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ وہ حضرات عامہ خلائق سے از حد متنفر رہتے ہیں کیونکہ اختلاط مع الانام

سے توجہ میں خلل آ جاتا ہے اور چشتیہ اپنے کو خلائق کا خادم سمجھتے ہیں ہم ان کو نعوذ باللہ تغلیط نہیں کرتے ہمارا ان کا اختلاف شوافع واحناف جیسا ہے۔ اسی طرح ان کے یہاں تصور شیخ کی تعلیم ہوتی ہے ہمارے حضرت اس کو بھی مضر فرمایا کرتے تھے کیونکہ اس میں توجہ الی غیر اللہ ہے اور وہ بھی اس طور پر کہ اس کیساتھ خیال ماسوی نہ ہو۔ اور گو کوئی شخص اس کے مفاسد کی اصلاح کر دے مگر تاہم جب ایک طریق ایسا موجود ہو کہ بغیر وسائط اغیار محبوب حقیقی تک رسائی ہو سکے تو پھر وسائط اغیار کی کیا ضرورت۔ گو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے شغل رابطہ کو لکھا ہے مگر سید صاحب اسے شرک (اصطلاحی) کہتے ہیں۔ کیونکہ عبادت کی شان ہے اور معبود کا حق تو یہ ہونا چاہیے **لایجتمع مع المعبود غیرہ** نہ یہ کہ **لا یجتمع المعبود مع غیرہ** پس تصور شیخ میں غیر حق کو حق کا حق عطا کرنا ہے

؎ بہر چہ از دوست و امانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں

بہر چہ از یارد و رافتی چہ رمشت آں نقش وچہ زیبا

مجھ پر ایک نقشبندی شیخ کے ایک مرید نے جو یہاں سلوک طے کرنے کے لئے آئے تھے دو اعتراض کئے ایک تو یہ کہ اس کے یہاں لطائف کی تعلیم نہیں۔ دوسرے یہ کہ خوش پوش ہے ہمارا مذہب لطائف کے بارے میں یہ ہے کہ نہ انکار میکنم و نہ ایں کار میکنم۔ خلاصہ یہ کہ طرق ذکر مختلف ہیں ایک بالحجاب ایک بغیر الحجاب اور الطائف سے طریقہ وصول الی اللہ بالحجاب ہے۔ بس جب بے حجاب نکلے تو حجاب کی کیا ضرورت۔ اسی وجہ سے لطائف کا طریق ہمارے یہاں معمول نہیں۔ بعضے متشدد نقشبندی چشتیوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بدعتی ہیں مگر اپنے طریق میں غور نہیں کرتے کہ تصور شیخ کونسی حدیث یا قرآن میں ہے۔ یہ بھی خلاف سنت ہے جیسا سماع۔ بلکہ سماع مع شرائط کا تو ثبوت بھی ہے علاوہ ازیں سماع تو بعض حضرات نے کیا ہے داخل طریق نہیں ہے پھر وہ اس کو برا بھی سمجھتے رہے ہیں اور کسی کو تعلیم بھی نہیں کرتے اور تصور شیخ تو داخل طریق ہے اور عموماً سکھایا جاتا ہے اور اس کو ذریعہ وصول الی اللہ سمجھا جاتا ہے تو خلاف سنت ہونے میں سماع سے بڑھ کر ہوا بات یہ ہے کہ بعض اقوام بدنام ہو جاتی ہیں بیچارے چشتی بدنام ہو گئے کیونکہ ان کی شان محبین کی ہے ان پر ہمیشہ

ملامت لتاڑی ہوتی رہی ہے اور نقشبندیوں کی شان محبوبین کی ہے۔

هنيالارباب النعيم نعيمهم　　وللعاشق المسكين ما يتجرع

مگر بنظر انصاف اگر دیکھا جاوے تو معلوم ہو جائے گا کہ اقرب الی السنۃ کون ہے۔
البتہ اگر تصور شیخ بغیر قصد ہو جاوے تو کلام نہیں مبحوث فیہ افعال اختیاریہ ہیں۔ امور اضطراریہ میں گفتگو نہیں۔ اگر کہا جاوے کہ قصد خدا کی طرف توجہ کار کے اور تصور شیخ کا اعانت کے واسطے کرے تو میں کہتا ہوں کہ جب وصول بغیر اس معین کے ممکن ہے تو ان حجابات و وسائط کی کیا حاجت میں تو سب کو اسم ذات بتاتا ہوں آج تک کسی کو تصور شیخ یا شغل لطائف و دیگر اقسام کے اذکار و اشغال باستثناء بعض کی بعض الاحوال نہیں بتائے اور الحمدللہ اسی سے سب کو مقصود حاصل ہوا گو کبھی تغیر احوال سے کمی زیادتی یا ترک کرنا پڑا لیکن اور حجابات سے کام نہیں لیا (ع) اول ما آخر ہر منتہی است + حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں کا بہت ہی مختصر سلوک ہے آپ اس فن کے مجتہد تھے اور فقہاء کا اجتہاد تو ختم ہو گیا مگر صوفیہ کا اور اطباء کا اجتہاد باقی ہے ہر زمانہ میں اس فن کا ایک مجتہد ہوتا ہے ہمارے حضرت اپنے زمانہ کے مجتہد تھے۔ اسی طرح حضرت مجدد صاحبؒ اپنے زمانہ میں اس زمانہ کے لوگوں کی خصوصیات بعض طرق کو مقتضی ہونگی اسی واسطے حضرت مجدد صاحبؒ نے ان کا اثبات فرمایا اور اس وقت وہ مقتضیات بدل گئے۔ احکام و طرق بھی بدل گئے اس لئے نہ ان حضرات پر انکار نہ حضرت حاجی صاحبؒ پر جیسے طریق معالجہ میں مقتدمین و متاخرین کا مسلک مختلف ہے شیخ کو بھی مثل طبیب کے مجتہد ہونا چاہیے اس میں تقلید سے کام لینا ناواقفی پر دلالت کرتا ہے۔ طبیب جیسا مریض کے لئے مناسب سمجھے ویسا علاج کرے خواہ مریض روحانی ہو یا جسمانی۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے سلوک کا مدار جمعیت قلب و اطمینان خاطر پر تھا۔ تشتت و تفرق سے بہت اجتناب فرماتے تھے۔ ع ماضی و مستقبلت پردہ خدا است + اس لئے شغل لطائف کے تشتت سے بھی بچاتے تھے کہ شیخ کامل سلوک کو بغیر حجابات کے قطع کراتا ہے۔ باقی جلدی اور دیر کا مدار مناسبت و خصوصیت استعداد پر ہے اسی لئے جس مرید کو شیخ سے مناسبت نہ ہو وہ اس کی طرف رجوع نہ کرے کسی اور مناسب شخص کو تلاش کرے

ایسے ہی شیخ بھی سمجھ سے کام لے اس فن کے استعمال میں تقلید کو طلاق دے اس فن میں تقلید کرنا حکماً غیر مقلدی ہے البتہ دوسرے محققین پر اعتراض نہ کرے۔ جس طرح بعضے چشتیہ پر اعتراض کرنے کے لئے سماع کی حرمت کی سب ضعیف ہیں اور استدلال کے واسطے کم از کم حدیث حسن کی ضرورت ہے رہے آلات بعض صوفیہ نے اس میں تفصیل کی ہے اور احادیث منع کو معلل بعلت افضاء الی الفساد کہا ہے اور مشتمل علی المصلحۃ کو طبل سحور وغیرہ پر قیاس کیا ہے جس کو فقہاء نے مباح کہا ہے اور بھائی ہم تو اسے بھی منع کرتے ہیں مگر متشددین کے جواب میں اتنا کہنا پڑا کسی کی طرفداری مقصود نہیں۔ ع ہم سخن سنج ہیں غالب کے طرفدار نہیں۔

(للہ درہ حیث حقق تحقیقاً لم یقرع الا ذان ولم یتفوہ بہ لسان ۱۲ جامع)

حضرت شاہ اسمٰعیل کے اقوال

(۱۱۵) بتاریخ مذکور فرمایا تعجب ہے کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ کے اقوال کی تو تاویل نہ کی جاوے بلکہ حکم تکفیر جاری کیا جاوے اور منصور کو ذیل تاویل میں پوشیدہ کیا جائے۔ بایزیدؒ نے کہا **سبحانی ما اعظم شانی** تاویل کرلی گئی بزرگ ہیں کوئی حالت ہوگی حالانکہ واقعات سے جیسی ان کی بزرگی ثابت ہے ایسی ہی ان کی۔

اتباع شریعت اور محبت شیخ

(۱۱۶) بتاریخ مذکور۔ فرمایا عدم اتباع شریعت سے مردود مطلق اور شیخ کا اتباع و محبت کم کرنے میں اس طریق کا مردود ہو جاتا ہے شیخ سے جتنی محبت ہوگی اتنی ہی جلدی ترقی ہو گی مگر حب سے مراد حب عقلی ہے حب طبعی نہیں حب طبعی و عشقی بعض کو ابتداءً ہوتی ہے اور انتہاء میں اکثر محض حب عقلی ہی رہ جاتی ہے۔

ایسی نماز جس میں وسوسہ نہ ہو

(۱۱۷) **۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ** ۔ فرمایا ایک شخص نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے کہا کہ ایسی نماز کون شخص پڑھ سکتا ہے کہ **لا یحدث فیھا نفسہ**. فرمایا تم نے کبھی اس کا قصد بھی کیا ہے جو کامیابی نہ ہوئی ہو اگر آپ نے تجربہ کیا ہوتا تو اس سوال کا

استحقاق تھا۔اس کے بعد صاحب ملفوظات نے فرمایا کہ بعض اکابر نے بعض مریدین کوایسی صلوٰۃ پڑھادی ہے جس میں استغراق محض تھا لیکن یہ ان بزرگ کا اس کی قوت خیالیہ میں تصرف تھا۔تصرفات کیلئے کمال واہل کمال کی حاجت نہیں ہر مشاق کوایسی قدرت ہے۔

نماز کی قدر

(۱۱۸) بتاریخ مذکور۔فرمایا ایک شخص نے حاجی صاحبؒ سے سوال کیا کہ صلوٰۃ بے ذوق سے کیا فائدہ وہ نماز جس میں خشوع وخضوع نہ ہووہ کس کام کی وہ تو محض بدن ہی توڑنا ہے فرمایا یادرکھوجس دن اس کا سوال ہوگا اس وقت اس بدن توڑنے کی قدر معلوم ہوگی۔

(۱۱۹) بتاریخ مذکور۔فرمایا ندوۃ العلماء کے شروع زمانہ میں ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ بھی اس میں شریک ہوں ان ایام میں مجھ پر بعض حالات کا غلبہ تھا انکار کیا انہوں نے اصرار کیا میں رونے لگا ایک دانا شخص میرے حال کو سمجھ گئے اور یہ شعر پڑھا

؎ عشق نے غالب نکما کر دیا   ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اور اصرار چھوڑ دیا۔

عافیت کی دوقسمیں

(۱۲۰) بتاریخ مذکور۔فرمایا عافیت کی دوقسمیں ہیں۔عافیت ظاہری اور ایک عافیت باطنی عارفیت باطنی اضطراب واضطراب محبت کے منافی نہیں۔اس سے اس کا جواب دینا مقصود تھا کہ اطاعت حق میں عافیت ہوتی ہے پھر بھی بعض اہل اطاعت باطنی اضطراب میں پریشان ہوتے ہیں۔

مومن کا دل

(۱۲۱) بتاریخ مذکور فرمایا مومن کے قلب کی حالت سلیٹ کی سی ہونا چاہیے کہ جو بات ہوئی ہوتے ہی رفع دفع ہوگئی۔حقد وکینہ وحسد وبغض رکھنا مومن کی شان کے خلاف ہے۔ کافی کے حروف کی طرح نہ ہونا چاہیے کہ لکھ گئے تو مٹتے ہی نہیں۔

تحائف کے بارے میں حضرت حکیم الامتؒ کے اصول

(۱۲۲) بتاریخ مذکور۔ فرمایا جو اصحاب واحباب میرے واسطے تحائف و ہدایا لاتے ہیں مناسب ہے کہ لانے سے پہلے مجھ سے دریافت کرلیا کریں میں انہیں منع نہ کروں گا وہ پوچھنے سے شرمائیں نہیں دوستوں سے شرمانا ہی کیا اس پوچھنے میں یہ فائدہ ہوگا کہ ہدیہ کے حدود کی رعایت حاصل ہو سکے گی۔ ورنہ جب اس کو حدود سے خارج دیکھوں گا تو عذر کروں گا اور قانون کے سبب مروت کو چھوڑنا پڑے گا کیونکہ قانون و مروت ایک جا جمع نہیں ہو سکتے اور گو میرے قوانین وضوابط کو خلاف مروت سمجھا جاتا ہے مگر ان کی قدر بعد میں معلوم ہوگی بلکہ اب بھی جب مفاسد پیش آتے ہیں تب ان کی قدر و منزلت معلوم ہو جاتی ہے۔ یہ قوانین میں نے سوچ کر نہیں گھڑے ہیں تجربہ نے ان قوانین کے پابند ہونے پر مجبور کیا ہے۔ مثلاً میرا قاعدہ ہے کہ کسی شخص سے اول ملاقات میں ہدیہ نہیں لیتا۔ جب تک اس کے اخلاص اور درونی حالات سے اطلاع نہ ہو ایسے ہی جو شخص نماز جمعہ کے واسطے آتا ہے میں اس سے کچھ نہیں لیتا۔

عوام الناس کی رسم پرستی

(۱۲۳) بتاریخ مذکور۔ فرمایا ایک صاحب استفتاء لائے اور ایک رئیس کو سفارش کے لئے ساتھ لائے۔ سوال میں بعض کوتاہیاں تھیں۔ میں نے کہا کہ سوال کو با قاعدہ لکھئے فلاں فلاں نقص کو پورا کیجئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہتے تھے اس میں اور اس میں فرق ہی کیا اس میں قاعدہ ضابطہ کی کونسی ضرورت ہے خیر میں نے خود سوال میں کچھ ترمیم و اضافہ کر کے جواب لکھ دیا اگلے روز میرا سہارنپور جانا ہوا وہ صاحب اسٹیشن پر مجھ سے ملے بہت تپاک سے مصافحہ کیا اور کہا اس وقت آپ میری خوش قسمتی سے تشریف لائے ہیں۔ فتویٰ میں کہیں کہیں آپ جو لکھ کر کاٹا ہے وہاں دستخط کر دیجئے۔ (جلدی میں کہیں 'کا کی جگہ کو اور کوئی جگہ کا لکھ گیا تھا اور نظر ثانی میں اس کو درست کر دیا گیا تھا) میں نے کہا اس کی کیا حاجت ہے۔ کا کے مقام پر تو کا ہی ہوگا۔ کی تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ مضاف مذکر ہے ایسے ہی اور جو حروف کاٹے ہیں اور صحیح بنائے ہیں اس کے علاوہ تو ہو ہی نہیں سکتے۔ پھر اس میں دوسرے تصرفات کا کیا احتمال

ہے جبکہ مطلب میں تغیر نہیں ہوتا پھر دستخط کی کیا حاجت۔ فرمانے لگے قاعدہ یہی ہے۔ میں نے کہا اس میں بھی موافق آپ کے ارشاد کے قوانین وضوابط کی کیا حاجت۔ قواعد کی کیا ضرورت۔ میں ہرگز دستخط نہ کروں گا۔ جس طرح تم نے کل سوال صحیح نہیں کیا تھا وہاں بھی تو قاعدہ تھا۔ کل تمہاری آج ہماری باری ہے۔ خیر خوشامد کی۔ میں نے قلم دوات منگا کر دستخط کر دیئے عوام کی نظر میں حقیقت کی وقعت نہیں رسم کی وقعت ہے۔ خصوص جب حکومت کی طرف مستند ہو اسی کو مانتے ہیں چنانچہ بعض جہلاء عن علم الدین مسائل فقہیہ کی توجہ دریافت کرتے ہیں حالانکہ نفس مسائل سے بھی واقفیت نہیں دلائل و ماخذ کے سمجھنے کا تو کیا منہ ہے مگر قوانین ملکی کی وجوہ دریافت نہیں کرتے تو یہ بجز حماقت و جہالت کے کیا ہے۔ بس احکام سلطنت کی قلب میں وقعت وعظمت ہے۔ لہذا ان پر بلا سمجھے امنا و صدقنا کہتے ہیں اور شریعت مطہرہ کی قلب میں محبت وعظمت نہیں اسی وجہ سے اس کے ساتھ یہ معاملات کئے جاتے ہیں۔

امام بخاریؒ کے استدلالات کا تجزیہ

(۱۲۴) ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ فرمایا امام بخاریؒ نے ایک حدیث سے جس میں ناقہ پر ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دو لڑکوں کا سوار ہونا مذکور ہے استدلال کیا ہے رکوب ثلثۃ علیٰ دابۃ پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بطور لطیفہ فرماتے تھے اگر دس مکھیاں لپٹ جائیں تو شاید عشرہ علی دابۃ پر استدلال کرنے لگتے وہ بچے چھوٹے چھوٹے ہلکے ہلکے سوار ہو گئے اس سے ثلثۃ علی دابۃ باعتبار ثلثۃ رجال کے کیسے صحیح ہو گیا۔ بخاریؒ کے استدلالات واجتہادات پر مولانا اکثر کلام فرمایا کرتے تھے ان اعتراضوں کے مقابلہ میں جو انہوں نے امام صاحب پر کئے ہیں۔

حالت قبض کا عمل

(۱۲۵) بتاریخ مذکور۔ فرمایا سالک کو جب کبھی قبض ہو ہمیشہ استغفار وتوبہ میں مشغول ہونا چاہیے کیونکہ اکثر اوقات یہ قبض اوزار وآثام سے ہوتا ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ ہر قبض میں استغفار کرے اگر گناہ کی وجہ سے ہوگا تب تو رفع ہو جائے گا ورنہ کوئی خرابی تو ہے ہی نہیں

کسی صورت میں مضر تو ہے ہی نہیں مولانا رومیؒ تو مطلقاً فرماتے ہیں۔

غم چو بینی زود استغفار کن غم بامر خالق آمد کار کن

پھر فرمایا کبھی قبض محض شیخ کی تسلی سے بھی رفع ہو جاتا ہے۔

ان کا معمول تھا کہ شام کے وقت یہ ایک عاقل دوست کے یہاں افطار کرنے جایا کرتے تھے حسب دستور گئے اور افطار کے وقت علیحدہ ہو بیٹھے۔ انہوں نے کہا کہ تم میری حالت معلوم ہونے پر بھی روادار نہ ہو گے ساتھ کھانا پینا تو درکنار رہا۔ انہوں نے بے ساختہ کو ما بیش ازیں ست کہ کافر ہو گئے ہو گے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا اچھا کیا ہو گئے ہر شخص آزاد ہے جو مذہب چاہے اختیار کرے مگر اس سے تعلقات دوستی و شرکت خورد و نوش کے کیوں قطع ہو گئے کھاؤ۔ کھانا کھایا بعد فراغت انہوں نے کہا میں چونکہ تمہارا دوست ہوں اس لئے ایک صلاح بتلاتا ہوں کہ تم مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی سے مل آؤ۔ کہا میں ایسی فضول حرکت نہیں کرتا وہ ملا آدمی وہ میرے اشکالات فلسفیہ کا کیا جواب دیں گے ایک بات میں خاموش کر دوں گا انہوں نے کہا کیا حرج ہے تم چلے جاؤ میری خاطر سے فضول ہی حرکت کر لو وہ راضی ہو گئے اور چلے۔ راستہ بھر میں خوب اعتراضات جمع کئے جب وہاں پہنچے سلام کیا اب ان وساوس وشبہات واشکالات کو دیکھتے ہیں تو سب رخصت